حمایت الصلوٰۃ
مؤلف
مولانا محمد عظیم صاحب علیہ الرحمہ
برائے ایصال ثواب
محترم محمد عبدالغفور ہاشمی صاحب مرحوم (غیار)
ناشر
مجلس اشاعت العلوم
جامعہ نظامیہ حیدرآباد ہند

اسرار الصلوٰۃ

یعنی

نماز کے اسرار

عرض حال یا سبب تالیف کتاب

مقدس دین اسلام الٰہی حکمتوں کا منبع اور اس کے علوم و اسرار کا مخزن ہے۔ انسانی عقل اس کے مقابلہ میں کیا چیز ہے۔ پس جب تک انسان خالق عقول کے علم و حکمت کے ماتحت ہو کر چلے اس کا اور اس کی عقل کا کمال ہے۔ اس سے علیحدگی میں انسان کا ادبار و زوال ہے۔ کیونکہ اسلام پاک خدائے ذوالجلال کی قدرت اور اس کے علم و صنع کا آئینہ ہے۔ عقول سلیمہ ہر وقت احکام الٰہی کے سامنے اور ارشادات خداوندی کے آگے سر تسلیم خم کرنے کو تیار ہیں کیونکہ اس کے پاک قانون اور مقدس دین اسلام کے سب احکام بڑی حکمتوں اور مصلحتوں پر شامل اور حقائق حقہ و معارف دقیقہ و اسرارِ انیقہ سے مالا مال ہیں۔ احکام الٰہی کی روشنی سے اگر انسان ذرا اِدھر اُدھر ہو جائے تو دینی اُمور میں اس کی عقل و قیاس حیران و سرگرداں ہو جاتے ہیں۔ اس لئے مومن باللہ کو سوا اطاعت و تصدیق کے دوسرا کام نہیں ہوتا جہاں الٰہی حکم کا نام آیا، اس نے اپنی گردن جھکا دی۔

خدا کی قدرت! زمانے نے عجیب پلٹا کھایا ہے۔ ایک تو وہ وقت تھا کہ جب کسی مومن و مسلم کے سامنے صرف خدائے پاک اور اس کے رسول برحق حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام نامی و اسمِ گرامی کسی مسئلہ میں آجاتا تھا تو وہ مطمئن ہوجاتا اور اس کی تصدیق و تعمیل کو اپنے اوپر فرض سمجھ لیتا تھا۔ اس کو اس کے اسناد و دلائل تلاش کرنے کی ضرورت نہ تھی۔ بلکہ اس کے حال کا یہ شعر سچا شاہد تھا۔

عاشقاں راچہ کار باتحقیق ہر کُجا نامِ اوست قُربا نیم

اور ایک آج یہ زمانہ ہے کہ اگر مسلمان کے سامنے صرف قرآن شریف اور حدیث شریف کا نام لے دیا جائے۔ تو اس پر اتنا بھی اثر نہیں ہوتا جتنا کہ کسی معمولی حاکم یا ذی اثر آدمی کے حکم کا قول کا ہوتا ہے۔ یا عَجَبًا یاأ سَفَا

حقیقت یہ ہے کہ آج ایمان کا عالمگیر قحط پڑا ہوا ہے۔ زمانہ میں معقولیت کی ایسی ہوا چل رہی ہے کہ ہر ایک مسئلہ میں جب تک سامعین کو عقلی دلائل سے قائل نہ کیا جائے اور احکامِ شریعت کے اسرار و وجوہات بیان کر کے ان کی تسلی نہ کی جائے۔ لوگ عام طور پر مسائل ہی کا انکار کرنے بیٹھ جاتے ہیں۔ خواہ وہ مسئلے خدائے پاک کی مقدس اور آخری کامل کتاب (قرآن مجید) اور اس کے رسول کامل نبی آخرالزماں صلی اللہ علیہ وسلم نے بار بار بوضاحت بیان فرمائے ہوں۔ بہت سے نئی روشنی کے دلدادہ لوگ تو اس بلا میں گرفتار ہیں کہ نہ تو وہ خود احکام و علوم شریعت سیکھنے کی کوشش کرتے ہیں اور نہ جاننے والوں (یعنی علمائے دین) کے پاس پھٹکتے ہیں اور نہ ان مسائل کی کتابوں کے مطالعہ کی ان کو فرصت اور ضرورت ہے۔ اس خرابی کا یہ نتیجہ ہے کہ ایسے لوگ عام طور پر نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ وغیرہ احکام شریعت کو غیر معقول سمجھ کر ان سے بالکل بے پرواہ ہو رہے ہیں وہ اپنی عقل و دانش کو خواہ وہ کیسی ہی ادنیٰ و ناقص ہو، معیارِ دین و مذہب قرار دے کر کہنے لگتے ہیں کہ جب تک کوئی مسئلہ ہماری سمجھ میں نہ آئے ہم کیونکر اس کو ماننے اور کرنے پر مجبور کئے جاسکتے ہیں۔

اس میں کچھ شک نہیں کہ جو شخص اپنے مذہب یا اس کے کسی مسئلہ کی نسبت یہ کہے کہ اس کی وجہ یا اس کی حقیقت انسان کی عقل و سمجھ سے بالاتر ہونے کے باعث صرف خدا ہی کو معلوم ہے تو بلاریب اس کا مذہب غلط یا بالکل کمزور اور ادنیٰ درجہ کا ہے۔ مگر مقدس دینِ اسلام تو وہ جامع اور کامل مذہب ہے جس کا خطاب عقل سلیم سے ہے۔ اسلام پاک ہی دنیا میں ایک واحد مذہب ہے کہ جس کا کوئی مسئلہ بھی خلافِ عقل و فطرت انسان نہیں کیونکہ وہ عام طور پر دقیق باتوں کے سمجھانے کے واسطے معقولات و مشاہدات کی طرف نظر کرنے اور عقلی دلائل و شواہد سے کام لینے کی طرف توجہ دلاتا ہے اور پکار کر کہتا ہے ﴿ان فی ذلک لایت لقوم یعقلون﴾ (الرعد:۴) عقلمندوں کے لئے اس میں بلاشبہ نشانیاں موجود ہیں۔

خدائے پاک کا آخری پیام اور کامل صحیفہ قرآن مقدس جابجا بار بار لوگوں کو ان الفاظ اور عبارات سے مخاطب کرتا ہے لعلکم تتفکرون . (تاکہ تم فکر کرو یعنی سوچو)

لعلکم تعقلون (شاید کہ تم عقل سے کام لو)

لعلکم تعلمون (تاکہ تم مانو)

یا اولی الالباب (اے عقلمندو)

وغیرہ وغیرہ۔ اس پاک کتاب نے جس مسئلہ کی تردید یا تائید کی ہے، عقلی دلائل سے کی ہے۔ تمام احکام و مسائل کے بیان کے ساتھ ان کے اسرار و فوائد، ان کی حکمتوں اور مصلحتوں کو بھی ساتھ ساتھ واضح فرما دیا ہے۔ یقیناً قرآن کریم میں کوئی مسئلہ ایسا نہیں ہے جس میں اس کے امر و نہی کی دلیل ساتھ ہی نہ بیان کی گئی ہو۔

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تو کھلے لفظوں میں فرمادیا:

دین المرء عقله، من لاعقل له لادین له ۔آدمی کا دین اس کی عقل ہے، جس کو عقل نہیں اس کے دین کا کوئی اعتبار نہیں''۔

حدیثوں میں عام طور پر استدلال کا طریق بالکل عقلی ہے۔ لیکن جہالت اور نافہمی کا

ستیاناس ہو کہ وہ بنا سوچے سمجھے جو چاہے زبان سے نکلوا دیتی ہے۔ کالجوں اور اسکولوں کے نوجوانوں اور بچوں میں یہ مرض عام طور پر ترقی کر گیا ہے کہ وہ احکام اسلام کو صرف ایک عقیدہ کی بات یا خلاف عقل و حکمت سمجھتے ہیں۔ یہ ان طالب علموں ہی کا قصور نہیں عام طور پر تو ان کے والدین اور ان کے استادوں کا ہے کہ جو ان کو علوم دین و احکام اسلام سے جاہل و ناواقف رکھتے ہیں۔

اندریں حالات ضرورت ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اُمت کے ننھے ننھے بچوں اور ہونہار نوجوانوں کو جو سرکاری مدارس اور کالجوں میں تعلیم پاتے ہیں، مسائل شریعت کی حقیقت، احکامِ دین کی حکمتوں، مسائل اسلام کی مصلحتوں غرض کہ سب ارکان و فرائض سنن و واجبات وغیرہ کے اسرار و نکات سے واقف و خبردار کیا جائے تا کہ وہ آئین شریعت کی عزت و حرمت کرنا سیکھیں۔ تبلیغ و اشاعت اسلام کا بھی یہ ایک بہترین اور صحیح راستہ ہے کہ مسائل و احکام اسلام کو معقولیت کے رنگ میں دنیا کے سامنے پیش کیا جائے تا کہ لوگوں کو اسلامی احکام کی حقیقت و ماہیت معلوم ہونے کے بعد وہ اسلام پاک کی عظمت کو جاننے لگیں۔

افسوس ہے کہ ابھی تک سر برآوردہ گروہ نے اس کا احساس نہ ہونے کی وجہ سے ادھر توجہ نہیں کی۔ ایک آدھ دینیات کا رسالہ یا مسائل کی چھوٹی موٹی ایک آدھ کتاب سے جو مدارس میں شریک نصاب ہے اس سے کوئی مقصد پورا نہیں ہوسکتا بلکہ اس کی ضرورت ہے کہ ان اسلام کے ننھے ننھے پودوں کو الحاد اور دہریت کی گرم ہوا سے بچانے کا معقول انتظام کیا جائے۔

مقدس دین اسلام میں نماز ایک ایسا اہم اور عظیم الشان رکن ہے جس کے فضائل و برکات جس کے احکام و مسائل کے متعلق جتنی کتابیں اور جس قدر رسالے تصنیف یا تالیف کئے گئے ہیں اتنے کسی دوسرے رکن یا مسئلہ کے متعلق نہیں لکھے گئے۔ بڑی چھوٹی کتابیں جو عام طور پر کئی زبانوں میں نماز کے متعلق تحریر ہوئیں۔ اگر ان کو کوئی شمار کرے تو یقیناً ہزاروں تک نوبت پہنچے گی۔ عربی، فارسی، اُردو زبانوں میں اس وقت سینکڑوں رسالے اور کتابیں لکھی ہوئی ہر جگہ مل سکتی ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ عالم اسلام میں نماز کی کس قدر اہمیت اور ضرورت تسلیم کی گئی ہے۔

ان تمام رسالوں اور کتابوں میں عام طور پر نماز کے فقہی مسائل اوران کے استدلال اور دلائل پر بحث کی گئی ہے۔ان کے ماخذ قرآن مجید وحدیث شریف اور فقہ سے تلاش کرنے میں بیحد کوشش ومحنت کی گئی ہے۔اسی محنت وتلاش کا نتیجہ ہے کہ نماز کے ہر ایک مسئلہ کے متعلق خواہ وہ کیسا ہی باریک اور ادق کیوں نہ ہو، عام طور پر کتابوں میں اس کا جواب اور حل ملتا ہے اور یہ دعویٰ سے کہا جا سکتا ہے کہ اب نماز کا کوئی فقہی مسئلہ ایسا باقی نہیں ہے کہ جس کا حل علمائے کرام نے نہ لکھ دیا ہو۔اللہ تعالیٰ ان بزرگوں کی اس محنت اور سعی کو قبول فرمائے اور زادِ آخرت بنائے۔

لیکن نماز کے ایک ضروری حصہ کی طرف آج تک بہت کم توجہ لی گئی ہے۔اس کی کوئی وجہ ہو۔مگر اس میں کلام نہیں کہ عام طور پر یا تو اس ضرورت کا احساس نہیں کیا گیا یا فی الواقع اس کی ضرورت شدید پیش نہیں آئی۔وہ یہ ہے کہ نماز کے ارکان وشرائط اس کے فرائض وواجبات سنن ومستحبات یا دیگر مسائل نماز کی حقیقت اوران کے اسرار وفوائد لوگوں کے فہم وفراست عقل و دانش کے لحاظ سے بیان کئے جاتے تاکہ ان پر عمل کرنے میں ایک قسم کی ہمت وجرأت پیدا ہوتی۔

یہ ضروری حصہ جس قدر اہم تھا۔افسوس ہے کہ اسی قدر اس سے بے پروائی کی گئی بلکہ عام طور پر تو یہی سمجھا جاتا ہے کہ احکام نماز کی لِم اور حقیقت تلاش کرنے والوں کا ایمان کمزور ہوتا ہے۔اسی سبب سے اگر کوئی کسی مسئلہ کی وجہ پوچھے تو اکثر لوگ بگڑ کر کہنے لگتے ہیں کہ مسائل کی حقیقت یا وجہ پوچھنا بداعتقاد لوگوں کا کام ہے۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ مسائل کی وجہ اور لم، ان کی حکمت ومصلحت، ان کے اسرار وفوائد جب آدمی اپنی عقل اور سمجھ سے معلوم کر لیتا ہے۔تو اس میں ایک خاص کیفیت اور لذت پیدا ہوتی ہے اور انسان دلی شوق اور رغبت سے اس پر عمل کرنے کی کوشش کرتا ہے، کسی مسئلہ کی حقیقت جب عقل کے مطابق سمجھ میں آجاتی ہے تو ایمان اور بھی قوی اور مضبوط ہو جاتا ہے۔

اطمینان قلب حاصل ہونے کے بعد جو عمل کی قوت انسان میں پیدا ہوتی ہے وہ بے سمجھی کی حالت میں پیدا نہیں ہو سکتی۔مذبذب ومتزلزل عقیدہ کے لوگ کبھی میدان عمل میں جرأت سے قدم نہیں

رکھ سکتے۔ یہی وجہ ہے کہ اکثر مدارس کے تعلیم یافتہ گریجویٹوں اور پروفیسروں یا دیگر معلموں کو جن کو مذہبی تعلیم پانے کا موقع نہیں ملا، احکام شریعت میں سست دیکھا جاتا ہے۔ وہ ارکان اسلام سے بہت غافل و آزاد نظر آتے ہیں۔ جب ان کا اپنا یہ حال ہے تو ان کے شاگردوں اور تربیت یافتوں کی کیا حالت ہوگی۔ اگر یہ حضرات خود علوم دین اور اسرار احکام شریعت سے واقف ہوتے تو آج ان کی ایسی قابل رحم دینی اور ایمانی حالت نہ ہوتی۔

الحاصل آج کل کے علمی انکشافات اور عقلی معلومات کے زمانہ میں جبکہ تمام طبائع پر یہ رنگ غالب آچکا ہے کہ جب تک کسی مسئلہ کی حقیقت عقلی سانچہ میں ڈھال کر پیش نہ کی جائے کوئی شخص اس کے سننے اور قدر کرنے یا اس پر عمل پیرا ہونے کو تیار نہیں ہوتا بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ اس مسئلہ کی حقیقت خدا کو معلوم ہے تو جواب ملتا ہے کہ ایسے خلاف عقل ڈھکوسلوں کے سننے کی ضرورت نہیں۔ پس ایسے نازک وقت میں علمائے اسلام کو بے حد ضرورت ہے کہ دین کے مسائل اور احکام کو ان کی اپنی اصلی حالت پر قائم رکھ کر ان کی حقیقت اور لم ان کا فلسفہ اور ان کے فائدے عام فہم اور دلنشین پیرایہ میں لوگوں کے سامنے پیش کیا کریں۔

ہم یہ تو نہیں کہہ سکتے کہ اس ضروری چیز کی طرف آج تک کسی نے توجہ نہیں کی۔ بعض اللہ کے بندوں نے اکثر مسائل کو معقولیت کے رنگ میں لانے کی کوشش ضرور کی ہے مگر حالت یہ ہے کہ جن دلائل سے کام لیا گیا ہے نہ وہ اس زمانے میں کام دے سکتے ہیں یا بعضوں نے کچھ لکھا تو اس کو بالکل تصوف کے رنگ میں لے گئے اور ایسے وجوہات بیان کئے کہ جو عام عقول سے مافوق ہیں۔ یا بعض حضرات نے چند مسائل کو جمع تو کیا مگر بے سلسلہ اور بے ترتیب اور مسائل کو اپنی حیثیت سے گرا کر خلاف مسلک سلف صالحین و علمائے متقدمین یا مخالف مذہب اہل السنّت والجماعت لکھا جس کا لکھنا بجائے فائدے کے اُلٹا نقصان رساں ہوا۔ لوگوں کے دلوں سے مسائل کی عزت و عظمت نکلنے لگی اور آزادانہ روش پر چلنے لگے اور ہم کہہ سکتے ہیں کہ اگر آج ان مسائل کا کہیں چرچا یا ذکر ہے تو صرف انھیں لوگوں میں ہے کہ جن کو عام مسلمان عقائد کے لحاظ

سے عام طور پر کچھ اچھا نہیں سمجھتے۔

بعض مستند علماء نے ان مسائل کو اگر کسی خاص کتابی شکل میں لکھا ہے تو وہ کتاب یا تو دستیاب نہیں ہوسکتی یا عربی فارسی زبانوں میں ہونے کی وجہ سے عام لوگ ان کا مطالعہ نہیں کر سکتے اور نہ ایسی بڑی بڑی زبانوں کی کتابوں کا پڑھنا آسان ہے جب تک علمی استعداد اور کافی مہارت پیدا نہ ہو جائے جس طرح نماز کے فقہی مسائل اکثر چھوٹی بڑی کتابوں میں لکھے گئے ہیں۔ اسی صورت میں نماز کے اسرار و حقائق معارف و نکات کے لکھنے کی ضرورت تھی تا کہ ہر خاص و عام اسے پڑھ کر فائدہ حاصل کر سکے۔

ہم نے اس دینی خدمت اور ضرورت کا احساس کر کے محض خدا کے توکل اور اس کی توفیق پر اس بڑے اہم کام کو شروع کیا۔ خدائے پاک کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے اپنی مہربانی اور بندہ نوازی سے اس اہم کام کا بہت بڑا حصہ پورا کر دیا۔ ہم نے اس کتاب میں تا بمقدور کوئی مسئلہ ادھورا نہیں چھوڑا۔ اور اگر کسی حکم الٰہی یعنی نماز کے کسی مسئلہ کی علت و حکمت کافی طور پر بیان نہ کی جا سکی ہو تو اس کی بھی دل و جان سے اطاعت کرنا ضروری ہے۔ اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ وہ مسئلہ فی الواقع غیر موجہ اور مہمل ہے۔ بلکہ یہ یقین رکھنا چاہیئے کہ وہ مسئلہ بھی ضرور واقع میں موجہ ہے البتہ اس کی وجہ تلاش کرنے کی ضرورت ہے۔ کیونکہ صرف نماز ہی پر کیا منحصر ہے۔ دوسرے ارکان اسلامی کے بھی کئی ایک ایسے مسائل ہیں جن کے وجوہات عقول عامہ کے لئے ہنوز تلاش طلب ہیں۔ اگر کوئی شخص ان مسائل کی نسبت یہ عذر کرے کہ ان کی حکمت و مصلحت ابھی تک سمجھ میں نہیں آئی۔ لہذا ان پر عمل کرنے کی ضرورت نہیں۔ اور ان پر عمل کرنے کا حکم جو دیا گیا ہے وہ عبث ہے تو یہ اس کا عذر ہرگز جائز اور صحیح نہیں ہوسکتا۔ دیکھو دنیا میں ہزارہا قسم کی بوٹیاں ہیں جن کے خواص سارے کے سارے اہل دنیا پر اب تک منکشف نہیں ہوئے۔ مگر عدم علم خواص الاشیاء سے یہ کہنا لازم نہیں آتا کہ جن بوٹیوں کے خواص ہم کو معلوم نہیں ہوئے وہ بے فائدہ عبث ہیں جس طرح ایک کامل طبیب کے کہنے سے ادویات پر بلا حقیقت دریافت کئے عمل

کیا جاتا ہے اسی طرح ان مسائل پر بھی عمل کرتے جانا چاہئے۔

ہم نے اس کتاب میں بہت سی باتوں کا لحاظ رکھا ہے اور خاص کر مندرجہ ذیل اُمور کو ملحوظ رکھ کر اس کو تالیف کیا گیا۔

۱۔ کوئی مسئلہ اہل سنت والجماعت کے مسلک کے خلاف نہیں لکھا۔

۲۔ فقہ کے سب مسائل مذہب حنفی کے موافق لکھے ہیں۔

۳۔ کسی مذہب کا رد یا اُس پر اعتراض نہیں کیا گیا۔ اختلافی مسائل میں علمائے احناف کے دلائل کو لکھ دیا ہے۔

۴۔ ہر ایک مسئلہ کی دلیل عقلی و نقلی بہت آسان اور واضح لفظوں میں لکھی ہے۔

۵۔ ہر ایک مسئلہ فقہ کی مستند کتابوں سے نقل کیا گیا ہے۔

۶۔ حدیثیں اکثر صحاح ستہ اور دیگر حدیث کی معتبر کتابوں سے نقل کی ہیں۔

۷۔ جس کتاب سے کوئی مسئلہ یا حدیث یا عبارت نقل کی گئی ہے، اس کا حوالہ بھی ساتھ ہی لکھ دیا ہے۔

۸۔ ہر ایک مسئلہ کے عقلی دلائل اور اسرار لکھنے میں حتی الوسع کوشش کی ہے کہ اس کا ماخذ یا شاہد قرآن مجید ہو یا حدیث شریف۔

۹۔ بہت کم ایسے دلائل لکھے ہیں کہ جن کی سند احادیث سے نہیں لی گئی۔

۱۰۔ ایسے دلائل و وجوہات جو بہت مشکل اور ادق ہونے کی وجہ سے عام طور پر لوگ نہ سمجھ سکتے تھے، قصداً چھوڑ دیئے گئے ہیں۔

۱۱۔ فقہ کے مسائل جن کی عام طور پر ہر نمازی کو ضرورت رہا کرتی ہے۔ وہ قریباً سب کے سب لکھ دیئے گئے ہیں۔ گویا اس کتاب کی موجودگی میں نماز کے عام مسائل کے لئے کسی دوسری کتاب کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔

۱۲۔ پہلے فقہی مسائل لکھنے کے بعد ساتھ ہی اس کی وجہ۔ راز اور حقیقت لکھی ہے تا کہ مسئلہ

کے ساتھ ہی اس کے اسرار ذہن نشین ہو جائیں۔

۱۳۔ فقہ حنفی کے جن بعض مسائل پر بعض لوگ اعتراض کرتے ہیں، ان کے جواب بھی بلا مناظرانہ پہلو لئے ہوئے لکھے گئے ہیں تاکہ مخالفین کو معلوم ہو جائے کہ اس مسئلہ میں حنفیہ کا ماخذ کیا ہے۔

۱۴۔ عام طور پر مسلمانوں میں جن اصلاحی اُمور کی ضرورت ہے ان کو اصلاحی ضرورت میں آزادانہ طریق سے لکھ دیا ہے تاکہ وہ ان کی ضرورت کا احساس کریں۔

۱۵۔ مخالفین اسلام جن مسائل پر اپنی غلطی سے کچھ سوالات یا اعتراضات کیا کرتے ہیں، ان کا خاص طور پر وضاحت کے ساتھ حل کر دیا ہے تاکہ آئندہ کو کسی کے لئے اعتراض کا محل وموقع باقی نہ رہ جائے۔

قارئین کرام ان ابواب پر غور کرنے سے اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اس کتاب کے تالیف کرنے میں ہم کو کس قدر محنت اور تلاش کی زحمت اُٹھانی پڑی ہے اور کس قدر ضخیم کتابوں کے ورق اُلٹنے پڑے ہیں۔ اس کتاب میں ہم کو بخاری و مسلم و مشکوٰۃ، ابن ماجہ، ابوداؤد، کنز العمال، حجۃ اللہ البالغہ، خیر المواعظ، احسن المواعظ، اسرار شریعت، علم الفقہ، دُرِّ مختار، ردالمختار، مراقی الفلاح وغیرہ کتابوں سے خاص طور پر مدد ملی ہے۔ انہی کتابوں پر منحصر نہیں ہے۔ بلکہ درحقیقت ہماری برسوں کی محنت اور جانفشانی کا نتیجہ ہے جو اس کتاب کی صورت میں شائع کیا جا رہا ہے۔

اس مجموعہ کے دو حصے ہیں۔ پہلے حصے کا نام **اسرار الصلوٰۃ** ہے۔ جس میں نماز کے تمام مسائل کے اسرار و نکات بیان کئے گئے ہیں۔ اور دوسرے حصہ کا نام **حقیقۃ الصلوٰۃ** ہے جس میں نماز کی حقیقت اس کے فوائد و ثمرات اس کے روحانی کمالات و مراتب کا بیان ہے۔ دعا ہے کہ خداوند عالم اس کو قبول فرما کر عام وخاص کو اس سے نفع بخشے امین۔

O-O-O

آغاز کتاب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمدللہ رب العالمین و العاقبۃ للمتقین و الصلوٰۃ و السلام علی رسولہٖ سیدالمرسلین سیدنا شفیعنا و مولانا محمد وعلیٰ الہ و اصحابہ اجمعین

نماز کی تعریف

مقدس دین اسلام میں نماز ایک ایسی شئے ہے کہ جس پر اسلام کا دارو مدار ہے۔ نماز اسلام کا سب سے بڑا رکن اور سب عبادتوں میں بڑی عبادت ہے۔ خدائے پاک کی مقدس کتاب (قرآن مجید) میں نماز کا ذکر بہت سی جگہوں میں آیا ہے۔ کہیں نماز کی تاکید کہیں اس کے پڑھنے کا حکم، کہیں مسلمان نمازیوں کی تعریف، کہیں ترک نماز پر وعید، کہیں نماز کے احکام کا بیان، کہیں بے نمازوں کے عذاب کا ذکر فرمایا گیا ہے۔

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی جس قدر فضائل ومحامد نماز کے بیان فرمائے ہیں، وہ کسی دوسری عبادت کے لئے نہیں فرمائے۔ حالانکہ اسلام پاک کے باقی ارکان (روزہ۔ حج۔ زکوٰۃ وغیرہ) بھی ہیں مگران کی نسبت اس قدر شدید تاکید نہیں ہوئی اور اس قسم کے بکثرت عذاب وثواب بھی بیان نہیں ہوئے۔ جس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ نماز سب عبادتوں میں افضل واعلیٰ اور سب سے بڑی محمود عبادت ہے۔

۲۔ نماز کے سواء باقی اور جتنے ارکان ہیں کسی میں فرائض کے سوا شریعت حقّہ کی طرف سے سنن وغیرہ مقرر نہیں۔ اپنی خوشی سے اگر کوئی فرض کے علاوہ ان عبادتوں کو بھی کرے تو اس کا اختیار ہے۔ روزہ کو لیجئے۔ ماہ رمضان کے بعد اگر ایک روزہ بھی نہ رکھا جائے تو کچھ مواخذہ

نہیں۔ زکوٰۃ کو دیکھئے جس قدر فرض ہے اس کے ادا کردینے کے بعد اگر ایک پیسہ بھی کسی محتاج کو نہ دیا جائے تو شرع شریف کی طرف سے کچھ تعرض نہیں۔ حج کی بھی یہی کیفیت ہے۔ ایک مرتبہ فرض ادا ہو جانے کے بعد تمام عمر میں پھر اگر کبھی دوسری مرتبہ حج نہ کیا جائے تو کچھ گناہ نہیں۔ مگر نمازوں میں اگر صرف فرائض ادا کئے جائیں اور سنتیں نہ پڑھی جائیں تو گناہ ہے۔ یہ اس امر کی کافی شہادت ہے کہ نماز ایک ایسی عبادت ہے کہ جو خدائے قدوس کو سب عبادتوں سے زیادہ پسند اور پیاری ہے۔

(۳) حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی نماز ہی سب سے زیادہ پیاری تھی۔ نماز پڑھنے میں جس قدر آپ کو مسرت اور فرحت پہنچتی ہے۔ اس قدر کسی دوسری عبادت میں کبھی نہ ہوتی تھی اسی وجہ آپ نے فرمایا و قرۃ عینی فی الصلوٰۃ (ترمذی شریف) ''میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے''۔

جس کا مقصد یہ ہے کہ نماز سے بڑھ کر مجھ کو کوئی چیز پیاری نہیں۔

(۴) نماز کے سواء اور عبادتوں میں دوسرے مذاہب والے بھی شریک ہیں۔ قریش مکہ کفر کی حالت میں حج کرتے تھے۔ محرم وغیرہ کا روزہ جاہلیت کے زمانہ سے مکہ کے کافر رکھتے چلے آتے تھے۔ کافر خیرات بھی (جو ہمشکل زکوٰۃ ہے) برابر کرتے تھے۔ اسلام پاک کے آنے کے بعد مسلمان بھی تھوڑی سی اصلاح کے ساتھ انھیں افعال میں شریک ہو گئے۔ البتہ نماز قریش کے کافروں میں نہ تھی۔ یہ ایک نیا طریقہ عبادت کا تھا۔ جسے کافر نہ جانتے تھے اور ان کی طبیعتیں اس قسم کی عبادت کی خوگر بھی نہ تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ کافر اور مومن میں ایک امتیازی علامت قرار پائی۔

(۵) خدائے پاک نے ہر عاقل بالغ مرد و عورت امیر و غریب سب آدمیوں پر روزانہ پانچ وقت کی نماز فرض کی ہے۔ جو شخص نماز کو فرض نہ جانے وہ کافر ہے اور جو فرض جان کر ادا نہ کرے وہ سخت گنہگار ہے۔

(۶) نماز حقیقت میں ایک ایسی عظیم الشان عبادت ہے کہ جس نے تمام جہان کے لوگوں کو محو حیرت بنا دیا۔ کفار تک اس کی عظمت کے قائل ہو گئے اور سمجھنے لگے کہ اس سے بہتر کامل اور جامع عبادت کا طریقہ کوئی اور نہیں۔ اسی وجہ سے قرآن کریم نے اس پر جتنا زور دیا کسی دوسری عبادت کے واسطے نہیں دیا۔

(۷) نماز میں بندے کا پورے طور پر بندہ ہونا۔ اور مولا کا مولا ہونا ظاہر ہوتا ہے۔ زبان سے، کلمات سے، ہاتھ سے، پاؤں سے، رکوع سے، سجدے سے، عاجزی وانکساری سے، خشوع وخضوع سے۔ غرض کہ ہر ایک رکن وشرط نماز سے۔ رب العزت اور اس کی تعظیم اور ادب اور بزرگی اور بندگی کا عجز و نیاز ظاہر ہوتا ہے جو کسی دوسری عبادت میں اس قدر مہتم بالشان طریقے سے واضح نہیں ہوتا۔ اسی وجہ سے خدائے پاک نے نماز کو سب عبادتوں سے زیادہ پسند فرمایا اور دوست رکھا۔

(۸) حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز ہی کو سب عبادتوں سے افضل قرار دیا جس کی وجہ سے علمائے کاملین نے لکھا ہے کہ نماز کا رتبہ جہاد سے بھی زیادہ ہے اور قیامت کے دن سب عملوں سے پہلے نماز کا حساب ہوگا۔ نمازی، انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین کے ہمراہ ہوں گے۔ اور بے نماز لوگ فرعون، ہامان، قارون اور نمرود وغیرہ بڑے بڑے منکروں کے ساتھ اُٹھیں گے۔

(۹) حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک مرتبہ ایک اعرابی نے پوچھا۔ مجھے کوئی ایسا عمل بتا دیجئے جس سے میں بہشت بریں کا مستحق ہو جاؤں اور عذاب دوزخ سے رہائی پا جاؤں۔ تو آپؐ نے فرمایا کہ پانچ وقت کی نماز پڑھا کرو اور رمضان کے روزے رکھا[1] کرو۔ اعرابی سن کر بہت خوش ہوا اور فرطِ خوشی میں کہنے لگا کہ خدا کی قسم نہ زائد کروں گا اس سے نہ کم۔

[1] اس حدیث میں حج وزکوٰۃ کا اس واسطے ذکر آپ نے نہیں فرمایا کہ وہ اعرابی غریب تھا جس پر صرف نماز وروزہ ہی فرض تھا۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ (مؤلف)

جب وہ چلا گیا تو آپ نے فرمایا کہ اگر تم کو جنتی کے دیکھنے کا شوق ہو تو اسے دیکھ لو۔

(۱۰) نماز کی فضیلت کے لئے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جس زمین پر نماز پڑھی جاتی ہے، وہ زمین کا ٹکڑا اپنی چاروں طرف والی زمین کے سامنے فخر کرتا ہے اور بہت خوش ہو کر اس نعمت کا اظہار کرتا ہے۔ پھر اسی طرح زمین کا یہ ٹکڑا (جہاں نماز پڑھی گئی ہے) یہاں سے لے کر ساتویں زمین تک اپنی پاس والی زمین پر فخر کرتا چلا جاتا ہے اور زمین سے لے کر تحت الثریٰ تک یہ ٹکڑا معزز اور مکرم ہو جاتا ہے۔ (کنز العمال)

(۱۱) حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ نمازی کیلئے تین کرامتیں ہیں۔ پہلی یہ کہ جب وہ نماز کے لئے کھڑا ہوتا ہے تو اس کے سر سے لے کر آسمان تک رحمتِ الٰہی کی گھٹا چھا جاتی ہے۔ نیکیاں مینہ کی طرح برسائی جاتی ہیں۔ دوسری یہ کہ ملائکہ نمازی کے پیر سے لے کر آسمان تک اس کے چاروں طرف جمع ہو جاتے ہیں۔ اس کی زیارت کرتے ہیں۔ تیسری یہ کہ ایک فرشتہ پکارتا ہے۔ اے بندے نمازی اگر تو دیکھ لے کہ تیرے سامنے کون ہے اور تو کس سے باتیں کر رہا ہے تو خدا کی قسم تو قیامت تک نماز کا سلام نہ پھیرے۔ نماز ہی میں مشغول رہتے رہتے مر جائے اور کبھی بس نہ کرے۔ (تنبیہ فقیہ ابی اللیث)

(۱۲) نماز جنت کی کنجی ہے اور نماز کی کنجی طہارت ہے۔ جس طرح آدمی کا جسم آبدست[1] اور غسل اور وضو سے پاک ہوتا ہے اسی طرح روح بھی نماز کی بدولت گناہوں کی میل کچیل سے پاک و صاف ہو کر نورانی ہو جاتی ہے۔ قیامت کے دن وضو کے سبب نمازیوں کے منہ اور ہاتھ اور پاؤں چودھویں رات کے چاند کی طرح روشن ہونگے۔ یہی نشانی دیکھ کر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اُمت کو پہچانیں گے اور حوض کوثر کا پانی پلائیں گے۔ بے نمازوں کے چہروں پر یہ نور نہ ہوگا۔ وہ شرمندہ ہوں گے۔

(۱۳) انہی وجوہات سے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دمِ واپسیں بھی یہی

---

[1] استنجاء

وصیت فرمائی ''ایھا الناس الصلوٰۃ الصلوٰۃ'' لوگو! خبردار نماز کی بڑی حفاظت کرنا''۔ آپ جب دنیا میں بقید حیات ظاہری رونق افروز رہے۔ خود بھی بذاتِ مقدس نماز کی حفاظت کرتے رہے اور اپنے صحابہ کو بھی تاکید فرماتے رہے۔ اور پھر آخری وقت بھی نماز کی پابندی کی ہدایت فرمائی جس سے نماز کی اہمیت اور فضیلت ظاہر ہوگئی۔

(۱۴) نماز کا چھوڑ دینا سخت گناہ ہے۔ قرآن کریم میں ہے کہ جب بے نماز دوزخ میں گریں گے تو جنت والے ان سے پوچھیں گے کہ تم کس گناہ کی شامت سے دوزخ میں گرے؟ وہ جواب دیں گے کہ ہم[1] نہ تو نماز پڑھتے تھے، نہ مسکینوں کو کھانا کھلاتے تھے بلکہ ہم نصیحت کرنے والوں سے حجتیں کیا کرتے تھے اور قیامت کے دن کو بھی جھوٹ سمجھتے تھے۔

(۱۵) نماز کے متعلق جس قدر فضائل قرآن کریم اور احادیث میں آئے ہیں ان سب کا ماحصل یہ ہے کہ نماز اسلام پاک کا ایک رکن اعظم ہے۔ اسلام میں نماز کی سخت تاکید ہے۔ نماز ہر مسلمان عاقل بالغ پر دن رات میں پانچ مرتبہ فرض ہے۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک نماز کا بہت بڑا رتبہ ہے۔ نماز کے عمل کو اور سب عملوں پر فضیلت حاصل ہے۔ نماز مومن کی زندگی اور اس کی جان ہے۔ نماز کل بدیوں اور برائیوں سے روکتی ہے۔ نماز انسان کو حقوق شناسی کا سبق سکھاتی ہے۔ نماز انسان کو ظاہری اور باطنی نجاستوں سے پاک کرتی ہے۔ نماز غافل انسان کو ہوشیار بناتی ہے۔ نماز انسان کے دل کی صفائی اور طہارت کا موجب ہے۔ نماز اُخوت اسلامی اور مساوات قومی کا ایک اعلیٰ درجہ کا نمونہ ہے۔ نماز آدمی کو ثقہ اور معتبر بناتی ہے۔ نماز سے آدمی کا بدن تندرست رہتا ہے۔ نمازی آدمی کی سب لوگ عزت کرتے ہیں۔ نماز سے انسان سب لوگوں میں مقبول و منظور ہو جاتا ہے۔

نماز انسان کے گناہوں کی معافی اور مغفرت کا سبب ہے۔ نماز سے مسلمان اور کافر میں امتیاز قائم ہوتا ہے۔ نماز سے مومن کی ہمت بندھتی اور جذبہ شجاعت پیدا ہوتا ہے۔ نماز

[1] یہ مضمون قرآن کریم کی سورۂ مدثر میں مذکور ہے۔ (مؤلف)

سے صبر اور استقلال کی قوت بڑھتی ہے۔ نماز خدائے پاک کے حضور میں کمال تذلل وانکساری کا اظہار ہے۔

نماز حقوق اللہ اور حقوق العباد کی حفاظت اور رعایت کرنا سکھلاتی ہے۔ نماز خدائے پاک کے ساتھ تعلقات کو قائم کرنے والی اور قوائے ملکوتیہ کی ترقی کا ذریعہ ہے۔ نماز انسان کو سب گناہوں سے بچالیتی ہے۔ نماز شیطان کے مکروں اور فریبوں سے بچنے کا سب سے بڑا علاج ہے۔ نماز ایک دعاء ہے جو درد وسوزش اور گداز قلب کے ساتھ خدائے پاک سے طلب کی جاتی ہے۔ نماز خدائے کریم کی منت و احسان کا اقرار اور اپنی ارادت وعبودیت کا اعتراف واظہار ہے۔

نماز ایک سوال ہے جو کہ انسان جدائی کے وقت درد اور رقت کے ساتھ اپنے خدا کے حضور میں کرتا ہے، تا کہ اس کو لقا اور وصول حاصل ہو۔ نماز روحانی غذا ہے جس سے انسانی روح کو قوت وطاقت ملتی ہے۔ نماز نفس امارۃ اور شیطان مردود پر غالب آنے کا سب سے بڑا ہتھیار ہے۔ نماز میں خدائے تعالیٰ کی نافرمانیوں سے روکنے اور باز رکھنے کی صفت ہے۔

نماز بد اخلاقیوں اور برائیوں سے روکنے کا مجرب نسخہ ہے کیونکہ نماز نفس امارۃ کے تغلب و استیلا سے بچاتی ہے۔ نماز تمدنی ترقی کا ذریعہ ہے۔ نماز اتفاق واتحاد کی جڑ ہے۔ نماز سے خوفِ خدا اور خشیت اللہ انسان کے دل میں پیدا ہو کر رحم دلی اور مروت پیدا ہوتی ہے۔ نماز کا رقیق القلب بنادینا ایک خاصہ ہے۔

نماز سے مرنے کا دھیان رہتا ہے۔ قیامت کا میدان آنکھوں کے سامنے پھرتا رہتا ہے۔ نماز فتوحات کی کلید ہے۔ نماز انسان کے دل پر خدائے پاک کی ہیبت وسطوت کا سکہ بٹھاتی ہے۔ نماز دیدارِ الٰہی کا ذریعہ ہے۔ نماز سے انسان، اللہ تعالیٰ کے قریب ہوجاتا ہے۔ نماز مومنوں کی روحانی معراج ہے۔

غرض کہ نماز دینی و دنیوی ظاہری و باطنی ہر قسم کے فائدوں کی جامع ہے۔ ہم نے ان

سب متذکرہ بالا اُمور کو اس کتاب کے دوسرے حصے حقیقۃ الصلوٰۃ (نماز کی حقیقت) میں مفصل طور پر لکھ دیا ہے۔ نماز کی حقیقت اور فضیلت کے کُل مسائل کو اس میں دیکھنے سے دل خود بخود اقرار کرنے لگتا ہے کہ مسلمان اگر نماز کی عزت و عظمت کو سمجھتے رہتے تو وہ دنیا کی تمام اقوام کی نگاہوں میں سب سے زیادہ معزز ومکرم اور واجب التعظیم مانے جاتے۔

نظم در تعریف نماز

جلوہ ہے خاص رحمت حق کا نماز میں | انوارِ قُدس کا ہے نظارا نماز میں
مولا سے اپنے ملتا ہے بندہ نماز میں | اُٹھ جاتا ہے جدائی کا پردا نماز میں
آ پہنچا خاص اپنے شہنشاہ کے حضور | جب بندہ ہاتھ باندھ کے آیا نماز میں
جب ہاتھ اُٹھائے باندھ کے نیت تو یوں سمجھو | دونوں جہاں سے ہاتھ اُٹھایا نماز میں
کیا جانے تو رکوع و سجود و قعود کو | ہے کن حقیقتوں کا اشارا نماز میں
الحمد کی شروع تو ہر کلمہ کا جواب | معبود ذوالجلال سے پایا نماز میں
حمد، ثنا، درود، وقرأت، دُعاء سلام | ہے جمع ہر طرح کا وظیفا نماز میں
مولا میں اور بندے میں رہتا نہیں حجاب | بے پردہ ہے تجلیٔ مولا نماز میں
مدہوش مست وخواب سحر میں ہے بے نماز | اور اُٹھ کے آیا عاشق مولا نماز میں
گر قبر کے اندھیرے سے ڈرتا ہے پڑھ نماز | ہے ظلمتِ لحد کا اُجالا نماز میں
نرمی سے کرتا ہے ملک الموت قبض جان | تلخیٔ موت کا ہے مداوا نماز میں
یہ قبر میں انیس یہ محشر میں ہو شفیع | عقبیٰ کی راحتیں ہیں سراپا نماز میں
رکھے گا سر بلند انھیں پاک بے نیاز | ہے جن کا سر نیاز سے جھکتا نماز میں
بیدل نماز کیوں نہ ہو معراج مومنین | پاتا عروج و قرب ہے بندہ نماز میں

نماز معہ ترجمہ نثر و نظم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تکبیر تحریمہ

اللہ اکبر (اللہ سب سے بڑا ہے)

خداوند عالم ہے سب سے بڑا　　ہے اوصاف میں اپنے کامل سدا

ثنا

سبحنک اللھم وبحمدک وتبارک اسمک و تعالی جدک و لا الہ غیــــرک ۔(اے اللہ تو پاک ہے اپنی تعریفوں کے ساتھ اور تیرا نام برکت والا ہے اور تیرا مرتبہ بلند ہے اور تیرے سوا کوئی معبود نہیں ہے

تیری ذات ہے پاک اے کبریا　　تیری شان اونچی ہے اے کبریا
مبارک تیرا نام ہے اے خدا　　ہے زیبا تجھے ساری حمد و ثنا
توئی ہے عبادت کے لائق خُدا　　نہیں کوئی معبود تیرے سوا

تعوذ

اعوذ بــاللہ مـن الشیـطـان الرجیم (میں پناہ مانگتا ہوں اللہ کے راندے ہوئے شیطان سے) ہے

میں شیطان مردود سے اے خُدا　　تیری ہی سدا مانگتا ہوں پناہ

تسمیہ

بســم اللہ الـرحـمن الرحیم (رحم والے بڑے مہربان اللہ کے نام سے شروع کرتا

ہوں ۔

میں لوں سب سے پہلے اسی ہی کا نام بہت جس کی ہے رحمت خاص و عام

سورۂ فاتحہ

﴿الحمدللہ رب العلمین ○ الرحمن الرحیم ○ ملک یوم الدین ○ ایّاک نعبد و ایاک نستعین ○ اھدنا الصراط المستقیم ○ صراط الذین انعمت علیھم غیر المغضوب علیھم ولا الضآلین ○﴾

تعریف اللہ کے واسطے ہے جو پروردگار عالمین ہے۔ بڑا مہربان ہے۔ نہایت رحم والا ہے۔ قیامت کے دن کا مالک ہے۔ اے اللہ! ہم تیری ہی بندگی کرتے ہیں اور تجھی سے مدد چاہتے ہیں۔ ہم کو سیدھی راہ چلا جن پر تیرا فضل ہے اُن کی راہ۔ نہ ایسی راہ جس پر تیرے غضب کے مارے اور گمراہ لوگ چلتے ہیں ۔

جہانوں کے صاحب کو حمد و ثناء جو ہے رحم و بخشش میں سب سے بڑا
قیامت کے دن کا ہے مالک وہی جو دیگا جزاء سب کو اعمال کی
تری ہی عبادت کریں اے خُدا تجھی سے مدد مانگتے ہیں سدا
دکھا ہم کو یا رب رہِ مستقیم ہمیں راہِ حق پر چلا اے کریم
تو اُن پاک لوگوں کا رستہ دکھا کہ جن پر سدا فضل تیرا ہوا
نہ اُن کا، ہوا جن پر تیرا غضب نہ گمراہوں کی راہ دکھا میرے رب

امین

ہماری دعاء کر قبول اے خُدا ہمارا نہیں کوئی تیرے سوا

سورۂ اخلاص

﴿قل ھو اللہ احد ○ اللہ الصمد ○ لم یلد ولم یولد ○ ولم یکن لہ کفوا احد ○﴾

تو کہہ کہ وہ اللہ ایک ہے۔ بے نیاز ہے۔ نہ جنا اور نہ جنایا گیا اور اُس کا ہمسر کوئی نہیں ہے۔

خدا ہے ہمارا وہ بس ایک ہی — جو ہے بے نیاز اور سب سے غنی
نہ بیٹا ہے اُس کا نہ ہے باپ ہی — برابر کا اُس کے نہیں ہے کوئی

تکبیر

اللہ اکبر (اللہ سب سے بڑا ہے)

خداوند عالم ہے سب سے بڑا — ہے اوصاف میں اپنی کامل سدا

رکوع کی تسبیح

سبحان ربی العظیم (میرا پروردگار عظیم پاک ہے)

بہت پاک ہے میرا پروردگار — کہ ہے جس کی عظمت سدا آشکار

تسمیع

سمع اللہ لمن حمدہ (جو اس کی تعریف کرتا ہے اللہ اس کو سنتا ہے)

کرے اُس کی جو شخص حمد و ثنا — وہ سنتا ہے اور جانتا ہے سدا

تحمید

ربنا لک الحمد (اے ہمارے پروردگار تعریف تیرے ہی لئے ہے)

تجھے ہی ہیں سب خوبیاں اے خدا — جو صاحب ہمارا ہے اے کبریا

سجدے کی تسبیح

سبحان ربی الاعلی (میرا پروردگار اعلیٰ پاک ہے)

بہت پاک ہے میرا پروردگار — کہ شانِ بلند اُس کی ہے آشکار

تشہد

التحیات للہ و الصلوت و الطیبات السلام علیک ایھا النبی و رحمۃ اللہ وبرکاتہ السلام علینا و علی عباداللہ الصّٰلحین - اشھد ان لا الہ الا اللہ و اشھد ان محمد اعبدہ و رسولہ -

عبادت قولیہ و بدنیہ و مالیہ سب اللہ کے لئے ہے۔ اے نبی سلام اور اللہ کی رحمت اور برکتیں آپ پر نازل ہوں۔ سلام ہم پر اور اللہ کے نیک بندوں پر۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ سوائے اللہ کے کوئی دوسرا معبود نہیں ہے۔ اور گواہی دیتا ہوں کہ محمدؐ اس کے بندے اور رسولؐ ہیں۔

عبادت ہے وہ سب خدا کیلئے — زباں سے ہو یا جسم یا مال سے
خدا کا ہو تجھ پر سلام اے نبی — ہو رحمت سدا اور برکات بھی
خدا کا ہو ہم پر ہمیشہ سلام — ہو اُن پر جو ہیں نیک بندے تمام
میں کرتا ہوں اقرار اس بات کا — نہیں کوئی معبود تیرے سوا
ہے دل سے مجھے یہ سخن بھی قبول — محمدؐ خدا کے ہیں عبد و رسولؐ

درود شریف

اللھم صل علی محمد و علی ال محمد کما صلیت علی ابراھیم و علی ال ابراھیم انک حمید مجید - اللھم بارک علی محمد و علی ال محمد کما بارکت علی ابراھیم - و علی ال ابراھیم انک حمید مجید - (اے اللہ رحمت بھیج محمدؐ پر اور آل محمدؐ پر جیسا کہ تو نے رحمت بھیجی ابراہیمؑ اور آلِ ابراہیم پر تو بے شک لائق حمد ہے اور بزرگ ہے اے اللہ برکت نازل کر محمدؐ اور آل محمدؐ پر جیسا کہ تو نے برکت نازل کی ابراہیمؑ اور آل ابراہیمؑ پر۔ تو بیشک لائق حمد ہے اور بزرگ ہے)۔

محمدؐ پہ رحمت تری اے خدا — ہو آل محمدؐ پہ رحمت سدا

خلیلؑ اللہ اور اُن کی سب آل پر — ہوئی جیسے رحمت تری سر بسر
تجھے ہی ہیں سب خوبیاں اے خدا — تری ہی بزرگی ہے اے کبریا
محمدؐ پہ اور ان کی سب آل پر — سدا برکتیں اپنی نازل تو کر
خلیل اللہ اور اُن کی سب آل پر — تری برکتیں جوں ہوئیں بیشتر
تجھے ہی ہیں سب خوبیاں اے خدا — تری ہی بزرگی ہے اے کبریا

درود شریف کے بعد کی دعا

﴿رب اجعلنی مقیم الصلوۃ ومن ذریتی ربنا وتقبل دعاء O ربنا اغفرلی ولوالدی وللمومنین یوم یقوم الحساب O﴾. (ابراھیم: ۴۰۔ ۴۱) (اے میرے پروردگار مجھ کو توفیق دے کہ میں نماز پڑھتا رہوں اور (نہ صرف مجھ کو بلکہ) میری اولاد کو (بھی) اور اے ہمارے پروردگار میری دعا قبول فرما۔ اے ہمارے پروردگار جس دن (اعمال کا) حساب ہونے لگے مجھ کو اور میرے ماں باپ اور (سب) ایمان والوں کو بخش دے۔

دے توفیق مجھ کو تو اے کبریا — کروں میں نمازوں کو دل سے ادا
تو توفیق دے میری اولاد کو — نمازوں سے ہرگز وہ غافل نہ ہو
میری تو دعا کر قبول اے خدا — تیرے بن نہیں سنتا کوئی دعا
مجھے بخش دے میرے پروردگار — قیامت کا دن جبکہ ہو آشکار
تو ماں باپ کو میرے بخش اے خدا — سبھی مومنوں کو بروز جزا

سلامِ نماز

السلام علیکم ورحمۃ اللہ (سلام اور اللہ کی رحمت تم پر)۔

خدا کا ہو تم پر ہمیشہ سلام — اور تم سب پہ رحمت خدا کی مدام

دعائے قنوت

اللھم انا نستعینک ونستغفرک ونومن بک ونتوکل علیک و نثنی علیک الخیر ونشکرک ولا نکفرک ونخلع ونترک من یفجرک – اللھم ایاک نعبد ولک نصلی ونسجد والیک نسعی و نحفد ونرجو رحمتک ونخشی عذابک ان عذابک بالکفار ملحق – اے اللہ ہم تجھی سے مدد مانگتے ہیں اور تجھ سے بخشائش چاہتے ہیں تجھ پر ایمان رکھتے ہیں اور تجھ پر بھروسہ کرتے ہیں اور تیری مبارک تعریف کرتے ہیں۔ تیرا شکر ادا کرتے ہیں۔ تیری ناشکری نہیں کرتے ہیں اور تیرے نافرمانوں کو الگ کرتے اور چھوڑ دیتے ہیں۔ اے اللہ ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تیری ہی نماز پڑھتے ہیں اور تجھی کو سجدہ کرتے ہیں اور تیری ہی طرف دوڑتے ہیں اور بندگی کرتے اور تیری رحمت کے امیدوار رہتے ہیں۔ تیرے عذاب سے ڈرتے ہیں یقیناً تیرا عذاب نافرمانوں کا شامل حال ہے۔

ہیں تجھ سے مدد مانگتے اے خدا ۔۔۔ تیری مغفرت چاہتے ہیں سدا

ہمارا ہے بیشک تجھی پر یقین ۔۔۔ تیرا ہی بھروسا ہمیں ہر کہیں

بیان کرتے ہیں ہم تیری خوبیاں ۔۔۔ ہے ہر دم ترا شکر ورد زباں

تیری نعمتوں کا نہ انکار ہے ۔۔۔ ہمیشہ تہہ دل سے اقرار ہے

جو منکر تیرے اور بدکار ہیں ۔۔۔ ہم ان سے الگ اور بیزار ہیں

خدایا عبادت کریں ہم تیری ۔۔۔ کہ لائق عبادت کے ہے بس توئی

تیری کرتے ہیں ہم نمازیں ادا ۔۔۔ رگڑتے ہیں سر کو زمیں پر سدا

تیری ہی طرف دوڑتے ہیں سدا ۔۔۔ لیا بار خدمت ہے سر پر اُٹھا

تیرے لطف کے ہم ہیں امیدوار ۔۔۔ تیرے دکھ سے ڈرتے ہیں اے کردگار

نماز کے بعد دعاء

اللھم انی اسئلک ایمانا مستقیما و فضلا دائماً ونظر رحمۃ وعقلا کاملا وعلما نافعا وقلبا منورا وتوفیقا احسانا وصبرا جمیلا واجرا عظیما ولسانا ذاکرا وبدنا صابرا و رزقا واسعا وسعیا مشکورا وذنبا مغفورا وعملا مقبولا و دعاء مستجابا ولقاء نصیبا وجنۃً فردوساً ونعیما مستقیما وصلی اللہ تعالیٰ علٰی خیر خلقہ محمد و الہ واصحابہ اجمعین برحمتک یا ارحم الراحمین ۔

اے اللہ میں تجھ سے مانگتا ہوں ایمان مستقیم (قائم رہنے والا) اور فضل دائم اور رحمت کی نظر، اور عقل کامل اور علم نفع دینے والا، اور دل پُر نور اور نیکی کرنے کی توفیق اور صبر جمیل، اور اجر عظیم اور زبان ذکر کرنے والی، اور بدن صبر کرنے والا، اور رزق کی فراخی اور کوشش کامیاب، اور گناہوں کی مغفرت اور عمل کی مقبولیت، اور دعا کی قبولیت، اور (قیامت میں) اپنا دیدار اور اپنی جنت ہمارے نصیب کر اور دوسری (تمام) نعمتیں ہم کو عطا کر اور اللہ کی رحمت ہو (حضرت) محمدؐ صلی اللہ علیہ وسلم پر جو تمام مخلوق سے بہتر ہیں اور ان کی آل پر اور سب اصحاب پر، اپنی رحمت سے اے ارحم الراحمین ۔

ہیں مانگتے تجھ سے ہم اے خدا — تو فضل و کرم سے ہمیں کر عطا
کہ ہم سب کا ایمان قائم رہے — تیرا فضل ہم سب پہ دائم رہے
نظر کر تو رحمت کی ہم پر خدا — تو کردے ہمیں عقل کامل عطا
ہمیں علم ایسا عطا کر الٰہ — کہ جس سے ہو انجام کا فائدہ
دلوں کو ہمارے تو پُرنور کر — انھیں نُور عرفاں سے معمور کر
ہمیں نیکی کرنے کی توفیق دے — کہ نیکی کریں جگ میں ہر ایک سے
عطا کر ہمیں ایسا صبر جمیل — ملے جس سے عقبیٰ میں اجر جزیل

زباں وہ عطا کر کہ ذاکر رہے | تیری نعمتوں کی وہ شاکر رہے
بدن ایسا ہم کو تو کردے عطا | ریاضت میں صابر رہے اے خدا
تو روزی ہمیں اس قدر کر عطا | کسی کے نہ محتاج ہو ویں ذرا
اگرچہ ہو کوشش ہماری قبول قلیل | تو منظور کر فضل سے اے جلیل
گناہ فضل سے اپنے کردے معاف | چلے جائیں دُنیا سے ہم پاک صاف
ہمارے تو اعمال منظور کر | کہ مقبول ہوجائیں وہ سر بسر
ہماری دعاء کر قبول اے خدا | ترے بن نہیں سنتا کوئی دعاء
قیامت میں دیدار اپنا دکھا | بہشت بریں کر تو ہم کو عطا
ہمیں نعمتیں ایسی تو کر عطا | ابد تک وہ ہرگز نہ ہو ویں فنا
ہو خیرالبشر پر درودِ خدا | ہو آل اور اصحاب سب پر سدا
تو منظور کر میری یا رب دعا | کہ ہے سب سے ہی رحم تیرا بڑا

اصطلاحاتِ ضروریہ

فقہائے عظام کے نزدیک احکام الٰہی کے لحاظ سے بندوں کے افعال و اعمال کی آٹھ قسمیں ہیں۔ (۱) فرض (۲) واجب (۳) سنت (۴) مستحب (۵) حرام (۶) مکروہ تحریمی (۷) مکروہ تنزیہی (۸) مباح۔

(۱) فرض وہ فعل ہے جس کا وجوب دلیل قطعی سے ثابت ہو۔ اور اس کا بغیر عذر چھوڑنے والا فاسق اور عذاب کا مستحق ہوتا ہے اور جو اس کا انکار کرے کافر ہے۔

پھر اس کی دو قسمیں ہیں (۱) فرض عین (۲) فرض کفایہ۔

فرض عین وہ ہے کہ جس کا کرنا ہر ایک پر ضروری ہے اور جو کوئی بغیر عذر اس کا ترک کرے وہ مستحق عذاب اور فاسق ہے جیسے پنج وقتی نماز اور جمعہ کی نماز وغیرہ۔

فرض کفایہ وہ ہے جس کا کرنا ہر ایک پر ضروری نہیں بلکہ بعض لوگوں کے ادا کرنے سے ادا

ہو جائے گا اور اگر کوئی بھی ادا نہ کرے تو سب گنہگار رہوں گے جیسے جنازے کی نماز وغیرہ۔

(۲) واجب وہ فعل ہے جس کا وجوب دلیل ظنّی سے ثابت ہو اور اُس کا بلا عذر شدید ترک کرنے والا فاسق اور عذاب کا مستحق ہے۔ بشرطیکہ بغیر کسی تاویل اور شبہ کے چھوڑے اور جو اس کا انکار کرے فاسق ہے کافر نہیں۔

(۳) سنت وہ فعل ہے جس کو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یا خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم نے کیا ہو اور اُس کی دو قسمیں ہیں (۱) سنت مؤکدہ (۲) سنت غیر مؤکدہ

سنت مؤکدہ وہ فعل ہے جس کو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یا خلفائے راشدینؓ نے ہمیشہ کیا ہو اور بغیر کسی عذر کے کبھی ترک نہ کیا۔ لیکن ترک کرنے والے پر کسی قسم کا زجر اور تنبیہ نہ کی ہو۔ اس کا حکم بھی عمل کے اعتبار سے واجب ہے۔ یعنی بلا عذر چھوڑنے والا اور اس کی عادت کرنے والا فاسق اور گنہگار ہے اور اندیشہ ہے کہ ایسا شخص حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے محروم رہے۔ اللہ اس سے پناہ میں رکھے۔ ہاں اگر کبھی چھوٹ جائے تو مضائقہ نہیں مگر واجب کے چھوڑنے میں بہ نسبت ترک سنت کے گناہ زیادہ ہے۔

سنت غیر مؤکدہ وہ فعل ہے کہ جس کو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم یا خلفائے راشدینؓ نے اکثر کیا ہو اور بغیر کسی عذر کے کبھی ترک بھی کیا ہو۔ اُس کا کرنے والا ثواب کا مستحق ہے اور ترک کرنے والا عذاب کا مستحق نہیں۔ اور اس کو سنت زائدہ اور سنت عادیہ بھی کہتے ہیں۔

(۴) مستحب وہ فعل ہے جس کو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یا خلفاء راشدین نے کیا ہو لیکن ہمیشہ اور اکثر نہیں بلکہ کبھی کبھی اس کا کرنے والا ثواب کا مستحق ہے اور نہ کرنے والا گناہگار نہیں اور اس کو فقہاء کی اصطلاح میں نفل اور مندوب اور تطوّع بھی کہتے ہیں۔

(۵) حرام وہ فعل ہے جس کی ممانعت دلیل قطعی سے ثابت ہو۔ اس کا منکر کافر ہے۔ اور اس کا بے عذر نہ چھوڑنے والا فاسق اور عذاب کا مستحق ہے۔

(۶) مکروہ تحریمی وہ فعل ہے جس کی ممانعت دلیل ظنّی سے ثابت ہو۔ اس کا منکر اور

اس کا کرنے والا فاسق ہے اور اس کا بغیر عذر ترک نہ کرنے والا گنہگار اور عذاب کا مستحق ہے۔

(۷) مکروہ تنزیہی وہ فعل ہے جس کے نہ کرنے میں ثواب ہو اور کرنے میں عذاب نہ ہو۔

(۸) مباح وہ فعل ہے جس کے کرنے میں ثواب نہ ہو اور نہ کرنے میں عذاب نہ ہو۔

چونکہ اللہ تعالیٰ بندوں کے بعض افعال سے راضی اور بعض سے ناراض ہوتا ہے اور بعض فعل ایسے ہیں کہ جن سے نہ وہ خوش ہوتا اور نہ ناراض ہوتا ہے اس لئے خدائے پاک کی حکمت بالغہ اور رحمت کاملہ کا اقتضا ہوا کہ حضرات انبیاء علیہم السلام کو مبعوث کر کے لوگوں کو ان کے افعال پر آگاہ کرے۔ چونکہ اس کتاب میں انسانی افعال کے متعلق الفاظ فرض واجب۔ مستحب مکروہ وغیرہ ذکر کئے گئے ہیں جن کی حقیقت سمجھنے میں اکثر آدمیوں کو اشتباہ ہوتا ہے اس لئے ان کو پہلے بیان کر دیا گیا ہے۔

نماز پڑھنے کی ترکیب

فجر کی نماز کا بیان

(۱) فجر کی نماز پڑھنے کا طریقہ یہ ہے کہ تمام شرائط کی پابندی کے ساتھ کھڑے ہو کر اپنے دل کو دُنیا کے خیالوں اور کھیل کود کے فکروں سے دور کر کے سمجھو اور یقین جانو کہ میں اپنے خدا کے سامنے کھڑا ہوں اور وہ مجھ کو دیکھتا ہے اور میں اس کے روبرو فجر کے وقت کی دو رکعت نماز سنت [۱] پڑھنے لگا ہوں۔ اسی کو نماز کی نیت کہتے ہیں۔ پس یہ نیت دل میں حاضر کر کے سیدھے کھڑے ہو کر دونوں ہاتھوں کو چادر یا آستین وغیرہ سے باہر نکال کر کانوں تک اُٹھاؤ۔ اس طرح کہ دونوں انگوٹھے کانوں کی لَو سے مل جائیں اور ہتھیلیاں قبلے کی طرف ہوں۔ انگلیاں نہ بہت کشادہ ہوں نہ ملی ہوئی اور قبلے کی طرف منہ کر کے ہاتھ اُٹھاتے ہوئے تکبیر تحریمہ یعنی اللہ اکبر کہو۔

اگر نماز کی نیت دل میں کرنے کے بعد زبان سے بھی کہنی چاہو تو اس طرح کہو کہ میں نے ارادہ کیا کہ دو رکعت نماز سنت فجر کے وقت میں پڑھوں۔ اس نیت کے ساتھ ہی اللہ اکبر کہہ کر فوراً دونوں ہاتھ ناف کے نیچے باندھ لو اس طرح کہ پہلے بایاں ہاتھ رکھو۔ اور دائیں ہاتھ کے انگوٹھے اور چھنگلیا سے بائیں ہاتھ کا پہنچا پکڑو۔ بیچ کی تین انگلیاں سیدھی بائیں ہاتھ پر رہیں [۲] اس طرح ہاتھ باندھ کر ثنا یعنی سبحنک اللھم آخر تک اور پھر تعوّذ یعنی اعوذ باللہ پڑھو [۳] پھر بسم اللہ اور سورۂ فاتحہ یعنی الحمد للہ آخر تک پڑھو۔ اور الحمد کے بعد آمین کہو۔ اور کوئی سورت قرآن مجید کی پڑھو۔ اس کھڑے ہونے کو قیام اور الحمد اور سورۃ پڑھنے کو قرأت کہتے ہیں۔

---

۱ یاد رکھو کہ عام سنتوں کی جماعت نہیں ہوتی۔ سنتیں اکیلے ہی پڑھا کرتے ہیں۔ (مؤلف)

۲ عورتیں بایاں ہاتھ نیچے اور دایاں اوپر سینے پر رکھیں۔ (مؤلف)

۳ یاد رکھو کہ سبحنک اللھم اور اعوذ باللہ پہلی رکعت میں پڑھا کرتے ہیں اور باقی رکعتوں میں نہیں پڑھتے۔ (مؤلف)

بعد سورۃ پڑھنے کے اللہ اکبــــر کہتے ہوئے رکوع میں جاؤ۔ جھک کر اپنے دونوں ہاتھوں سے دونوں گھٹنوں کو مضبوط پکڑو۔ تکبیر اور رکوع میں جانے کی ابتداء ساتھ ہی ہو اور رکوع میں اچھی طرح پہنچ جانے کے ساتھ ہی تکبیر ختم کردو۔ رکوع میں تین بار یا پانچ بار یا سات بار سبحــان ربی العظیم پڑھو۔ پھر سمــع اللہ لمن حمدہ ربنا لک الحمد کہتے ہوئے سیدھے کھڑے ہوجاؤ۔ دونوں ہاتھ دونوں طرف لٹکتے رہیں۔ اس کھڑے ہونے کو قومہ کہتے ہیں۔ تھوڑی دیر کھڑے رہ کر تکبیر کہتے ہوئے گھٹنوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے سجدے میں جاؤ، تکبیر اور سجدہ میں جانے کی ابتداء ساتھ ہی ہو۔ اور سجدے میں پہنچتے ہی تکبیر ختم کردو۔ سجدے میں پہلے دونوں گھٹنے زمین پر ٹکاؤ پھر دونوں ہاتھ پھر ناک اور پیشانی زمین پر رکھو۔ پیٹ کو ران سے اور کہنیوں کو پیٹ اور زمین سے الگ رکھو۔ اور خوب لمبے ہوکے سجدہ [1] کرو۔ منہ دونوں ہاتھوں کے درمیان ہو۔ اور انگلیاں ملی ہوئی قبلہ رو ہوں اور دونوں پیر انگلیوں کے بل کھڑے ہوئے اور انگلیوں کا رُخ قبلہ کی طرف رکھو۔ اور تین بار یا پانچ بار یا سات یا زائد اس سے جتنا چاہو بشرطیکہ طاق ہو سبحــان ربی الاعلی کہو۔ پھر تکبیر کہتے ہوئے سجدے سے اُٹھ کر اچھی طرح بیٹھ جاؤ۔ اس طرح کہ دایاں پاؤں کھڑا کر کے انگلیاں قبلہ کی طرف رکھو اور بایاں پیر بچھا کر اُس پر بیٹھو [2] اور ہاتھ دونوں زانو پر رکھو۔ اس طرح کہ انگلیاں نہ بہت کشادہ ہوں نہ بالکل ملی ہوئی، سرے ان کے گھٹنوں کے قریب اور قبلہ کی طرف ہوں۔ تھوڑی دیر جلسہ کر کے تکبیر کہتے ہوئے دوسرا سجدہ اسی طرح کرو جس طرح پہلا کیا تھا۔ دوسرا سجدہ کر چکنے کے بعد پہلے پیشانی پھر ناک پھر ہاتھ پھر گھٹنے اُٹھا کر تکبیر کہتے ہوئے گھٹنوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے کھڑے ہوجاؤ اور ناف کے نیچے ہاتھ باندھو۔ اب پہلی رکعت ختم ہوکر دوسری رکعت شروع ہوگئی۔ دوسری رکعت میں صرف بسم اللہ کہہ کر سورۂ فاتحہ پڑھو۔ اور دوسری کوئی سورت ملا کر بدستور اول رکوع اور قومہ اور سجدہ پھر جلسہ اور

---

[1] عورتیں سمٹ کر پیٹ اور بازو اور رانوں کو ملا کر سجدہ کریں۔

[2] عورتیں دونوں پاؤں دائیں طرف نکال کر بیٹھیں اور دائیں زانو کو بائیں پر رکھیں۔

دوسرا سجدہ کرو۔ پہلی رکعت میں تو سجدہ کر کے کھڑے ہو گئے تھے مگر دوسری رکعت میں بیٹھ جاؤ۔ اور اسی طرح بیٹھ کر جس طرح دونوں سجدوں کے درمیان میں بیٹھے تھے التحیات للہ آخر تک پڑھو اور پھر درود شریف اللھم صل علی محمد آخر تک پڑھو۔ اس کے بعد دعاء پڑھو اور دعاء کے بعد دائیں طرف منہ پھیرتے ہوئے السلام علیکم و رحمۃ اللہ کہو اور دل میں خیال کرو کہ میں دائیں طرف کے فرشتوں کو سلام کرتا ہوں پھر اسی طرح بائیں طرف منہ کر کے سلام کہو اور دل میں خیال رکھو کہ اب میں بائیں طرف کے فرشتوں کو سلام کرتا ہوں۔ فجر کی دو سنتیں تمام ہوئیں۔

سنتوں کے بعد اب دو رکعت فرض کی دل سے نیت کرو اور زبان سے کہو[1]:

نویت ان اصلی رکعتی الفرض وقت الفجر میں نے ارادہ کیا کہ دو رکعت نماز فجر کے پڑھتا ہوں۔ اگر تم اکیلے نماز پڑھتے ہو تو جس طرح فجر کی سنتیں پڑھی تھیں اسی طرح یہ فرض پڑھو[2] اگر جماعت کے ساتھ امام کے پیچھے نماز پڑھتے ہو تو امام کی اقتدا کی نیت باندھ کر امام کی تکبیر اولی کے ساتھ ہی تم بھی تکبیر کہہ کر جماعت میں شامل ہو جاؤ اور سبحنک اللھم پڑھ کے چپکے ہو جاؤ۔ جب امام الحمد پڑھ چکے تم آہستہ سے آمین کہو۔ امام کی سورۃ جو وہ پڑھے دل سے سنتے رہو۔ جب امام تکبیر کہہ کے رکوع کرے تم بھی اسی طرح آہستہ تکبیر کہہ کے رکوع کرو۔ اور رکوع کی تسبیح پڑھو۔ جب امام سمع اللہ لمن حمدہ کہہ کے سیدھا کھڑا ہو تم ربنا لک الحمد کہہ کے کھڑے ہو جاؤ۔ اسی طرح آخر نماز تک امام کی تابعداری کرو۔ اور یہاں سلام کے وقت فرشتوں اور مصلیوں کی نیت کرو اور امام کی جانب سلام کرتے وقت امام کی نیت بھی کرو۔ اگر امام بالکل منہ کے آگے ہو تو دونوں جانب سلام میں امام کی نیت کرو۔ (بحر الرائق)

مگر یاد رکھو کسی بات میں امام سے جلدی نہ کرنا نہیں تو قیامت میں سزا ملے گی۔

---

[1] عربی زبان میں نیت کہنا کچھ ضروری نہیں جس زبان میں کہہ لے درست ہے۔

[2] فجر کی نماز میں طول قرأت مسنون ہے اور پہلی رکعت میں دوسری سے ڈیوڑھی قرأت کرنا بہتر ہے۔

نماز ظہر کا بیان

(۲) ظہر کی نماز میں پہلے چار رکعت سنت پھر چار رکعت فرض پھر دو رکعت سنت پھر دو رکعت نفل پڑھو۔ جس طرح سنت فجر کی نیت کی تھی اُسی طرح پہلے چار سنتوں کی نیت کرو۔ اور جس طرح وہ دو رکعت پڑھی تھیں یہ بھی پڑھو لیکن دوسری رکعت میں التحیات کے بعد درود شریف اور دعا نہ پڑھو۔ بلکہ تکبیر کہہ کر سیدھے کھڑے ہو جاؤ اور باقی رکعتیں بھی بدستور سابق پڑھو۔ جب چاروں رکعتیں پوری ہو جائیں تو چوتھی رکعت میں التحیات کے بعد درود شریف اور دعا پڑھ کر سلام پھیر دو۔ اُٹھ کر فرضوں کی اس طرح نیت کہو: ''نویت ان اصلی اربع رکعات الفرض وقت الظھر'' میں نے ارادہ کیا کہ چار رکعت فرض نماز ظہر کے وقت میں پڑھوں''۔ اگر اکیلے نماز پڑھنا ہو تو جس طرح ظہر کی چار سنتیں پڑھی ہیں اُسی طرح ظہر کے چار فرض پڑھو۔ لیکن تیسری اور چوتھی رکعت میں الحمد شریف پڑھ کر آمین کہہ کے کوئی سورۃ نہ ملاؤ۔ اور چاروں رکعتیں پوری کر کے سلام پھیر دو۔ دعائے نماز کے بعد دو سنت اور دو نفل بدستور سابق پڑھ کر فارغ ہو جاؤ۔

نماز عصر کا بیان

(۳) اس نماز کے صرف چار رکعت فرض ہیں۔ فرضوں کی اس طرح نیت کرو کہ نویت ان اصلی اربع رکعات الفرض وقت العصر میں نے یہ نیت کی کہ چار رکعت نماز فرض عصر کے وقت میں پڑھوں۔ تکبیر کہہ کر عصر کے فرض اُسی ترتیب سے پڑھو، جس طرح ظہر کے فرض پڑھے تھے۔ اگر چار رکعت عصر کے پہلے پڑھنا چاہو تو ظہر کی چار سنتوں کی طرح ادا کر لو۔

نماز مغرب کا بیان

(۴) مغرب کی نماز کے تین فرض اور دو سنتیں اور دو نفل ہیں۔ پہلے فرضوں کی نیت اس طرح کہو کہ ''میں نے یہ ارادہ کیا کہ میں تین رکعت نماز فرض مغرب کے وقت میں پڑھوں

نویت ان اصلی ثلث رکعات الفرض وقت المغرب '' دو رکعت بدستور پڑھ کے التحیات کے بعد کھڑے ہو جاؤ۔ تیسری رکعت کے بعد التحیات اور درود شریف اور دُعاء پڑھ کے سلام پھیر دو۔ جماعت کے ساتھ اگر نماز پڑھتے ہو تو اقتدا کی نیت بھی کرو۔ فرضوں کے بعد دو سنت اور دو نفل ادا کرلو۔

نمازعشاء کا بیان

(۵) پہلے[1] عشاء کی چار رکعت نماز فرض کی اس طرح نیت کرو ''نویت ان اصلی اربع رکعات الفرض وقت العشاء میں نے یہ ارادہ کیا کہ نماز فرض عشاء کے وقت میں پڑھوں''۔ تکبیر کہہ کر جس طرح ظہر کے چار فرض پڑھے تھے اُسی طرح عشاء کے چار فرض پڑھو۔ صرف اتنا فرق ہے کہ امام ظہر کی نماز میں قرأت آہستہ آہستہ پڑھے گا اور عشاء میں پکار کے۔ فرضوں کے بعد دو رکعت نماز سنت اور دو رکعت نفل[2] پڑھو۔ پھر تین رکعت وتر پڑھو۔ وتر کی تیسری رکعت میں سورۃ پڑھ کے دونوں ہاتھ کانوں تک اُٹھا کر اللہ اکبر کہہ کے ہاتھ باندھو۔ اور دعائے قنوت پڑھو اللھم انا نستعینک آخر تک پڑھ کر رکوع سجدہ کر کے بدستور نماز تمام کرو۔ وتروں کے بعد دو نفل بیٹھ کر پڑھ لو۔ عشاء کی نماز ختم ہوگئی۔

اپنی ہر نماز کے ختم ہو جانے کے بعد دونوں ہاتھ بوقت دعا سینہ کے محاذی اُٹھائے اور دونوں ہاتھ کے درمیان چار انگل فصل رہے۔ اور خدائے مالک الملک سے اپنے اور مومنین کے لئے دعاء مانگو اور امام ہو تو تمام مقتدیوں کیلئے بھی اگر امام جہر[3] سے دعاء کرے تو مقتدی سب آمین آمین کہتے رہیں۔ بعد دعا مانگ چکنے کے اپنے دونوں ہاتھ منہ پر پھیر لو۔ اب بس نماز ختم ہوگئی۔

---

[1] عشاء کی نماز میں بھی پہلے چار رکعت مستحب ہیں جو پڑھنا چاہے پڑھ لے۔ مؤلف

[2] ان نفلوں کے پڑھنے میں ثواب ہے۔ نہ پڑھنے میں عذاب نہیں۔ مؤلف

[3] دعاء میں جہر نہ کرنا اولیٰ ہے۔

اب ہم نماز کے ارکان وشرائط، فرائض وواجبات، سنن ومستحبات اور دیگر ضروری مسائل کی حقیقت اوران کے اسرار، ان کی حکمتیں اور مصلحتیں بیان کرتے ہیں۔ وما توفیقی الا باللہ۔

نماز کے ارکان وشرائط

نماز کے فرض

نماز کے فرض سولہ ہیں: (۱) تمام بدن کی پاکی (۲) کپڑے کی پاکی (۳) نماز کی جگہ کی پاکی (۴) ستر ڈھانکنا (۵) وقت پر نماز پڑھنا (۶) قبلے کی طرف منہ کرنا (۷) نیت کرنا (۸) تکبیر تحریمہ (۹) جمعہ کی نماز میں خطبہ پڑھنا (۱۰) جمعہ اور عیدین میں جماعت (۱۱) قیام (۱۲) قرأت (کچھ قرآن شریف پڑھنا) (۱۳) رکوع (۱۴) سجدہ (۱۵) قعدہ اخیرہ (۱۶) اپنے کسی کام سے نماز تمام کرنا۔

نماز کے واجب

نماز کے واجب بارہ۱۲ ہیں: (۱) الحمد پڑھنا (۲) سورۃ[۱] ملانا (۳) التحیات (۴) دو سے زیادہ رکعتوں والی نمازوں میں دو رکعت کے بعد بیٹھنا[۲] (۵) ترتیب[۳] (۶) تعدیل[۴] (۷) قومہ (۸) دونوں سجدوں میں جلسہ (۹) سلام (۱۰) امام کو فجر اور مغرب وعشاء کی پہلی دو رکعتوں میں قرأت بلند آواز سے پڑھنا باقی آہستہ (۱۱) عیدین کی پہلی رکعت میں الحمد سے پہلے اور دوسری رکعت میں رکوع سے پہلے تین تین بار ''اللہ اکبر'' کہنا اور پھر رکوع کی تکبیر[۵]

---

[۱] فرض کی پہلی دو رکعتوں میں سورۃ ملانی باقی رکعتوں میں فقط الحمد پڑھنا اور واجب وسنت اور نفل کی سب رکعتوں میں سورۃ ملانا ضروری ہے۔

[۲] اس میں التحیات پڑھ کر نمازی فوراً کھڑا ہو جائے ورنہ سجدہ سہو کرنا پڑے گا۔

[۳] یعنی پہلے کا کام پیچھے اور پیچھے کا پہلے نہ کرے۔

[۴] یعنی ہر رکن اچھی طرح اطمینان سے ادا کرے۔

[۵] یہ تکبیر اور سب نمازوں میں سنت ہے۔

(۱۲) وتر میں دعائے قنوت پڑھنا۔

نماز کی سنتیں

سنتیں نماز کی متعدد ہیں: (۱) فرائض خمسہ اور جمعہ کے لئے اذان (۲) تکبیر (۳) سبحنک اللّٰھم (۴) اعوذ باللہ (۵) بسم اللہ (۶) آمین آہستہ (۷) اُٹھتے بیٹھتے تکبیر (۸) سجدے اور رکوع میں تین تین بار تسبیح (۹) درود (۱۰) دعاء (۱۱) مرد کو ہاتھ زیر ناف اور عورت کو سینہ پر باندھنا (۱۲) قعدے میں دوزانو بیٹھنا (۱۳) تکبیر تحریمہ اور تکبیر قنوت میں رفع یدین (۱۴) سلام میں گردن دائیں بائیں پھیرنا۔ ان کے علاوہ جو قاعدے نشست و برخاست وغیرہ کے نماز کی ترتیب میں ہیں یہ سنت[۱] ہیں۔ ان کا ترک کرنا سنت کے خلاف ہے۔

نماز کے مکروہ

نماز کے مکروہ گیارہ ۱۱ ہیں: (۱) بے قاعدہ کام کرنا[۲] (۲) صف سے الگ کھڑے ہونا (۳) ننگے سر نماز پڑھنا (۴) مرد کو جوڑا باندھنا (۵) لٹکا ہوا کپڑا اُٹھانا (۶) انگڑائی لینا (۷) انگلی چٹکانا (۸) چادر وغیرہ لٹکانا (۹) سنت کو ترک کرنا (۱۰) مرد کو سُرخ و زرد اور ریشمی کپڑا یا چاندی سونا پہننا (۱۱) کوئی کام خلاف شرع کرنا۔

نماز کے مفسدات

مفسد نماز سات ۷ ہیں: (۱) امام کے آگے کھڑا ہونا (۲) کچھ کھانا پینا (۳) نماز میں قرآن کریم دیکھ کر پڑھنا (۴) تھوک پھینکنا کھانسنا (۵) کلام کرنا (۶) فعل کثیر[۳] (۷) کوئی فرض یا واجب ترک کرنا۔

---

[۱] مؤلف کی مراد سنت سے یہاں عام ہے خواہ مؤکدہ ہو یا زائد جو مستحب کو بھی شامل ہے۔

[۲] جیسے کپڑے وغیرہ سے کھیلنا اور اِدھر اُدھر دیکھنا۔

[۳] جو کام دونوں ہاتھوں سے ہوتا ہے۔

نماز کے شرائط

نماز شروع کرنے سے پہلے کئی چیزیں واجب ہیں: نمازی کو اگر وضو نہ ہو تو وضو کرے۔ نہانے کی ضرورت ہو تو غسل کرے۔ بدن یا کپڑے پر کوئی نجاست لگی ہو تو اس کو پاک کرے۔ نماز کی جگہ جہاں وہ نماز پڑھتا ہے وہ بھی پاک ہونی چاہئے۔ مردوں کو فقط ناف کے نیچے سے لے کر گھٹنے تک ڈھانکنا فرض ہے۔ نمازی اپنا منہ قبلہ کی طرف کرے۔ نماز کی نیت دل سے کرے۔ وقت آنے پر نماز پڑھے۔ یہ سب چیزیں نماز کے لئے شرط ہیں۔ اگر اس میں سے ایک چیز بھی چھوٹ جائے گی تو نماز نہ ہوگی۔ (عامہ کتب)

نماز کے ارکان و شرائط مقرر ہونے کی وجہ

بعض آدمی جو اسرار شریعت سے ناواقف ہیں وہ دریدہ دہنی سے کہہ دیا کرتے ہیں کہ نماز لایعنی اُٹھنا بیٹھنا ہے۔ یہ کس قدر بے باکی اور خدائے قدوس کی جناب میں گستاخی ہے۔ ایسے تنگ خیال لوگ نماز کو عبث اور نکمّا خیال کر کے اپنی شرافت انسانی کھودیتے ہیں۔ خداوند پاک ایسے لوگوں کو راہِ راست دکھائے۔ ایسے لوگوں نے باوجود دعویداران فضل و کمال ہونے کے عالمِ دنیا کی موجودات پر بھی نظر نہیں ڈالی۔ اگر موجودات عالم پر ہی نظر ڈالتے تو انھیں ایسا کہنے کا موقع نہ ملتا۔ کیا زمین پر خدائے پاک کی تحمید و تقدیس نہیں ہوتی؟ ایک عارف کے منہ سے ایسا کلمہ نہیں نکل سکتا۔ بلکہ زمین کی چیزوں میں سے کوئی چیز تو شریعت کے احکام کی اطاعت کر رہی ہے اور کوئی چیز قضاء و قدر کے احکام کے تابع ہے۔ اور کوئی دونوں کی اطاعت میں کمر بستہ ہے۔ کیا بادل، کیا ہوا، کیا آگ، کیا زمین، سب خدائے پاک کی اطاعت اور تقدیس میں محو ہیں۔ اگر کوئی انسان الٰہی شریعت کے احکام کا سرکش ہے تو الٰہی قضاء و قدر کے حکم کے ضرور تابع ہے۔ ان دونوں حکومتوں سے کوئی باہر نہیں۔ کسی نہ کسی آسمانی حکومت کا جواہر ایک کی گردن پر ہے۔ ہاں البتہ انسانوں کی اصلاح یا اُن کے دلوں کی اصلاح اور فساد کے لحاظ سے غفلت اور خدا کی یاد

نوبت بہ نوبت زمین پر غلبہ کرتی ہیں، مگر بغیر خدائے پاک کی حکمت اور مصلحت کے یہ مدّ و جزر خود بخود نہیں، خدائے پاک نے چاہا کہ زمین میں ایسا تو ہو گیا۔ سو ہدایت اور ضلالت کا دور بھی دن رات کے دور کی طرح خدائے پاک کے اٹل قانون اور اذن کے موافق چل رہا ہے، نہ خود بخود، باوجود اس کے ہر ایک چیز اس کی آواز سنتی اور اس کی یاد کرتی ہے۔

حقیقت نماز مقتضائے فطرت ہے

اسلام پاک چونکہ کامل ترین ادیان اور مقتضائے فطرت دین ہے، اس لئے اس نے جسمانی نماز کا طریقہ بھی وہی مقرر کیا جو انسان کی جسمانی فطرت کے مناسب حال بھی ہے۔ اور خلق و کائنات کی حیثیتوں اور عبادتوں کا مجموعہ ہے اور اس جسم سے نماز کے وہ تینوں اہم رکن بھی بجالاتا ہے جو زبان و قلب پورے کرتے ہیں۔ گویا اسلامی نماز میں جسم روحانی نماز کا پورا مظہر بن جاتا ہے۔ مقتضائے فطرت جسمانی اس طرح پر ہے کہ آدمی اپنے جسم کی ساخت کے لحاظ سے علی سبیل البدل چار صورتیں اختیار کرتا ہے: (۱) کھڑا ہوتا ہے (۲) جھکتا ہے (۳) بیٹھتا ہے (۴) لیٹتا ہے۔ اور یہ چاروں صورتیں آدمی کو اپنے طبعی کاموں کے پورا کرنے میں مدد دیتی ہیں۔ گویا خدائے کریم کے یہ بہت بڑے چار انعام ہیں۔ انسان کا فرض ہے کہ چاروں کا شکر یہ ادا کرے اور ہر نعمت کا شکر یہ بھی اس نعمت کے حصول کی صورت میں ہونا بہتر ہے یعنی کھڑا ہو کر عبادت کرے، جھک کر کرے، بیٹھ کر کرے، لیٹ کر کرے، انہیں چاروں طرح کی عبادت کرنے کا نام عرفِ شرع میں قیام۔ رکوع۔ سجود اور قعود ہے۔ اور یہ چاروں رکن نماز میں واجب ہیں۔ مگر واجب انعامی یعنی جس شخص کو یہ نعمتیں حاصل ہیں۔ اس پر از روئے فطرت چاروں حالتوں میں ادائے نماز واجب ہے یعنی جو کھڑا نہیں ہو سکتا اسے قیام معاف ہے۔ جھک نہیں سکتا تو رکوع کی حاجت نہیں، سجدہ پر قادر نہیں تو سجدہ نہ کرے، بیٹھ نہیں سکتا تو قعود کی ضرورت نہیں۔

ہاں یہ کفرانِ نعمت اور ناشکری ہوگی کہ انسان باوجود طاقت و قدرت قیام و قعود، رکوع و سجود بجا نہ لائے۔ جب آدمی اپنے پروردگار سے مصیبت کے رفع ہونے یا کسی نعمت کے ملنے کی

درخواست کرتا ہے، اس وقت زیادہ مناسب یہی ہوتا ہے کہ تعظیمی افعال واقوال میں مستغرق ہو جائے تاکہ اس کی ہمت کا جو درخواست کی روح ہے کچھ اثر پڑ سکے۔ نماز استسقاء اسی وجہ سے مسنون ہے۔

اللہ تعالیٰ نے آدمی کو زبان دی ہے۔ حکم فطرت یہی ہے کہ زبان سے بھی خدا کی حمد وثناء اُس کی تعظیم وتجیل کرے اور پوری عاجزی وعبدیت کے اظہار کے بعد اس سے دعا مانگے اور مدد طلب کرے۔ قرأت الحمد شریف جو مضامین سہ گانہ پر مشتمل ہے اس لئے نماز کا ایک اعلیٰ ترین واجب ہے اور بغیر اُس کے نماز مکمل نہیں ہوسکتی، سوائے ایسی حالت کے کہ آدمی گونگا ہو یا گویائی پر کسی مرض کی وجہ سے قادر نہ ہو۔ اس لئے مضمون الحمد پرتَو ہے واردات قلب کا اور چونکہ زبان اس پرتَو کے ادا کرنے کی طاقت رکھتی ہے اس لئے جب تک مجبور نہ ہو جائے اس کی قرأت کا ترک کرنا فطرت سے منہ موڑنا ہے۔ ماسوائے الحمد جو کچھ نماز میں پڑھا جاتا ہے وہ قلب کی تینوں حالتوں (۱) خلوص (۲) خوف خدا (۳) اور یاد الٰہی کا عکس ہے جس کو زبان ادا کرتی ہے اور اعضائے جوارح سے ان کا ظہور ہوتا ہے۔ کیا اب بھی کوئی کہے گا کہ نماز میں جسمانی آداب کی ضرورت نہیں؟ اور اسلامی نماز کے آداب جسمانی مقتضائے فطرت جسمانی نہیں ہیں، یا یہ تکلیف مالایُطاق ہے؟۔

رہا یہ امر کہ قیام وقعود، رکوع وسجود نماز میں واردات قلبیہ (بندہ کی عبودیت، استدعاء اور خداوند کی عظمت کے مظاہر ہیں۔ اس کو یوں سمجھو کہ جب غلام اپنے آقا یا خُرد اپنے بزرگ کے سامنے حاجت روائی کی درخواست کے لئے کھڑا ہوتا ہے تو ہر طرح سے ادب وآداب کا پورا خیال رکھتا ہے۔ کھڑا ہوتا ہے تو نہ ایسا کہ ہمچشموں میں کھڑا ہوتا ہے بیٹھتا ہے تو نہ ایسا کہ گویا ہمچشموں میں بے تکلف ہوکر بیٹھتا ہے۔ اسلام پاک نے بھی جسمانی ارکان نماز ایسے مقرر کئے ہیں جو حضوری خداوند کل کی شان کے مناسب ہیں اور بندہ ان کو ادا کر سکتا ہے۔

اسلام پاک سکھلاتا ہے کہ جب تکبیر تحریمہ کہو جو گویا ارادہ ہے اس امر کا کہ نمازی اپنے

آپ کو خدائے پاک کے سامنے حاضر خیال کرتا ہے تو پھر باادب کھڑے رہو۔ اِدھر اُدھر نہ تکو۔ دست و پا کو بہت نہ ہلاؤ۔ اور جیسے اپنے محسن قدیم کے سامنے جا کر اس کے سابقہ احسانوں کی شکر گذاری کرتے ہو۔ اور اُس کی ابتداء اس کی مدح و ستائش سے کرتے ہو۔ ایسا ہی اللہ پاک کی تسبیح و تقدیس کہو۔ حمد و ثناء پڑھو۔ اُس کی مالکیت و رزاقیت کا اعتراف کر کے اس کے جلال کا اقرار کرو۔ اُس کو اپنا محسن و دستگیر بناؤ اور پھر دعاء مانگو۔ شکرِ قیام ادا ہوا، دعاء بھی ہو چکی۔ اپنے رب کی عظمت کا خیال کر کے اس کے سامنے جھک جاؤ اور عظمت کی تسبیح پڑھو۔ پھر اس کے جھکنے پر بھی اکتفا نہ کر کے خاکسارانہ اس کی کبریائی کے پاؤں میں گر پڑو اور اس کی علوویت و برتری کا اقرار کر کے اُٹھو اور بیٹھ کر حمد اور دعاء پر نماز ختم کرو۔ اور ارکان نماز کو بھی نہ صرف ایک بار ادا کرو بلکہ بار بار، تا کہ تمہارا یہ فعل اتفاقی فعل سے مشابہ نہ ہو۔ بلکہ ارادی فعل کی صورت میں ہو جائے۔

روحانی اور جسمانی نماز کا تعلق

ارادی نماز روحانی ہونی چاہئے یا جسمانی؟ یہ تو ظاہر ہے کہ نادانوں نے بر بنائے نادانی بعض جسمانی حرکات و سکنات اور نشست و برخاست ہی کو نماز سمجھ رکھا ہے۔ مگر خدائے پاک کے بہت سے ایسے بندے بھی ہیں جو جسمانی کے ساتھ روحانی کو بھی جامع ہیں۔ اور آج کل بعض نادان فریب خوردہ شیطان ارادی و روحانی نماز ہی کو کافی سمجھ کر جسمانی خشوع و خضوع کے آداب کو لا طائل قرار دیتے ہیں اور ان کی طرف سے یہ خیال صرف اس لئے پیش کیا جاتا ہے کہ تارک الصلوٰۃ ہو کر بھی وہ مقیم الصلوٰۃ کہلائیں۔ یا کم از کم کوئی ان سے یہ نہ کہنے پائے کہ حضرت آپ مسلمان ہو کر نماز نہیں پڑھتے اور اگر کوئی کہہ دے تو ان کے پاس یہ جواب معقول ہو کہ بھائی نماز روحانی ہے ہم اسے ادا کرتے ہیں۔ اگر جسمانی ہوتی تو دیکھنے میں بھی آتی۔ قلبی اور روحانی نماز کو تم اہل ظاہر کیونکر دیکھ سکتے ہو۔ حالانکہ واقعی نماز وہی ہے۔

بادی النظر میں مذکورۂ بالا خیال کتنا ہی دلنشین اور مدلل کیوں نہ معلوم ہوتا ہو لیکن

درحقیقت ہے یہ سفسطہ۔ اس لئے کہ محض روحانی نماز اس مخلوق کو شایان ہوسکتی تھی جو خود محض روحانی ہو جو مخلوق ذی ارادہ روح و جسم سے مرکب ہے۔ ضرور ہے کہ اُس کی نماز بھی روحانی و جسمانی دونوں طرح کی ہوتا کہ ایک طرف روح اپنا فرض ادا کرے اور عالم علوی سے استمد اد حاصل کر کے نفس بد کے مقابلہ کی قوت بہم پہنچائے اور دوسری طرف جسم اپنے واجب کو بجالا کر، اس لئے کہ وہ آلۂ روح ہے۔ روح کی اطاعت کا اظہار کر سکے۔ یعنی جس وقت روح متوجہ الی اللہ اور قلب مقیم الصلوٰۃ ہو۔ اور روحانی طور پر اپنی عبودیت و احتیاج اور خدائے پاک کی عظمت و کبریائی کا اظہار کر رہا ہو جسم بھی ان تینوں حالتوں کو ساتھ ساتھ ادا کرتا جائے۔ صرف ایسی ہی جامع نماز آدمی کے شایانِ شان ہوسکتی ہے جو روح و جسم دونوں کا مجموعہ ہے اور ارادہ و اختیار سے ادا کی جاتی ہے اور تقریباً بنی آدم کی عبادت میں نماز کے یہ دونوں ضروری رکن مدت سے چلے آتے ہیں۔ ہاں جسمانی آداب کے تعین میں اختلاف ہوتا رہا ہے۔ کبھی روحانی و قلبی توجہ کے ساتھ اُچھل کود اور زمزمہ و ترنم جسمانی عبادت ٹھیرے اور کبھی گھٹنے ٹیکنا، آنکھیں بند کرنا اور ہاتھ آسمان کی طرف اُٹھانا وغیرہ۔ غرضکہ ہر مذہب میں ایک جداگانہ طریقہ جسمانی عبادت کا ٹھیرایا گیا اور اس کا پورا کرنا روحانی عبادت کے ساتھ واجب قرار دیا گیا اور قرار دینا بھی چاہئے تھا کیونکہ نماز کی تکمیل اس کے بغیر بالکل محال تھی۔

پس جو نماز مقدس مذہب اسلام نے سکھائی ہے وہ اکسیر ہے جو ایک مشت خاک کو کیمیا کر دیتی ہے۔ وہ ایک پانی ہے جو اندرونی اور بیرونی غلاظتوں کو دھو دیتا ہے۔ نماز میں روح پگھلتی ہے اور پانی کی طرح آستانۂ حضرت احدیت پر گرتی ہے۔ وہ خدائے پاک کے حضور میں کھڑی بھی ہوتی ہے۔ رکوع بھی کرتی ہے۔ اور سجدے میں بھی گرتی ہے۔ اس کا کھڑا ہونا یہ ہے کہ وہ خدائے پاک کے لئے ہر ایک مصیبت کی برداشت اور فرماں برداری کے بارے میں مستعدی ظاہر کرتی ہے اور اس کا رکوع یعنی جھکنا یہ ہیکہ وہ تمام محبتوں اور تعلقوں کو چھوڑ کر خدائے محبوب کی طرف جھک آتی ہے اور اس کے لئے ہو جاتی ہے۔ اور سجدہ یہ ہے کہ وہ خدائے

پاک کے آگے اپنے آپ کو بکلّی کھودیتی ہے اور اپنے نقوش وجود کو مٹادیتی ہے۔ یہی ایک دعا ہے جو خدائے پاک کو ملاتی ہے اور اسلام پاک نے اس کی تصویر معمولی نماز میں کھینچ کر دکھائی ہے تاکہ وہ جسمانی نماز روحانی نماز کی طرف محرک ہو۔

جسم وروح کا تعلق

درحقیقت اگر جسم انسانی کی بناوٹ کو دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ قدرت نے انسان کے وجود کو ایسی بناوٹ پر پیدا کیا ہے کہ روح کا اثر جسم پر اور جسم کا اثر روح پر پڑتا ہے۔ دیکھو جب آدمی کی روح غمگین ہو تو آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے ہیں۔ اور جب روح میں خوشی پیدا ہو تو چہرے پر بشاشت ظاہر ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ بسا اوقات انسان ہنسنے لگتا ہے۔ ایسا ہی جب جسم کو کوئی تکلیف اور درد پہنچے تو اُس درد میں روح بھی شریک ہو جاتی ہے اور جسم کسی ٹھنڈی ہوا سے خوش ہو تو روح بھی اُس سے حصہ لیتی ہے۔

پس جسمانی عبادت کی غرض یہی ہے کہ روح اور جسم کے باہمی تعلقات کی وجہ سے روح میں حضرت احدیت کی طرف حرکت پیدا ہو۔ اور وہ روحانی قیام اور رکوع وسجود میں مشغول ہو جائے۔ کیونکہ انسان ترقیات کے لئے مجاہدات کا محتاج ہے اور مجاہدے کے لئے ضروری ہے کہ انسان اپنے جسم اور روح دونوں کو حرکت میں لا کر اُن سے کام لے۔

نوتعلیم یافتوں کی خدمت میں استدعا

کاش قوم کے سرمایۂ ناز مغربی تعلیم یافتہ نوجوان جو نماز کے ارکان بدنی کو بندروں کی سی حرکات سے نسبت دیتے ہیں۔ یا اگر بہت ادب کرتے ہیں تو وحشیوں کی بے ضابطہ قواعد سے تعبیر کرتے ہیں۔ ان کی خدمت میں اپیل (استدعاء) کی جاتی ہے کہ وہ اپنی سابقہ غلطی یا غلط فہمی پر متنبہ ہو کر قیام وقعود، رکوع وسجود پر پھبتیاں کہنے کی بجائے اپنے ذہن وذکاوت سے کام لیں اور نماز کے ارکان بدنی کے واقعی فلسفہ سے اسلامی نماز کی حقیقت سمجھیں اور مدعی اسلام بن کر دین وشریعت

کی توہین نہ کریں۔ نماز پڑھیں اور حقیقی نماز پڑھیں۔ اور بغیر پڑھے خدا کو حاضر و ناظر سمجھ کر یہ نہ کہیں کہ ہم نماز پڑھتے ہیں لیکن ہم بندروں کی سی حرکت نہیں کرتے''۔ اور وہی اصلی نماز ہے کیونکہ آدمی کے لئے محض قلبی نماز کافی نہیں۔ ہاں اگر دوسرے لوگ ریاکاری سے اور بغیر سوچے سمجھے نماز پڑھتے ہیں۔ تو آپ اخلاص کے ساتھ حقیقی نماز پڑھیں اور سچے اور پورے نمازی بن جائیں اور سمجھیں کہ قیام وقعود رکوع و سجود طاعت و عبودیت کے اظہار کے جسمانی آداب ہیں۔ جو روحانی کیفیت کو ظاہر کر کے فرض جسمانی کے ادا ہونے کا موجب ہیں۔ کیا آپ کسی کمشنر اور گورنر کے سامنے جا کر بے تکلف بیٹھ جاتے یا ادھر اُدھر تکتے اور متضاد حرکتیں کرتے رہتے ہیں؟ پھر کیوں آپ کو خدائے ذوالجلال کے حضور میں خاموشی و سکوت سے باادب کھڑے ہونا عبث و فضول نظر آتا ہے؟ کیا رکوع و سجود خضوع و کسر نفسی پر دلالت نہیں کرتے۔ جب دل تضرع کرتا ہے تو کیوں اُس کی کیفیت بدن پر عیاں نہ ہو؟ پھر کیا وجہ ہے کہ تم رکوع و سجود پر ہنستے ہو۔ اور اسلام پاک جیسے کامل مذہب کی عبادت کے طریقہ کا مضحکہ اُڑاتے ہو۔ مسلمانو سوچو! اور غور کرو! تمہاری شریعت کا کوئی حکم بھی مصلحت اور حکمت سے خالی نہیں۔ اور نہ منافی فطرت و طبیعت ہے پھر آج کل شریعت سے اباء کرنے کیا معنیٰ؟

کیا دل و زبان سے حمد و ثنا کرنا محض دل یا زبان کی حمد و ثنا سے افضل و اعلیٰ نہیں؟ کیا خاموش و ثنا خواں کھڑا ہونا تعظیم و تکریم بجالانے کی علامت نہیں؟ کیا رکوع و سجود انتہائی عجز و انکساری کی دلیل نہیں؟ بے شک ہیں۔ اور چونکہ نماز میں بندہ اپنے آپ کو خدائے پاک کے حضور میں حاضر سمجھتا ہے اس لئے ضروری ہے کہ اس کا دل بھی حمد و ثنا و عظمت و جلال خداوندی کا اعتراف کر کے اپنے آپ کو عاجز اور درماندہ پا کر خدائے پاک سے دعا کرتا ہو۔ یہی باتیں جسم اپنی حرکات خاص سے ظاہر کرتا ہے اور کرنی چاہئیں۔ غرض کہ اسلامی نماز کے جسمانی ارکان دل کی روحانی نماز کا پرتو ہیں نہ کہ خواہ مخواہ کی نشست و برخاست۔ گویا جسم اقرار کرتا ہے کہ میں ذاتِ غیر (یعنی خدا) کا مطیع ہوں اور جیسا وہ کہے گا میں کروں گا۔ اور اس کے ایماء پر چلوں گا۔

اگر لوگوں کیلئے عبادت کے اندر ارکان وشرط معین نہ ہوں تو وہ بے بصیرتی ہاتھ پاؤں مارتے رہیں۔ احکام الٰہیہ کی تکلیف جب ہی مکمل ہوتی ہے کہ اُن کے لئے اوقات و ارکان وشروط ظاہری و باطنی جسمانی وروحانی قرار دیئے جائیں۔

دل میں خدائے پاک کے لئے خضوع کا ہونا اور اس کی طرف توجہ کا بطور تعظیم اور خوف اور رغبت کے ہونا ایک پوشیدہ امر ہے۔ خارج میں اس کے واسطے کوئی امر ہونا چاہئے جس سے اس کا انضباط ہو سکے۔ اس لئے دو چیزوں کے اندر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو منضبط کیا۔ ایک تو یہ کہ نمازی اپنا منہ اور بدن قبلہ کی طرف کر کے کھڑا ہو اور دوسرے یہ کہ زبان سے اللہ اکبر کہے اس واسطے کہ انسان کی جبلت میں یہ بات داخل ہے کہ جب اس کے دل میں کوئی بات جمتی ہے تو اُس کی زبان اور تمام اعضاء اُسی کے موافق حرکت کرتے ہیں۔ جیسا کہ نماز کے فائدوں میں مفصل بیان کیا جائے گا۔

غرض اسلامی نماز سے بڑھ کر کوئی اعلیٰ اور افضل جامع اور کامل عبادت نہیں۔ اس میں انسان کی طرف سے پرلے درجہ کا عجز وانکسار ظاہر ہوتا ہے۔ اور خداوند عالم کی کمال درجہ کی تعظیم و تکریم ملحوظ ہے۔ ادب کے مندرجۂ بالا تمام طریقے اس میں موجود ہیں۔ دنیا کا کوئی مذہب اس کی نظیر نہیں پیش کر سکتا۔ یہی وہ نماز ہے جو جامع آدابِ عبادت ہے۔ بے شک یہ نماز دنیا کے تمام طریقہ ہائے عبادت کی جامع ہے جس میں انسان کے ظاہری و باطنی سب اعضاء خدائے پاک کی عبادت میں اور اس کے ذکر وفکر میں محو ومگن ہوتے ہیں۔ یہ خدائے پاک کا خاص فضل عمیم واحسان عظیم ہے کہ جہاں مسلمانوں کا دین، ان کی دینی کتاب، اُن کا پیغمبرؐ اپنی نظیر نہیں رکھتا، وہاں ان کا طریق عبادت (نماز) بھی اپنی نظیر نہیں رکھتا۔ جس قدر تاثیر جوشِ تعبد اور خلوص اسلامی نماز میں ہے اور جس قدر شان الوہیت، اس کی ثناء، اس کی عظمت، شرک وعیوب سے تنزہ اور براءت، اس کی ذات وصفات کی کاملیت اور بندہ کی طرف سے پرلے درجہ کا اظہار عبودیت، سچے دل سے حقیقی مقاصد کی اس سے مسئلت اور شکر وسپاسِ نعمت کا اس میں بیان ہے،

وہ دنیا کے سارے ادیان میں سے کسی دین یا فرقہ یا قوم کے طریقۂ عبادت میں ہرگز نہیں۔

مسلمان کیسے خوش نصیب ہیں، اور اُن کا پاک اور سچا مذہب کیسا فخر المذاہب ہے کہ جن کی نماز تمام اگلی اُمتوں کے طریق عبادات کا مجموعہ اور تمام مخلوقات کی طرز عبادات پر شامل اور جمیع اقسام عبادات کی جامع ہے۔ یہ التزام واقعی کسی دوسری عبادت میں نہیں اور نہ کسی مذہب نے ایسا التزام کیا ہے۔ اگر تمام اقوام اور سارے مذاہب عالم اس پر رشک کریں تو بجا ہے۔ افسوس تو ایسے نافہم مسلمانوں پر ہے جو ایسی نعمتِ عظمیٰ کے حاصل کرنے میں تکاہل اور سستی اختیار کرتے ہیں اور نماز میں ان مذکورہ بالا اُمور کا خیال نہیں کرتے۔

مکان کی صفائی اور لباس کی ستھرائی

پاکی آدھا ایمان ہے

اسلام وہ پاک مذہب ہے جس کی ابتداء ہی طہارت و نظافت سے شروع ہوتی ہے۔ بلکہ طہارت کو اسلام کا جزو اعلیٰ قرار دیا گیا ہے۔ جیسا کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

الطھور شطر الایمان (مشکوٰۃ شریف) پاکی آدھا ایمان ہے۔ اور پھر فرمایا:

بنی الدین علی النظافة (مشکوٰۃ شریف) مسلمانی کی بنا پاکی پر ہے''۔

ایک دن ایک شخص حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا۔ اور اس کے سر کے بال نہایت بکھرے ہوئے تھے۔ آپ ﷺ نے اسے بڑے زور سے صفائی جسم کی ہدایت فرمائی اور آئندہ کو ایسی حالت میں اپنے سامنے آنے سے منع فرما دیا۔ ایک بار ایک آدمی کو میلے کپڑے پہنے ہوئے آپ ﷺ نے دیکھا تو ارشاد فرمایا: اس سے اتنا نہیں ہوتا کہ اپنے کپڑے دھو لیا کرے''۔ (ابوداؤد شریف)

اور یہ صاف ظاہر ہے کہ جو انسان طہارت کا پابند رہے گا۔ اس میں صفائی اور پاکیزگی

کے اوصاف فطرۃً ترقی پذیر ہوں گے اور ایسے اُمور جو اس کی ایمانی طہارت و نظافت میں کدورت کا باعث ہوں، اُن سے اُس کو نفرت ہوگی۔ اس لئے مقدس اسلام نے کپڑا و جسم اور جان و مکان صاف و ستھرے رکھنے کا حکم دیا اور یہاں تک تاکید کی اور امر فرمادیا کہ جب تک آدمی کا بدن اور لباس اور مکان پاک و صاف نہ ہو اُس کی نماز جائز نہیں۔ مگر آج کل کے مسلمان ہیں کہ وہ پرواہ تک نہیں کرتے۔ اکثر مسلمانوں کے گھروں میں اس قدر گندگی اور غلاظت ہوتی ہے کہ شریف آدمی کا دل بیٹھنے کو نہیں چاہتا۔ پانی کے گھڑے مٹی اور کیچڑ سے بھرے ہوئے ہوتے ہیں۔ کپڑے دیکھو تو وہ اس قدر میلے کچیلے کہ جن سے گھن اور بدبو آتی ہے اور اس قدر میلے ہوتے ہیں کہ جن کے رنگ کی شناخت مشکل ہوتی ہے۔ برتن بہت غلیظ ہوتے ہیں۔ دیواریں دھوئیں کے باعث بالکل سیاہ ہوتی ہیں۔ بعض بدتہذیب گھروں میں تمام صحن اور اکثر دیواریں پان کے تھوک سے رنگین ہوتی ہیں۔ مکان بھر میں حقہ کی راکھ کے جابجا ڈھیر لگے رہتے ہیں۔ کھانے پینے کی چیزیں اور صنعت و حرفت کے آلات بلکہ گائے بیلوں کا چارا یہ سب کچھ اکٹھا ایک ہی جگہ رکھا ہوتا ہے۔ گھر کیا ہے ایک اچھا خاصا بیماریوں کے پیدا ہونے کا منبع اور مخزن ہے جس کی وجہ سے دوسرے مذاہب کے لوگ کہتے ہیں کہ مسلمان گندے ہوتے ہیں"۔ حالانکہ یہ مسلمانوں کا قصور ہے۔ اسلام پاک ایک حکیمانہ مذہب ہے۔ وہ خوب جانتا ہے کہ ظاہری طہارت کا اثر انسان کے اندر ہوتا رہتا ہے۔ اسی لئے اسلام پاک نے جابجا طہارت کی ترغیب دی۔ مکان کی صفائی اور لباس کی ستھرائی کی تاکید کی۔ خدائے پاک نے یہاں تک فرمادیا:

ان اللہ یحب التوابین ویحب المتطھرین (البقرۃ:۲۲۲)

خدائے پاک ان لوگوں سے پیار رکھتا ہے جو اُس کی طرف رجوع کرنے والے ہیں اور ان سے محبت رکھتا ہے جو ستھرے رہنے والے ہیں"۔

پھر دوسری جگہ تمام ظاہری و باطنی نجاستوں سے پاک و صاف رہنے کے لئے فرمایا۔

وثیابک فطھر و الرجز فاھجر — اپنے کپڑے پاک رکھو اور گندگی سے
(المدثّر: ۴۔۵) — کنارہ کرو۔

یہی وجہ ہے کہ خدا کی مقدس کتاب نے انسان کو جسمانی زینتوں سے مزین ہونا منع نہیں فرمایا۔ بلکہ صاف لفظوں میں فرمادیا:

قل من حرم زینۃ اللہ التی اخرج لعبادہ (الأعراف: ۳۲)

اے رسولؐ ! (دنیا سے علیحدہ ہوکر اپنے اجسام کو تکلیفوں میں ڈالنے والوں اور نعمت خداوندی سے محروم رہنے والوں سے) کہہ دیجئے کہ خدا کی اپنے بندوں کے لئے پیدا کی ہوئی زینت کی (اور ہر قسم کی) نعمتوں سے کس نے روکا ہے؟''

الغرض اسلام پاک کی بنیاد ہی ظاہری نظافت اور باطنی طہارت سے شروع ہوتی ہے۔ مقدس مذہب اسلام نے جس قدر نظافت وطہارت کی پابندی کا حکم کیا ہے۔ دنیا کے کسی مذہب وملت نے ایسی پابندی نہیں سکھائی۔ یہ ان لوگوں کی غلطی ہے کہ جو اس کی حقیقت سے ناواقف ہونے کی وجہ سے کہہ دیا کرتے ہیں کہ اسلام ایک سیدھا سادہ مذہب ہے اس میں صفائی کے تکلفات کی ضرورت نہیں''۔ یاد رکھو! ایسے کہنے والوں نے اسلام پاک کو بدنام کیا ہے۔ اسلام پاک نے تو طہارت ونظافت کے لئے تاکید شدید کی ہے۔ یہ آج کل کے نافہم لوگوں کا قصور ہے کہ جب اُن کو طہارت و نظافت کی تاکید کی جائے تو مخالفت پر کھڑے ہوجاتے ہیں اور سخت و سست کہنے لگ جاتے ہیں۔

ایک عبرتناک واقعہ

مدراس میں ایک انگریز بہادر مسلمان ہوئے۔ ایک روز جب وہ نماز کے لئے مسجد میں تشریف لے گئے۔ انھوں نے دیکھا کہ مسجد میں جہاں لوگ وضو کرتے ہیں وہ اس قدر گندی اور متعفن ہے کہ وہاں بیٹھنا مشکل ہورہا ہے۔ صاحب بہادر نے وہاں کے امام سے کہا کہ اس جگہ کو اگر روزانہ پاک وصاف کرادیا جایا کرے تو بہتر ہوگا۔ اس قدر نجاست کا مسجد میں ہونا بہت

خراب اور مضرِ صحت ہے"۔ اتنا کہنا تھا کہ امام صاحب نے بگڑ کر کہا کہ صاحب تم مسلمان تو ہو گئے مگر عیسائیت کی بو ابھی تک تمہارے اندر موجود ہے۔ ایسے اسلام سے تم کو کیا فائدہ؟" صاحب بہادر نے کچھ جواب دینا چاہا مگر تمام نمازیوں نے ان کو اس قدر ملامت کی کہ وہ بیچارے بغیر نماز پڑھے مسجد سے باہر نکل آئے۔ اس واقعہ کی اطلاع جب بعض سمجھدار لوگوں کو ملی تو وہ صاحب بہادر کے پاس گئے اور معذرت کرنے لگے کہ آپ کو اُن ناواقف لوگوں کی اس ناشائستہ حرکت سے ناراض نہیں ہونا چاہئے"۔ صاحب بہادر نے فرمایا "بخدا میں ہرگز ناراض نہیں کیونکہ میں خوب جانتا ہوں کہ اسلام پاک اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جس قدر صفائی اور پاکیزگی کی تاکید کی ہے اس کی نظیر کسی دوسرے مذاہب اور شریعت میں نہیں مل سکتی۔ میں نے ان مسلمانوں کا اسلام قبول نہیں کیا بلکہ تیرہ سو برس پہلے کا سچّا اسلام قبول کیا ہے جو طہارت و نظافت کا بیحد مؤید و خواہاں ہے۔

طہارت کے چار درجے ہیں

اسلام پاک چونکہ ایک ہی سلامتی کا پاک طریق ہے۔ اس لئے اس نے طہارت و پاکیزگی کو بدرجہ کمال پہنچایا ہے۔ اسلام میں طہارت کے چار مرتبے ہیں۔ پہلا ماسوی اللہ سے اپنے دل کو ایسا پاک کرنا کہ سوائے خدائے پاک کہ کوئی دوسرا معبود محبوب اور مطاعؔ نہ رہے۔ یہ ایمان کی ایک شرط ہے۔ اس کے بغیر ایمان کامل نہیں ہوتا۔ دوسرا درجہ اخلاقِ ذمیمہ جھوٹ۔ ریا ۔ تکبر۔ حرص، حسد، عداوت، رعونت، خصومت وغیرہ سے دل کو پاک کرنا یہ بھی ایمان کی ایک شرط ہے۔ اور یہ درجہ متقیوں کے ایمان کا ہے۔ تیسرا درجہ اُن تمام اعضاء جوارح کا نافرمانی و عصیان سے روکنا اور اپنی زبان، آنکھ، کان، ہاتھ، پاؤں کو گناہوں اور ناواجب کاموں سے پاک رکھنا۔ مثلاً غیبت، خیانت، حرام خوری، نامحرم کو دیکھنے اور ناواجب باتیں سننے اور بُرے کاموں کے کرنے سے روکنا اور سب محرمات سے اندامون کو بچانا یہ بھی ایمان کا ایک جز ہے۔ اور یہ درجہ پارساؤں کے ایمان کا ہے۔ چوتھا درجہ یہ ہے کہ انسان اپنے بدن کو پاک وصاف اور

اپنے لباس کو ہر قسم کی غلاظت اور گندگی سے بچائے رکھے اور سب طرح کی پلیدیوں سے پاک رہے۔ یہ پاکی بھی ایمان کی ایک شاخ ہے اور یہ چوتھا درجہ عام مسلمانوں کا ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ نماز کیلئے مکان اور لباس کی پاکیزگی شرط ہے اور بغیر اس کے نماز نہیں ہوتی۔

مکان اور لباس کی صفائی نماز کیلئے کیوں شرط ہے؟

(۱) اس کی وجہ یہ ہے کہ بادشاہوں کے دربار میں صفائی اور پاکیزگی مکان ولباس کا لحاظ ہوتا ہے۔ ان کے دربار میں حاضر ہونے والوں کے لئے لباس کی ستھرائی ضروری ہوتی ہے۔ جس طرح مکان کی صفائی اور لباس کی ستھرائی بادشاہوں کو پسند ہے۔ اسی طرح اس شہنشاہ حقیقی اور بادشاہِ اصلی مالک الملوک کی پاک ذات کو پاکیزگئ بدن اور ستھرائی لباس اور صفائی مکان اور نظافت دل مدنظر ہے۔ کیونکہ وہ پاک ہے اور ہر قسم کی گندگی ومیل سے اس کو نفرت و کراہیت ہے۔

(۲) یہ بھی ظاہر ہے کہ ناپاکی اور میل سے شیاطین کو مناسبت ہے۔ اس لئے قدوس کے دربار میں جانے اور اُس کے حضور میں کھڑا ہونے کے وقت شیاطین سے مناسبت رکھنے والی چیزوں سے بکلّی قطع تعلق وکنارہ کرنے کا حکم ہوا۔ چونکہ خدائے پاک کی ذات تمام پاکیزگیوں کا سرچشمہ اور منبع ہے۔ اس لئے ناپاکی سے اُس کے حضور میں خلل واقع ہوگا۔ امر فرمادیا کہ کوئی آدمی بے طہارت ونظافت اس کے حضور میں کھڑا نہ ہو۔

(۳) اسلام پاک نے انسان کو جتنے افعال طہارت اور نظافت اور نماز کے تعلیم کئے ہیں وہ دراصل خود مقصود بالذات نہیں ہیں بلکہ وہ ایک دوسرے اعلیٰ مقصد کے حاصل کرنے کے درمیانی ذرائع ہیں۔ سو وہ مقصد اعلیٰ خدائے قدوس کی ذاتِ والاصفات ہے۔ چونکہ وہ پاک ہے اور پاکی کو پسند کرتا ہے اور وہ چاہتا ہے کہ اس کے بندے بھی پاک بنیں۔ اس لئے اس نے اپنی رضا کا اظہار پاکیزگی وطہارت میں رکھا۔ پس جو آدمی طہارت ظاہری وباطنی سے غافل ہے اور نجاست ظاہری وباطنی سے آلودہ رہتا ہے۔ وہ خدائے پاک کی نارضامندی اور اس کے غضب

کا مظہر ہے۔ یہی سبب ہے کہ اسلام پاک نے ہر قسم کی ناپاکی اور پلیدی سے خواہ وہ ظاہری ہو یا باطنی بچے رہنے کی سخت تاکید کی۔

(۴) نمازی سب ایک دوسرے سے مل کر کندھے سے کندھا لگا کر نماز میں کھڑے ہوتے ہیں۔ حفظانِ صحت کے اصول کو مدنظر رکھ کر بھی نماز کی شرط پاکیزگی قرار دی گئی۔ تا کہ ایک دوسرے سے نفرت نہ ہو۔ اور بیماری کے اثرات سے بھی نمازی محفوظ رہیں۔

(۵) جن موقعوں پر زیادہ آدمیوں کی کثرت ہوتی ہے جیسے جمعہ وعیدین سواس کے لئے مزید احتیاط کے لئے غسل وخوشبو لگانے اور نئے کپڑے پہننے کا اس لئے امر کیا کہ ہر ایک قسم کے گندے اثرات سے سب لوگ محفوظ رہیں۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ کے زمانہ میں جمعہ کے روز مسجد میں بخور جلایا جاتا تھا۔ کبھی کبھی مشک وعنبر کا بھی استعمال ہوتا تھا۔ تا کہ گندی ہوا صاف ہو جائے اور اجتماع سے کوئی مضرِ صحت اثر نمازیوں پر نہ پڑے۔

غسل

غسل کا طریقہ

شرع اسلام نے مسلمانوں کو غسل کرنے کا سختی کے ساتھ حکم دیا ہے۔ غسل کرنے والے کو چاہئے کہ پہلے گٹّے تک ہاتھ دھوئے پھر استنجے کی جگہ پاک کرے، استنجے کی نجاست ہو یا نہ ہو، ہاتھوں اور استنجے کے مقام کو ہر حال میں پہلے دھونا چاہئے۔ پھر جہاں جہاں بدن پر نجاست لگی ہو پاک کرے۔ پھر وضو کرے۔ اگر آدمی کسی چوکی یا پتھر پر غسل کر رہا ہو تو وضو کرتے وقت پیر بھی دھولے۔ اور اگر ایسی جگہ ہے کہ پیر بھر بھر جائیں گے اور غسل کے بعد پھر دھونے پڑیں گے تو سارا وضو کرے مگر پیر نہ دھوئے۔ پھر وضو کے بعد تین مرتبہ اپنے سر پر پانی ڈالے۔ پھر تین مرتبہ داہنے کندھے پر۔ پھر تین بار بائیں کندھے پر۔ پانی ایسی طرح ڈالے کہ سارے بدن پر پانی بہہ جائے۔ پھر اس جگہ سے ہٹ کر پاک جگہ میں آجائے اور پیر دھولے اور اگر وضو کے وقت پیر

دھو لئے ہوں تو اب دھونے کی ضرورت نہیں۔ (عام کتب)

یہ غسل کا طریقہ ہے جو اسلام پاک نے سکھایا ہے اور دراصل ایک بہترین طریقہ ہے اور یہ طریقہ جو اوپر بیان ہوا ہے سنت کے موافق ہے۔ اس میں بعض چیزیں فرض ہیں کہ ان کے بغیر غسل درست نہیں ہوتا۔ آدمی ناپاک رہتا ہے۔ بعض چیزیں سنت ہیں۔ ان کے کرنے سے ثواب ملتا ہے۔ فرض فقط تین چیزیں ہیں (۱) اس طرح کُلّی کرنا کہ سارے منہ میں پانی پہنچ جائے (۲) ناک میں پانی ڈالنا جہاں تک ناک نرم ہو (۳) سارے بدن پر پانی پہنچانا۔ باقی چیزیں سنت ہیں۔ جن سے غسل کی تکمیل ہوتی ہے۔

غسل کی تاکید اور اس کی وجہ

انسان کے جسم میں قریب ساڑھے تین ہزار کے نہایت باریک مسامات ہیں جن کے راستے پسینہ، چکنائی اور دیگر زہریلے مادّوں سے جو خارج ہوتے رہتے ہیں ڈھک جاتے ہیں۔ چنانچہ ایک دن رات میں انسان کے جسم سے ایام گرما میں قریب ڈھائی سیر اور ایامِ سرما میں قریب ایک سیر کے پسینہ خارج ہوتا ہے جس میں فی سیر قریباً تولہ پون تولہ (۳/۴) زہریلا مادہ ہوتا ہے جو کہ میل کی صورت میں جسم پر جم جاتا ہے۔ اس کو دور کرنے کے لئے غسل کرنا ضروری ہے (۲) جب انسان غسل کرتا ہے تو مسامات کے ذریعہ سے تھوڑا سا پانی بھی جسم کے اندر چلا جاتا ہے جس سے جسم کو تسکین سی ہو جاتی ہے۔

حکماء کے نزدیک ایام گرما میں جبکہ شدت کی گرمی پڑ رہی ہو تو تین چار دفعہ دن میں نہانا بھی مضر نہیں ہے۔ البتہ ایام سرما میں ٹھنڈے یا گرم پانی سے ایک دفعہ بالضرور غسل کرنا چاہئے۔ پس اگر انسان روزانہ غسل کر لیا کرے تو بہت اعلیٰ درجہ کی چیز ہے۔ مگر روز مرّہ کا نہانا کبھی کبھی حالت جسم اور بار ہا موسم یا ملکی آب و ہوا کی وجہ سے بُرے نتائج پیدا کرتا ہے۔ اس لئے دن رات میں پانچ دفعہ وضو کر لینا نہانے سے بدرجہا مفید ہوتا ہے۔ مگر جنابت کی حالت میں مسلمانوں پر غسل فرض ہے اور ساتویں روز جمعہ کے دن مذہباً ان کو نہانے کی تاکید ہے۔ ہر روز پانچ مرتبہ

منہ اور ہاتھ اور پاؤں دھونا اور اس کے ساتھ مسواک کرنا ساتویں روز غسل کرنا خوشبو لگانا کس درجہ مناسب اور معتدل اور معقول احکام طریقہ اسلامی کے ہیں۔

بعض مسلمانوں کے گندہ رہنے کا سبب

سوال ہوسکتا ہے کہ کیا دوسرے لوگ پاک وصاف نہیں ہوتے۔ حالانکہ اس سے انکار نہیں ہوسکتا کہ اکثر ہندو روز غسل کرتے ہیں اور یوروپین اصحاب بھی ہر روز نہاتے ہیں۔ ان کے مقابلہ میں وہ تارک الصلوٰۃ مسلمان جو نماز کی غرض سے وضو نہیں کرتے یا کبھی کبھی افیون کے اثر سے ساتویں روز کے غسل میں بھی پہلوتہی کر لیتے ہیں۔ اور پھر دن تک لیٹے رہتے ہیں۔ نہ منہ ہاتھ دھوتے ہیں اور نہ مسواک کرتے ہیں جس کی وجہ سے یہ ناصاف معلوم ہوتے ہیں لیکن واقعہ یہ ہے کہ آج کل کے مسلمانوں میں حقیقی اسلام کا چرچا نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی مسلمانی کے تمام ڈھیر ڈھیلے ہیں جس قوم کو اپنی طہارت ونظافت اور صفائی پر ناز تھا۔ زمین کے ہر حصہ کے تمام لوگ جن کی صفائی کا دم بھرتے تھے۔ آج وہ ہندوستان کے تمام باشندوں میں گندے اور نامبارک سمجھے جاتے ہیں۔ سمجھنے والوں کا قصور نہیں ہے۔ قصور خود مسلمانوں کا ہے جو چیز ان میں قابل قدر تھی۔ وہ انھوں نے الگ رکھ دی۔ انسان انسان سب برابر ہیں۔ خوبیوں کی چادریں ایک کو دوسرے سے ممتاز رکھتی ہیں۔ جب مسلمانوں نے اپنے قومی شعار کی چادر اُتار پھینکی تو ان کا قومی امتیاز بھی جاتا رہا۔ یہ حالت مسلمانوں کی اب ہے۔ اس سے پہلے یہ حالت نہ تھی۔ اب تو مسلمانوں نے نماز کو ڈھکوسلا اور ملاؤں کی تقلید سمجھ کر چھوڑ دیا ہے۔ دو گھنٹہ دن چڑھے تک سو کر اُٹھنے پر بھی کھانے کے وقت تک منہ دھونے کی نوبت نہیں آتی جو حد سے زیادہ قابل شرم امر ہے۔ مسلمان یاد رکھیں کہ ہماری خوشنما صورت اسی وقت قابل دیکھنے کے ہوسکتی ہے کہ ہم احکام اسلام کے پورے طور پر پیرو ہوں۔

غسل فرض ہونے کی صورتیں

غسل حالت جنابت میں فرض ہے۔ حیض اور نفاس کے بعد بھی فرض ہے۔ ایسی حالت

میں خدا کی مقدس کتاب قرآن مجید کا چھونا اور اس کا پڑھنا اور مسجد میں جانا جائز نہیں ہے۔

جن صورتوں میں غسل واجب ہے:

(۱) اگر کوئی کافر اسلام لائے اور حالتِ کفر میں اس کو حدثِ اکبر ہوا ہو۔ اور وہ نہایا ہوا نہ ہو۔ یا نہایا ہو مگر شرعاً وہ غسل صحیح نہ ہوا ہو۔ تو اس پر اسلام لانے کے بعد نہانا واجب ہے (۲) اگر کوئی شخص پندرہ برس کی عمر سے پہلے بالغ ہو جائے نہانا واجب ہے (۳) مسلمان مردہ کی لاش کو نہلانا مسلمانوں پر واجب کفایہ [1] ہے۔

جن صورتوں میں غسل سنت ہے:

(۱) جمعہ کے دن نماز فجر کے بعد جمعہ تک ان لوگوں کو غسل کرنا سنت ہے جن پر نماز جمعہ واجب ہے۔

(۲) عیدین کے روز بعد فجر ان لوگوں کو غسل کرنا سنت ہے جن پر عیدین کی نماز واجب ہے۔

(۳) حج یا عمرے کے احرام کے لئے غسل کرنا۔

(۴) حج کرنے والے کو عرفہ کے دن بعد زوال کے غسل کرنا۔

عیدین اور جمعہ اور حج کا غسل بظاہر اس لئے ضروری ہے کہ گندگی سے ہوا کے خراب ہو جانے کا احتمال رہتا ہے اور دوسروں کو تکلیف کا اندیشہ ہوتا ہے۔

غسل مستحب کی صورتیں

غسل مستحب ہے:

(۱) اسلام لانے کے لئے اگرچہ حدثِ اکبر سے پاک ہو۔

(۲) کوئی لڑکا یا لڑکی جب پندرہ برس کی عمر کو پہنچے اور اس وقت تک کوئی علامت جوانی کی نہ

---

[1] واجب کفایہ یہ ہے کہ اگر چند مسلمان اس کو ادا کر دیں تو سب کے ذمہ سے وہ واجب ادا ہو جاتا ہے۔ اور اگر کوئی بھی ادا نہ کرے تو سب پر وجوب باقی رہتا ہے۔

پائی جائے۔

(۳) پچھنے لگوانے کے بعد اور جنون اور مستی اور بیہوشی دفع ہو جانے کے بعد۔

(۴) مردے کو نہلانے کے بعد نہلانے والوں کو غسل کرنا۔

(۵) شب برأت یعنی ماہ شعبان کی پندرھویں شب کو غسل کرنا۔

(۶) شب قدر میں اُس آدمی کو غسل کرنا مستحب ہے جس کو لیلۃ القدر معلوم ہوئی ہو۔

(۷) مدینہ منورہ میں داخل ہونے کے لئے غسل کرنا۔

(۸) مزدلفہ میں ٹھیرنے کے لئے دسویں تاریخ کو صبح کے بعد نماز فجر کیلئے غسل کرنا۔

(۹) طواف زیارت کے لئے غسل کرنا۔

(۱۰) کنکری پھینکنے کے وقت غسل کرنا۔

(۱۱) کسوف اور خسوف اور استسقا کی نمازوں کے لئے غسل کرنا۔

(۱۲) خوف اور مصیبت کے لئے غسل کرنا۔

(۱۳) کسی گناہ سے توبہ کرنے کے لئے غسل کرنا۔

(۱۴) سفر سے واپس آنے پر غسل کرنا (ردالمحتار وغیرہ)

غرضیکہ نہانے دھونے کے احکام شرع اسلام میں شرح و بسط کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں اور شارع علیہ الصلوۃ والسلام نے بڑا اعتدال ملحوظ رکھا ہے۔ اگر ان پر عمل کیا جائے تو نہایت صفائی کے ساتھ آدمی رہ سکتا ہے جسم کو صاف اور طبیعت کو مفرح رکھنے کے لئے اس قدر پانی کا استعمال کافی ہے جس قدر کہ اسلام پاک نے ضروری ٹھہرایا ہے اور اگر کچھ مبالغہ کیا جائے تو بھی کہیں شرع میں ممانعت نہیں ہے۔ دن بھر میں سو ۱۰۰ دفعہ غسل کیا جائے تو شرع کے خلاف نہیں ہے۔ ہاں جہاں کہیں پانی بہ آسانی میسر نہیں آتا البتہ وہاں پانی کو فضول گرانا اس طرح کہ ذی حق اس سے محروم ہیں داخل اسراف ہے اور یہ ایک بالکل جدا مسئلہ شرع کا ہے۔

جنابت سے غسل واجب ہونے کی وجہ

(۱) جماع میں تلذّذ ہوتا ہے۔ اور اس سے مسامات کے ذریعہ سے پسینہ کا اخراج ہوتا ہے اور پسینہ کے نکلنے سے بھی خون میں سے ایک قسم کا زہر خارج ہوتا ہے۔ اور ساتھ ہی منی کے نکلنے سے آدمی کے بدن کے تمام مسامات کھل جاتے ہیں۔ اور ان سے لیسدار پانی نکلتا ہے جس کے ساتھ اندرونی حصۂ بدن کے گندے مواد بھی خارج ہوتے ہیں جو کہ مسامات بدن پر آکر ٹھیر جاتے ہیں۔ لہذا منجملہ اور وجوہات غسل کے ایک یہ بھی بڑی وجہ ہے۔ کیونکہ اگر ان گندے مادّوں کو نہ دھویا جائے تو خطرناک امراض کے پیدا ہونے کا اندیشہ ہے۔

(۲) تمام اطباء کہتے ہیں کہ خروج منی سے تمام بدن کو ضعف اور کمزوری پہنچتی ہے۔ انسان جب مجامعت سے فارغ ہوتا ہے تو وہ اپنے آپ کو نہایت تنگی اور کٹھن میں پاتا ہے۔ بدن میں گرانی و کاہلی اور کمزوری و غفلت پیدا ہو جاتی ہے جس کی وجہ سے آدمی کا دل ایک انقباض اور تنگی کی حالت میں ہوتا ہے اور اس پر تنگی اور غم ساطاری ہو جاتا ہے۔ روح گھبرانے لگتی ہے۔ پس خروج منی سے چونکہ تمام بدن کو ضعف پہنچتا ہے اس لئے بغرض حصول انبساط اور دفع انقباض شرع نے غسل فرض قرار دیا۔

تمام طبیبوں کا اتفاق ہے کہ جماع کے بعد غسل کرنے سے دل میں قوت و نشاط سرور اور بدن میں سبکساری پیدا ہوتی ہے۔ بدن پر پانی بہنے سے اس کو طاقت آتی ہے۔ پانی کے استعمال سے کمزوری جاتی رہتی ہے۔ بے شک غسل کرنا بدن کی تحلیل شدہ قوتوں اور کمزوریوں کو لوٹا دیتا ہے اور بدن و روح کے لئے نہایت نافع اور مفید ہے۔ انسان کا بدن ہلکا پھلکا ہو جاتا ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا اپنے اوپر سے ایک پہاڑ اُتر گیا ہے۔ جنابت میں رہنا اور غسل نہ کرنا جسم و روح کے لئے سخت مضر ہے۔ اس لئے شارع علیہ السلام نے غسل کرنے کا امر فرمایا جو ہر ایک سلیم الطبع اور فطرت صحیحہ والے آدمی کے نزدیک مناسب بلکہ ضروری ہے کیونکہ اس سے تمام بدن کو فائدہ پہنچتا ہے۔ آدمی جب اپنے بدن کو ملتا اور اس پر پانی ڈالتا ہے اور نہا دھو کر اچھے

کپڑے بدل کر خوشبو لگاتا ہے تب بدن کی تمام سستی و کاہلی اور تنگی دور ہو جاتی ہے۔ اور ایک خاص قسم کی راحت و شگفتگی معلوم ہونے لگتی ہے۔ اسی کو شریعت حقہ میں ملحوظ رکھ کر پہلی حالت کو حدث اور دوسری کو طہارت سے موسوم کیا گیا ہے۔

۳۔ عارفین کہتے ہیں کہ جنابت والے سے ملائکہ نفرت کرتے ہیں۔ کیونکہ وہ پاک اور نورانی مخلوق ہے۔ اور شرع میں اس امر کی صراحت موجود ہے کہ آدمی کے اعمال و افعال اور اس کے رفع درجات اور اس پر نزول انوار و برکات کا درمیانی واسطہ اور ذریعہ فرشتے ہی ہیں۔ انسان جب غسل کر لیتا ہے تو ملائکہ پھر اس سے قریب ہو جاتے ہیں۔ اور وہ نفرت و دوری جاتی رہتی ہے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ آدمی جب سوتا ہے تو اس کی روح کو ملائکہ آسمان پر لے جاتے ہیں۔ اگر وہ روح طہارت کی حالت میں ہوتی ہے تو اس کو بارگاہِ الٰہی میں سجدہ کرنے کی اجازت ملتی ہے۔ اگر وہ جنابت کی حالت میں ہو تو اس کو سجدہ کرنے کا اذن نہیں دیا جاتا۔ اسی واسطے شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حکم دیا کہ حدث کے دور کرنے میں جلدی کیا کرو۔ اور اگر جنبی کو سونے کی ضرورت ہو تو وہ کم از کم وضو کر کے سو جائے۔ کیونکہ وضو کو شرع میں چھوٹی طہارت کہتے ہیں۔

بول و براز سے غسل واجب نہ ہونے کی وجہ

۱۔ بول و براز ایک ایسی حاجت ہے کہ جو ہر ایک آدمی کو دن رات میں بکثرت پیش آیا کرتی ہے۔ اگر شرع اسلام خروجِ بول و براز سے بھی غسل کرنا واجب ٹھیراتی تو عقلاً غیر ضروری ہونے کے علاوہ لوگوں کا سخت حرج ہوتا اور ایک ایسی سخت محنت و مشقت پڑتی جو کہ حکمت و رحمت اور مصلحت الٰہی کے بالکل خلاف ہوتی۔ اور اسلام پاک جیسے آسان اور عالمگیر مذہب کیلئے ناموزوں اور نامناسب تھی۔

۲۔ حاذق طبیبوں نے لکھا ہے کہ منی جسم انسانی کا ایک نچوڑ ہے جو سارے بدن سے تعلق رکھتی ہے۔ قدرت نے اس کے نکلنے کا راستہ گو عضوِ تناسل مقرر کیا ہے۔ مگر وہ تمام بدن کا سَت[1] ہے۔

[1] یعنی طاقت، زور، ہمّت، خلاصہ، جوہر۔

اسی واسطے اس کے نکلنے سے بدن کو بہت ضعف اور کمزوری لاحق ہوتی ہے اور بول و براز صرف پانی اور غذا کے فضلے ہوتے ہیں جو مثانہ و معدہ میں جمع رہتے ہیں۔ بول و براز کی حالت میں صرف ان کے مخارج اور بعض دوسرے اعضاء کا دھو دینا کافی قرار دیا گیا اور خروج منی سے چونکہ تمام بدن کو ضعف پہنچتا ہے۔ اس لئے تمام بدن کا دھونا ہی مناسب بلکہ ضروری تھا، تاکہ تمام بدن پاک وصاف اور تروتازہ ہوجائے غرضکہ خروجِ منی سے غسل کا واجب و لازم ہونا اور بول و براز سے صرف وضو واجب ہونا شریعتِ اسلامیہ کی بڑی خوبیوں اور رحمت و حکمت اور مصلحت الٰہی کی وجہ ہے۔

غسل کے باقی لوازمات کے وجوہات

ا۔ غسل جنابت میں پہلے وضو کرنے کا اس لئے حکم دیا ہے کہ ایک تو آدمی اگر پہلے وضو کرلے تو ان جگہوں پر پانی عمدگی اور آسانی سے پہنچ جاتا ہے جہاں تکلیف کے ساتھ پہنچانے کی ضرورت ہوتی ہے اور ان اعضاء کو آدمی اول اطمینان سے تر کرلیتا ہے۔ اور دوسرا یہ کہ وضو طہارتِ صغریٰ ہے اور غسل طہارت کبریٰ۔ ان دونوں چھوٹی بڑی طہارتوں سے نفس کو اور زیادہ تنبیہ اور آگاہی ہوجاتی اور کامل پاکیزگی حاصل ہوجاتی ہے۔

۲۔ پیروں کو غسل کے بعد دھونے کی وجہ یہ ہے کہ بلا فائدہ عضو کا بار بار دھونا لازم نہ آئے اور پانی کا بیجا اسراف نہ ہو۔

ہر بال کے نیچے جنابت ہونے کا راز

۳۔ غسل کی تاکید اور اہتمام کے لئے حکم دیا ہے کہ ہر بال کے نیچے جنابت ہے۔ شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام نے امر فرمایا کہ "بالوں کو دھو ڈالو اور بدن کا میل اُتارو"۔ اور یہ ظاہر ہے کہ اگر کوئی آدمی ایک عضو کا کچھ حصہ دھولے اور کچھ حصہ چھوڑ دے تو وہ دھونا ادھورا ہے۔ جب تک وہ پورے طور پر اس عضو کو نہ دھولے تو وہ پاک نہیں ہوسکتا۔ اسی طرح ہر ایک بال کی جگہ دھو دینا

غسل کے معنیٰ کو ثابت کرتا ہے۔ دوسرا اس حکم سے سستی و کاہلی کا دروازہ بند کرنا بھی مقصود ہے۔ تیسرا چونکہ منی کے خروج سے تمام مسامات کھل جاتے ہیں اور ان سے زہریلا مادّہ خارج ہوتا ہے اور ہر ایک بال کی جڑ سے وہ مادّہ باہر نکل کر وہیں جم جاتا ہے اس لئے جب تک ہر ایک بال کے نیچے پانی نہ پہنچایا جائے طہارت کامل نہیں ہو سکتی۔

کافر کو اسلام لاتے وقت غسل کا راز

۴۔ کافر کو اسلام لانے کے وقت غسل کا حکم دینے میں یہ حکمت ہے کہ اُس کو ظاہر میں بھی ایک چیز سے باہر آجانا معلوم ہو جائے۔ اور اس کو اس امر کی تنبیہ ہو جائے کہ جیسا اس نے اپنے ظاہر کو پاک کیا ہے ایسا ہی اپنے باطن کو بھی تمام سابقہ گندے رسومات اور باطلہ اعتقادات سے دھوڈالے اور پاک ہو جائے۔

حائضہ اور جنبی کو مسجد میں داخل ہونے کی ممانعت

۵۔ حائضہ عورت اور جنبی کو مسجد میں داخل ہونے کی اس لئے ممانعت کی گئی ہے کہ مسجد نماز پڑھنے اور ذکرِ الٰہی کرنے کا مقام ہے۔ خدا کا گھر ہونے کی وجہ سے ہر مسلمان پر واجب ہے کہ وہ اس کی عزت و حرمت کرے۔ مسجد کعبہ مکرمہ کا ایک نمونہ ہے۔ اور شعائر الٰہی میں داخل ہے۔ پس ایسی ناپاک حالت میں شعائر الٰہی کے اندر جانا خلاف ادب سمجھ کر منع کر دیا گیا۔ قرآن حکیم نے اس کے لئے ایک عام حکم سنایا:

و من یعظم شعائر اللہ فانھا من تقوی القلوب (الحجّ:۳۲)

”اللہ کے نام لگی چیزوں کا ادب کرنا دل کی پرہیز گاری (کی علامت) ہے“۔

۶۔ حائضہ اور جنبی کو قرآن کریم کے چھونے اور اس کے پڑھنے سے بھی اسی لئے منع کیا گیا وہ خدائے پاک کا کلام مجید ہے اور شعائر اللہ میں داخل ہے خدائے پاک نے اس کی نسبت ارشاد فرمایا:

لایمسّہ الا المطھرون (الواقعۃ:۷۹)

پاکوں کے سوائے کوئی اس کو ہاتھ نہیں لگا سکتا۔

۷۔ غسل کرتے وقت اگر کپڑا میسر نہ ہو تو قبلہ کی طرف منہ نہ کرے یہ بھی قبلہ کی عزت و حرمت کی وجہ سے ہے۔

غسل کرتے وقت حکم ہے کہ پانی بہت زیادہ نہ پھینکے اور نہ بہت کم لے جس سے اچھی طرح غسل نہ ہو سکے اور ایسی جگہ غسل کرے کہ جہاں اس کو کوئی دوسرا نہ دیکھے۔ اور غسل کرتے وقت باتیں نہ کرے اور غسل کے بعد کسی کپڑے سے اپنا بدن پونچھ ڈالے اور بدن ڈھکنے میں بہت جلدی کرے۔ اس لئے کہ ہوا کا اثر بدن نہ پڑے، اور عورت اپنے ستر اور پردہ کی وجہ سے پھر اس میں بہت جلدی کرے۔ بلکہ عورت کو حکم ہے کہ وضو کرتے وقت اگر پیر نہ دھوئے ہوں تو غسل کی جگہ سے ہٹ کر پہلے اپنا بدن ڈھکے پھر دونوں پیر دھوئے۔ عورت کیلئے یہ بھی حکم ہے کہ وہ بیٹھ کر غسل کرے گو تنہائی کی حالت میں کھڑی ہو کر نہانا جائز ہے۔ مگر بیٹھ کر نہانا بہتر ہے کیونکہ اس میں پردہ زیادہ ہے اور ناف سے لے کر گھٹنے کے نیچے تک دوسری عورت کے سامنے بھی بدن کھولنا عورتوں کیلئے گناہ ہے۔ نیز یہ بڑی بے غیرتی کی بات ہے۔ نہانے کے بعد لباس خواہ موٹے جھوٹے کپڑے کا ہو لیکن صاف ہو پہننا چاہئے۔ بھیگے کپڑے پہننے سے کئی بیماریاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ لہذا اگرمی یا سردی میں بلا عذر بھیگے کپڑے ہرگز نہ پہننے چاہئیں۔ یہ سب اُمور جس حکیمانہ مصلحت پر مبنی ہیں، اُن کی خوبی پر عقل و فطرت سلیمہ گواہ ہے۔

طہارت مادی و معنوی کی حکمتیں

علمائے کاملین کے نزدیک چونکہ طہارت سے غرض یہ ہے کہ انسان کا باطن اس سے منور ہو جائے۔ اور انس و سرور کی حالت پیدا ہو اور افکار رَدیّہ دور ہو جائیں۔ اور تشویشات و پراگندگیاں جاتی رہیں۔ اس لئے طہارت کا اثر بھی سب پر یکساں نہیں پڑ سکتا۔ اس اثر کی وجہ سے اس کے چار درجے قرار دیئے گئے ہیں:

۱۔ اپنے بدن ولباس کو سب پلیدیوں سے پاک وصاف رکھنا۔ یہ پاکی بھی ایمان کا جزو ہے اور یہ درجہ عام مسلمانوں کا ہے۔

۲۔ اپنے کل انداموں یعنی زبان، آنکھ، کان، ہاتھ، پاؤں کو گناہ و ناواجب کاموں سے پاک رکھنا اور یہ درجہ پارساؤں کے ایمان کا ہے۔

۳۔ پلید اخلاق، حسد، کبر، ریا، عداوت، بغض، غصہ وغیرہ سے دل کو پاک کرنا ایمان کی ایک شرط ہے۔ یہ درجہ متقیوں کے ایمان کا ہے۔

۴۔ غیر اللہ سے دل کو بالکل پاک کرنا یہ بھی ایمان کی ایک شرط ہے اور یہ درجہ کاملوں کا ہے۔

ہر ایک طبقہ کے لوگ اپنے اپنے درجہ کے موافق طہارت کا مفہوم سمجھتے اور اس کا خیال رکھ کر حاصل کرنے کی سعی کرتے ہیں۔ طہارت ظاہری اور باطنی کی حکمتیں تو بے شمار ہیں تاہم خلاصۃً چند ایک بیان کر دی جاتی ہیں:

۱۔ جسم کو پانی سے دھو کر پاک وصاف رکھنے سے بدن میں بہجت وخوشی پیدا ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ میل کچیل دور ہو جانے سے بدن بہت سی بیماریوں سے محفوظ رہتا ہے۔

۲۔ مومن کا جب کپڑا صاف ہوگا اور اس کے ساتھ بدن بھی پاک ہوگا تو بے شک ان کا اثر دل پر پڑے گا۔ جس کی وجہ سے دل میں راحت وسرور پیدا ہوگا۔ اور دل کا سرور تمام افکار ردیّہ کو دور کر دے گا۔ اسی واسطے کہا جاتا ہے کہ طہارت کی روح نور باطن وسرور دل اور اطمینان خاطر ہے۔

۳۔ عارفین کاملین کے نزدیک نفس انسانی کا شہوت وحرص کی آلودگی اور خود بینی وخود آرائی سے پاک وصاف ہو کر عبادت الٰہی کیلئے تیار ہو جانا طہارت معنوی ہے۔ یہ ایک ایسی پاک حالت ہے کہ جس سے ہر قسم کی خوبیاں مثلاً ہمدردی، تواضع، انکسار، مساوات، تحفظ حقوق العباد وغیرہ پیدا ہوتی ہیں۔ اور یہی سبب ہے کہ کسی کی حق تلفی نہ کرنے کو بھی طہارت معنوی میں داخل کیا گیا ہے۔ ضرورت ہے کہ طہارت کرنے والا طہارت کے معانی

مقصود ومراد مطلوبہ کو سمجھ کر اس کو حقیقی طور پر حاصل کرنے کی کوشش کرے اور وہ یہ ہے:

ہاتھ کی طہارت

طہارت کرنے والا جب ہاتھ دھونے لگے تو یہ خیال کرے کہ میں نے جہاں ان ہاتھوں کو ظاہری میل سے پاک کیا ہے وہاں باطنی میل یعنی گناہوں سے بھی پاک کیا۔ طہارت دست کا مقصود یہ ہے کہ غسل یا وضو کرنے والا اپنے دونوں ہاتھوں سے کسی ایسی چیز کے پکڑنے یا لینے سے باز رہے جس میں خدائے پاک کے کسی حکم کی مخالفت ہو۔ کسی کو ناحق اذیت اور نقصان نہ پہنچائے۔ کسی کا بیجا اور ناجائز طریق سے مال حاصل نہ کرے۔ ناحق کسی کو نہ مارے کسی پر ان ہاتھوں سے ظلم وستم اور دست درازی نہ کرے۔ مختصر یہ کہ کسی کو ضرر نہ پہنچائے۔

منہ کی طہارت

(۲) جب طہارت کے وقت منہ میں پانی ڈالے تو دل میں یہ عہد کرے کہ میں نے اپنے منہ کی ظاہری و باطنی گندگیوں کو باہر تھوک دیا۔ منہ کی طہارت کا مفہوم یہ ہے کہ آدمی حرام چیزوں کے کھانے پینے اور حرام باتیں منہ سے نکالنے، گالی گلوچ، جھوٹ اور غیبت سے اپنی زبان کو نگاہ رکھے اور اس کی بجائے ایسے پاک کلمات اپنی زبان اور منہ سے نکالے کہ جو موجب اجر وثواب ہوں۔

ناک کی طہارت

(۳) طہارت کرنے والا جب اپنی ناک میں پانی ڈالے تو سمجھے کہ میں اپنے دماغ سے بُرے خیالات اور گندے توہمات کو باہر نکال دیا۔ ناک کی طہارت کا مقصود یہ ہے کہ انسان اپنی ناک کی بوٹی کے ننگ و عار کی وجہ سے بڑے بڑے بے فرمانی کے کام کر گزرتا ہے۔ کیونکہ ننگ و عار اور خود بینی ایسے امراض ہیں کہ جن سے آدمی اپنے آپ میں بڑا اور متکبر بن جاتا ہے۔ اپنے مقابلہ میں دوسرے بنی نوع کو ادنیٰ وحقیر سمجھنے لگ جاتا ہے۔ رفتہ رفتہ خدا کا بے فرمان اور اس

کی عظمت و کبریائی کی طرف سے بالکل غافل و بے پرواہو جاتا ہے۔ پس ناک صاف کرتے وقت اس کی طہارت کو ملحوظ رکھ کر خیر و بھلائی کی خوشبو سونگھنے کے لئے آمادہ ہو اور بدی وعصیان تکبر و خود پسندی کی بو کو پھینک دے۔

چہرے کی طہارت

(۴) طہارت کرنے والا جب اپنے چہرے کو پاک کرے تو یہ خیال کرے کہ یہ چہرہ ایک دن خدائے ذوالجلال کے سامنے لے کر کھڑا ہوں گا۔ ایسا نہ ہو کہ گناہوں اور نافرمانیوں کی سیاہی سے کالا ہو جائے۔ میں آج اپنے منہ اور چہرے کو جہاں ظاہری گرد و غبار سے پاک و صاف کرتا ہوں وہاں خدائے معبود و محبوب کے سوائے اپنے تمام امیدیں اور توجہات غیروں سے منقطع کرتا ہوں اور اپنے رُخ کا قبلہ و مرجع صرف اسی کو بناتا ہوں۔ یہ سمجھتا ہوا اپنے منہ پر آبِ شرم ڈالے اور بے شرمی سے پردۂ شرم کو خدائے قدوس اُس کے غیروں کے آگے سے نہ اُٹھائے اور اپنی عزت و آبرو کو غیر خدا کے لئے صرف نہ کرے بلکہ اُسی کا بن جائے اور اس کے غیر سے شرم کرے۔

گردن کی طہارت

(۵) طہارت کرنے والا جب اپنی گردن پر پانی ڈالے یا اُس کا مسح کرے تو یہ سمجھے کہ میں نے اپنی گردن کو حرص و ہوائے نفسانی سے چھڑا کر اس پر خدائے پاک کے احکام کی فرمانبرداری اور اطاعت کا جُوا[1] لے لیا۔ اور اب سے میں نے گردن کشی اور اپنی بلندی کے خیال کو بالکل ترک کر دیا۔ اب میری گردن پر خدائے پاک کے احکام کی بجا آوری کا بوجھ رکھ دیا گیا ہے۔ یہ خیال کر کے ان تمام چیزوں کی غلامی کے حلقے سے اپنے آپ کو آزاد کرا لے جو اس کی بارگاہِ قدس کے راستے میں مانع اور روک ہیں۔

[1] ہل یا گاڑی کھینچنے والے بیلوں کے کندھے پر رکھی جانے والی لکڑی یعنی ذمہ داری۔

پیٹھ کی طہارت

(۶) طہارت کرنے والا جب پیٹھ دھونے لگے تو خیال کرے کہ میں نے دُنیا کے سب جھوٹے اور باطل سہاروں سے دست برداری اختیار کی اور سب سے منہ موڑ کر اپنے مولا رحیم و کریم خدائے ذوالجلال کا سہارا اور اُسی کی ذاتِ پاک کو اپنا تکیہ بنایا۔ وہی میرا پشت پناہ اور معین و مددگار ہے۔

سینے کی طہارت

(۷) طہارت کرنے والا سینہ دھوتے وقت یہ سمجھے کہ جس طرح میں اپنے سینے کو باہر سے دھو رہا ہوں دلوں کا مالک خدا میرے سینے کو اندر سے پاک کردے۔ اندر سے تمام روحانی نجاستوں اور خرابیوں کو نکالنا اسی کے اختیار میں ہے۔ یہ سمجھتا ہوا خدا کی مخلوق کے لئے اپنے سینے کو کشادہ کردے۔ تمام قسم کے ایسے گناہ جو خدا کی مخلوق کے لئے دل آزاری اور تنگی کا موجب ہوں ان سے ہمیشہ کے لئے بیزار ہو جائے۔

شکم کی طہارت

(۸) طہارت کرنے والا اپنے شکم کے دھونے کے وقت یہ دعا کرے کہ الٰہی جس طرح میں اپنے شکم کو باہر سے دھو رہا ہوں تو اس کو اندرونی غلاظتوں اور کثافتوں سے پاک و صاف کردے۔ یہ استدعا کرتا ہوا کوشش کرتا رہے کہ اُس میں کوئی حرام اور مشتبہ کھانے پینے کی چیز نہ چلی جائے اور جا کر اس کو گندہ و غلیظ نہ کردے۔

شرمگاہ کی طہارت

(۹) طہارت کرنے والا اپنی شرمگاہ کو دھوتے ہوئے خیال کرے کہ خدائے پاک میرے اس عضو اور حصۂ بدن کو ان تمام اُمورِ ممنوعہ کے لئے اٹھنے بیٹھنے سے بچائے جس طرح

میں اس کی ظاہری نجاست کو دھوکر اس کے جوش کو ٹھنڈا کررہا ہوں۔ خدائے پاک اس کو باطنی خواہشات نفسانیہ سے پاک وصاف رکھے اور اس کے سبب دوزخ کی آگ کو زیادہ بھڑکنے نہ دے۔

قدم کی طہارت

(۱۰) طہارت کرنے والا جب پاؤں دھونے لگے تو خیال کرے کہ پاؤں بھی خدائے پاک کی ایک امانت ہیں۔ اس کے حکم کے خلاف چلانا اس کی امانت میں صریح خیانت ہے۔ یہ سمجھتا ہوا حرص و ہوائے نفسانی کے لئے چلنے اور ایسے کاموں کی طرف قدم اٹھانے سے اپنے پیروں کو روکے رکھے جن میں اس کے احکام کی خلاف ورزی یا اُس کی مخلوق کے لئے ضرر اور نقصان کا باعث ہوں۔ خدائے پاک کے نزدیک مخلوق الٰہی کو دُکھ دینا سب سے بڑا گناہ ہے۔

خُدارا براں بندہ بخشایشے است
کہ خلق از وجودش در آسایشے است

حیض و نفاس سے غسل واجب ہونے کی وجہ

(۱) جس طرح خروج منی سے بدن میں ضعف اور کمزوری پیدا ہوجاتی ہے۔ اسی طرح حیض اور نفاس کی حالت میں بھی ایک تو خون کی آلایش اور گندگی سے بدن نجس اور آلودہ ہوجاتا ہے اور دوسرا خون کے بکثرت جاری ہونے اور اس کی تکلیف اور درد کے باعث تمام پٹھوں پر ایک غیر معمولی اثر پہنچتا ہے جس کی وجہ سے پٹھے کمزور اور سست ہوجاتے ہیں۔ اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا بدن پر کسی نے منوں بوجھ لاد دیا ہے۔ پانی سے غسل کرنے سے فائدہ یہ ہوتا ہے کہ وہ بوجھ ہلکا ہوجاتا ہے۔ پٹھوں کی قوت وطاقت بحال ہوجاتی ہے اور پھر تر وتازہ ہوجانے اور اپنے کام کو عمدگی سے سرانجام دینے لگتے ہیں۔ اگر ایسی حالت میں غسل واجب نہ ہوتا تو کس قدر ناپاکی اور گندگی کا سبق ملنے کے علاوہ جسم وروح کے لئے ضعف اور ضرر کا موجب ہوتا۔

وضو

وضو کے فرائض

چونکہ نماز شعائر اللہ میں سے ایک عظیم الشان چیز ہے۔ لہذا اس شعائر الٰہی میں داخل ہونے کے لئے وضو لازم ٹھیرایا گیا۔ چنانچہ حضرت نبی کریم صلی واللہ علیہ وسلم نے فرمایا مفتاح الصلوۃ الطھور[1] (نماز کی کنجی وضو ہے) نماز سے پہلے انسان اپنے ہاتھ، منہ اور پاؤں دھوتا ہے۔ اُنہی کے دھونے کا نام وضو ہے۔ اس میں چار فرض ہیں: (۱) ایک مرتبہ سارا منہ دھونا (۲) ایک ایک مرتبہ کہنیوں سمیت دونوں ہاتھ دھونا (۳) ایک بار سر کے چوتھائی حصہ کا مسح کرنا (۴) ایک مرتبہ ٹخنوں سمیت دونوں پاؤں دھونا۔ بس فرض اتنا ہی ہے۔ اس میں سے اگر ایک چیز بھی چھوٹ جائے یا کوئی جگہ بال برابر بھی سوکھی رہ جائے تو وضو نہ ہوگا۔

وضو کی سنتیں

(۱) نیت کرنا (۲) پہلے گٹوں تک دونوں ہاتھ دھونا (۳) بسم اللہ کہنا (۴) کلی کرنا (۵) ناک میں پانی ڈالنا (۶) مسواک کرنا (۷) سارے سر کا مسح کرنا (۸) ہاتھ اور پیروں کی اُنگلیوں اور داڑھی کا خلال کرنا۔ یہ سب باتیں سنت ہیں۔ اور ان کے سوائے جو اور اُمور ہیں وہ مستحب ہیں[2]۔

وضو کے مستحب

(۱) گردن کا مسح کرنا (۲) وضو میں کلمۂ شہادت پڑھنا (۳) داہنی طرف سے شروع کرنا۔

---

[1] ترمذی ۱۲

[2] ناک میں پانی کھینچنا۔ تین تین بار اعضاء کو دھونا۔ ہر مرتبہ نیا پانی لینا۔ اعضاء کا پے در پے دھونا۔ ترتیب کا لحاظ رکھنا ۱۲۔ عامہ کتب

وضو کے نواقض

(۱) بول و براز و حدث وغیرہ (۲) خون یا پیپ اگر بہنے لگے (۳) آڑ (تکیہ)[۱] لگا کر سونا (۴) نماز میں قہقہہ لگانا (۵) بیہوش ہونا (۶) مخمور ہونا (۷) مباشرت فاحشہ کرنا۔

وضو کے مکروہ

(۱) دنیا کی باتیں کرنا (۲) داہنے ہاتھ سے ناک صاف کرنا (۳) نجس جگہ بیٹھ کر وضو کرنا (۴) خلاف سنت وضو کرنا (۵) پانی زیادہ صرف کرنا۔

وضو کا طریقہ

وضو کرنے والا نیت کر کے اول بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھے، پھر دونوں ہاتھ تین بار پہنچوں تک دھوئے۔ پھر مسواک کرے اور کلی کرے۔ اس طرح تین دفعہ مسواک اور تین بار منہ میں پانی ڈال کر کُلّی کرے۔ پھر تین بار ناک میں پانی ڈالے۔ بائیں ہاتھ سے ناک صاف کرے۔ پھر تین بار دونوں ہاتھوں سے منہ پر پانی ڈالے۔ اور اچھی طرح دھوئے۔ ماتھے کے بالوں سے ٹھوڑی کے نیچے اور دونوں کانوں تک۔ اس کے بعد تین بار دونوں ہاتھ کہنیوں سمیت؛ پہلے دایاں بعد کو بایاں دھوئے۔ پھر نیا پانی لے کر سر کا مسح اس طرح کرے کہ دونوں ہاتھ تر کر کے اور سب اُنگلیاں ملا کر پیشانی سے گدّی تک لے جائے اور پھر پیشانی تک لوٹائے۔ اس کے بعد کانوں کا مسح اس طرح کرے کہ کانوں کے سوراخوں میں شہادت کی انگلیاں ڈال کر انگوٹھوں کو کانوں کی پشت پر ایک بار پھرائے۔ پھر گردن کا مسح کرے۔ پھر دایاں اور بایاں پاؤں تین بار ٹخنوں سمیت دھوئے۔ پاؤں کی انگلیوں کا خلال کرے۔ ایک عضو خشک نہ ہونے پائے کہ دوسرا دھولے (عامہ کتب)۔

---

[۱] اگر نماز میں کھڑے ہوئے یا رکوع یا سجدے میں سو جائے تو وضو نہیں ٹوٹتا ۱۲۔ مؤلف

وضو کے اسرار و فوائد

(۱) چونکہ وضو کے بغیر نماز نہیں ہو سکتی لہذا خاص خاص صورتوں کے سوا چوبیس گھنٹوں میں پانچ مرتبہ وضو کرنا مسلمانوں پر لازم ہے۔ یورپین لوگ چوبیس ۲۴ گھنٹوں میں ایک مرتبہ ضرور نہاتے ہیں۔ ہنود بھی عموماً ایک مرتبہ اور کبھی کبھی دو مرتبہ ہر روز نہاتے ہیں۔ مسلمانوں کا پانچ مرتبہ وضو کرنا اس امر کا ثبوت ہے کہ مسلمانوں میں تمام قوموں سے زیادہ تر صفائی اور پاکیزگی کا خیال رہتا ہے۔ نہانے میں ایک بات یہ ہے کہ کبھی کبھی حالت جسم، اور بارہا موسم یا ملکی آب و ہوا ہر روز نہانے سے بُرے نتائج پیدا کرتی ہے۔ لیکن وضو خاص خاص امراض کے سوائے کسی حالت میں مضر صحت نہیں سمجھا جاتا۔ اور تفریح طبع جو نہانے کی علت غائی ہے وہ وضو سے بخوبی حاصل ہوتی ہے اور وضو ایک ایسی چیز ہے کہ اس کی خوبیاں اس کے نام سے ہی ظاہر ہوتی ہیں۔

وضو کے لفظی معنیٰ

(۲) علمائے لغت کے نزدیک لفظ وضو عربی لغت وضاءۃٌ سے نکلا ہے جس کے معنی پاکیزگی و صفائی اور خوبی کے ہیں اور وضو لغت میں صاف و ستھرا بننے اور اصطلاح شرع میں طہارتِ صغریٰ یعنی اندامہائے مخصوصہ منہ، ہاتھ، پاؤں کے دھونے، کلّی کرنے اور مسح سر و کان و گردن کو کہتے ہیں۔

(۳) اور یہی وجہ ہے کہ وضو میں ظاہری صفائی کے سوا یہ غرض ہے کہ باطنی و روحانی قویٰ کو بھی عبادت الٰہی کے لئے تیار اور بیدار کیا جائے تاکہ کامل طہارت اور پاکیزگی حاصل ہو۔ زیادہ تر گناہ انسان انھیں اعضاء سے کرتا ہے۔ ان کے دھونے میں یہ بھی اشارہ ہے کہ اسی طرح ان اعضاء کو گناہوں کی میل سے بھی پاک صاف کیا جائے۔ چنانچہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس امر کی طرف اشارہ فرمایا ہے:

من توضأ فاحسن الوضوء خرجت خطایاه من جسده حتی یخرج من تحت اظفاره (بخاری و مسلم)

(لوگو) جو شخص اچھی طرح وضو کرتا ہے اُس کے بدن سے (سر سے لے کر) ناخنوں کے نیچے تک کے گناہ نکل جاتے (یعنی بخشے جاتے) ہیں۔

دوسرے موقع پر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اذا توضأ العبد المومن او المسلم فغسل وجهه خرج من وجهه کل خطیئة نظر الیها بعینه مع الماء او مع اخر قطر الماء فاذا غسل یدیه خرج من یدیه کل خطیئة بطشتها یداه مع الماء او مع اخر قطر الماء فاذا غسل رجلیه خرج کل خطیئة مشتها رجلاه مع الماء او مع اٰخر قطر الماء حتی یخرج نقیا من الذنوب (مسلم شریف)

(لوگو) جب بندہ مومن یا مسلم (وضو میں) اپنا منہ دھوتا ہے تو اس کے منہ کے سب گناہ جھڑ جاتے ہیں جن (گناہوں) کی طرف اسنے اپنی (دونوں) آنکھوں سے دیکھا ہے وہ پانی کے قطروں کے ساتھ یا آخری قطرہ کے ساتھ جھڑ جاتے ہیں۔ پھر جب اپنے ہاتھ دھوتا ہے تو اس کے ہاتھوں کے گناہ جو اُس نے ان سے کئے ہیں پانی کے ساتھ یا پانی کے آخری قطرہ کے ساتھ جھڑ جاتے ہیں۔ پھر جب وہ اپنے پاؤں دھوتا ہے تو اپنے پاؤں کے ان گناہوں سے جو ان سے چل پھر کر کئے ہیں پانی کے ساتھ یا آخری قطرہ کے ساتھ پاک وصاف ہو جاتا ہے اور وہ گناہوں سے بالکل نکل جاتا ہے۔

ایک تیسرے موقعہ پر جبکہ ایک صحابی (عمرو بن عبسہؓ) نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں عرض کیا کہ حضور وضو میں کیا حکمت ہے ذرا مجھے مطلع فرما دیجئے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا ''ہر شخص تم میں سے جب پانی لے کر وضو کرتا اور اپنے منہ میں پانی ڈال کر کلی کرتا اور ناک جھاڑتا ہے تو اس کے جبڑوں کے اطراف سے اس کے گناہ پانی سے جھڑ جاتے

ہیں۔ پھر جب وہ کہنیوں تک دونوں ہاتھوں کو دھوتا ہے تو پانی سے اس کے ہاتھوں کے گناہ انگلیوں کے سروں سے نکل جاتے ہیں۔ پھر جب وہ اپنے سر کا مسح کرتا ہے تو اس کے سر کے گناہ بالوں کے اطراف سے پانی کے ساتھ جھڑ جاتے ہیں۔ پھر وہ جب اپنے دونوں پیروں کو ٹخنوں تک دھوتا تو پانی کے ساتھ اُس کے پاؤں کے گناہ انگلیوں کے سروں سے نکل جاتے ہیں۔ جب وہ (وضو کرکے) نماز کے لئے کھڑا ہوتا ہے اور اپنے مولائے پاک کی صفت و ثناء اور اس کی بزرگی کو اس کے حضور میں بیان کرتا ہے۔ اور اپنے (معبود حقیقی خدائے لایزال کے سوائے اپنے) دل کو خالی کردیتا ہے تو وہ نماز سے فارغ ہونے کے وقت گناہوں سے ایسا پاک ہوجاتا ہے جیسا کہ اپنی والدہ کے شکم سے جننے کے وقت (گناہوں سے) پاک پیدا ہوا تھا''۔ یعنی اُس کے ذمہ کوئی گناہ باقی نہیں رہتا۔ (مسلم شریف)

(۴) جن اندا موں سے وضو کیا جاتا ہے۔ وہ سات اندام مخصوص ہیں: (۱) منہ اور (۲) دونوں ہاتھ اور (۳) دونوں پاؤں (۴) اور ناک (۵) اور کان (۶) اور سر (۷) آنکھ۔ یہی اندامِ وضو اُن فعلوں کے ذریعے اور آلات ہیں۔ انسان ہمیشہ انہی کے ساتھ اپنے سب افعال کا ارتکاب کرتا اور انھیں کے ساتھ اپنے دلی ارادہ کا اظہار کرتا ہے۔ انھیں انداموں سے انسان خدائے پاک کی خلاف مرضی اور اس کے احکام کے خلاف بُرے افعال کا ارتکاب کرتا ہے اور انھیں سے اس کی اطاعت و خدمت بجالاتا ہے۔ ہاتھ پکڑتے ہیں، پاؤں چلتے، آنکھیں دیکھتی، کان سنتے، زبان بولتی ہے۔ پس ان اعضاء کے دھونے میں حکم الٰہی کی اطاعت ہے اور خدائے پاک کی عبادت کا کام ان انداموں سے لیتے ہیں۔ حکمت کی اقتضاء یہ ہے کہ پہلے ان انداموں سے الٰہی نافرمانی اور باطنی پلیدی و میل دھوئی جائے۔ اور اسی وجہ سے امر ہوا کہ وضو میں ان کو دھو کر پاک و صاف کیا جائے۔

(۵) انسان کی بناوٹ اور وضع پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے اخلاقی اعضاء جن پر تمام شرائع و قوانین کا دار و مدار ہے۔ ذووجہین اور ذوقوتین یعنی دورُخے اور دوہری قوتوں

والے ہیں۔ مثلاً آنکھ، زبان، کان، دماغ، سر، ہاتھ، پاؤں، انھی اعضاء کے ساتھ اخلاقی شریعت بلکہ قوانین معاش ومعاد کا تعلق وابستہ ہے۔ علمائے محققین کا قول ہے کہ انسان اپنے انھی اعضاء سے اگر اپنے مولا کی نافرمانی کرتا ہے تو اپنے ہاتھوں سے اپنے لئے ساتوں دوزخ تیار کرتا ہے اور اگر ان کو اس کی اطاعت اور فرمانبرداری میں لگا دیتا ہے تو ہشت بہشت کے منجملہ سات بہشت تو اپنے اعمال حسنہ کے بدلہ میں اور ایک زائد بطور انعام و اکرام پاتا ہے۔ کیونکہ کریم کا یہ شیوہ ہے کہ وہ اپنی خوشی و رضا کے اظہار میں حق واجب سے بڑھ کر اجرت دیا کرتا ہے۔ اس لئے ان ساتوں انداموں کو الٰہی نافرمانیوں سے دست بردار ہونے اور دھونے کا حکم ہوا تاکہ انسان اپنے خودساختہ دوزخ سے رہائی پائے اور خدائے پاک کی عطا کردہ جنت کا وارث اور مستحق بنے۔ اسی امر کی طرف حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مامنکم من احد یتوضأ فیسبغ الوضوء ثم یقول اللھم اجعلنی من التوابین و اجعلنی من المتطھرین الا فتحت له ابواب الجنة الثمانیة یدخل من اَیِّ شَآءَ (ترمذی شریف)۔

لوگو! کوئی شخص تم میں سے ایسا نہیں ہوگا کہ جو پورا پورا وضو کرے اور پھر یہ دعا مانگے کہ ''اے اللہ مجھ کو توبہ کرنے والوں میں کردے اور مجھ کو صفائی رکھنے والوں میں بنادے'' مگر اس کے لئے آٹھوں بہشتوں کے دروازے کھل جائیں۔ (ایسا شخص) جس دروازے سے چاہے گا داخل ہو جائے گا''۔

الغرض یہی اعضاء درکات جہنم اور یہی اعضاء درجات جنت کے راستے ہیں۔ پس عبادت الٰہی کرنے کی نیت سے وضو کرنا دوزخ کے آثار کے مٹادینے اور جنت کے آثار کے قبول کرنے کے لئے مقرر ہوا۔ تاکہ انسان ظاہری و باطنی میل سے پاک وصاف ہو کر خدائے معبود کے حضور میں کھڑا ہو۔ اور اس کی رحمت کاملہ اور مغفرت وافرہ کا حقدار بنے۔

وضو کے عام فائدے

(٦) وضو: (١) انسان کو ظاہری و باطنی گناہوں کے ترک کرنے پر آگاہ کرتا ہے (٢) طہارت کی وجہ سے انسان کو فرشتوں کے ساتھ قرب و اتصال ہوجاتا ہے (٣) طہارت کے باعث شیاطین سے آدمی کو بُعد و دوری حاصل ہوجاتی ہے۔ (٤) انسان کے اندرونی جسم کے زہریلے مواد جو بدن کے ہر طرف سے خارج ہوتے رہتے ہیں اور وضو کے اندامون پر آکر ٹھیرتے ہیں۔ وہ دھونے سے رفع ہوجاتے ہیں (٥) طہارت سے کئی قسم کے ظاہری و باطنی عذاب دور ہوجاتے ہیں (٦) وضو بہ نیت عبادت کرنا خدائے پاک کی دوستی کا موجب ہے (٧) جب طہارت کی کیفیت نفس میں راسخ ہوجاتی ہے تو ہمیشہ کے لئے نور ملکی کا ایک شعبہ اس میں ٹھیر جاتا ہے جس سے بہیمیت کی تاریکی کا حصہ مغلوب ہوجاتا ہے۔ (٨) طہارت سے طبیعت میں عقل کا مادہ بڑھتا ہے۔ (٩) وضو سے راہ حق میں ثابت قدمی بڑھتی اور شیطانی لغزش کی پلیدی نکل جاتی ہے۔ (١٠) گناہوں اور کسالت سے جو روحانی نور وسرور اعضائے وضو سے سلب ہوجاتا ہے وہ وضو کرنے سے دوبارہ ان میں عود کرآتا ہے، یہی روحانی نور قیامت کے دن ان اعضائے وضو میں نمایاں طور پر درخشاں ہوگا، اسی نور کی نسبت حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مبارک ارشاد ہے:

ان امتی یدعون یوم القیمة غرا محجلین من اثار الوضوء فمن استطاع منکم ان یطیل غرته فلیفعل (بخاری و مسلم)

"روز قیامت میں جب میری اُمت پکاری جائے گی تو وضو کے آثار سے اُن کے ہاتھ پاؤں اور چہرے روشن ہوں گے۔ اس لئے تم میں سے جس کسی کو جتنی قوت ہو اُس کو صرف کرکے اپنی روشنی (نور) کو بڑھالے"۔

ایک دوسری حدیث شریف میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

تبلغ الحلیةُ من المؤمن حیث یبلغ الوضوء (مسلم شریف)

''وضو کرنے میں جہاں تک اُس کا پانی پہنچتا ہے وہاں تک مومن کو جنت کا زیور[1] پہنایا جائے گا''۔

(یہ وضو کے ادنیٰ برکات ہیں)

(۷) دنیا میں جب کسی بڑے حاکم یا امیر کے سامنے جاتے ہیں یا کوئی اور عمدہ اور پاکیزہ کام کا قصد کرتے ہیں تو لوگ اپنے منہ ہاتھ اور پاؤں کو دھو لیتے ہیں کیونکہ وہ اعضاء ہیں جو ننگے رہنے کی وجہ سے گرد و غُبار سے آلودہ ہوتے رہتے ہیں۔ جبکہ ظاہری حاکموں اور بڑے آدمیوں کے حضور میں حاضر ہونے کے لئے اس قدر صفائی کی ضرورت ہے تو احکم الحاکمین خدا کے دربار کی حاضری کے وقت کیوں اس کا اہتمام نہ کیا جائے بلکہ وہاں تو ظاہری و باطنی ہر طرح کی طہارت کی ضرورت ہے۔

(۸) حاذق طبیبوں نے لکھا ہے کہ جس شخص کو بیہوشی یا غشی لاحق ہو یا کسی آدمی کی فصد لی گئی ہو یا کسی کو اسہال زیادہ آتے ہوں، تو اس پر پانی چھڑکنا بہت مفید ہے۔[2] اور تجربہ سے بھی شہادت ملتی ہے کہ ہاتھ پاؤں کے دھونے اور منہ و سر پر پانی چھڑکنے سے نفس پر شگفتگی کا بڑا اثر ہوتا ہے۔ آدمی خواہ کیسا ہی تھکا ماندہ کیوں نہ ہوں، پانی سے منہ ہاتھ اور پاؤں دھونے یا ان پر پانی چھڑکنے سے بدن بالکل ہلکا پھلکا ہو جاتا ہے اور بالکل تھکاوٹ اور کسالت باقی نہیں رہتی۔ غفلت و بیہوشی اور نیند وغیرہ سب دور ہو جاتی ہے اسی سبب سے شرع اسلام نے حکم دیا کہ اپنے نفس کی کاہلی اور پژمردگی اور سستی و کثافت کو بذریعہ وضو نماز سے پہلے دور کر لیا جائے تاکہ آدمی چست ہو کر نماز میں کھڑا ہو۔

اے گھر پر بیٹھ کر اور باہر چل پھر کر کام کرنے والو! انصاف سے کہنا کہ کام کرتے کرتے

---

[1] جنت کے زیور میں جنت کی سب نعمتیں داخل ہیں۔ مثلاً مشاہدۂ انوار و تجلیات الٰہیہ وغیرہ۔

[2] علامہ قرشی جیسا فاضل طبیب لکھتا ہے: فانه ينعش الحرارة الغريزية و يقويها وينفع الغشي الحادث عن الكرب الحمامي وغيره ۔یعنی منہ ہاتھ اور پاؤں پر پانی ڈالنا یا چھڑکنا حرارت غریزی کو تازہ اور قوی کر دیتا ہے اور حمام وغیرہ کی تکلیف سے جو بیہوشی پیدا ہو اس میں بھی یہ امر نافع ہے۔ موجز وغیرہ کتب طب میں یہ عبارت موجود ہے۔ مؤلف

تمہارے ہاتھ پاؤں، آنکھ، کان کا کیا حال ہوتا ہے؟ اور تمہیں خود اپنے وجود کی کیسی بوجھل حالت معلوم ہوتی ہے۔ تمہارا اپنا وجود کس قدر اور کتنا بھاری معلوم ہونے لگتا ہے۔ جب منہ ہاتھ دھوڈالتے ہو، غرارے کر لیتے سر اور پاؤں دھو لیتے ہو تمہاری طبیعت کیسی ہلکی ہو جاتی ہے اور تم اپنے آپ کو کتنا تازہ دم پانے لگتے ہو۔ پھر بتاؤ! جب دن میں تین دفعہ کام چھوڑ کر اور رات میں دو دفعہ وضو کر لو تو پھر تم کو دن میں کس قدر سبک و بشاش ہونا چاہئے اور رات کو آرام سے سونا چاہئیے اور پھر اس بشاشت کا کیا نتیجہ ہوگا، اور تمہارے کاموں پر اور خود تم پر اس کا کیا اثر پڑے گا، یہ ظاہری فائدے ہیں۔ باطنی قویٰ پر جو اس کا اثر پڑتا ہے وہ پاک روح ہی اچھی طرح جان سکتی ہے۔

وضو کے دوسرے ارکان کی حکمتیں

(۱) وضو کا دائیں عضو سے شروع کرنا بھی مصلحت سے خالی نہیں۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ آپ دائیں طرف سے وضو شروع کرنا، شانہ[1] کرنا اور پاپوش پہننا پسند فرماتے تھے۔ اس کی وجہ بھی ظاہر ہے کہ ہر دائیں عضو کو بائیں پر فضیلت وفوقیت ہے۔

بریسار یمیں فضیلت دارد بہ

کام کرنے میں دائیں بائیں ہاتھ میں فرق کرنے کی وجہ

(۲) یہی سبب ہے کہ دائیں ہاتھ سے استنجا کرنا، ناک جھاڑنا اور بائیں ہاتھ سے کھانا پینا شرعاً درست نہیں۔ اس لئے کہ اس سے دل پر بُرا اثر پڑتا ہے جس کی وجہ سے قلب میں قساوت پیدا ہوتی ہے۔

وضو میں منہ اور کہنیوں تک ہاتھ دھونے کی حکمت

(۳) وضو کے اندر کہنیوں تک ہاتھ دھونے میں یہ حکمت ہے کہ وضو میں اصل اطرافِ بدن کا دھونا ہے۔ اس لئے شرع اسلام نے منہ اور دونوں ہاتھوں کا کہنیوں تک دھونا مقرر کیا۔

[1] کنگھی کرنا۔

اور پیروں کا ٹخنوں تک دھونا تجویز کیا اور سر کے واسطے صرف مسح کو کافی سمجھا۔ کیونکہ اس کا دھونا خالی از دِقّت نہیں۔ اور دوسرا اس پر گرد وغبار کا اثر بھی کم پڑتا ہے۔ چونکہ ہاتھ اور منہ کو پانی سے دھونے میں دل وجگر کو تقویت پہنچتی ہے اور پانی کا اثر رگوں کے ذریعہ سے اندر جاتا ہے اور ہاتھوں کی وہ رگیں جو بواسطہ اور بغیر واسطہ دل وجگر تک پہنچتی ہیں، اور وہ کچھ ہاتھوں کی انگلیوں سے اور کچھ کفِ دست وساعد سے اور کچھ کہنیوں سے شروع ہوتی ہیں۔ اس لئے وضو میں ہاتھ کی کہنیوں تک دھونے کا امر فرمایا۔ اور نیز کہنیوں تک لوگوں کے ہاتھ ننگے رہتے ہیں اور ان پر گرد وغبار واجرام پڑتے رہتے ہیں۔ اسی باعث سے ان کے دھونے کو ضروری قرار دیا تاکہ گرد وغبار واجرام موذیہ دور ہو جائیں۔

وضو میں ٹخنوں تک پاؤں دھونے کا راز

(۴) وضو میں پاؤں کو ٹخنوں تک دھونے میں یہ مصلحت ہے کہ وہ رگیں جو پاؤں سے دماغ کو پہنچتی ہیں، وہ کچھ پاؤں کی انگلیوں سے کچھ ٹخنوں سے شروع ہوتی ہیں اور ان سب کو دھونے میں شامل کر لینے سے دماغ کے ردی بخارات بجھ جاتے ہیں۔ چونکہ پاؤں اکثر ٹخنوں تک ننگے رہتے ہیں اور ان پر اجرام موذیہ اور گرد پڑتی ہے۔ اس لئے ٹخنوں تک پاؤں کا دھونا مقرر ہوا۔ اور پاؤں کا ظاہر حال اس امر کا مقتضی ہے کہ جب پاؤں پر موزے نہ پہنے ہوں تو ان کو وضو میں دھونا لازم ہے کیونکہ ننگے پاؤں پر گرد وغبار کا پڑنا یقینی امر ہے۔ اس لئے بحالت برہنگی ان کا دھونا ہی فرض ہے[1]۔

---

[1] وضو کا حکم قرآن کریم میں آیا ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری ہے کہ:

یاایّھا الذین امنوا اذا قمتم الی الصلوٰۃ فاغسلوا وجوھکم وایدیکم الی المرافق وامسحوا برؤوسکم وارجلکم الی الکعبین (المائدۃ:٦)

مسلمانو! جب تم نماز پڑھنے کے لئے کھڑے ہونے لگو تو (پہلے وضو کر لیا کرو۔ اس طرح کہ پہلے) اپنے منہ اور کہنیوں تک اپنے ہاتھ اور اپنے سر کا مسح کر لیا کرو اور ٹخنوں تک اپنے پاؤں (بھی) دھو لیا کرو"۔

نحوی ترکیب نے آیۃ شریفہ کے معنوں میں اختلاف پیدا کیا ہے۔ ہاتھ منہ دھونا بالاتفاق فرض ہے۔ سر پر مسح کرنا

ترتیب وضو کی وجہ

وضو میں پاؤں کو ممسوح اندام کے بعد اور پھر سب کے بعد دھونے میں یہ حکمت اور مصلحت ہے کہ ان اندامون سے اسی ترتیب سے افعال سرزد ہوتے ہیں جس ترتیب سے ان کا ذکر قرآن کریم میں آیا ہے، پہلے منہ کا مواجہ ہوکر آنکھیں دیکھتی اور پھر دل خیال کرتا ہے جس کا تعلق ہاتھوں سے ہے پھر دماغ وسر کی نوبت ہے اور پھر پاؤں کی باری آتی ہے، جس ترتیب سے ان کا اثر ہوتا ہے اسی ترتیب سے اُن کے اثر کے ازالہ کا حکم ہوا ہے۔ اور نیز چونکہ وضو کی ترتیب

(یعنی سر کے گرد بھیگے ہوئے ہاتھ سے جھاڑنا بھی بالاتفاق فرض ہے۔ اختلاف صرف پاؤں میں ہے۔ علمائے اہل سنت والجماعت پاؤں کا دھونا فرض بتاتے ہیں۔ اور اہل تشیع پاؤں پر مسح قرار دیتے ہیں۔ اہل سنت کے نزدیک ان کی غلط فہمی کی یہ وجہ ہے کہ جن اندامون پر مسح کا امر ہوا ہے ان کی حد مسح مقرر نہیں ہوئی ہے اور مغسول اندامون کی حد مقرر کردی گئی ہے۔ طبی قاعدے کی رو سے دماغ کے ابخرہ ردیہ پاؤں کے دھونے سے ہی بجھتے ہیں مگر دوامی مسح سے یہ امر حاصل نہیں ہوتا۔ اس کی شہادت علم طب کے نئے پرانے علماء دیتے ہیں۔ اور گرد وغبار کی وجہ سے دھونا ہی افضل ہے۔۱۲ مؤلف

ے اس مقام پر مؤلف مرحوم نے جو وجہ بیان فرمائی ہے، علاوہ اس کے توجیہ وجیہ معلوم ہوتی ہے۔ وہو ہذا:
مشروعیت وضو سے شارع علیہ السلام کا مقصد طہارت ظاہری کے علاوہ زیادہ تر طہارت باطنی ہے، اس لئے جو عضو زیادہ تر نجاسات باطنیہ کا محل ہوگا اس کی طہارت بہ نسبت دوسرے اعضاء کے زیادہ اہم وقابل لحاظ ہوگی۔ چونکہ انسان کی نیکی وبدی کا تعلق دو چیزوں سے ہے ایک علم دوسرا عمل بلکہ عمل کے حسن وقبح کا دارومدار بھی علم کے صحت و سقم پر ہے لہذا تمام عیوب وکمالات کا مرجع علم ہی ہوا۔ اور اس مادی دنیا میں انسان کا علم عام طور پر بذریعہ حواس خمسہ ہوا کرتا ہے۔ ان حواس میں سے اکثر حواس کا محل منہ ہے، بجز لامسہ کے۔ یہ حس لامسہ اگرچہ سارے بدن میں پائی جاتی ہے لیکن عام طور پر اس کا ثمرہ ہاتھ ہی کے ذریعہ حاصل ہوتا ہے۔ گویا کہ اس کا محل ہاتھ ہی ہے۔ اس لئے اسلامی حکمت نے اول منہ ہی کو جس میں زیادہ ذرائع وخطرات معصیت موجود ہیں پاک وصاف کرنے کا حکم دیا۔ بعدہٗ ہاتھ کا اور چونکہ ان حواس متفرقہ کا مرجع ومنتہیٰ دماغ ہے اس لئے ان دونوں کو طہارت کے بعد دماغ کو ناپاک اثرات سے پاک کرنے کی غرض سے سر پر مسح کرنے کا حکم دیا۔ اس اشرف فوقانی حصہ کے حدود کی طہارت کے بعد تحتانی حصہ کی انتہائی حد جو کہ پاؤں ہیں جن کو انسانی اعمال میں زیادہ دخل ہے۔ اس کو طہارت کا حکم فرمایا تاکہ جسمی حدود کو طہارت وصفائی محیط ہوجانے سے نجاسات باطنیہ سے طہارت حاصل ہوجائے۔۱۲

میں پاؤں سب سے آخر ہیں، اور سر کا مسح درمیان میں ہے، شرع اسلام نے بھی وضو کی ترتیب میں اعضاء کے لحاظ سے اس کا حکم دیا ہے[1]۔

نیند، خون، نکسیر اور قہقہہ سے وضو ٹوٹنے کا راز

نیند سے وضو ٹوٹ جانے کا یہ راز ہے کہ جب آدمی نیند میں ہوتا ہے تو اُس کے بدن کے تمام جوڑ ڈھیلے پڑ جاتے ہیں جس کی وجہ سے ریح وغیرہ کے نکلنے کا گمان غالب ہو جاتا ہے اور دوسرا نیند کی وجہ سے آدمی کے نفس میں غفلت اور کسالت اور کُند ذہنی اور فراموشی ضرور پیدا ہو جاتی ہے۔ وضو کر لینے سے ان سب چیزوں کا اثر زائل ہو کر آدمی ہوشیار ہو جاتا ہے۔ ایسا ہی خون سیال یعنی بہتا ہوا خون اور قے کثیر بدن کو آلودہ کرنے والی اور طبیعت کو کند اور سست بنا دینے والی چیزیں ہیں۔ ان سے نفس انسانی پر بہت بُرا اثر پڑتا ہے۔ نکسیر بھی بہتا ہوا خون ہے جو نفس کو پلید کرنے والی چیز ہے۔ اور قہقہہ لگانا ایک بے خوفی ہے اور وہ بھی پھر نماز میں؛ بندہ جب اپنے مولا کے حضور میں کھڑا ہو اور پھر بھی اس کے دل میں ہیبت و خشیت الٰہی موجود نہ ہو تو ایک قسم کا جرم ہے جس کا کفّارہ ہونا چاہئے۔ ان سب چیزوں کا بدلہ اور کفارہ وضو مشروع ہوا ہے جو عین حکمت و مصلحت پر مبنی ہے۔

بول و براز و ریح سے وضو ٹوٹنے کا راز

(۱) بول و براز و ریح وغیرہ سے وضو ٹوٹنے اور پھر دوبارہ کرنے کا حکم اس لئے ہوا ہے کہ

---

[1] ایک بار ایک شیعہ صاحب نے ایک سنّی مولوی صاحب سے پوچھا کہ پاؤں کو دھونا اور ہاتھ باندھ کر نماز پڑھنا اچھا ہے یا پاؤں پر مسح کر کے کھلے ہاتھوں نماز میں کھڑے رہنا بہتر ہے۔ مولوی صاحب نے کہا: ایک آقا کے دو غلام ہیں۔ ایک غلام تو پاؤں کو دھو کر غلاظت یا گرد و غبار سے پاک صاف کر کے اس کے فرش پر اس کے روبرو ہاتھ باندھ کر کلام کرتا ہے۔ اور دوسرا اپنے پاؤں کو اسی طرح گرد آلود لے کر اور معمولی طور پر کھلے ہاتھوں اس کے سامنے عرض معروض کرتا ہے۔ اب تم خود فیصلہ کر لو کہ ان دونوں میں مؤدب کون ہے اور آقا کس کو اچھا سمجھے گا۔ یہ سن کر شیعہ صاحب تائب ہو کر سنّی بن گئے۔ مؤلف

ان کی بو سے لطیف پٹھوں کو سخت نقصان پہنچتا ہے اور جسم میں سستی کاہلی اور پژمردگی پیدا ہو جاتی ہے۔ اس نقصان کی تلافی اور صدمہ کو رفع کرنے کے لئے منہ اور ہاتھ اور پاؤں کو دھویا جاتا ہے کیونکہ پانی بیہوش کو ہوش میں لانے اور سوئے ہوئے کو جگانے اور غافل کو ہوشیار بنانے کے لئے مسلمہ علاج ہے۔

چھینک اور ڈکار بھی گویا ایک قسم کی ہوا ہے جو منہ اور ناک سے خارج ہوتی ہے۔ دل و دماغ اور جگر نازک و پاک چیزیں ہیں۔ پائخانہ کے مقام سے خارج ہونے والی ہوا سے ان اعضاء میں ایک قسم کی ناپاکی اور کمزوری لاحق ہو جاتی ہے جس کی اصلاح پانی سے کی جاتی ہے۔ تاکہ وہ غفلت و ناپاکی دور ہو جائے۔ اور یہی سبب ہے کہ شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دُبر سے محض خروج ہوا سے استنجا لازم نہیں ٹھہرایا، صرف ہاتھ منہ اور پاؤں کے دھونے کا امر فرمایا۔

چھینک و ڈکار سے وضو نہ ٹوٹنے کا راز

چھینک اور ڈکار سے جو ہوا خارج ہوتی ہے اس میں نہ تو ایسی بو ہوتی ہے کہ جس سے ان اعضائے رئیسہ کو کوئی نقصان اور ضعف پہنچتا ہے نہ اور کسی قسم کی سستی اور کسالت لاحق ہوتی ہے اس لئے ان کے لئے وضو کا حکم نہیں دیا گیا۔ کیونکہ وہ ناپاک نہیں۔

خروج ہوا سے عدم وجوب استنجا کی وجہ

مقام پیشاب سے محض خروج ہوا سے استنجا لازم نہ ٹھہرانے میں ایک تو یہ سبب ہے کہ بو وغیرہ سے لطیف اندرونی پٹھوں کو نقصان پہنچتا ہے اور اُبخرہ ٔ ردیّہ سے انسان کے دل و دماغ اور جگر کو ایک قسم کی غفلت و سستی اور ناپاکی لاحق ہو جاتی ہے لیکن اس کی اصلاح پانی سے کی جاتی ہے جو اس کا ایک بہترین علاج ہے۔ یہی وجہ ہے کہ منہ ہاتھ دھویا جاتا ہے۔ حالانکہ بول و براز و ریح کو منہ سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ علاج ہو جانے کے بعد اب کسی مزید اصلاح کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔

دوسرا یہ کہ محض خروج ہوا سے بدن کے کسی حصہ میں کوئی ناپاکی لاحق نہیں ہوتی جس کی وجہ سے اس کو دھونے کی ضرورت پڑے۔ وضو صرف ان اعضاء کی سستی دور کرنے کے لئے ہے جن پر خروجِ ہوا سے کسالت کا اثر پڑا ہے تاکہ جتنی دیر اندر رہ کر اُس گندی ہوا نے دل وجگر اور دماغ کو ضرر پہنچایا ہے۔ وضو سے اس کی تلافی و تدارک ہو جائے۔ یاد رکھو اگر محض ہوا کے نکلنے سے وضو کا امر اندرونی بیداری اور تقویت اعضاء رئیسہ کے لئے نہ ہوتا تو چاہئے تھا کہ پھر ہر ایک بدبودار چیز کے سونگھنے اور ہر ایک ناپاکی اور گندگی کے چھونے سے وضو کرنے کا حکم ملتا۔ حالانکہ ایسا نہیں، بلکہ صرف اُبخرہ ردیّہ نے انسان کے اعضاء رئیسہ کو جو صدمہ پہنچایا اور کمزور کر دیا، ان کی تقویت کے لئے ہاتھ پاؤں اور منہ پر پانی ڈالنے کا حکم ہوا۔

تیسرا یہ کہ اس میں تکلیف مالا یطاق بھی تھی جو الدین یسرٌ کے خلاف تھی۔

تیمّم

تیمّم کے معنی اور اس کی وجہ تسمیہ

ا۔ جہاں کہیں پانی میسر نہ آئے جس کی وجہ سے وضو یا غسل ممکن نہ ہو یا اگر پانی ملتا تو ہو لیکن اس کے استعمال سے کسی نقصان کا خطرہ ہو یا بہت قیمت خرچ کر کے ملتا ہو۔ یا تھوڑی مقدار میں ہو اور پینے پلانے کے لئے کم ہو۔ یا اگر کوئی جنگل میں ہو اور بالکل معلوم نہیں کہ پانی کہاں ہے یا پانی موجود ہو لیکن وہاں تک رسائی نہ ہو مثلاً اگر دشمن یا درندہ کا ڈر ہو۔ یا کنواں ہو اور ڈول رسی نہ ہو۔ وہاں شرع اسلام وضو یا غسل کی جگہ تیمّم کا حکم دیتی ہے پس کفِ دست کو پہلے پاک مٹی یا خاک پر پھیر کر منہ اور دونوں ہاتھوں پر پھیرنا تیمّم کہلاتا ہے۔

تیمّم کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ لغت میں تیمّم کے معنی قصد کرنے کے ہیں اور اصطلاح شرع میں پانی کی بجائے مٹی سے طہارت کرنے کا نام ہے۔ چونکہ طہارت میں یہ امر قصد عبادت کے لئے پایا جاتا ہے، اس لئے شرع محمدیؐ میں اس کو تیمّم کہا گیا ہے۔

تیمّم کا طریقہ

۲۔اس کی ترکیب یہ ہے۔ پہلے پاک مٹی یا ایسی چیز جس میں مٹی ہو مثلاً گرد آلود کپڑا یا پکی دیوار پر دونوں ہاتھ ایک بار مار کر اور زیادہ مٹی لگنے کی صورت میں پھونک مار کر گرد کو بالکل ہلکا کرکے پہلے دونوں ہاتھ منہ پر ملے۔ پھر دوسری ضرب سے کہنیوں تک ایک ہاتھ کو دوسرے ہاتھ پر مل لے اور کلمہ تشہد پڑھے۔ اگر غسل کی ضرورت ہو اس کی بھی یہی صورت ہے۔

تیمّم مقرر ہونے کی حکمتیں

(۱) علم طب سے جو لوگ واقف ہیں وہ خوب جانتے ہیں کہ انسان کے جسم میں مسامات ہیں۔ اور اُن مسامات سے بدن کا زہر نکلا کرتا ہے۔ بدن کا دھونا اس زہر کے دور کرنے کے لئے طباً ضروری ہے۔ وہ زہر گو اپنی نوعیت اور مقدار کے لحاظ سے ایسا نہیں ہے کہ اس کا ایک جگہ عرصہ دراز تک رہ جانا تیزاب کا کام کرے۔ لیکن پھر بھی اس کا رفع کرنا بے انتہا تفریح بخشتا ہے۔ صرف ہاتھ اور پاؤں سے وہ دفع کیا جائے جب بھی بہت تسکین ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وضو یعنی ہاتھ، منہ اور پاؤں کا دھونا نصف غسل کا کام دیتا ہے جس طرح شرع محمدیؐ نے بجائے غسل کے وضو قائم کیا ہے، اسی طرح پانی نہ ملنے کی حالت میں بجائے تمام بدن کے مل ڈالنے کے صرف ہاتھ اور منہ کا رگڑ ڈالنا یا پونچھ ڈالنا بتایا ہے۔ ہاتھ یا کپڑا نم کرکے جسم پر رگڑا جائے تو وہ ضرور مٹی مل لینے سے اچھا ہے۔ لیکن واضح رہے کہ شارع نے پانی نہ ملنے کی صورت میں تیمّم کا حکم دیا ہے۔

تیمّم میں رومال وغیرہ سے پونچھنے کا حکم نہ ملنے کی وجہ

اسی طرح بجائے ہاتھوں کے رومال سے پونچھنا شائد زائد فرحت بخش ہو لیکن شرع اسلام کے قواعد آسانی اور سہولت پر مبنی ہیں کہ جن کے پاس کپڑا نہ ہو اور جن کے پاس کپڑا ہو دونوں سے یکساں تعلق رکھے۔ کپڑے والوں کے لئے تیمّم کا طریقہ جدا رکھنا اور جن کے پاس

کپڑے نہ ہوں اُن کیلئے دوسری طرز رکھنا، اس اصول کے خلاف ہوتا جس نے تمام بنی آدم کو ایک رشتہ میں باندھنا چاہا تھا اور جس نے ایک رشتہ میں عملی طور پر باندھ کر دکھا بھی دیا۔

مٹی سے تیمّم کرنے کو مقرر کرنے کا راز

(۳) اسلام کے محبت اور پیار کرنے والے مہربان خدا کی عادت ہے کہ وہ جس چیز کو دیکھتا ہے کہ اس سے بندوں پر کسی قسم کی دشواری ہوتی ہے تو وہ اپنے فضل سے اس کو آسان اور سہل کر دیتا ہے۔ اور آسانی کیلئے اس کی سنت ہے کہ دِقّت والے کام کو ساقط یا منسوخ کر کے اس کا بدل نہایت آسان کام سے کر دیا جاتا ہے، جس کی وجہ سے بندوں کے دل اس کے ترک سے متردّد اور پریشان بھی نہیں ہوتے اور ان کا دل بھی ٹھکانے لگا رہتا ہے اور وہ ترک طہارت کے عادی بھی نہیں ہوتے۔ یہی سبب ہے کہ شرع اسلام نے تیمّم کو غسل و وضو کا بدل مقرر کیا جس سے پانی کی عدم موجودگی میں طہارت کی ایک آسان اور سہل تجویز ٹھیرائی گئی۔

تیمّم کی مٹی سے تخصیص کی وجہ

(۴) مؤلف ''اسرار شریعت'' نے علامہ ابن قیمؒ کی کتاب ''اعلام الموقعین عن رب العالمین'' سے مٹی سے تخصیص تیمّم کے وجوہات کو بطور سوال و جواب نقل کیا ہے، جس کو ہم ذیل میں بلفظہ درج کرتے ہیں۔

سوال: تیمّم ایک وجہ سے خلاف عقل ہے، کیونکہ مٹی خود آلودہ ہے۔ وہ نہ پلیدی اور میل کو دور کرتی اور نہ بدن و کپڑے کو پاک کر سکتی ہے۔

جواب: (جس کا خلاصہ یہ ہے) کہ (۱) اللہ تعالیٰ نے اس عالم کی ہر چیز کو مٹی و پانی سے پیدا کیا۔ ہماری سرشت کے اصل یہی دونوں چیزیں ہیں، جن سے ہمارا نشو و نما ہماری تقویت و غذا ہوتی ہے جس کا ہم کو مشاہدہ ہو رہا ہے۔ پس جب کہ خدا نے ہماری نشو و نما اور تقویت و غذا کے اسباب پانی و مٹی کو ٹھیرایا تو ہمارے پاک و مطہر اور ستھرے ہونے کیلئے اور عبادات میں مدد

لینے کیلئے انہی سے ایسا فرمایا۔ وجہ یہ کہ مٹی وہ اصل چیز ہے جس سے بنی آدم وغیرہ کی پیدائش ہوئی ہے۔ اور پانی ہر چیز کی زندگی کا باعث ہے۔ الغرض اس عالم کی تمام اشیاء کی پیدائش کے اصل یہی دونوں چیزیں ہیں۔ مٹی اور پانی جن سے خدا نے اس عالم کو مرکب کیا ہے۔ پس جبکہ ہماری ابتدائی پیدائش وتقویت اور نشو ونما مٹی و پانی سے ہوئی ہے تو جسمانی وروحانی پاکی کیلئے بھی انہی کو خدا نے ٹھہرایا۔

۲۔ عادۃً پلیدی و گندگی کو زائل کرنے کا رواج پانی سے بکثرت ہے۔ اور جب بحالت مرض وعدم وجود آب عذر لاحق ہوجائے تو طہارت کے لئے پانی کے دوسرے ساتھی اور ہمسر مٹی کو بہ نسبت کسی دوسری چیز کے زیادہ مناسبت ہے۔

۳۔ تیمّم کے لئے زمین اس واسطے خاص کی گئی ہے کہ زمین کہیں بھی ناپید اور گم نہیں ہوتی، تو ایسی ہی چیز اس قابل ہوسکتی ہے جس سے لوگوں کی دقّت رفع ہو۔

۴۔ منہ کو خاک آلود بنانا کسرِ نفسی و انکساری و عاجزی پر دلالت کرتا ہے۔ اور یہ امر خدائے تعالیٰ کو بہت پسند ہے۔ تیمّم کے لئے مٹی استعمال کرنے میں بیشک خاکساری اور ذلّت پائی جاتی ہے اور ذلت کی شان طلب عفو کے مناسب ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سجدہ کرنے میں اپنے منہ کو مٹی سے نہ بچانا پسندیدہ و مستحب ٹھہرایا گیا ہے۔

ایک شخص نے ایک صحابیؓ کے سامنے سجدہ کی جگہ میں کوئی چیز رکھ دی تا کہ اس کا منہ خاک آلود نہ ہو۔ تو اُس صحابیؓ نے اس کو کہا کہ ''سجدہ میں اپنے منہ کو خاک آلودہ کر کیونکہ اس وقت خدائے تعالیٰ کو تمہارا خاک آلود رہنا پسند ہے۔ اسی لئے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ان الصعید الطیب وضوء المسلم؛ ولولم یجد الماء عشر سنین (ترمذی)

''ستھری مٹی مسلمان کے لئے وضو کا پانی ہے۔ اگر چہ دس برس تک اس کو پانی نہ ملے''۔

حضورؐ کا یہ فرمان تردد اور وہم کے بند کرنے کے لئے ہے۔

مٹی ملنے کی کیوں ضرورت ہے؟

اب ایک بات یہ رہ جاتی ہے کہ مٹی ملنے کی کیا ضرورت ہے؟ ایسے ہی ہاتھ پھیر لئے جائیں تو تفریح اس سے بھی حاصل ہو جاتی ہے۔ یہ کہنا بیشک صحیح ہے لیکن بعض وقت بغیر مٹی کے منہ اور ہاتھ کی چکناہٹ رفع نہیں ہوتی۔ مٹی میں ایک خاص قوت پاک کرنے کی ہے۔ عادۃً پلیدی وگندگی کو زائل کرنے کا گو کثرت سے رواج پانی ہی سے ہے، مگر ضرورت کے موقع پر مٹی کا استعمال بھی مروج ہے اور یہ مسئلہ کوئی بہت باریک نہیں ہے۔ تجربہ سے اس کو تعلق ہے۔ پہلے وضو کیجئے، پھر تھوڑی دیر میں مٹی سے تیمّم کیجئے۔ پھر ذرا ٹھیر کر خالی ہاتھ منہ پھیر یئے۔ تجربہ خود بتادے گا کہ وضو میں سب سے زیادہ تفریح ہے۔ اس کے بعد تیمّم کا درجہ ہے۔ پھر خالی خولی ہاتھ پھیرنے کا۔ پس تیمّم وضو کا بدل ہے۔ یہ حکم بھی شرع محمدیؐ میں منجملہ ان بڑے بڑے اُمور اسلامیہ کے ہے جن کی وجہ سے یہ ملت اسلامیہ تمام دیگر ملتوں سے ممتاز ہے۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی لئے یہ ارشاد فرمایا:

جعلت تربتها لنا طهورا اذا لم نجد الماء (صحیح مسلم)

"جب ہم کو پانی نہ ملے تو اُس کے بدلے میں خدائے پاک نے پاک مٹی کو ہمارے لئے طہارت کا باعث بنادیا ہے"۔

پس خدائے تعالیٰ نے پانی اور مٹی کے درمیان قدرۃً اور شرعاً اخوت ڈال دی ہے۔ اور اسی سبب سے ان دونوں کو طہارت میں جمع کیا۔ یہ بھی واضح رہے کہ تیمّم کرنے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ تمام منہ میں خاک لپیٹ لی جائے۔ اگر ہاتھ مارنے سے مٹی زیادہ لگ جائے تو پھونک سے اُڑا لینے کی اجازت ہے۔ منہ پر تیمّم کے بعد خاک ظاہر نہیں ہوتی۔ اور اگر کچھ خاک ظاہر بھی ہوئی تو اس کو آسانی سے جھاڑ سکتے ہیں۔ تیمّم سے مقصود کثافت کا دفع کرنا اور تفریح پیدا کرنا ہے۔ چہرہ کا خاک آلودہ کرنا مقصود نہیں ہے اور نہ چہرہ کبھی تیمّم سے خاک آلودہ یا بدنما ہوتا ہے۔ البتہ منہ کو خاک آلودہ بنانا کسرِ نفسی وانکساری اور عاجزی پر دلالت کرتا ہے جو خدائے ذوالجلال کے

نزدیک بہت پسندیدہ امر ہے۔

وضواور غسل کے تیمّم میں فرق نہ ہونے کی وجہ

چونکہ بدن پر مٹی کا ملنا مقصود نہیں بلکہ وہم وتردّد اور پریشانی کے رفع کرنے کے لئے ہے۔ اس لئے ایک تو مٹی کا تمام بدن پر ملنا دقّت سے خالی نہیں۔ اور دوسرا تمام بدن پر مٹی ملنے سے افضل و اشرف المخلوقات حضرت انسان کو دیگر حیوانوں اور چارپایوں سے مٹی میں لوٹنے کی مشابہت پائی جاتی ہے جو اس کی شانِ شرافت وکرامت کے بالکل منافی ہے۔ اس لئے غسل و وضو کے تیمّم میں کچھ فرق نہیں رکھا گیا۔ جبکہ بے وضو آدمی کو شرع شریف نے سر اور پاؤں کا مسح کرنا تیمّم میں معاف کردیا۔ صرف منہ اور ہاتھ پر کہنیوں تک مٹی مل لینا کافی سمجھا گیا تو غسل کرنے والے کو سارے بدن پر مٹی ملنے کی تکلیف دینا حکمت و مصلحت کے سراسر خلاف تھا۔ لہٰذا حرج اور دقّت کی وجہ سے وضو و غسل کے تیمّم میں کوئی فرق نہ رکھا گیا۔

تیمّم کے خلیفۂ وضو ہونے کی وجہ

۷۔ یہ ظاہر ہے کہ جو پاکیزگی اور ستھرائی پانی سے دھونے کی وجہ سے جسم کو حاصل ہوتی ہے۔ وہ مٹی سے حاصل نہیں ہوتی بلکہ پانی نہ ملنے کی صورت میں مٹی سے کام لیا جاتا ہے۔ جس کی وجہ سے پانی کا درجہ افضل و اعلیٰ ہے۔ اعلیٰ کا خلیفہ ادنیٰ ہوا کرتا ہے۔ ادنیٰ کا خلیفہ اعلیٰ نہیں ہوا کرتا۔ جس طرح نائب خلیفہ ہوا کرتا ہے مگر منیب خلیفہ نہیں ہوا کرتا۔

تیمّم میں صرف منہ اور ہاتھوں کے مسح کا راز

۸۔ ہاں یہ بات البتہ سوچنے کے قابل ہے کہ تیمّم میں صرف دواندامون منہ اور ہاتھوں کو کیوں مخصوص کیا گیا ہے؟ اور پاؤں اور سر کو کیوں اس میں سے ساقط کردیا گیا ہے؟ اس کی وجہ بھی ظاہر ہے۔ دنیا میں عام طور پر دیکھا جاتا ہے کہ لوگ مصائب اور تکالیف کے موقع پر بے صبری کی وجہ سے یا اظہار رنج و ماتم کے لئے اپنے منہ اور سروں پر مٹی ڈالا کرتے ہیں جو ایک

بیہودہ اور ناشائستہ حرکت ہے۔ شرع اسلام نے ایسے مکروہ و ناپسندیدہ امر کو مشروع نہیں کیا۔ کیونکہ ایسا کرنا عنداللہ و عندالناس مکروہ فعل ہے۔ اور تیمّم میں پاؤں پر ہاتھ پھیرنے کا حکم اس لئے نہیں دیا گیا کہ قدم تو خود ہی چلنے پھرنے کی وجہ سے گرد آلود رہتے ہیں۔ اگر ان پر مسح کرنے کا حکم دیا جاتا تو تحصیل حاصل کے علاوہ اُس سے ایک قسم کی لغویت کا الزام شرع شریف پر عائد ہوتا۔ کیونکہ حکم ایسی چیز کا دیا جانا مناسب ہے جو پہلے سے موجود نہ ہو، تاکہ نفس کو اس کے کرنے کی طرف رغبت اور اطلاع ہو۔

مسح موزہ

اگر چمڑے کے موزے وضو کرکے انسان پہن لے اور پھر وضو کی ضرورت پڑے تو شرع اسلام میں تازہ وضو کرتے وقت موزوں پر صرف مسح کر لینا درست ہے اور اگر موزہ اُتار کر پیر دھو لئے جائیں تو سب سے بہتر ہے۔ اگر وہ موزہ اتنا چھوٹا ہو کہ ٹخنے موزے کے اندر چھپے ہوئے نہ ہوں تو اس پر مسح درست نہیں۔ اسی طرح اگر بغیر وضو کئے موزہ پہن لیا تو اس پر بھی مسح درست نہیں۔ اُتار کر پیر دھونا چاہیے۔ زخم کی پٹی پر بھی مسح کرنا جائز ہے۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

انما یکفیه ان یتیمّم ویعصب علی خرقة ثم یمسح علیها و یغسل سائر جسده ۔ (صحیح اُبی داود)

اگر کسی آدمی کے بدن میں پھٹا ہوا زخم ہو تو اس کے لئے صرف اس قدر اکتفا کرتا ہے کہ پہلے اپنے زخم پر پٹی باندھ لے اور ہاتھ کو تر کر کے اس پر پھیر لے اور پھر تمام بدن پر پانی بہا لے“۔

موزے اور پٹی پر مسح کرنے کی وجہ

۲۔ تر ہاتھوں کو سر پر پھیرنا مسح راس کہلاتا ہے۔ اور وضو کا رکن ایک یہ بھی ہے کہ سر کا مسح

کیا جائے۔سر پر ہاتھ پھیرنے کی غرض یہ ہے کہ بالوں کی گرد وغبار کو صاف کیا جائے۔صفائی بدن اسلام میں بہت ضروری امر ہے۔چونکہ ملک عرب میں موزوں کے پہننے کا بہت رواج تھا۔ اسلام لانے کے بعد سب کو نماز کی ضرورت پڑی لیکن نماز کے لئے طہارت شرط ہے اور طہارت میں پیروں کا دھونا داخل ہے۔مگر ہر نماز کے وقت موزوں کے اُتارنے میں ایک قسم کی دقّت تھی۔اس لئے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ خدا نے تمہاری آسانی کی خاطر موزوں کے پہننے کی حالت میں ان کا دھونا معاف کردیا۔اب تم موزے کے اوپر مسح کرلیا کرو۔ اس سے موزوں کی گرد بھی صاف ہوجائے گی اور پیروں کا دھونا بھی یاد آجائے گا۔کیونکہ مسح پاؤں کے دھونے کا ایک نمونہ ہے اور اس سے صفائی مقصود ہے۔

۳۔دیکھو! کسی بڑے آدمی یا حاکم کے دربار میں جب لوگ جاتے ہیں تو اپنے جوتوں پر سے گرد وغبار صاف کرلیا کرتے ہیں۔شرع اسلام نے بھی اس مصلحت سے حکم دیا کہ مجلس نماز میں جو کوئی جوتا پہن کر جانا چاہے، اس کو چاہیئے کہ تر ہاتھ اپنے جوتوں (موزوں) پر پھیر لے۔ اور اس طرح اس کی گرد جھاڑ ڈالے۔اسی کو مسح علی الخفین کہتے ہیں۔یعنی جن لوگوں نے پاؤں دھو کر موزے پہنے تھے اور وہ موزے پاک ہوں اور ان کو اُتارنا منظور نہ ہو تو وہ وضو کے وقت بجائے پاؤں کے دھونے کے صرف موزے پر ہاتھ پھیر لیں یعنی اس کی خاک جھاڑ کر اس پر مسح کرلیں تو کافی ہے۔

۴۔پٹی پر مسح کرنے کی بھی یہی وجہ ہے کہ شرع میں جسم کے تمام اعضاء کا تیمّم جس طرح بدل ہے اسی طرح ایک عضو کا بدل ہے، اور وہ بھی ایک مجبوری اور معذوری کی حالت میں جب کہ زخم کے باعث ضرر ہونے کا قوی گمان ہو۔

مسح موزہ کیلئے مدت مقرر ہونے کا راز

۲۔شرع اسلام میں موزے کے مسح کی مدت مقیم کیلئے ایک دن رات اور مسافر کے لئے تین شبانہ روز مقرر ہے۔یہ ایک ایسی مدت ہے جو آسانی کو مدِّ نظر رکھتے ہوئے بالکل موزوں و

مناسب ہے۔ اس میں لوگوں کو تکلیف اور حرج سے بچانا سب سے بڑی مصلحت ہے اور مقیم و مسافر اتنی مدت کے بعد آسانی سے موزہ اُتار کر پاؤں دھوسکتا ہے۔ اور اس کے نفس کو کوئی ناگواری نہیں ہوتی بلکہ طبیعت خود بخود چاہتی ہے کہ اتنی مدت کے بعد اپنے پاؤں کو پھر دھو ڈالے۔

موزہ پر اوپر کی جانب مسح کرنے کی وجہ

۳۔ ظاہر میں تو یہی سمجھ میں آتا ہے کہ موزے کا مسح نیچے کی جانب سے مشروع ہونا چاہئے تھا کیونکہ گرد و غبار نیچے کی جانب سے زیادہ لگتا ہے۔ سو اس میں یہ راز ہے کہ ایک تو جو کچھ شریعت حقّہ نے مقرر کیا ہے اس میں کمی وبیشی کرنی عقل وحکمت کے خلاف ہے۔ دوسرا اگر نیچے کی جانب مسح کرنے کا حکم ہوتا تو اوپر کے حصہ کی بدنمائی اور غیر موزونی کے علاوہ زمین پر چلتے وقت موزوں کے گرد وغبار سے آلودہ ہوکر خراب ہونے کا قوی احتمال تھا جس میں بہت بڑا حرج ہوتا۔ شرع شریف نے اس حرج کو مقدم سمجھ کر اوپر کی جانب مسح کرنا مقرر کیا۔

طہارت کی حالت میں موزہ پہننے کی حکمت

۴۔ چونکہ وضو میں جن اعضاء کے دھونے کا حکم ہوا، وہ وہی اعضاء ہیں کہ جن پر گرد و غبار کا اثر جلد جلد ہوتا رہتا ہے۔ ان میں پاؤں بھی شامل ہیں۔ جب وہ موزہ پہننے کی وجہ سے گرد وغبار سے محفوظ ہوجاتے ہیں تو وہ اعضائے باطنیہ میں داخل ہوجاتے ہیں۔ اُن پر طہارت کی حالت میں موزے پہننا نمازی کے دل میں اس وقت کی طہارت کا نقشہ جمادیتا ہے۔ یہ پاکیزگی کا خیال اور تصور نفس کی تنبیہ میں پورا پورا کام دیتا ہے۔ اس طہارت کو وہ اس اصلی طہارت پر قیاس کرکے اپنے دل کے وہم اور تردّد کو دور کرکے اطمینان حاصل کرلیتا ہے۔ اسی سبب سے کہ نفس کو ایسے قیاسات سے بہت مدد ملا کرتی ہے۔ مسح موزہ کو اوپر کی جانب سے حکم دیا۔ کیونکہ موزہ کا اوپر کا حصہ ہی نظر آتا ہے نیچے کا چھپا رہتا ہے۔ اگر اوپر کے حصہ کے گرد و غبار کے دور کرنے کا حکم نہ ہوتا تو ایک تو گرد وغبار سے بدنما معلوم ہوتا اور دوسرا نفس پر بہت

گندہ اثر پیدا ہوتا۔

پائتابوں پر مسح

۵۔علمائے احناف کے نزدیک جرابوں یعنی پائتابوں پر مسح کرنا درست نہیں ہے۔ البتہ اگر ان پر چمڑا چڑھا ہوا ہو یا سارے موزے پر چمڑا نہ لگا ہو، بلکہ مردانے جوتے کی شکل پر چمڑا لگا دیا ہو، یا بہت سنگین اور سخت ہوں اور بغیر کسی چیز سے باندھے ہوئے آپ ہی آپ ٹھہرے رہتے ہوں اور آدمی ان کو پہن کر تین چار میل راستہ بھی چل سکتا ہو، تو ان سب صورتوں میں پائتابوں پر بھی مسح درست ہے۔ اگر جراب کے اوپر موزے پہنے ہوں تب بھی موزوں پر مسح درست ہے کیونکہ مقصود پاؤں کو گردوغبار سے پاک وصاف رکھنا ہے۔

استنجا

قضائے حاجت کے وقت کی دعا اور اس کے پڑھنے کی وجہ

مقدس شرع اسلام نے سکھایا ہے کہ آدمی جب قضائے حاجت کیلئے جائے تو پہلے تین یا پانچ یا سات ڈھیلے بائیں ہاتھ میں لے اور بسم اللہ اور یہ دعا پڑھے: اللھم انی اعوذبک من الخبث و الخبائث (ترمذی۔ابوداؤد) (یعنی) اے اللہ میں خبیثوں اور نجاستوں سے پناہ مانگتا ہوں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ایسی ناپاک جگہ پر شیاطین اور خبیث ارواح موجود رہتی ہیں کیونکہ ان کو نجاست سے مناسبت وانست ہوتی ہے۔ جب بسم اللہ اور یہ دعا پڑھ لی جاتی ہے تو شیاطین اور خبیث ارواح وہاں سے دور ہو جاتی ہیں۔

خانۂ کعبہ کی طرف منہ یا پیٹھ کرنے کی ممانعت کا راز

جب قضائے حاجت کے واسطے بیٹھے تو پردے کا خیال رکھے اور قبلے کی طرف اپنی پیٹھ یا منہ نہ کرے۔ اس میں یہ راز ہے کہ قبلہ یعنی خانۂ کعبہ شعائر الٰہی میں داخل ہے اور شعائر اللہ کی

تعظیم مومن کا ایمان ہے۔خانۂ کعبہ کی تعظیم خدائے پاک کی تعظیم ہے۔اس کی بے ادبی خدائے کعبہ کی جناب میں سوءادبی ہے۔خانۂ کعبہ کی تعظیم اوراس کی عزت وحرمت کا سبق سکھلانے کی غرض سے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اذا اتیتم الغائط فلا تستقبلوا القبلة ولا تستدبروها (صحاح ستہ)

''مسلمانو! جب تم قضائے حاجت کے لئے آؤ (بیٹھو) تو قبلہ کی جانب نہ منہ کرو اور نہ اس کی طرف پیٹھ کرو''۔اس میں اس امر کی طرف بھی اشارہ ہے کہ عظمت الٰہی کا (جو بندے کے دل میں مخفی ہے) ظاہر میں کوئی قرینہ پایا جائے، جس سے دلی تعظیم اور قلبی ادب کا اظہار ہوجائے۔شرع اسلام نے سکھایا کہ حالت بول و براز اور جماع میں قبلہ کی طرف نہ منہ کیا جائے نہ پشت کیونکہ یہ امر بے ادبی میں داخل ہے۔

تین ڈھیلوں سے امر استنجا کی وجہ

آدمی جب قضائے حاجت کے لئے بیٹھ جائے تو بائیں پاؤں پر زیادہ بوجھ ڈالے۔ فراغت کے وقت بائیں ہاتھ سے گرمیوں کے موسم میں پہلا ڈھیلا آگے سے پیچھے۔دوسرا پیچھے سے آگے کو تیسرا پھر آگے سے پیچھے کو لے جائے۔اگر زیادہ ضرورت ہو تو اسی طرح اور ڈھیلوں کا استعمال کرے۔عورتیں بارہ مہینے اسی طرح کیا کریں۔اور سردیوں کے موسم میں مرد پہلا ڈھیلا پیچھے سے آگے کو۔پھر دوسرا آگے سے پیچھے کو تیسرا پھر پیچھے سے آگے کو لائے۔اور پیشاب کی جگہ کو بھی مٹی کے ڈھیلے سے خشک کرے۔اس سے غرض یہ ہے کہ بدن اور کپڑوں کو ناپاک چھینٹوں سے بچائے۔نہیں تو قبر میں عذاب ہوگا۔

اسلام پاک کو ایک خاص شرف یہ بھی حاصل ہے کہ اس نے انسان کی زندگی کے ہر شعبے کے لئے تعلیم وتلقین کی ہے۔انسان کی کوئی حاجت وضرورت ایسی نہیں جس کے لئے اسلام نے ہدایت نہ کی ہو۔اسی مضمون کو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان شفقت آمیز الفاظ میں ارشاد فرمایا:

انما انالکم مثل الوالد لولدہ اعلّمکم اذا اتیتم الغائط فلا تستقبلوا القبلۃ ولا تستدبروھا وامر بثلاثۃ احجارٍ[1]۔

مسلمانو! میں تمہارے لئے بمنزلہ باپ کے ہوں۔ تم کو میں آداب سکھاتا ہوں۔ جب تم قضائے حاجت کے لئے جاؤ تو قبلہ کی طرف منہ یا پیٹھ کر کے نہ بیٹھو اور استنجا میں تین ڈھیلوں (سے کام لینے) کا حکم دیا۔

تین ڈھیلوں کی تعداد کم سے کم حد ہے۔ اوسط پانچ اور اکمل سات ڈھیلے لینا مستحب ہے، اس میں ایک تو صفائی کیلئے حد مقرر کرنا منظور تھی تاکہ لوگ اس حد کو مدنظر رکھ کر طہارت سے فارغ ہو جائیں۔ اگر لوگوں کو اُن کی اپنی رائے پر چھوڑ دیا جاتا تو بعض وہمی اور شکی آدمی سارا سارا دن استنجا کرنے میں ہی گزار دیتے۔ تین ڈھیلوں سے عموماً صفائی ہو جاتی ہے۔ اس سے صفائی نہ ہو تو پانچ اور اس سے زیادہ سات ڈھیلے مستحب ہیں۔ اس سے بھی زیادہ کرنے میں صرف تضییع اوقات اور وہم ہے۔ تین سے کم میں صفائی نہیں ہوتی۔ اعتدال اور اوسط ہی بہتر ہے[2]۔

قضائے حاجت سے فارغ ہونے کے بعد کی دعاء اور اس کی وجہ

آدمی جب جائے ضرورت سے فارغ ہو کر باہر نکلے تو کہے "**غفرانک**" (خدایا میں تجھ سے بخشش مانگتا ہوں) اور یہ دعا پڑھے "**الحمدللہ الذی اذھب عنی الاذی و عافانی**" (یعنی اللہ تعالیٰ کا شکر ہے جس نے مجھ سے تکلیف والی چیز کو دور کیا اور مجھے عافیت دی) اس دعا کی وجہ یہ ہے کہ قضائے حاجت کے وقت شیاطین اور ارواحِ خبیثہ سے مخالطت ہونے کے سبب ذکرِ الٰہی ترک ہو جاتا ہے۔ اس لئے خدا کی پناہ اور اس سے مغفرت چاہنا بہت ضروری ہے۔ اور اذیت اور ضرر دینے والی چیز کا بدن سے نکل جانا خدائے پاک کی ایک نعمت ہے جس کا شکر ادا

---

[1] یہ راوی کا بیان ہے کہ آپ ؐ نے تین ڈھیلوں سے استنجا پاک کرنے کا امر فرمایا ۱۲ مؤلف۔

[2] یہ بیان استحباب تھا۔ ورنہ مذہب حنفی کی رو سے ڈھیلوں کی تعداد متعین نہیں اور نہ کوئی حد اس کی مسنون ہے۔ ڈھیلے کو اگر تری لگ کر نہ آئے تو اس کے بعد ڈھیلا لینے کی ضرورت نہیں اور اگر ایک دو ڈھیلے لینے کے بعد ہی تری باقی نہ رہے تو پھر ڈھیلا لینے کی ضرورت نہیں۔ ۱۲

کرنا مناسب ہے۔

آدمی پائخانہ کے مقام سے نکل کر پھر غسل خانے یا اور پردے کی جگہ میں بیٹھ کر استنجا پاک کرے دائیں ہاتھ سے تھوڑا تھوڑا پانی ڈالتا جائے۔ بائیں ہاتھ کی بیچ کی اُنگلیوں سے خوب مل کر دھوئے اور قطرہ قطرہ پانی بدن سے نچوڑے[1] غرض اپنے بدن اور کپڑوں کو ہمیشہ پاک صاف رکھے۔

گوبر اور ہڈیوں سے استنجا کرنے کی ممانعت کا راز

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اُمت کو ہڈیوں اور گوبر سے استنجا کرنے کو منع فرمایا جس کی وجہ ایک تو یہ ہے کہ حضور ﷺ نے اپنی اُمت کے لوگوں کو اس محبت وشفقت کی وجہ سے جو آپ کو اولاد سے زیادہ اپنی اُمت سے ہے، ان ضرروں سے بچنے کیلئے جو گوبر و ہڈیوں سے لاحق ہوتے ہیں، اس طریقہ سے منع فرمایا کیونکہ ان میں زہریلے حشرات کے علامات اور ہوائے متعفنہ کے سمی و قاتلہ آثار ہر وقت موجود رہتے ہیں۔ اکثر زہریلے اور موذی کیڑوں اور جانوروں مثلاً سانپ، بچھو اور ہزار پا وغیرہ کی پیدائش گوبر و ہڈیوں میں سے ہوتی ہے۔ انہی میں اکثر رہتے سہتے اور پرورش پاتے ہیں۔ گوبر اور ہڈیوں کے سوراخوں میں ان کے رہنے کے گھر ہوتے ہیں۔ اسی باعث سے ان سے استنجا کرنا منع ہوا تا کہ ان کے اندر سے کوئی زہریلا جانور نکل کر استنجا کرنے والے کو ایذا نہ پہنچائے۔

۲۔ دوسری وجہ حدیث شریف میں یہ بیان کی گئی ہے کہ

لا تستنجوا بالروث و العظام و انها زاد اخوانکم الجن۔ (ترمذی وغیرہ ۱۲)

لوگو! گوبر اور ہڈیوں سے استنجا نہ کیا کرو کیونکہ یہ چیزیں تمہارے بھائیوں جنات کی غذا

---

[1] آج کل بڑے شہروں میں اور خاص کر پڑھے لکھے لوگوں میں یہ ایک بُری عادت پیدا ہو گئی ہے کہ وہ یا تو ڈھیلا لینے سے شرم کھاتے یا سستی سے اس کی کچھ ضرورت نہیں سمجھتے ہیں۔ حالانکہ مسنون ہے۔ اس کے ترک سے ایک تو ہاتھ غلیظ ہوتے ہیں اور دوسرا کپڑا پاک نہیں رہ سکتا کیونکہ کھڑا ہونے پر ضرور پیشاب کے چند ایک قطرے نکل پڑتے ہیں۔ ۱۲ مؤلف

ہیں۔ جنات کی وجودی حالت اور کیفیت اور حدیثوں میں بھی آئی ہے۔ مگر یہاں اس کے بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔

بول و براز کی حاجت کے وقت منع نماز کی وجہ

نماز کے مسائل میں کتب فقہ وحدیث میں اس مسئلہ کو بھی خاص طور پر بیان کیا گیا ہے کہ آدمی کو جب قضائے حاجت کا تقاضا ہو، یا پیشاب کی ضرورت معلوم ہو رہی ہو تو جب تک پہلے ان تقاضوں سے فارغ نہ ہوئے، نماز کی نیت نہ باندھے۔ خود حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم کیا:

لا یصلی احدکم وھو یدافعہ الاخبثان

پائخانہ و پیشاب کی حاجت کے وقت تم میں سے کوئی آدمی نماز کے لئے کھڑا نہ ہو۔

نماز میں اسی وقت آدمی کا دل لگتا ہے جبکہ وہ تمام وساوس اور ترددات سے فارغ ہو۔ اگر آدمی کا باطن کسی اور کام یا خیال کی طرف مشغول ہو، نماز میں دل جمعی نہیں ہوسکتی۔ اور نہ نماز کا لطف اور مزہ مل سکتا ہے۔ طہارت کا اثر بھی نفس پر اسی وقت ہوسکتا ہے کہ جب آدمی کے پیٹ میں نفخ یا درد وغیرہ سے کسی قسم کا کوئی تردد اور اضطراب نہ ہو۔ بلکہ نفس انسانی دوسرے سب کاموں سے فارغ اور علیحدہ ہو۔ انسان اگر بول و براز کے تقاضا کی حالت میں نماز میں کھڑا ہوجائے تو وہ بجائے خدائے پاک کی طرف متوجہ ہونے کے پائخانہ و پیشاب کی مدافعت میں مشغول ہوجائے گا جس سے نماز کا مزہ اور اُس کا سرور و نور توجہ الی اللہ میں فرق پڑنے کی وجہ سے جاتا رہے گا۔

اذان

اذان کا طریقہ

جس وقت نماز کا وقت ہوتا ہے نقیب (مؤذن) خدا کی عدالت یا کچہری (مسجد) کے دروازے یا چھت یا منار پر چڑھ کر نہایت فصیح و بلیغ الفاظ میں نہایت پیاری اور سُریلی آواز سے اذان دیتا ہے جس کا طریقہ یہ ہے:

مؤذن قبلہ رُخ کھڑا ہو۔ شہادت کی اُنگلیاں کانوں پر رکھے اور بلند آواز سے ٹھہر ٹھہر کر چار دفعہ کہے اللہ اکبر یعنی اللہ تعالیٰ بہت بڑا ہے۔ پھر دو بار اشھد ان لا الہ الا اللہ کہے۔ یعنی میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اور پھر دو بار اشھد ان محمدا رسول اللہ کہے یعنی میں گواہی دیتا ہوں کہ (حضرت) محمد (ﷺ) اللہ کے بھیجے ہوئے رسول ہیں۔ اس کے بعد دائیں جانب منہ کر کے دو بار حی علی الصلوٰۃ یعنی نماز کو آؤ۔ پھر بائیں جانب منہ کر کے حی علی الفلاح یعنی آؤ کامیابی حاصل کرو۔ اس کے بعد پھر قبلہ رُخ ہو کر دوبارہ اللہ اکبر کہے اور ایک بار لا الہ الا اللہ کہے اور فجر کی اذان میں حی علی الفلاح کے بعد دو بار کہے الصلوٰۃ خیر من النوم یعنی نماز بہتر ہے نیند سے۔ جو کلمے مؤذن کہے سننے والا بھی اس کے پیچھے پیچھے آہستہ آہستہ زبان سے کہتا جائے لیکن جب حی علی الصلوۃ، حی علی الفلاح پر آئے تو کہے لاحول ولا قوۃ الا باللہ یعنی اللہ تعالیٰ کی توفیق کے بغیر گناہ سے بچنے اور نیکی کرنے کی توفیق نہیں اور الصلوٰۃ خیر من النوم کے جواب میں کہے صدقت و بررت یعنی سچ کہا تو نے اور بھلائی کی بات کہی۔ اس کے بعد یہ دعا پڑھے:

اللھم ربّ ھذہ الدعوۃ التامّۃ و الصلوٰۃ القائمۃ ات محمدًا ن الوسیلۃ و الفضیلۃ و الدرجۃ الرفیعۃ و ابعثہ مقاما محمودا ن الذی وعدتہ و ارزقنا شفاعتہ انک لا تخلف المیعاد

اے اللہ تعالیٰ اس کامل پکار کے اور اس قائم نماز کے صاحب اور مالک! تو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو وسیلہ اور فضیلت اور درجہ عطا فرما اور آپ کو مقام محمود پر اُٹھا۔ جس کا تو نے اُن سے وعدہ کیا ہے اور ہمیں آپ کی شفاعت نصیب کر۔ تحقیق تو وعدے کا خلاف نہیں کرتا۔

وجہ تسمیہ اذان

اذان کا اتنا بڑا درجہ اور ثواب ہے کہ اگر لوگوں کو معلوم ہو جائے تو آپس میں اذان کہنے کیلئے لڑ مریں۔ ہر ایک شخص کہے کہ میں ہی اذان کہوں۔ اذان کے معنی خبر دینے اطلاع و آگاہ کرنے کے ہیں۔ چونکہ اس فعل میں لوگوں کو جماعت نماز میں شامل ہونے کیلئے اطلاع دی جاتی ہے، اس لئے اس فعل کا نام اذان رکھا گیا۔ اس نوٹس کی تعمیل میں لوگ حاضر ہو کر نماز ادا کرتے ہیں۔

اذان مقرر ہونے کی وجہ

ہجرت کے بعد مدینہ طیبہ میں جب مسلمانوں کی تعداد بڑھ گئی تو نماز کے بلانے میں کسی قدر اہتمام کرنا پڑا۔ دس ۱۰، بیس ۲۰، سو ۱۰۰ تک تو خیر کوئی ایسی ضرورت نہیں پڑی لیکن جب اسلام لانے والوں کی تعداد ہزاروں تک پہنچی تو بغیر اعلان کے کام چلتا نظر نہیں آیا۔ لوگوں کا انتظار کیا جاتا تو انتظار کرنے والوں کو جدا تکلیف ہوتی۔ اور باوجود انتظار کے لوگ بچھڑ جاتے ان کو ایک گلہ اور صدمہ ہوتا۔ اب خیال پیدا ہوا کہ لوگوں کے خبر کرنے کیلئے کوئی تدبیر سوچنا چاہئے۔ چونکہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی (جیسا کہ آج بھی ہے) عبادت کو بلانے کے واسطے کسی قوم میں گھنٹہ بجنے کا رواج تھا، کسی میں آگ روشن کرنے کا، کسی میں نرسنگھا پھونکنے کا، اسلئے دربار رسالت میں کسی نے آگ جلانے کی صلاح دی کہ آگ کی روشنی دیکھ کر لوگ جمع ہو جایا کریں گے۔ کسی نے یہ عرض کیا کہ ناقوس یا گھنٹہ سے اعلان کیا جائے۔ یہ تمام تجویزیں سب کی سب فضول اسلامی سادگی اور حق شناسی سے بہت بعید تھیں۔

اسلام کی ابتدائی حالت جیسی سادہ اور دلکش تھی وہ ان ڈھکوسلوں کی پابند نہ ہوسکی۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک تعلیم چونکہ خدائی تعلیم ہے اس لئے ان سب لغو اور فضول طریقوں کے مقابلہ میں یہ رائے قرار پائی کہ بلند مقام پر کھڑا ہو کر کوئی شخص پکار دیا کرے۔ بس اتنا ہی کافی ہے۔ اب پکارنے کے الفاظ کیا ہوں؟ اس پر غور ہونے لگا، چند شخصوں[1] نے کچھ الفاظ بتائے اور کہا کہ انھوں نے عالم خواب میں ان الفاظ کے ساتھ اذان دیتے ہوئے سنا ہے۔ وہ الفاظ منظور کئے گئے اور پھر وحی نے اس کی تصدیق کر دی (لمعات ۱۲)۔ اور آج تک نماز کے لئے انھی پاک اور بابرکت الفاظ سے مسلمانوں کو پکارتے ہیں یا یہ کہ ان کو نماز شروع ہونے کی اطلاع دی جاتی ہے۔

نماز کی جماعت ایک ضروری امر ہے۔ ایک وقت اور ایک جگہ میں لوگوں کا اجتماع اعلام اور آگاہ ہونے کے سوا دشوار ہے۔ خدائے پاک نے چاہا کہ اذان کو شعائر اللہ میں داخل کر کے اس سے ایک تو لوگوں کو بلانے کا کام لیا جائے اور دوسرا مذہب کی عزت و حرمت کا نشان قرار دیا جائے۔ اس طرح کہ توحید اور رسالت اور نماز کے وقت کا اعلان خاص الفاظ کے ذریعہ سے کیا جائے تا کہ مومنین متبعین کا امتیاز ہو جائے۔ جو لوگ اس دعوتِ الٰہیہ کو سن کر حاضر ہو جائیں، ان کے دین الٰہی کے تابع ہو جانے کی دلیل اور پہچان ہو۔ اسی بناء پر خدا کے سچے اور آخری کامل رسول[2] نے ذکر الٰہی اور شہادتین سے اُس کی ابتدا کرنے اور درمیان میں ـــ جس غرض سے بلایا جاتا ہے یعنی ـــ نماز اور آخر میں ذکر اللہ پر ختم کرنے کے الفاظ مقرر فرمائے اور اس ترکیب کا نام اذان رکھا۔

اذان کی خوبیاں

اسلام پاک نے نماز کے لئے بلانے کا جو یہ پاکیزہ طریقہ تعلیم فرمایا، اس کی نظیر کوئی قوم اور کوئی مذہب پیش نہیں کرسکتا۔ یہ مبارک طریقہ سب سے کامل اور ممتاز ہے۔ نمازیوں کی

---

[1] یہ بزرگ فاروقؓ اور عبد اللہ بن زیدؓ تھے بعض روایات میں ہے کہ عبد اللہ بن زیدؓ فرماتے تھے کہ میں جاگا نیند ہی میں تھا بالکل سویا نہ تھا اِسی واسطے بعض علماء نے اس واقعہ کو کشف اور حال پر محمول کیا ہے۔ ۱۲ مؤلف

[2] بعض احادیث میں یہ بھی ہے کہ شب معراج میں حضور انور ﷺ کو حضرت جبریلؑ نے اذان کی تعلیم فرمائی تھی۔ مگر اس قسم کی حدیثیں صحیح نہیں۔ بعض نے صحیح سمجھ کر لکھا ہے کہ یہ واقعہ معراج روحانی کا ہے جسمانی کا نہیں ۱۲ مؤلف۔

جماعت کو فوجی قواعد سے تشبیہ دیں تو اذان کو بے تکلف بگل کہہ سکتے ہیں۔ بلکہ یہ کہنا تو اذان کی ہتک کرنا ہے۔صرف مثال کیلئے اس کو بگل سے تعبیر کیا گیا ہے۔لیکن سچ تو یہ ہے کہ اس زمانہ میں بگل فوج کو اتنا جلد مستعد نہیں کرتا جتنا پہلے زمانہ میں اذان مسلمانوں کو بیدار کرتی تھی۔ اذان سننے کے ساتھ ہی ہر شخص اپنے گھر سے نکل پڑتا تھا۔ گویا اذان کمند تھی جو لوگوں کو کھینچ لاتی تھی۔ اکثر لوگوں نے کسی گنجان آبادی میں آگ لگتے دیکھا ہوگا تو ان کی آنکھوں کے سامنے وہ منظر ابھی تک موجود ہوگا کہ آگ کے شعلے بلند ہوتے ہی تمام محلے کے لوگ اپنے گھر سے نکل پڑے تھے اور چند منٹ میں وہ لوگ جلتی ہوئی آگ کے گرد آتش پرستوں کی طرح حلقہ باندھ کر کھڑے ہو گئے تھے۔بس یہی کیفیت اذان سننے والے مسلمانوں کی تھی۔ جب تک اسلام اصلی اسلام کی حالت پر تھا، اس گئی گزری حالت پر بھی عرب شریف اور اس کے گردونواح میں اذان دینے والے عرب ایک عجیب کیفیت پیدا کرتے ہیں۔ اکثر انگریزی سیاح متفق اللفظ ہیں کہ صبح کے وقت اذان کے سادے سادے چند الفاظ کچھ ایسی کیفیت پیدا کرتے ہیں جو بالکل سننے ہی سے تعلق رکھتی ہے۔ان الفاظ سے جو جذبات پیدا ہوتے ہیں یا جو سماں بندھتا ہے وہ پورے طور پر بیان نہیں ہو سکتے۔ اللہ اللہ جس سچے اور کامل خدائی مذہب میں ہر روز پانچ مرتبہ بہ آواز بلند اصول ایمانیہ کا اعلان کیا جائے، کیسے ممکن ہے کہ اس مقدس دین میں کبھی شرک کی نجاست کا دخل ہو۔

۲۔اذان کے بعد تکبیر کہتے ہی تمام صف کا خدائے قدوس کے حضور میں دست بستہ کھڑا ہو جانا، تمام صف کا خمیدہ ہونا، سجدہ میں گر پڑنا کیسی اعلیٰ درجہ کی اطاعت سکھاتا ہے، اور کفر و شرک کی بیخ کنی کے سوا کس قدر غرور اور تکبر کی بُری عادت کا سر کاٹتا ہے، اور مسلمانوں کو نماز با جماعت پڑھنے کی تاکید اتحاد اور باہمی اتفاق کو کیسی تقویت دینے والی چیز ہے۔

۳۔اذان میں مسلمانوں کو نفاق سے بچنے کا عملی سبق پڑھایا گیا ہے۔ کیونکہ ہدایت کی گئی ہے کہ ہر روز پانچ وقت مینار یا چھت پر چڑھ کر بلند آواز سے تمام مخالف و موافق، قائل و منکر کو اپنے عقائد سنا کر حق تبلیغ ادا کر دو۔ اور ان کے کانوں میں ڈال دو کہ ''لوگو! خدائے تعالیٰ ایک

ہے۔ وہ سب سے بڑا ہے، اس کے سوا کوئی پرستش کے قابل نہیں۔ اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے سچے پیغمبر ہیں، اور تمہاری فلاح کا یہی ایک واحد ذریعہ ہے۔ کوئی ہے کہ اس راز کو سمجھے؟

اذان کا جواب دینے کا راز

ا۔ جس طرح عدالت کے سمن کے پروانہ پر چپراسی دستخط لیتا ہے اور سمن پانے والا لکھ دیتا ہے کہ "حکمِ حضور سے اطلاع پائی"۔ اسی طرح اذان بھی الٰہی دربار اور عدالت کی حاضری کا اور وہاں کی طلبی کا سمن ہوتا ہے۔ لہذا اذان کے الفاظ سن کر جواب دینے کی یہ وجہ ہے کہ سننے والا اطلاع یابی کی تصدیق کرتا جائے تا کہ بعد میں یہ عذر نہ کر سکے کہ میں نے سنا نہیں تھا یا سمجھا نہیں تھا، کیونکہ وہ طلبی کے پروانہ پر اپنے دستخط کر دیتا ہے۔

۲۔ یہ لکھا جا چکا ہے کہ اذان مقرر ہونے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اس سے ماننے اور نہ ماننے والوں کا امتیاز ہو جائے اور لوگوں کا دین الٰہی کا قبول کر لینا اس کی وجہ سے پہچان لیا جائے۔ اذان کے الفاظ کا جواب دینے میں یہ راز ہے کہ اس سے قبول کر لینے اور اس کے اتباع کی شناخت ہو جاتی ہے یعنی اس سے جو مقصود ہے اس کی تصریح ہو جاتی ہے اور ساتھ ہی اس سے اسلام کی شان و شوکت ظاہر ہوتی رہتی ہے۔

اذان دیتے وقت کانوں میں اُنگلیاں ڈالنے کی وجہ

مؤذن کو حکم ہے کہ وہ کانوں میں انگلیاں ڈال لیا کرے، اس میں یہ مصلحت ہے کہ کانوں میں اُنگلیاں ڈالنے سے ایک تو آواز زور سے نکلتی ہے، اگر کانوں میں انگلیاں نہ دی جائیں تو آواز پست اور ہلکی رہتی ہے دور تک نہیں پہنچ سکتی۔ اور دوسرا آواز کی بلندی اور سختی سے کانوں کو صدمہ نہیں پہنچتا اور یہی وجہ خود حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔ حدیث شریف میں ہے:

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم امر بلالا ان تجعل اصبعیه فی اذنیه

قال انه ارفع لصوتک ۱۲ (ابن ماجہ)

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بلالؓ کو حکم دیا کہ اذان دیتے وقت اپنی انگلیاں کانوں میں ڈال لیا کرو۔ فرمایا اس طرح کرنے سے تمہاری آواز بلند نکلے گی۔

اور یہ بات تجربے اور مشاہدے میں آتی رہتی ہے۔

اذان کے شرعی فائدے

۱۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تین آدمی قیامت کے دن سیاہ کستوری کے ڈھیروں پر چڑھے ہوں گے، جنھیں حساب وغیرہ کا کچھ خوف نہیں ہوگا۔ ان میں سے ایک تو وہ شخص ہے جو خدائے پاک کی رضامندی اور اپنے آقا کی خوشنودی ان کے حقوق ادا کرنے کی وجہ سے حاصل کرتا ہے۔[۱] دوسرا جس نے لوگوں کی امامت کی اور وہ اس سے خوش رہے۔ تیسرا وہ جس نے خدائے پاک کی رضامندی کیلئے مسجد میں اذان کہی۔ (ترمذی شریف)

۲۔ اذان کی آواز جہاں تک پہنچتی ہے اور جو لوگ اس کو سنتے ہیں وہ سب قیامت کے دن مؤذن کے ایمان کی گواہی دیں گے۔ (بخاری۔ نسائی۔ ابن ماجہ)

۳۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص سات برس تک برابر اذان دے اور اس سے اس کا مقصود محض ثواب ہو تو اس کے لئے دوزخ سے آزادی لکھ دی جاتی ہے''۔ (ترمذی)

۴۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''انبیاء اور شہداء کے بعد اذان دینے والے جنت میں داخل ہوں گے''۔

۵۔ اذان دیتے وقت شیطان پر نہایت خوف اور ہیبت طاری ہوتی ہے اور بہت بدحواسی سے بھاگتا ہے۔ جہاں تک اذان کی آواز جاتی ہے وہاں تک نہیں ٹھیرتا۔ (بخاری و مسلم)

---

[۱] ایک روایت میں ہے کہ پہلا وہ شخص ہے جس نے خدا کی رضامندی کے لئے قرآن مجید پڑھا۔ قرآن کریم اس کی اس آیۃ میں شہادت دیتا ہے و من احسن قولا ممن دعا الی الله و عمل صالحا وقال اننی من المسلمین (حم السجدۃ: ۳۳) یعنی اس سے بہتر کس کی بات ہے جس نے خدا کی طرف بلایا اور نیک کام کیا اور کہا میں خدا کا فرماں بردار بندہ ہوں۔ مؤلف

۶۔ جس مقام پر اذان دی جاتی ہے وہاں اللہ تعالیٰ کی رحمت نازل ہوتی ہے۔ عذاب اور بلاؤں سے وہ مقام محفوظ رہتا ہے۔

۷۔ قیامت کے دن مؤذنوں کو بھی شفاعت کی اجازت دی جائے گی کہ وہ اپنے اعزّہ و احباب (جس کے لئے چاہیں) خدائے پاک سے سفارش کریں۔

۸۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ''جو شخص بارہ برس تک برابر بانگ نماز کہتا ہے اس کیلئے جنت واجب ہوجاتی ہے''۔ (ابن ماجہ)

۹۔ آپ ﷺ نے فرمایا ''قیامت کے دن مؤذنوں کی گردنیں بلند ہوں گی'' یعنی وہ نہایت معزز لوگوں میں ممتاز ہوں گے اور قیامت کے خوف اور مصیبت سے محفوظ رہیں گے۔ (مسلم شریف)

۱۰۔ اذان نبوت کی شاخوں میں سے ایک شاخ ہے کیونکہ اذان سے گویا لوگوں کو ترغیب و دعوت اسلام پاک کے اس سب سے بڑے اصول کی دی جاتی ہے جو سب سے زیادہ عظیم الشان ہے؛ یعنی توحید اور رسالت۔ اس لئے شیطان کو جلن اور ہیبت اس نیکی سے ہوتی ہے جو اوروں تک پہنچے اور اس میں خدائے بلند و برتر کا بول بالا ہو۔ کسی دوسری چیز میں نہیں، جیسا کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اذا نودی للصلوٰۃ ادبر الشیطن له ضراط حتی لا یسمع التاذین (بخاری و مسلم)

''نماز کے لئے جب اذان دی جاتی ہے تو شیطان وہاں سے پیٹھ پھیر کر بھاگتا ہے اور اس کا گوز نکل جاتا ہے اور زور سے مارتا ہے تاکہ اذان کی آواز اُس کے کان میں نہ پڑے''۔

۱۱۔ اذان کی بزرگی صرف اسی ایک فضیلت سے ظاہر ہوجاتی ہے کہ وہ ایک ایسا شعار اسلام ہے کہ جس کی وجہ سے ملک کو دارالاسلام ہونے کا فتویٰ شرع اسلام دے سکتی ہے۔ بعض احادیث میں یہ بھی ہے کہ مؤذن کا مرتبہ شہید کے برابر ہے۔

۱۲۔ یہ بھی حدیث میں آیا ہے کہ جب تک مؤذن اذان دیتا رہتا ہے تب تک اس کے سر پر اللہ تعالیٰ کا ہاتھ رہتا ہے۔

اذان کی ہنسی کرنے سے کفر لازم ہونے کی وجہ

اذان کی ہنسی کرنا کفر میں داخل ہے۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اکثر یہود اور بہت سے مشرک اذان کی آواز پر ہنستے اور اس کو بُرا مناتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اس فعل کو بُرا سمجھا اور اپنی پاک کتاب (قرآن کریم) میں فرمایا:

﴿واذا ناديتم الى الصلوٰة اتخذوها هزوا ولعبا ذلك بانهم قوم لايعقلون﴾ (المائدۃ:۵۸)

مومنو! جب تم بانگ دے کر نماز کیلئے پکارتے ہو تو وہ (کافر) اس کو ٹھٹھا اور کھیل ٹھیراتے ہیں۔ کیونکہ وہ بے عقل لوگ ہیں۔ اسی وجہ سے اذان سن کر ہنسنا یا ٹھٹھا کرنا کفر ہے کہ اس میں یہود اور مشرکین کی اس ناشائستہ حرکت کی تتبع ہے۔

ایک سوال کا جواب

جب اذان کی اس قدر فضیلت وتاکید تھی تو اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ پھر کیوں حضرت نبی کریم ﷺ اور خلفائے راشدینؓ نے اس منصب کو قبول نہ فرمایا اور کیوں اذان کہنا اختیار نہ کیا؟ اس کے جواب میں صرف یہ کہہ دینا کافی ہے کہ چونکہ خود حضور انور ﷺ اور آپؐ کے خلفاء اس سے بھی زیادہ مفید اور اہم کاموں میں مشغول رہتے تھے۔ اگر اس منصب کو اپنے ذمہ لیتے تو ان کاموں میں حرج ہوتا۔ وہ اس منصب کے اختیار کرنے سے مجبور رہے۔ حضور انور ﷺ کے اذان دینے کی حدیث ترمذی شریف میں ہے۔ اگرچہ اس سے قطعی ثبوت نہیں ہوتا اور نوزائدہ[1] بچوں کے

---

[1] **نوزائدہ بچہ کے کان میں اذان دینے کی وجہ:** ا۔ مسلمانوں میں بچہ کے پیدا ہوتے ہی اُس کے ایک کان میں اذان اور دوسرے میں اقامت کہتے ہیں۔ اس میں یہ راز ہے کہ تجربہ اس کا شاہد ہے کہ جو آواز بچہ کے کان میں پہلے پڑتی ہے اس کا اثر اس کے دماغ میں مستقل ہو جاتا ہے۔ بلکہ اس کی فطرت میں مرکوز ہو جاتا ہے۔ اسلام پاک اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی بناء پر اذان کو مقرر فرمایا کہ بچہ کی ولادت کے بعد اس کی فطرت میں پہلی آواز جو قائم ہو وہ خدائے پاک کی توحید اور اس کے رسول ﷺ کی رسالت کی آواز ہو، تاکہ توحید اور رسالت کی تعلیم بچہ کی فطرت (طبیعت) میں کالنقش فی الحجر ہو جائے۔

کان میں اذان دینا تو قطعاً آپ ﷺ سے ثابت ہے۔

۲۔ نیز اذان سے شیطان بھاگتا ہے اور بچہ کی پیدائش کے وقت شیطان اس کو ایذا دیتا ہے۔ مولود کا چلاّنا اسی سبب سے ہوتا ہے۔ اس وقت اذان دینے سے یہ فائدہ ہوتا ہے کہ بچہ شیطان کے شر سے محفوظ رہتا ہے۔

۳۔ بعض بزرگوں نے فرمایا ہے کہ بچہ مرض امّ الصبیان سے محفوظ رہتا ہے۔

۴۔ غرض بچہ کے کان میں اذان دینا مذکورۂ بالا حکمتوں کی وجہ سے مقرر فرمایا گیا۔ مسلمانوں کو اس معاملہ میں سستی نہیں کرنا چاہئے۔ جب بچہ کو کپڑے وغیرہ پہنا چکیں تو پھر عالم یا حافظ یا نیک آدمی کو بُلا کر بچے کے کانوں میں اذان اور اقامت کہلانا ضرور ہے۔ اول بچہ کے دائیں کان میں اذان کہلائیں اور پھر بائیں میں اقامت یعنی بعد حی علی الفلاح کے قد قامت الصلوۃ بھی کہنا چاہئے۔ یہ اذان واقامت کہنا سنت ہے۔۱۲ مؤلف

اذان کی عبرت

مسلمانوں کو چاہئے کہ جب وہ اذان کی آواز سنیں تو اپنے دل میں قیامت کی پکار حاضر کریں۔ اور معاً اپنے ظاہر و باطن سے اس کی اجابت کیلئے مستعد ہو جائیں اور جلدی کریں، کیونکہ جو لوگ مؤذن کی اذان سن کر جلدی کریں گے وہ میدانِ قیامت میں الطاف وعنایات خداوندی کے ساتھ پکارے جائیں گے۔ اور اگر ان کے سینے اذان سن کر عبادت الٰہی کے شوق میں خوش ہوں گے اور وفور شوق میں بھاگتے ہوئے نماز کی طرف آئیں گے تو جان لیں کہ روزِ جزا میں ان کو فلاح ونجات کی آواز دی جائے گی۔ سچ ہے نجات پانے کے حقیقی مستحق وہی لوگ ہیں جو اذان سن کر خوش ہوں اور جن کے دل اس الٰہی دعوت و پکار سے مارے خوشی کے اچھلنے لگیں، چونکہ نماز میں مومن کی روح لذت اور راحت پاتی ہے، اس لئے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ارحنا یا بلال (اے بلالؓ اذان پڑھنے سے ہم کو راحت پہنچاؤ) اور اسی وجہ سے آپ ﷺ نے فرمایا: وقرۃ عینی فی الصلوٰۃ (میری آنکھ کی ٹھنڈک نماز میں مجھے حاصل

ہوتی ہے) جب تک نماز مومن کی آنکھوں کی ٹھنڈک نہ بن جائے ایمان اور اسلام کا مزا ملنا محال ہے۔

آج کل کے مسلمانوں کی عام حالت

اذان کے متعلق جو کچھ لکھا جا چکا ہے اس سے کافی طور پر معلوم ہو گیا کہ اسلام پاک میں اذان کیا چیز ہے۔ اب یہ دیکھنا چاہئے کہ آج کل کے مسلمان اسے کیا سمجھتے ہیں۔ ہندوستان کی آدھی مسجدیں تو ایسی ہیں جن میں برسوں اذان نہیں ہوتی اور جو مسجدیں آباد ہیں ان میں بھی اکثروں کی حالت یہ ہے کہ محلے کے کسی ایک نمازی سے اسے رونق ہوتی ہے۔ وہی بیچارا موذن، امام مقتدی سب کچھ ہے۔ گھڑی رات رہے آکر اذان دیتا ہے اور پھر گھڑی دن چڑھے اشراق کی نماز پڑھ کر نکلتا ہے لیکن کوئی بھی بالخصوص امراء اور نو تعلیم یافتہ یا دولت مند ایسا نہیں ملتا جو اس غریب کا ساتھ دے۔ فجر اور عشاء کا کیا ذکر ظہر، عصر اور مغرب کی نماز میں بھی محلہ والے شریک نہیں ہوتے۔ موذن نے اذان دی، لیکن اذان دینے سے اس کا مقصود کبھی یہ نہیں ہوتا کہ لوگ آواز سن کر جمع ہوں۔ مقصود ہونے کیوں لگا جب وہ جانتا ہے کہ پڑوس والے اسے دھیان میں نہیں لاتے۔

اذان دینا شعار اسلام ہے۔ یہ تو نہیں کہا جا سکتا کہ بے اذان دیئے نماز پڑھ لی جائے۔ لیکن غور طلب یہ ہے کہ جب موذن کو یہ معلوم ہے کہ برسوں **حی علی الصلوۃ** کہتے گزر گئے لیکن کسی فرد بشر نے کبھی اسے بلاوا تصور نہ کیا۔ اگر وہ صرف اتنا ہی کہہ دیتا کہ ارے بھائی ذرا سن جاؤ تو کتنے آدمی جمع ہو جایا کرتے۔ نماز پڑھتے یا نہ پڑھتے لیکن بلانے[1] سے ضرور آجاتے۔ تو اب سوچنا یہ ہے کہ جان بوجھ کر ہر ایک رکن دین کی توہین اور تفضیح کرنی کب تک مسلمان گوارا کریں گے۔ کیا ان کو مناسب ہے کہ وہ پانچ وقت اذان سن کر مسجد میں نہ آئیں؟ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ جو اذان سن کر نماز میں شامل نہ ہو وہ بہتری نہیں چاہتا، اور اس

---

[1] اذان اور اقامت کا عربی زبان میں خاص انہیں الفاظ سے ہونا جو حضرت نبی کریم ﷺ سے منقول ہیں، صحت کیلئے شرط ہے۔ اگر کسی اور زبان میں یا عربی زبان میں دوسرے اور الفاظ سے اذان یا اقامت کہی جائے تو صحیح نہ ہوگی؛ اگرچہ مقصود اس سے حاصل ہو جائے۔ (مراقی الفلاح، درمختار) مؤلف

سے کچھ بھلائی نہیں ہوتی۔ اور حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی بانگ نماز سنے اور مسجد میں حاضر نہ ہو تو اسے سے یہ اچھا ہے کہ اس کے کانوں میں رانگ پگھلا کر بھر دیا جائے۔

اب تیسری قسم میں وہ مسجدیں داخل ہیں جہاں مؤذن الگ ہیں۔ امام جُدا نوکر یا معین ہیں، جماعتیں ہوتی ہیں، مصلیوں سے صحن بھر جاتا ہے، جہاں اسلام کا چرچا عرصہ تک رہا ہے، اور مسلمانوں کی آبادی زیادہ ہے، وہاں مسجدیں زیادہ تر اسی قسم کی ہیں۔ اول اور دوم قسم کی مسجدیں زیادہ تر ہندوستان کے اُن حصوں میں ہیں جہاں مسلمان کم آباد ہیں۔ مذہبی جوش میں مسجدیں بنوادی گئی ہیں، لیکن گردونواح کے باشندوں میں اسلام نے اس طرح جگہ نہیں پکڑی کہ مسجد کے آباد رکھنے والے اکٹھے ہوسکیں۔ خیر اُن کا کوئی شمار نہیں۔ یہ تیسری قسم کی مسجدیں جہاں ہیں اور پانچوں وقت بلا ناغہ اُن میں اذان ہوتی ہے۔ وہاں کے مسلمانوں کی نسبت بھی یہ کہنا غلط نہیں ہوسکتا کہ سو ۱۰۰ میں پچاس ۵۰ ایسے ہوں گے جو اذان کی غرض و غایت اور اس کے مقصود اور ماہیت سے واقف ہوں گے۔

بزرگانِ اسلام کا طریق عمل

۱۔ اذان کی ماہیت جاننے والوں کا یہ حال تھا کہ سعیدؒ ابن المسیب کہتے ہیں کہ بیس ۲۰ برس سے میرا یہ حال ہے کہ جب مؤذن نے اذان دی ہے تو میں مسجد ہی میں ہوا۔ یعنی اتنے عرصہ سے جماعت کے ساتھ روزانہ نماز پڑھی۔

۲۔ مہران کے میمون مسجد میں آئے تو کسی شخص نے کہا کہ لوگ نماز پڑھ کر چلے گئے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون پڑھ کر کہا کہ مجھے عراق کی حکومت سے جماعت کی نماز کی بزرگی زیادہ پسند ہے۔

۳۔ حاتم اصمؒ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میری جماعت کی نماز فوت ہوگئی، اس پر ابو اسحاق بخاریؒ نے میری تعزیت کی۔ اور اگر میرا بیٹا مر جاتا تو دس ۱۰ ہزار آدمیوں سے زیادہ ماتم پرسی کرتے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ لوگوں کے نزدیک دین کی مصیبت آسان ہے اور دنیا کی

اس سے مشکل۔

۴۔ اکثر پہلے بزرگوں کی نسبت لکھا ہے کہ اگر تکبیر اولیٰ کھو بیٹھتے تو تین دن اپنے نفسوں پر سختی کرتے تھے اور جماعت کے فوت ہو جانے سے سات دن تک۔

۵۔ محمد بن واسع کہتے ہیں کہ میں دنیا میں تین چیزوں کے سوائے اور کچھ نہیں چاہتا۔ ایک بھائی ہے کہ ٹیڑھا ہوں تو مجھے سیدھا کر دے۔ دوسری غذا ہے جو حلال ہو، اس میں غیر کا حق نہ ہو۔ تیسری نماز با جماعت، اس کا بھول جانا مجھ سے معاف ہو اور اس کی بزرگی میرے نام لکھی جائے[1]۔

مختصر یہ کہ اذان کی ماہیت یہ ہے کہ نماز با جماعت جیسی تاکیدی عبادت کی دعوت اور اس کے لئے پکار ہے اور بس۔ مگر آج کل کے اکثر مسلمان ہیں کہ اس پُکار سے ان کے کانوں پر جوں تک نہیں رینگتی۔ گویا ان کو اب ادھر آنے کی ضرورت ہی نہیں یا اسلام نے اُن کو اس سے مستثنیٰ قرار دے دیا ہے۔ کسی کا قول ہے۔ ع:

قوم نے اتنی ترقی کی کہ پہنچی عرش پر　　　اب نظر آتی نہیں وہ مسجدوں کے فرش پر

اقامت

اقامت کی فضیلت اور تاکید اذان سے بھی زیادہ ہے۔ اذان کے بعد نماز جماعت شروع ہونے سے پہلے حکم ہے کہ اقامت کہی جائے۔ اقامت کا طریقہ بھی وہی ہے جو اذان کا ہے۔ فرق صرف اس قدر ہے: (۱) اذان مسجد سے باہر کہی جاتی ہے اور اقامت مسجد کے اندر (۲) اذان بلند آواز سے کہی جاتی ہے اور اقامت پست آواز سے۔ (۳) اقامت میں الصلوۃ خیر من النوم نہیں بلکہ بجائے اس کے قد قامت الصلوۃ پانچوں وقت دو مرتبہ (۴) اقامت کہتے وقت کانوں کے سوراخ کا بند کرنا بھی نہیں۔ اس لئے کہ کان کے سوراخ بند کرنے آواز بلند ہونے کیلئے مقرر ہیں۔ اور وہ یہاں مقصود نہیں (۵) اقامت میں اِدھر اُدھر منہ کا

---

[1] یہ سب روایتیں امام غزالیؒ کے رسالہ نماز کے اسرار میں موجود ہیں۔ ۱۲ مؤلف

پھیرنا بھی نہیں ہے۔

اقامت کیلئے مؤذن کی خصوصیت ہونے کی وجہ

(۱) فقہ کی کتابوں میں یہ مسئلہ بالتصریح موجود ہے کہ جو شخص اذان دے اقامت بھی اسی کا حق ہے۔ ہاں اگر وہ اذان دے کر کہیں چلا جائے، یا کسی دوسرے کو اجازت دے تو دوسرا بھی کہہ سکتا ہے۔ حدیث شریف میں بھی اسی طرح آیا ہے: **من اذن فھو یقیم** (جو شخص اذان کہے وہی اقامت بھی کہے) (۲) اس کی وجہ یہ ہے کہ آدمی نے جب اذان شروع کی تو دوسرے مسلمان بھائیوں کو نہیں چاہئے کہ جس منافع کو وہ حاصل کرنا چاہتا ہے اس میں اس کی مزاحمت کریں۔ کیونکہ وہ اس کیلئے مباح ہیں اور کسی دوسرے کی ملک نہیں ہیں۔ (۳) جس طرح آدمی کو کسی دوسرے کے حق میں مداخلت کرنا جائز نہیں، اسی طرح اذان دینے والے کے حق میں مداخلت کر کے اس کو محروم کرنا منع ہے۔ ہاں اس کی اجازت سے کوئی حرج نہیں۔

جماعت

جماعت کی فضیلت اور تاکید

امن وسکون کے زمانہ میں نماز باجماعت کا التزام ایک سنت مؤکدہ ہے یعنی انسان کیلئے جب طبعی وسیاسی موانع موجود نہ ہوں تو اپنے دینی بھائیوں کے ساتھ ایک خاص وقت میں باہم ملکر جماعت سے نماز پڑھنا واجب یا سنت مؤکدہ ہے۔ جماعت کم سے کم دو آدمیوں کے ساتھ مل کر نماز پڑھنے کو کہتے ہیں۔ اس طرح کہ ایک شخص ان میں تابع ہو اور دوسرا متبوع۔ متبوع کو امام اور تابع کو مقتدی کہتے ہیں۔ جماعت کی فضیلت اور تاکید میں صحیح احادیث اس کثرت سے وارد ہوئی ہیں کہ اگر سب ایک جگہ جمع کی جائیں تو ایک کامل حجم کا رسالہ تیار ہو سکتا ہے۔ احادیث کے مطالعہ سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ جماعت نماز کی تکمیل میں ایک اعلیٰ درجہ کی شرط ہے۔ حضرت نبی

کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی اُس کو ترک نہیں فرمایا، حتیٰ کہ حالت مرض میں بھی جب آپ ﷺ کو خود چلنے کی قوت نہ تھی، دو آدمیوں کے سہارے مسجد میں تشریف لے گئے اور جماعت سے نماز پڑھی۔ تارکِ جماعت پر آپ ﷺ کو سخت غصہ آتا تھا اور ترکِ جماعت پر سخت سزا دینے کو آپ کا جی چاہتا تھا، جس کی وجہ سے جماعت کو واجب[1] یا سنت کا درجہ دیا گیا۔ اور اس میں کچھ شبہ نہیں کہ شرع اسلام میں جمات کا بہت بڑا اہتمام کیا گیا ہے اور ہونا بھی چاہئے تھا۔ نماز جیسی عبادت کی شان بھی اسی کو چاہتی تھی کہ جس چیز سے اس کی تکمیل ہو، وہ بھی تاکید کے اعلیٰ درجہ پر پہنچا دی جائے۔

ارشاداتِ نبویہ دربارۂ جماعت

۱۔ آپ ﷺ نے فرمایا ''جماعت کی نماز میں تنہا پڑھنے سے ستائیس درجے زیادہ ثواب ہے''۔ (بُخاری و مسلم)

۲۔ آپ ﷺ نے فرمایا ''بشارت دو ان لوگوں کو جو اندھیری راتوں میں جماعت کیلئے مسجد میں جاتے ہیں، اس بات کی کہ قیامت میں ان کے لئے پوری روشنی ہوگی''۔

۳۔ آپ ﷺ نے فرمایا ''جو عشاء کی نماز میں حاضر ہوا تو گویا آدھی رات تک جاگتا رہا (یعنی اس کو نصف شب کی عبادت کا ثواب ملے گا) اور جو عشاء اور فجر کی نماز جماعت سے پڑھے گا اسے پوری رات کی عبادت کا ثواب ملے گا''۔ (ترمذی شریف)

۴۔ آپ ﷺ نے فرمایا ''بیشک میرے دل میں یہ ارادہ ہوا کہ کسی کو حکم دوں کہ لکڑیاں جمع کرے اور میں ان لوگوں کے گھروں پر جاؤں جو جماعت میں نہیں آتے اور ان کے گھروں کو جلا دوں''۔ (بُخاری۔ مسلم۔ ترمذی)

۵۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا ''اگر مجھے چھوٹے بچوں اور عورتوں کا خیال نہ ہوتا تو میں عشاء کی نماز میں مشغول ہوتا اور خادموں کو حکم دیتا کہ ان کے گھروں

[1] قرآن کریم کی اس آیۃ وارکعوا مع الراکعین (نماز پڑھو نماز پڑھنے والوں کے ساتھ) اکثر مفسرین مثلاً معالم التنزیل، جلالین، خازن، کبیر، مدارک، ابوسعید کے نزدیک تو یہ آیت جماعت سے نماز پڑھنے کیلئے ہے، مگر بعض کے نزدیک رکوع کے معنی خضوع کے بھی ہیں اس لئے فرضیت ثابت نہ ہوگی۔ ۱۲ مؤلف

کے مال واسباب کو مع اُن کے جلا دیں''۔ (مسلم شریف)[1]

۶۔ آپ ﷺ نے فرمایا ''جو شخص اذان سن کر جماعت میں نہ آئے اور اسے کوئی عُذر بھی نہ ہو تو اس کی وہ نماز جو تنہا پڑھی ہو قبول نہ ہوگی''۔ صحابہؓ نے پوچھا کہ ''عذر کیا ہے؟'' آپ ﷺ نے فرمایا ''خوف یا مرض''۔ (ابوداؤد)

۷۔ ابودرداء صحابیؓ سے آپ ﷺ نے فرمایا ''اے ابودرداء جماعت کو اپنے اوپر لازم سمجھ لو۔ دیکھو بھیڑیا (شیطان) اسی بکری (آدمی) کو کھاتا (بہکاتا) ہے جو اپنے گلّے سے (جماعت سے) الگ ہوگئی ہو''۔ (ابوداؤد)

حضرت عمر فاروقؓ کا فتویٰ

۳۔ ایک دن حضرت امیر المومنین عمر فاروق (رضی اللہ عنہ) نے سلیمان بن ابی حیثمہؓ کو صبح کی نماز میں نہ پایا تو ان کے گھر گئے اور ان کی ماں سے پوچھا کہ ''آج میں نے سلیمان کو فجر کی نماز میں نہیں دیکھا؟ اس نے کہا ''رات بھر نماز پڑھتے رہے اس وجہ سے ان کو اس وقت نیند آگئی''۔ تب حضرت فاروقؓ نے فرمایا کہ ''مجھے فجر کی نماز جماعت سے پڑھنا زیادہ محبوب ہے بہ نسبت اس کے کہ تمام رات عبادت میں گزاروں''۔ (مؤطا امام مالکؒ)

ابن مسعودؓ کی رائے

۴۔ حضرت ابن مسعود صحابیؓ فرماتے ہیں کہ بیشک ہم نے آزمالیا اپنے کو اور باقی صحابہؓ کو کہ ترکِ جماعت نہیں کرتا، مگر وہ منافق جس کا نفاق کھلا ہوا ہو یا بیمار[2]۔ (مشکوۃ شریف)

---

[1] اس حدیث میں عشاء کی تخصیص اس مصلحت سے معلوم ہوتی ہے کہ وہ سونے کا وقت ہوتا ہے اور غالباً تمام لوگ اس وقت گھروں میں موجود ہوتے ہیں۔ مؤلف

[2] حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے لکھا ہے کہ حضرت فاروقؓ والی حدیث سے صاف ظاہر ہے کہ صبح کی نماز باجماعت پڑھنے میں تہجد کی نماز سے بھی زیادہ ثواب ہے۔ اس لئے علماء نے لکھا ہے کہ اگر شب بیداری نماز فجر میں مخل ہو تو اس کا ترک اولیٰ ہے۔ (اشعۃ اللمعات) مؤلف۔

جماعت کی حکمتیں اور فائدے

۵۔کوئی چیز اس سے زیادہ سودمند نہیں کہ کوئی عبادت رسم عام کر دی جائے، یہاں تک کہ وہ عبادت ایک ایسی عبادت ہو جائے کہ اس کا چھوڑنا ترک عادت کی طرح محال اور مشکل ہو جائے۔ عادت فطرت انسانی کا ایک نہایت پیچیدہ قانون ہے۔کبھی ہمارے لئے باعث قوت ہے کبھی باعث ضعف۔ اگر ایک راستہ سے انسان ایک دفعہ سب چیزوں کو بغور دیکھتا ہوا گزرے اور منزل مقصود پر کامیابی کے ساتھ پہنچ جائے تو دوسری دفعہ اس طرف گزرتے ہوئے قدم خود بخود اسی راہ کی طرف کھنچے جاتے ہیں اور اپنے پہلے نقش قدم پر چلنا کسی اور راستہ سے آسان معلوم ہوتا ہے۔ اس قانونِ عادت اور ایک دوسرے ایسے ہی زبردست قانون قانونِ تقلید پر ہمارے اخلاق کی بنیاد ہے۔ یہ دونوں خاصیتیں ہم میں ہر وقت ظہور پذیر ہوتی ہیں۔ ان کے ذریعہ ہی ہم کام کرتے اور کام سیکھتے ہیں اور یہی علم وعمل کی محرّک ہیں۔ عادت ڈالنے کیلئے کوئی عبادت نماز سے زیادہ شاندار نہیں کہ اس کے ساتھ یہ خاص اہتمام کیا جائے اور دوسرے نمازیوں اور نیکوں کی تقلید کا اسے اچھا موقع دیا جائے۔ یہ فائدہ جماعت سے خاص طور پر حاصل ہوتا ہے۔

(۲) جو آدمی بے نماز ہوگا اس کا حال بھی اس سے کھل جائے گا۔ اور نماز با جماعت کے عادی کو مسجد میں جانے سے وعظ و نصیحت سننے کا موقع ملے گا۔ نیکوں اور متقیوں کی صحبت میسر آئے گی۔ ان کی صحبت کا اثر اور ان کے پاک انفاس کی برکت سے رسمی نمازی کو بھی نیک پاک اور پاک نفس بننے میں مدد ملے گی۔ اکثر بزرگوں کا قول ہے کہ جس طرح بد بخت اور بداعمال آدمی کی صحبت نیک بخت میں برا اثر پیدا کرتی ہے، اسی طرح ایک نیک بخت صالح آدمی کی صحبت بد بخت میں بھی اپنا دخل کرتی ہے اور اس کے دل کی طہارت کا سبب بن جاتی ہے۔ اور جہاں ایسے نیک بختوں اور پاکبازوں کا اجتماع ہوگا وہاں کچّے اور رسمی نمازی کو جس قدر نیک اثر ہوگا وہ ظاہر ہے۔

۳۔ ہر قوم اور ملت میں ہر طرح کے لوگ ہوتے ہیں؛ جاہل بھی عالم بھی۔ اس لئے یہ ایک بہت بڑی مصلحت کی بات ہے کہ سب لوگ جمع ہو کر ایک دوسرے کے سامنے اپنی عبادت کریں۔ اگر کسی سے کچھ غلطی ہو جائے تو دوسرا اسے تعلیم کردے۔ گویا اللہ تعالیٰ کی عبادت ایک زیور ہوئی کہ تمام پرکھنے والے اسے دیکھتے ہیں، جو خرابی اس میں دیکھتے ہیں بتلا دیتے ہیں اور جو عمدگی ہوتی ہے اسے پسند کرتے ہیں۔ پس یہ ایک عمدہ ذریعہ نماز کی تکمیل کا ہوگا۔

۴۔ چند مسلمانوں کا مل کر اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا اور اس سے دعا مانگنا ایک عجیب خاصیت رکھتا ہے۔ نزول رحمت اور قبولیت کے لئے ایک خاص ذریعہ ہے۔

۵۔ اس اُمت سے خدائے پاک کا یہ مقصود ہے کہ اس کا کلمہ بلند اور کلمۂ کفر پست ہو۔ اور زمین پر کوئی مذہب اسلام سے غالب نہ رہے۔ اور یہ بات جب ہی ہوسکتی ہے کہ یہ طریقہ مقرر کیا جائے کہ تمام مسلمان عام و خاص اور مسافر و مقیم چھوٹے بڑے اپنی کسی بڑی اور مشہور عبادت کے لئے جمع ہوا کریں اور شان و شوکت اسلام کی ظاہر کریں۔ انھیں سب مصالح سے شریعت کی پوری توجہ جماعت کی طرف مصروف ہوگئی اور اس کی ترغیب دی گئی اور اس کے چھوڑنے کی سخت ممانعت کی گئی۔ (حجۃ اللہ البالغہ)

۶۔ نمازیوں کے اکٹھا ہونے پر فرشتے بھی ان پر رحمت بھیجتے ہیں اور شیاطین ان کی کثرت دیکھ کر روپوش ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ بزرگوں کا تجربہ اور مشاہدہ ہے کہ ذکر کے حلقوں میں اکٹھا مل کر بیٹھنے سے دلجمعی خوب ہوتی ہے، اور ذکر کی حلاوت بیش از بیش معلوم ہوتی ہے۔ خطرات میں بھی کمی واقع ہو جاتی ہے، اور رفتہ رفتہ ان کی بندش بھی ہو جاتی ہے۔ اور اگر حلقہ میں بیٹھ کر ذکر نہ کیا جائے تو یہ فائدے جاتے رہتے ہیں، یہی حال جماعت کی نماز کا ہے۔

۷۔ جماعت میں ایک یہ بھی فائدہ ہے کہ تمام مسلمانوں کو ایک دوسرے کے حال پر اطلاع ہوتی رہے گی۔ اور ہر ایک دوسرے کے درد و مصیبت میں شریک ہوسکے گا جس سے دینی اخوت و ایمانی محبت کا پورا اظہار و استحکام ہوگا جو اس شریعت کا ایک بڑا مقصود ہے اور جس کی

تاکید جا بجا قرآن کریم و احادیث میں بیان فرمائی گئی ہے۔ امام جو محلّہ کی مسجد میں مسلمانوں کی طرف سے منتخب کیا گیا ہو جب وہ نماز و تسبیحات مسنونہ اور ادعیۂ ماثورہ ادا کر چکے اور وہ اپنی محراب سے چلنے لگے تو بحیثیت ایک امام اور ایک منتخب شدہ رئیس کے اس کا فرض ہے کہ موجودہ جماعت کے ساتھ مسلمانوں کے حالات و معاملات اور ان کی دینی و دنیوی ضرورتوں کے متعلق مذاکرہ و مشاورہ کرے، خواہ ان چیزوں کا تعلق خود اُن کی ذات سے ہو یا ان کے رعایا سے ہو یا ان کے وطن سے ہو۔ مثلاً سرحد کی حفاظت، پُلوں کی تعمیر، جہاد، اور اعانت زکوٰۃ و صدقہ کے فوائد و منافع، اتفاق و اتحاد، فصل مقدمات اور ان کے حالات کی تحقیقات وغیرہ۔ کیونکہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایسا ہی کرتے تھے؛ یہاں تک کہ خاص خاص اشخاص اس غرض سے مقرر فرماتے تھے کہ اُمت کے ان لوگوں کے حالات دریافت کریں جو ایک دن یا دو دن بھی مرض، سفر یا اور کسی عذر کی وجہ سے جماعت میں حاضر نہ ہوتے تھے۔

۸۔ اجتماع اور اتفاق کے فائدے ایسے بدیہی اور صاف ہیں کہ جن کو ہر ایک فرد بشر خوب جانتا ہے اور اس کے ماننے میں تو کوئی عقلمند حجت پیش نہیں کر سکتا اور نہ کسی فرد بشر کو انکار کی گنجائش ہے کہ جس قوم نے جس قدر ترقی اور بہبودی حاصل کی ہے، اسی اجتماع کی بدولت اور اتفاق ہی کی برکت سے کی ہے۔ قربان جائیں ایسے ہادیٔ کامل و مکمل کے کہ جنھوں نے جماعت کا بڑا بھاری تاکیدی حکم فرما کر اجتماع اور اتفاق قومی کو لازمی اور ضروری کر دیا۔

اسلام پاک نے اتفاق اور اتحاد کو ارکان مذہب میں کوٹ کوٹ کر بھر دیا ہے۔ مسلمانوں کی طرف نااتفاقی کا الزام عائد کرنا بہت بڑا جرم ہے۔ مسلمانوں کا چاروں طرف سے پانچ دفعہ ہر روز مسجد میں ایک ہی جگہ میں اجتماع اور کندھے سے کندھا جوڑ کر اور پاؤں سے پاؤں ملا کر اپنے خالق و مالک کے عالیشان دربار میں کھڑا ہونا اتفاق قومی اور اتحاد مذہبی کی ایک بھاری مثال اور ہمدردی کی ایک اعلیٰ تدبیر ہے۔

ہر شخص کو معلوم ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مسجدوں میں جماعت کے

ساتھ مل کر نمازیں پڑھا کرتے تھے، آپس میں ایک دوسرے کے حالات پوچھا کرتے تھے، وہیں مذاکرہ ومشاورہ کرتے کرتے سوجایا کرتے تھے۔ اوقات نماز کے علاوہ صحابہ کرامؓ مساجد میں میل جول رکھتے تھے بالخصوص اصحاب صفہ کا تو سب کاروبار مسجد ہی میں ہوتا تھا۔ اور اس طریقہ سے آپس میں اتفاق وہمدردی کا بہتر موقع ملتا ہے۔

جماعت قومی مساوات کا عملی نمونہ ہے

۱۰۔ جماعت سے مساوات اسلامی کا ایک مؤثر نظارہ دکھائی دیتا ہے۔ یہ اسلام ہی ہے کہ جس میں داخل ہونے کے ساتھ ہی چھوٹا بڑا، امیر اور فقیر، چمار اور لوہار، تیلی اور شیخ، حجام اور مغل، بھنگی اور برہمن، خان اور سید ایک ہی دستر خوان اور ایک ہی برتن میں مل کر کھانے کا حقدار ہوسکتا ہے۔ مسلمانوں کی مسجدیں سب امیر غریب عالم جاہل چھوٹے بڑے کے لئے یکساں کھلی رہتی ہیں۔ بادشاہ بھی وہیں نماز پڑھتا ہے اور گدا بھی، بلکہ دوکوڑی کی حیثیت کا آدمی ایک شہنشاہ کے برابر کندھے سے کندھا ملا کر نماز میں کھڑا ہوجاتا ہے تو شہنشاہ کو اس میں کچھ بھی تامل اور عذر نہیں ہوتا۔ کیونکہ وہاں اس جماعت نماز میں غریب وامیر، شاہ وفقیر کی ذرا بھی رعایت نہیں رکھی گئی۔ ایک عظیم الشان عالی قدر سلطان سے لے کر رعایا کے ادنیٰ آدمی تک ایک ہی قطار میں کندھے سے کندھا ملا کر کھڑے ہوتے ہیں، جو خودی اور تکبر کے دور کرنے اور فروتنی اور انکسار کے پیدا کرنے کے واسطے ایک قوی اور اعلیٰ تحریک ہے۔ خدائے خالق کے نزدیک اس کے دربار میں غریب اور امیر، شاہ اور فقیر یکساں اور مساوی ہیں، خدا کے دربار میں کوئی چھوٹا بڑا نہیں، سب برابر ہیں۔

مقامِ عشق میں شاہ و گدا کا ایک رتبہ ہے

قومی مساوات کی ایک مثال

ایک بھنگی نے اسلام قبول کیا اور نماز کے وقت سلطان ٹرکی کے پاس کھڑا ہوگیا۔ ایک

افسر نے اسے اشارہ کیا کہ "ایک طرف ہو جاؤ"۔ بھنگی نے جواب دیا کہ "کیا سلطان اور میں دونوں مسلمان نہیں؟ پھر یہ فرق کیوں؟"۔ پس اگر فرق دنیا میں رہ سکتا ہے تو خدائے پاک کے حضور میں جا کر تو سب آدمی برابر ہو جاتے ہیں کیونکہ اسلام پاک نے تو دین اور دنیا میں سب مسلمانوں کو برابری کا درجہ دیا ہے[1]۔ آہ! یہ معمولی آدمی نہیں بول رہا تھا، یہ کوئی بھنگی نہیں بول رہا تھا، چوہڑا نہیں بول رہا تھا، بلکہ یہ خود اسلام بول رہا تھا، سچّے مسلمان کی روح بول رہی تھی، اسلام کا جوش بول رہا تھا، اسلامی اخوت کی آواز تھی، یہ اسلامی مساوات کی صدا تھی۔ اور جب تک مسلمانوں میں یہ اوصاف موجود تھے اور ان کے سمجھنے کی استعداد و قابلیت ان میں تھی تو ان کا یہی حال تھا۔

تیری سرکار میں پہنچے تو سبھی ایک ہوئے

نماز با جماعت نے اسلام کی اشاعت کا کام دیا

۱۱۔ اسلام پاک کے پھیلانے میں جہاں خدائے واحد کی وحدانیت نے کام دیا اور ایمان کے خیال نے کام کیا وہاں اُخوت اسلامی کے عملی وعظ نے سب سے زیادہ امداد دی۔ جماعتِ نماز میں جس قدر غضب کی عملی قوت موجود ہے، وہ ایک دفعہ تو بے اختیار انسان کو اپنی طرف کھینچ لیتی ہے۔ اس عملی قوت کی برکت ہے کہ ٹوٹی ہوئی جوتیوں کی مرمت کرنے والے بھی وقت پر نماز با جماعت ادا کرتے ہیں۔ اس گئے گزرے ہوئے وقت میں بھی یہ اخوّت و ہمدردی ابھی باقی ہے کہ ایک ہندو یا عیسائی کو مسلمان ہونے دو اور دیکھو مسلمان کس طرح پرے باندھ کر مسجد میں آتے ہیں اور کس محبت و خلوص سے اس سے مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھاتے ہیں۔

۱۹۰۰ء میں بنارس میں ایک چیف انجینئر صاحب جو انگریز تھے میرے ہاتھ پر مشرف بہ

---

[1] یورپ کو باوجود دعویٰ مساوات آج تک یہ بات نصیب نہیں ہو سکی۔ نام تو مساوات و برابری کا ہے اور حالت یہ ہے کہ خدا کے سامنے بھی یہ غریب بڑے لوگوں کے ساتھ نہیں جا سکتے کیونکہ ان کے گرجا و عبادت خانے غریبوں سے الگ بنائے جاتے ہیں۔ جن میں کوئی مفلس نہیں آ سکتا اور نہ یہ امیر لوگ غریبوں کے گرجا میں آتے ہیں۔ یہ اسلام پاک ہی کا حصہ ہے کہ اس نے سب کو برابری کا حق بخشا ہے۔ ۱۲ مؤلف

اسلام ہوئے۔ اتفاق سے جمعہ کا دن تھا، شہر میں سب لوگوں کو معلوم ہو گیا کہ آج ایک بڑے صاحب بہادر مسلمان ہونے والے ہیں، ہزاروں کی تعداد میں مسلمان جمع ہو گئے، بعد نماز جمعہ لوگوں نے صاحب بہادر سے مصافحہ شروع کیا، ہزاروں آدمی یہ چاہتے تھے کہ ہم سب سے پہلے صاحب بہادر سے ہاتھ ملائیں، صاحب بہادر یہ محبت اور خلوص دیکھ کر مجھ سے کہنے لگے کہ ایسا خلوص اور سچی محبت کا اظہار میں نے عمر بھر اپنے عزیزوں میں بھی نہیں پایا۔

جمعہ اور عیدین کی جماعت سے شانِ اسلام کا اظہار

پھر جمعہ اور عیدین اور حج کا روز ایک بھاری اجتماع اور اتحاد کا ذریعہ ہے جس میں علاوہ محلّہ اور شہر کے اردگرد کے گاؤں اور قصبوں کے بہت سے مسلمان بھی شامل ہو کر اس اجتماع میں شریک ہوتے ہیں۔ یہ اتفاق قومی اور ہمدردی عامہ کا ایک بڑا بھاری ذریعہ ہے۔ چونکہ تمام شہر کے رہنے والے مسلمانوں کے اجتماع کے لئے ہفتہ میں ایک دن جمعہ کا مقرر ہوا۔ اس لئے قصبات اور دیہات کے لوگوں کے اجتماع کے لئے عید کی نماز تجویز ہوئی۔ اور ایک بڑا اجتماع ہونے کی وجہ سے عید کا جلسہ شہر کے باہر میدان میں تجویز ہوا۔ لیکن اس کے بعد بھی کُل دنیا کے مسلمان میل ملاپ سے محروم رہتے تھے، اس لئے کُل اہل اسلام کے اجتماع کے لئے ایک بڑے صدر مقام کی ضرورت تھی تا کہ مختلف مقامات کے بھائی اسلامی رشتہ کے سلسلہ میں یکتائی کے ساتھ باہم مل جائیں، اس لئے کعبہ کو — جو ناف ارض ہے — مقرر کیا گیا۔ لیکن اس کے لئے چونکہ ہر فرد بشر مسلمان اور امیر و فقیر کا شامل ہونا محال تھا۔ اس لئے صرف صاحب استطاعت منتخب ہوئے تا کہ تمام دُنیا کے مسلمان ایک جگہ جمع ہو کر تبادلۂ خیالات کریں۔ اور مختلف خیالات اور دماغوں کا ایک اجتماع ہو اور سب کے سب مل کر خدائے پاک کی عظمت و جبروت کو بیان کریں۔ تا کہ اسلام پاک کی شان و شوکت ظاہر ہو۔

جماعت اُلفت و یگانگت کا سبب ہے

۱۳۔ سب سے بڑا سبق جو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اُمت کو سکھایا، وہ یہی قومی اتفاق اور مذہبی اتحاد تھا۔ جو دل خودغرضی کے زنگ سے آلودہ تھے، جنھیں سوائے اپنے کسی دوسرے کی فکر نہ تھی، ان میں درد پیدا ہوا، باہمی نفرتیں اور عداوتیں اُلفت و یگانگت سے بدل گئیں۔ اور خدائے کریم کا کرم یہاں تک شامل حال ہوا کہ لوگ آپس میں بھائی بھائی بن گئے اور اُخوت کا رشتہ قوی ہوگیا۔ یہ جماعت اسی اخوّت کے رشتہ کو سنبھالنے والی اور مضبوط رکھنے والی ہے۔

جماعت کے ساتھ موجودہ مسلمانوں کا بے رحمانہ برتاؤ

۱۴۔ افسوس! ہمارے زمانہ میں ترک جماعت ایک عام عادت ہوگئی ہے۔ جاہلوں کا کیا ذکر ہم بعضے لکھے پڑھے لوگوں کا اس بلا میں گرفتار ہونا دیکھ رہے ہیں۔ افسوس یہ لوگ احادیث پڑھتے ہیں اور اس کے معنی سمجھتے ہیں، مگر جماعت کی سخت تاکیدیں ان کے پتھر سے زیادہ سخت دلوں پر کچھ اثر نہیں کرتیں۔ قیامت میں قاضیٔ روز جزا کے سامنے جب سب سے پہلے نماز کے مقدمات پیش ہوں گے اور اس کے نہ ادا کرنے والوں سے باز پرس شروع ہوگی تو یہ لوگ کیا جواب دیں گے؟

تارکِ جماعت کے متعلق حضرت ابوہریرہؓ کا قول

۱۵۔ ایک دن جبکہ اذان ہوچکی تھی۔ ایک آدمی مسجد سے بے نماز پڑھے ہوئے باہر چلا گیا۔ حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا کہ اس شخص نے ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کی اور اُن کے مقدس حکم کو نہ مانا[1]۔ ایسے لوگوں کو سوچنا چاہیے کہ اُن کے حق میں ایک ممتاز صحابی نے کیا کہا ہے۔ خواہ مخواہ بلا عذر شرعی ترک جماعت کرنا بہت بڑا جرم ہے جس کو حضرت ابوہریرہؓ نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی سے تعبیر کیا۔ اور ایک دوسرے ممتاز صحابی نے تارکِ

---

[1] یہ حدیث مسلم شریف کی ہے ۱۲ مؤلف

جماعت کو دوزخ کا فتویٰ دیا۔

حضرت ابن عباسؓ کا فتویٰ

۱۶۔ چنانچہ مجاہد نے ایک دن حضرت ابن عباسؓ سے پوچھا کہ جو شخص تمام دن روزے رکھتا ہو اور رات بھر نمازیں پڑھتا ہو مگر جمعہ اور جماعت میں شریک نہ ہوتا ہو، اسے آپ کیا کہتے ہیں؟ فرمایا کہ دوزخ میں جائے گا[1]۔ (ترمذی شریف)

علمائے دین اور مجتہدین اُمت کے نزدیک جماعت کا مرتبہ

۱۷۔ اکثر محققین حنفیہ کے نزدیک جماعت واجب ہے۔ محقق ابن ہمام اور حلبی اور صاحب بحرالرائق وغیرہم اسی طرف ہیں۔ اکثر حنفیہ اس طرف بھی ہیں کہ جماعت سنت مؤکدہ ہے، مگر واجب کے حکم میں۔ درحقیقت حنفیہ کے ان دونوں قولوں میں کچھ مخالفت نہیں۔

۲۔ حضرت امام شافعیؒ کے بعض مقلدین کا یہ مذہب ہے کہ جماعت فرض کفایہ ہے۔ امام طحاویؒ جو حنفیہ میں ایک بڑے درجہ کے فقیہ اور محدث ہیں، ان کا بھی یہی مذہب ہے۔ اسی واسطے فقہائے کرام نے لکھا ہے کہ اگر کسی شہر میں لوگ جماعت چھوڑ دیں اور کہنے سے بھی نہ مانیں، تو ان سے لڑنا حلال ہے۔ (بحرالرائق وغیرہ)

۳۔ حضرت امام احمدؒ کا صحیح مذہب یہ ہے کہ جماعت فرض عین ہے۔ اگرچہ نماز کے صحیح ہونے کی شرط نہیں۔ امام شافعیؒ کے بعض مقلدین کا بھی یہی مذہب ہے۔

۴۔ ظاہریہ اور امام احمدؒ کے بعض مقلدین کا یہ مذہب ہے کہ جماعت' نماز کے صحیح ہونے کی شرط ہے، بغیر اس کے نماز نہیں ہوتی۔ مختصر یہ کہ علمائے اُمت کے نزدیک جماعت کا چھوڑنا بہت بڑا جرم ہے اور تارک جماعت ضرور گنہگار ہے۔ اور اس کی گواہی قبول نہ کی جائے،

[1] امام ترمذی اس حدیث کا مطلب یہ بیان کرتے ہیں کہ جمعہ جماعت کا مرتبہ کم سمجھ کر ترک کرے، تب یہ حکم دیا جائے گا۔ لیکن اگر دوزخ میں جانے سے مراد تھوڑے دنوں کے لئے جانا مان لیا جائے تو اس تاویل کی کچھ ضرورت نہ ہوگی۔ ۱۲ مؤلف

بشرطیکہ اس نے بے عذر صرف سہل انگاری سے جماعت چھوڑی ہو۔ (بحرالرائق وغیرہ)

ترک جماعت کے عذرات

۲۔ جیسا کہ آج کل عام طور پر سہل انگاری کا مرض سب لوگوں میں پیدا ہو گیا ہے۔ امراء اور دولتمند تو جماعت کی کوئی قدر ہی نہیں جانتے۔ وہ تو گھر میں بھی ایک دو وقت کی وقت بے وقت نماز پڑھنا خدائے پاک اور اس کے دین اسلام پر احسان سمجھتے ہیں۔ علماء اور مشائخ میں بھی یہ مرض اتنا عام ہو گیا ہے کہ بعض تو کھلے بندوں یہ کہتے ہیں کہ ''جماعت کیلئے جانے میں ہمارے ورود وظائف کا حرج ہوتا ہے''۔ بعض کہتے ہیں کہ ''ہماری نماز فلاں امام کے پیچھے نہیں ہوتی''۔ اور بعض کہنے لگتے ہیں کہ تنخواہ کھانے والوں کے پیچھے نماز پڑھنے کو جی نہیں چاہتا۔ جب ان کی خدمت اقدس میں یہ عرض کیا جائے کہ حضرت آپ ہی پڑھا دیا کیجئے کیونکہ آپ بڑے بزرگ ہیں''۔ تو جواب ملتا ہے کہ ''اتنا بڑا بوجھ کون اُٹھائے''۔ جب مصلحان قوم اور پیشوایان اُمت کا یہ حال ہو، تو عام لوگوں کا کیا حال ہو گا!!۔ ان میں سے کوئی تو گھر دور ہونے کا عذر پیش کرتا ہے۔ کوئی کہتا ہے کہ دوکان دور ہے۔ کوئی چل کر آنے میں حرج بتاتا ہے، کسی کو اپنی بیوی یا بچہ سے شکایت ہے کہ وہ اس وقت اس کو کسی دوسرے کام میں لگا دیتے ہیں۔ کسی کو دھوپ کی شدت کا عذر ہے۔ ایک کو اندھیرے کا ڈر ہے تو دوسرے کو چور کا خوف ہے، کسی کو خود پیش امام سے عداوت اور ناراضگی کا عذر ہے۔ کسی کا عذر صرف یہ ہے کہ فلاں فلاں نمازی سے ہمارا مقدمہ چل رہا ہے، جب وہ مسجد میں آتے ہیں تو میں وہاں کیسے جا سکتا ہوں''۔ اسی طرح کے سینکڑوں عذرات پیش کئے جاتے ہیں تا کہ ترک جماعت کا الزام دور ہو جائے اور وہ تارک جماعت نہ کہلائیں۔ حالانکہ اگر کوئی شخص دینی مسائل کے پڑھنے پڑھانے میں دن رات مشغول رہنے کی وجہ سے جماعت میں حاضر نہ ہوتا ہو تو معذور نہ سمجھا جائے گا اور اُس کی گواہی مقبول نہ ہو گی۔ (بحرالرائق وغیرہ)

فقہائے کرام نے ترکِ جماعت کے عذرات پندرہ لکھے ہیں:

(۱) نماز کے صحیح ہونے کی کسی شرط کا نہ پایا جانا مثل طہارت یا ستر وغیرہ۔

(۲) پانی بہت زور سے برستا ہے[۱]۔

(۳) مسجد کے راستہ میں سخت کیچڑ ہو۔

(۴) سردی سخت ہو کہ باہر نکلنے میں یا مسجد تک جانے میں کسی بیماری کے پیدا ہو جانے یا بڑھ جانے کا خوف ہے[۲]۔

(۵) مسجد میں جانے میں کسی ضرر رساں دشمن کے مل جانے کا خوف ہو۔

(۶) مسجد میں جانے میں مال واسباب کے چوری ہو جانے کا خوف ہو۔

(۷) جماعت کے لئے جانے میں کسی ایسے قرض خواہ کے ملنے کا ڈر ہو کہ جس سے اذیت اور تکلیف پہنچنے کا گمان ہو[۳]۔

(۸) اندھیری رات ہو کہ راستہ دکھائی نہ دیتا ہو۔

(۹) رات کا وقت ہو اور آندھی بہت سخت چلتی ہو۔

(۱۰) کسی ایسے بیمار کی تیمار داری میں مصروف ہو کہ جس کو اس کی عدم موجودگی سے سخت تکلیف یا وحشت کا ڈر ہو۔

(۱۱) کھانا تیار ہو یا تیاری کے قریب، اور بھوک ایسی لگی ہو کہ سمجھے کہ نماز میں جی نہ لگے گا بلکہ کھانے کی طرف نفس کی توجہ رہے گی۔

(۱۲) پاخانہ پیشاب کی حاجت معلوم ہوتی ہو۔

۱؎ ایسی حالت میں اگرچہ نہ جانا جائز ہے۔ مگر بہتر یہی ہے کہ جماعت کو نہ چھوڑے۔ (مؤطا امام محمدؒ) مؤلف

۲؎ جیسی کہ بعض برفانی ملکوں مثلاً کشمیر اور کابل وغیرہ میں ہوتی ہے۔ ہندوستان کے بعض حصوں میں سردی بہت کم پڑتی ہے۔ وہاں کے لوگوں کو ترکِ جماعت کا حیلہ سردی کو بتانا اچھا نہیں، کیونکہ امام ابو یوسفؒ نے امام صاحب سے پوچھا کہ کیچڑ وغیرہ کی حالت میں جماعت کے لئے آپ کیا حکم دیتے ہیں؟ فرمایا کہ جماعت کا چھوڑنا مجھے پسند نہیں۔ (علم الفقہ)

۳؎ بشرطیکہ اُس کے قرض ادا کرنے پر قادر نہ ہو۔ مؤلف

(۱۳) سفر میں جانے کا عزم ہو اور یہ ڈر ہو کہ با جماعت نماز پڑھنے تک قافلہ یا ریل[1] نکل جائے گی۔

(۱۴) علم دین (فقہ وغیرہ) پڑھنے پڑھانے میں ایسا مشغول رہتا ہو کہ بالکل فرصت نہ ملتی ہو۔ بشرطیکہ کبھی کبھی بلا قصد جماعت ترک ہو جائے۔

(۱۵) کوئی ایسی بیماری جس کی وجہ سے چل پھر نہ سکے یا نابینا ہو، اگر چہ اس کو مسجد تک کوئی پہنچانے والا مل سکے، یا لنجہ ہو یا کوئی پیر کٹا ہو۔ (علم الفقہ ۔ رد المحتار ۔ بحر الرائق وغیرہ)

نماز جماعت میں صفوں کو برابر کرنے کی وجہ

۳۔ نماز میں جہاں جماعت سے نماز ادا کرنے کا حکم دیا گیا، وہاں جماعت کی صف بندی کا بھی پورا پورا التزام کیا گیا ہے۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

أقیموا الصفوف و حاذوا بین المناکب و سدوا الخلل و لینوا بایدی اخوانکم ولا تذروا فرجات للشیطن و من وصل صفا وصله الله و من قطعه قطعه الله (ابوداؤد)

لوگو! نماز کی صفوں کو (سیدھی) قائم کرو اور اپنے مونڈھوں کے درمیان برابری کرو۔ اور صف کی درمیانی کھلی ہوئی جگہوں کو بند کر دو اور نرم ہو جاؤ اپنے بھائیوں کے ہاتھوں میں، اور شیطان کے گھسنے کو راستہ مت دو (یاد رکھو) جو شخص صف کو ملائے گا اس کو اللہ تعالیٰ (مقصود سے) ملائے گا۔ اور جو شخص صف میں رخنہ کرے گا اس کو اللہ تعالیٰ (مقصود سے) دور ہٹائے گا۔

نماز کی صفوں کو درست رکھنے کی بہت زیادہ تاکید ہے۔ ان میں فاصلہ یا بے ترتیبی نہیں ہونی چاہئے۔ جس کی وجہ یہ ہے کہ جماعت سے جس وحدت کی ضرورت ہے اس کو عملی رنگ میں لانے کی یہاں تک ہدایت اور تاکید ہے کہ باہم پاؤں بھی برابر ہوں اور صف سیدھی ہو۔ دیکھنے والے کو ان میں بالکل مساوات اور برابری نظر آئے اور وہ سمجھیں کہ اللہ کے پرستاروں کی جماعت کو فرداً فرداً

[1] فقہ کی کتابوں میں تو قافلہ ہی ذکر ہے۔ مگر ریل کو بھی اسی پر قیاس کیا جا سکتا ہے۔ فرق اس قدر ہے کہ قافلہ ایک کے بعد کئی دنوں کے بعد جاتا ہے۔ اور ریل روزانہ یا دن میں کئی بار جاتی ہے۔ مگر شریعت حقہ سے چونکہ حرج اٹھالیا گیا ہے۔ اس لئے اگر کوئی ایسا ہی سخت حرج ہوتا ہو تو مضائقہ نہیں۔ مؤلف

تو الگ الگ اجسام رکھتی ہے مگر دینی اور قومی صورت وحیثیت میں ایک ہی وجود کا حکم رکھتی ہے۔

۲۔ کندھے سے کندھا اور پاؤں سے پاؤں ملا کر صف میں کھڑا ہونے میں یہ بھی حکمت ہے کہ جب نمازی اس طرح باہم مل کر کھڑے ہوں تو ایک کے انوار دوسرے میں سرایت کر سکیں گے، ایک کے سینے کی بجلی دوسرے کے سینے میں اثر کرے گی، اور یہ ظاہر ہے کہ بجلی کے رَو کے لئے قرب اور اتصال کی ضرورت ہے۔

۳۔ اس سے یہ بھی مقصود ہے وہ تمیز جس میں خودی اور خودغرضی پیدا ہوتی ہے، نہ رہے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ انسان میں آپس میں ایک دوسرے سے اثر قبول کرنے اور کرانے کی قوت موجود ہے۔

۴۔ چونکہ ہر ایک انسان کے ہر ایک فعل میں اثر ہوتا ہے۔ اس لئے حکم دیا کہ اپنی صفوں کو برابر کرو۔ ایسا نہ ہو کہ کجیٔ صف کا اثر تم میں مخالفت کے رنگ میں ظاہر ہو جائے اور یہی وہ راز ہے جس کو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان الفاظ میں بیان فرمایا:

استووا ولا تختلفوا فیختلف قلوبکم (مسلم شریف)

(لوگو! صفوں کو) برابر کرو اور اختلاف مت کرو۔ ایسا نہ ہو کہ (اس کی وجہ سے) تمہارے دلوں میں اختلاف پیدا ہو جائے"۔

مسلمانو! غور کرو۔ شریعت حقّہ کے ہر ایک حکم میں کیا کیا حکمتیں اور مصلحتیں ہیں۔ نمازیوں کو جماعت کی صف میں خیال رکھنا چاہئے کہ صفوں میں کہیں بے ترتیبی نہ ہو جائے اور کوئی جگہ خالی نہ رہ جائے۔

جماعت کیلئے ایک شخص کو امام بنانے کا راز

۴۔ شرع اسلام نے حکم دیا کہ مقتدیوں کو چاہئے کہ تمام حاضرین میں سے ایسے شخص کے لئے امامت کا انتخاب کریں کہ جس میں اوصاف زیادہ ہوں۔ سب سے زیادہ استحقاق امامت اس شخص کو ہے جو نماز کے مسائل خوب جانتا ہو، بشرطیکہ ظاہراً اُس میں کوئی فسق وغیرہ

نہ ہو[1] اور جس قدر قراءت مسنون ہے اسے پڑھتا ہو۔ پھر وہ شخص جو سب سے زیادہ پرہیز گار ہو۔ پھر وہ شخص جو سب سے زیادہ عمر رکھتا ہو۔

پھر وہ شخص جو سب میں زیادہ خلیق ہو۔ پھر وہ شخص جو سب میں زیادہ خوبصورت ذو وجاہت ہو۔ پھر وہ شخص جو عمدہ لباس پہنے ہو۔ پھر وہ شخص جس کا سر سب سے بڑا ہو یعنی عاقل ہو۔ پھر وہ شخص جو مقیم ہو بہ نسبت مسافروں کے۔ پھر وہ شخص جو اصلی آزاد ہو۔ پھر وہ شخص جس نے حدث اصغر سے تیمّم کیا ہو بہ نسبت اس کے جس نے حدث اکبر سے تیمّم کیا ہو۔ پس یہ سب مذکورۂ بالا صورتیں اس وقت قابلِ لحاظ ہوں گی جس وقت کئی شخص ایسے موجود ہوں جن میں امامت کی لیاقت ہو۔ ان صورتوں میں بھی اگر مساوات یا برابری ہو تو غلبۂ رائے پر عمل کریں۔ اور یہ بھی واضح رہے کہ جس شخص میں دو وصف پائے جائیں وہ ایسے شخص کی بہ نسبت جس میں صرف ایک ہی وصف پایا جاتا ہو زیادہ مستحق ہے۔ اگر کسی ایسے مستحق شخص کے ہوتے ہوئے کسی غیر مستحق اور نالائق کو امام بنادیں گے تو ترک سنت کے جرم اور خرابی میں مبتلا ہوں گے۔

مقتدی کو چاہئے کہ وہ اپنی نماز کی نیت کے ساتھ امام کی اقتداء کی نیت بھی کرے اور اپنی نماز کی صحت وفساد کو امام کی نماز پر محول کردے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب لوگ اپنا مقدمہ یا کوئی عرضداشت یا کوئی دعانامہ کسی بادشاہ یا حاکم کے دربار میں لے جاتے ہیں اور سب کا مطلب ایک ہوتا ہے تو کسی اچھے ذی اثر اور قابل آدمی کو اپنا وکیل (پلیڈر) کردیتے ہیں، تاکہ وہ ان سب کے اصلی مقصد اور مطلب کو عمدگی کے ساتھ بیان کردے۔ اس وکیل کی گفتگو ان سب کی گفتگو سمجھی جاتی ہے اور اس کی ہار جیت سے موکلوں کی ہار جیت ہوتی ہے۔ اسی طرح سب نمازی مل کر اپنے میں سے سب سے قابل اور لائق آدمی کو منتخب کرکے اپنا وکیل (امام) مقرر کرکے دربارِ خداوندی میں پیش کرتے ہیں۔ فرق صرف اس قدر ہے کہ وہاں وکیل کو صرف اپنے موکلوں کا اظہار مقصود ومنظور ہوتا ہے۔ اور یہاں اپنا مقصود اور مدعا بھی واحد اور مشترک ہونے

---

[1] فقہ میں بدعتی اور فاسق کو امام بنانا مکروہ تحریمی ہے۔ ہاں اگر خدانخواستہ سوا ایسے لوگوں کے کوئی دوسرا شخص وہاں موجود نہ ہو تو پھر مکروہ نہیں۔ (درمختار۔ شامی وغیرہ) مؤلف۔

کی وجہ سے مدنظر رہتا ہے۔ لہذا امام کی نماز صحیح ہونے کی شرط ہے۔ اگر امام کی نماز فاسد ہوگی تو سب مقتدیوں کی نماز فاسد ہو جائے گی۔ خواہ وہ فساد نماز ختم ہونے سے پہلے معلوم ہو جائے یا ختم نماز کے بعد۔ دونوں حالتوں میں نماز نہ ہوگی۔

نمازی یا جماعت کے سامنے سے نکلنے کی ممانعت کی وجہ

۵۔ نماز پڑھنے والے آدمی یا جماعت کے سامنے سے نکلنا گناہ ہے۔[1] فقہاء کے نزدیک اگر کوئی شخص نماز کے سامنے سے نکل جائے تب بھی نماز فاسد نہ ہوگی۔ اگرچہ نکلنے والے پر سخت گناہ ہوگا۔ اگر کوئی شخص نماز کے سامنے سے نکلنا چاہے تو حالت نماز میں اس سے مزاحمت کرنا اور اس کو اس فعل سے باز رکھنا جائز ہے۔ (درمختار وغیرہ)

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی نسبت فرمایا:

لایقطع الصلوۃ شئ و ادرأوا ما استطعتم فانماھو شیطان (ابوداؤد)

مصلی کے سامنے سے گزرنے والی کوئی چیز نماز کو باطل نہیں کرسکتی۔ (تاہم ایسی چیز کو حتی المقدور سامنے سے ہٹاؤ کیونکہ (سامنے سے گزرنے والا) شیطان ہے"۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ نمازی کے سامنے سے جب کوئی چیز گزرے گی۔ تو خواہ مخواہ اس کی توجہ اُدھر ہو جائے گی۔ نمازی کا دھیان اُدھر لگ جائے گا۔ لہذا نماز میں خلل پیدا ہونے کے خیال سے سخت ممانعت کی گئی کہ کوئی نمازی کے سامنے سے نہ گزرے (۲) دو آدمی جب آپس میں بالمقابل گفتگو میں مشغول ہوں۔ تو اُن کے درمیان میں حائل ہونا یا اُن کے بیچ میں سے گزرنا سخت ناگواری کا باعث ہوتا ہے۔ نمازی بھی اپنے خدائے ذوالجلال کے روبرو دعا اور مناجات میں مشغول ہوتا ہے۔ اُن کے درمیان میں حائل ہونے والا اور مخل ہو کر توجہ کو پھیر دینے والا شیطان نہیں تو اور کون ہے؟ **صدق رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم۔**

---

[1] چنانچہ حدیث شریف میں وارد ہے کہ نمازی کے آگے سے گزرنے والے کو اگر اس گزرنے کے گناہ کا حال معلوم ہوتا تو بجائے گزرنے کے چالیس سال تک کھڑا رہنا پسند کرتا اور ایک روایت میں سو سال ہے۔ ۱۲ ترمذی شریف

جماعت میں چھوٹے بچوں کو سب سے پیچھے کھڑا کرنے کی وجہ

۶۔ امام جب دیکھے کہ مقتدیوں میں مختلف قسم کے لوگ ہیں کچھ مرد کچھ عورتیں کچھ مخنّث کچھ نابالغ تو اس کو چاہئے کہ پہلی صف میں مردوں کو ان کی صفوں کے بعد نابالغ مردوں (یعنی لڑکوں) کی پھر نابالغ لڑکیوں کی پھر بالغ مخنثوں پھر بالغ عورتوں کی۔ بعض کے نزدیک سب کے آخر میں نابالغ لڑکیوں کی صف کھڑی کرے۔ اس ترتیب میں فرق نہ ہونا چاہئے۔

۱۔ مساجد میں جماعت کی صف بندی اس نظام وترتیب کے التزام میں سب سے بڑا یہ راز ہے کہ مسجدیں عبادت گاہ ہونے کے ساتھ دارالشوریٰ بھی ہیں۔ اسی لحاظ سے حکم ہوا کہ پہلی صف میں وہ لوگ کھڑے ہوں جو برگزیدہ اُمت ہیں پھر عورتوں اور بچوں کا درجہ ہے۔ اس ترتیب میں بڑا سبب یہ ملحوظ رکھا گیا ہے کہ اصحاب الرائے امام یا رئیس کے قریب تر ہوں بالخصوص وہ لوگ اس کی نظر کے قریب ہوں جو مشورے میں صحیح رائے دے سکتے ہوں۔ عورتیں اور بچے چونکہ مشورہ میں صاحب الرائے نہیں ہیں۔ اس لئے ان کو سب سے آخری صف میں کھڑا ہونا قرار دیا گیا۔

۲۔ اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ اگر بڑے چھوٹے مرد وعورت ایک ہی صف میں کھڑے ہوں تو قد کے پست و بلند ہونے سے جماعت کی صف میں بے قاعدگی اور بے ترتیبی واقع ہوکر جماعت بدنما معلوم ہوگی۔

۳۔ بچے اپنی نادانی اور بے عقلی کے باعث عموماً شرارت کرتے اور ہنستے ہیں لہذا ان کو پیچھے کھڑا کرنے میں یہ فائدہ ہوگا کہ ان کی شرارت اُنہی تک محدود رہے گی اور بڑوں کی نماز میں خلل انداز نہ ہوگی۔

۴۔ بچوں میں چونکہ ضبط کا مادّہ نہیں ہوتا۔ خدانخواستہ اگر کسی نمازی کی ہوا خارج ہوجائے یا کوئی اور ایسا واقعہ پیش آجانے سے بچے ہنس پڑیں تو دوسروں کی بھی نماز خراب نہ ہو۔ اس لئے مناسب یہی تھا کہ ان کو مردوں کے پیچھے کھڑا ہونے کا حکم دیا جاتا۔ جو ایک اعلیٰ درجہ کا

انتظام اور نیکی ہے۔

جماعت میں دائیں جانب کھڑے ہونے کی فضیلت کا راز

۷۔ جماعت کی صف میں دائیں جانب اور اول صف میں کھڑا ہونے میں بہت فضیلت ہے۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی نسبت ارشاد فرمایا:

إن الله و ملئكته يصلون على ميا من الصفوف وقال على الصف الاول (مسند امام احمد)

اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے صفوں کی دائیں جانب (والے نمازیوں) پر درود (یعنی رحمت) بھیجتے ہیں۔ یہ آپ ﷺ نے پہلی صف (والوں) کی نسبت بھی ارشاد فرمایا۔

اس کی وجہ یعنی فضیلت یمین کی تو وہی ہے کہ "دارد فضیلت یمیں بر یسار" تمام عبادات اور حسنات اور اکل وشرب میں دائیں ہاتھ اور دائیں جانب کو بائیں ہاتھ اور بائیں جانب پر بزرگی وتقدّم ہے اور یہی امر جماعت نماز میں ملحوظ رکھا گیا ہے۔

دوسری وجہ یعنی فضیلت اول صف کی یہ ہے کہ نماز کیلئے جلدی اور پہلے آنے والوں کا حق ہے کہ ان کو بعد میں دیر سے آنے والوں پر ترجیح دی جائے اور خاص طور پر اس کا بھی اجر وانعام ملے۔ سو یہ انعام واکرام درود (رحمت) ہے جس کی بشارت حضور ﷺ نے دی۔

ولد الزنا کو امام بنانے کی کراہیت کی وجہ

۸۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ ولد الزنا (یعنی حرامی) کا امام بنانا مکروہ تنزیہی[1] ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حرامی کا کوئی تربیت کرنے والا نہیں ہوتا۔ اور اس کے علاوہ اس کی امامت سے لوگوں کو طبعی تنفر بھی ہوتا ہے اور اسلام اور مسلمانوں کے لئے ایک طرح کا ننگ وعار بھی اس میں ضرور ہے۔

عورتوں کیلئے جماعت مسنون نہ ہونے کی وجہ

۱۔ اذان، اقامت، جماعت، عورتوں کے لئے سنت نہیں ہے۔ کیونکہ جماعت کی

---

[1] اگر حرامی صاحب علم وفضل ہو اور لوگوں کو اس کا امام بنانا گوارا ہو تو پھر مکروہ نہیں۔ (مؤلف)

حکمتوں میں ایک یہ بھی راز ہے کہ جماعت ایک مشورہ کی کمیٹی بھی ہے اور عورتیں مشورہ میں صائب الرائے نہیں ہیں لیکن با ایں ہمہ جب وہ اپنی خوشی سے جماعت میں شریک ہوں تو ان کی اطلاعات سنی جائیں گی لیکن اُن کی رائے دریافت نہیں کی جائے گی۔

۲۔عورتوں کو پردہ میں رہنے کی فضیلت کو ملحوظ رکھ کر ان کیلئے جماعت میں شریک ہونا مقرر نہیں کیا گیا تا کہ عورتوں اور مردوں کے ایک جگہ اکٹھے ہونے سے کوئی برائی پیدا نہ ہو۔

طہارت جسم ولباس ومقام نماز

طہارت کے احکام

نمازی کا جسم اور کپڑا اور نماز پڑھنے کا مقام نجاست حقیقی سے پاک ہونا چاہئے۔خواہ غلیظہ ہو یا خفیفہ۔مرئیہ ہو یا غیر مرئیہ۔نمازی کے لباس کو نجاست حقیقہ سے پاک ہونا چاہئے اور جس چیز کو رکوع وسجود وغیرہ سے حرکت ہوتی ہو اور نمازی کے جسم سے تعلق رکھتی ہو جیسے شملہ وطویل چادر کہ کچھ حصہ اس کا زمین پر اور کچھ بدن پر ہو تو جو حصہ زمین پر ہو۔اس کا بھی پاک ہونا لازمی ہے۔نماز پڑھنے کی جگہ کا نجاست حقیقہ سے پاک ہونا بھی شرط نماز ہے۔ہاں اگر نجاست بقدر معافی ہو تو کچھ حرج نہیں۔نماز پڑھنے کی جگہ سے وہ مقام مراد ہے جہاں نمازی کے پاؤں رہتے ہیں اور سجدہ کرنے کی حالت میں جہاں اس کے گھٹنے اور ہاتھ اور پیشانی اور ناک رہتی ہے۔(دُرّ مختار)

نماز کے لئے جسم اور لباس اور مکان کی پاکی کی وجہ اور اس کا نماز کے لئے مشروط ہونا بیان ہو چکا ہے۔یہاں اس کے بعض اہم جزئیات کا بیان کیا جاتا ہے تا کہ نماز کے شرائط میں بھی اس کا کچھ ضروری حصہ بیان ہو جائے۔

مسجد میں نمام پڑھنے کی فضیلت کی وجہ

ا۔نماز گو ہر ایک پاک جگہ پر پڑھنی جائز ہے لیکن مسجد میں پڑھنی افضل ہے۔کیونکہ مسجد کا

رتبہ خدائے پاک کے نزدیک سب جگہوں سے اعلیٰ و برتر ہے۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

احب البلاد الی اللہ مساجدھا ابغض البلاد الی اللہ اسواقھا (مسلم شریف)

خدائے تعالیٰ کے نزدیک سب جگہوں سے پیاری مسجدیں ہیں اور سب سے بُری جگہ بازار ہیں"۔

۲۔ مسجد میں نماز پڑھنے کا ثواب بھی زیادہ ہے۔ کیونکہ وہ خدا کا گھر اور اُس کی عبادت کی جگہ ہے۔ جو شخص جتنی دور سے چل کر مسجد میں آئے گا اُسی قدر اس کو زیادہ ثواب ملے گا۔ حدیث شریف میں ہے کہ مدینہ طیبہ میں بنی سلمہ کے لوگوں نے ارادہ کیا کہ اپنے قدیمی مکانات کو چھوڑ کر (کیونکہ وہ مسجد نبوی سے فاصلہ پر تھے) حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب آ کر قیام کریں۔ جب آپ ﷺ کو یہ خبر معلوم ہوئی تو آپ ﷺ نے ان لوگوں سے فرمایا کہ "مجھ کو خبر پہنچی ہے کہ تم لوگ اپنے مکانات سے اُٹھ کر مسجد کے قریب آ کر قیام کرنا چاہتے ہو"۔ انھوں نے عرض کیا ہاں یارسول اللہ ہمارا ایسا ہی ارادہ ہے"۔ آپ ﷺ نے یہ سن کر فرمایا:

یا بنی سلمۃ دیارکم تکتب اثارکم

اے بنی سلمہ! تمہارے قدموں کا بھی ثواب تمہارے نامۂ اعمال لکھا جاتا ہے"۔

(اس کو آپ ﷺ نے تاکید کے واسطے مکرر فرمایا)

۳۔ مسجد میں نماز پڑھنے کی فضیلت و تاکید کی وجہ یہ ہے کہ ایک تو نماز کا ثواب زیادہ ملتا ہے۔ دوسرا اگر نماز جماعت سے مل کر پڑھی جائے تو ایک نماز کا کم از کم ستائیس نمازوں کا ثواب ملتا ہے۔ تیسرا نمازیوں کی کثرت سے مساجد کی رونق و عزت بڑھتی ہے۔ چوتھا جب لوگ نماز پڑھنے وہاں جائیں گے تو مسجدوں کی آبادی اور ان کی حفاظت و نگہداشت کی فکر بھی نمازیوں کو رہے گی[1]۔ پانچواں بعض روایتوں میں یہ بھی آیا ہے کہ مسجدیں قیامت کے روز نمازیوں کی شفاعت کریں گی۔ ان سب فوائد و مصالح کی بناء پر مسجد میں نماز پڑھنے کی فضیلت و تاکید شرع

[1] ان کے دلائل مفصل طور پر جماعت کے بیان میں لکھے جا چکے ہیں۔ (مؤلف)

میں وارد ہوئی ہے۔

مذبح میں ممانعت نماز کا راز

جس جگہ میں کہ جانوروں کو کھانے کے واسطے ذبح کیا جاتا ہے اس کو مذبح کہتے ہیں۔ مذبح میں جانوروں کے خون اور ان کے گوبر، دوسری غلاظت سے وہ مقام نجس ہوتا ہے، خواہ کتنی بھی صفائی کی کوشش کی جائے پھر بھی بدبو اور تعفن ضرور موجود رہتی ہے۔ چونکہ نماز کے لئے پاکی اور طہارت شرط ہے، لہذا وہاں نماز پڑھنے سے منع کیا گیا۔

حمام میں منع نماز کی وجہ

حمام میں نماز پڑھنے کی ممانعت کی یہ وجہ ہے کہ وہاں بھی عام طور پر صفائی وستھرائی نہیں رہ سکتی۔ اور اگر کہیں صفائی وغیرہ کا لحاظ بھی رکھا جاتا ہو، تب بھی وہاں نقص اور عیب کی بات یہ موجود رہتی ہے کہ وہاں لوگوں کے ستر کھلتے ہیں۔ ہر کس و ناکس وہاں آتے جاتے رہتے ہیں۔ اس آمد و شد کی وجہ سے نمازی کا دل بٹ جاتا ہے اور نماز کی عظمت وشان کے لحاظ سے میل کچیل دھونے کی ایسی ادنیٰ وحقیر جگہ موزوں ومناسب بھی نہیں ہوسکتی۔

اونٹوں کے مقام میں منع نماز کی حکمت

ا۔ بھیڑ بکری یا اونٹوں کے باندھنے کے مقام میں اکثر بدبو اور تعفن ضرور ہوتا ہے اور نماز کے واسطے نظافت اور طہارت مناسب ہے۔ دوسرا اونٹ ایک کینہ ور اور غُصیلہ جانور ہے۔ اسی سبب سے غصیلے آدمی کو لوگ شتر کینہ کہا کرتے ہیں۔ یہ بیڈول عظیم الجثّہ جانور جس کو پکڑ لیتا ہے پھر نہیں چھوڑتا، چونکہ اس جانور کی سرشت میں شیطانی مادہ زیادہ ہوتا ہے۔ اس لئے شرع نے ایسے خطرے کے مقام میں نماز پڑھنے سے روک دیا۔ جب نمازی کو اس جانور کی سرکشی اور ایذا دہی کا خیال دل میں آئے گا تو یقیناً اس کا دل نماز میں نہیں جمے گا اور نماز حضورِ دل اور خشوع وخضوع سے خالی ہوجائے گی۔

قبرستان میں منع نماز کا راز

یہ ظاہر ہے کہ اسلام کی بنیاد توحید الٰہی پر ہے۔ اسلام پاک میں سب سے بڑا گناہ بت پرستی اور شرک ہے، دین اسلام کو شرک سے سخت نفرت اور بیزاری ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ اس کے پیرو بھی شرک کے الزام سے بچتے رہیں، لہذا شرع اسلام نے مقبرہ میں یا قبر کے پاس نماز پڑھنے سے منع کر دیا۔ اس خیال سے کہ مبادا بعض جاہل لوگ یہود و نصاریٰ اور دیگر مشرک قوموں کی طرح صاحب قبر کی پوجا اور پرستش شروع نہ کر دیں، جو ایک بہت بڑا گناہ ہے۔ جس کی نسبت حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لعن اللہ الیہود و النصاریٰ اتخذوا قبور انبیاء ھم مساجدا (مشکوٰۃ شریف)

اللہ تعالیٰ نے یہود و نصاریٰ پر (اس لئے) لعنت کی کہ انھوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا۔

۲۔ اس ممانعت میں یہ بھی راز ہے کہ اگر لوگ مقبروں یا قبروں کے پاس نمازیں پڑھنے لگیں گے تو رفتہ رفتہ اس کا بھی خیال کرنے لگیں گے کہ ان مقامات پر نماز کا ادا کرنا زیادہ قربت الٰہی کا باعث و ذریعہ ہے۔ یہ بھی ایک قسم کا شرک خفی ہے لہذا اس سے روک دینے میں اس خرابی کا سدباب مراد ہے۔

۳۔ اس میں یہ مصلحت بھی ملحوظ رکھی گئی ہے کہ اگر نماز پڑھنے کی وہاں اجازت ہوتی تو نماز پڑھنے والے کو دیکھ کر عام لوگوں کو ضرور یہ دھوکہ لگ جاتا اور وہ یہ سمجھنے لگتے کہ نمازی اس صاحب مزار کی نماز پڑھ رہا ہے اور قبر کے سامنے نماز پڑھنے میں اس خیال کا آنا لازمی امر ہے۔ لہذا منع کر دیا گیا کہ مقبرہ میں یا قبروں کے پاس[1] نماز نہ پڑھی جائے۔

راستہ میں منع نماز کی وجہ

راستہ یا سڑک میں کھڑے ہو کر نماز پڑھنے کی ممانعت میں کئی وجہیں اور مصلحتیں ہیں۔

---

[1] بعض روایتوں میں لکھا ہے کہ اگر قبر سے اتنی دور فاصلہ پر کہ جہاں سے نماز میں قبر دکھائی نہ دے نماز پڑھ لینا جائز ہے۔ ضرورۃً کوئی حرج نہیں۔ مگر پرہیز اولیٰ ہے۔ مؤلف۔

ایک تو اکثر لوگ راستہ میں اِدھر اُدھر آتے جاتے رہتے ہیں۔ اُن کے آگے سے گزرنے میں نمازی کا دل نماز سے ہٹ جاتا ہے۔ دوسرا لوگ نمازی کے آگے سے گزرنے کے سبب سے گنہگار ہوتے ہیں۔ تیسرے چلنے والوں کا راستہ تنگ ہوتا ہے چوتھا چوپاؤں درندوں وغیرہ کا گزر ہونے کی وجہ سے نمازی کو ضرر جان کا اندیشہ لگا رہتا ہے۔ لہذا راستہ میں نماز پڑھنے سے منع کر دیا گیا۔

نماز میں سترہ مقرر ہونے کا راز

سترہ اس چیز کو کہتے ہیں کہ جو نمازی اپنے سامنے کھڑی کرتا ہے۔ نماز پڑھنے والا اگر کسی کھلی جگہ میں نماز ادا کرنا چاہے جہاں لوگوں کی آمدورفت زیادہ ہو تو اس کو چاہئے کہ اپنے سامنے کوئی چیز کھڑی کرلے۔ اس میں مصلحت یہ ہے کہ شریعت حقّہ نے نماز جیسی عظیم الشان عبادت کی ایک تعظیم یہ بھی مقرر کی ہے کہ کوئی گزرنے والا نمازی کے سامنے سے ہو کر نہ گزرے۔ اور اس کی وجہ خود حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائی کہ

ان احدکم اذا قام فی الصلوٰۃ فانما یناجی ربه وان ربه بینه وبین القبلة—

''نمازی جب نماز پڑھنے کھڑا ہوتا ہے تو وہ اپنے رب سے عرض ومعروض کرتا ہے۔ اُس کا پروردگار اس کے اور قبلہ کے درمیان میں ہوتا ہے''۔

اور یہ ظاہر ہے کہ آقا اور اُس کے غلاموں کے درمیان سے (جو اس کے سامنے کھڑے ہوں) گزرنے والا سخت بُرا اور ناگوار معلوم ہوتا ہے۔ لہذا شرع اسلام نے اس کو سخت گناہ قرار دیا کہ کوئی آدمی نماز کے سامنے سے ہو کر گزرے۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تم کو نمازی کے سامنے سے گزرنے کا گناہ معلوم ہو جائے تو سو سال تک کھڑا رہنے کو اُس کے آگے سے ایک قدم بڑھانے سے بہتر سمجھنے لگو''۔ (ابن ماجہ)

اس گناہ سے بچنے کی تدبیر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تجویز فرمائی کہ:

اذا صلی احدکم فلیجعل تلقاء وجهه شیئا فان لم یجد فلینصب عصاه

فان لم یکن معه عصا فلیخطط خطاثم لا یضره مامر امامه (ابوداؤد)

''جب کوئی آدمی ایسے موقع پر نماز پڑھنے کھڑا ہوتو اپنے منہ کے سامنے کوئی چیز کھڑی کرلے۔ اگر اسے کوئی شیئے نہ ملے تو اپنا عصا ہی سامنے نصب کرلے۔ اگر عصا بھی پاس نہ ہوتو اپنے سامنے ایک خط ہی کھینچ لے پھر اس کے سامنے سے گزرنے میں کچھ حرج نہ ہوگا''۔

سترہ قائم ہوجانے کے بعد نماز کے آگے سے نکل جانے میں کچھ گناہ نہیں لیکن اگر سترے کے اس طرف سے کوئی گزرے گا تو وہ گنہگار ہوگا۔

استقبالِ قبلہ

۱۔ حکم ہے کہ نمازی یا نمازیوں کی جماعت جب نماز پڑھنے کے لئے کھڑی ہوتو اس کو اپنا منہ قبلہ کی طرف کرنا چاہئے کیونکہ یہ فرض ہے اور سجدہ کی جگہ پر نظر رکھنا سنت ہے اگر کوئی نمازی ایسی جگہ ہے کہ قبلہ معلوم نہیں ہوتا کہ کدھر ہے اور نہ وہاں کوئی ایسا آدمی ہے جس سے وہ پوچھ سکے تو نمازی اپنے دل میں سوچے۔ جدھر اس کا دل گواہی دے۔ اس طرف منہ کر کے نماز پڑھ لے۔ اگر بے سوچے پڑھ لے گا تو نماز نہ ہوگی۔ بلکہ اگر بعد میں معلوم ہو جائے کہ ٹھیک قبلہ کی طرف پڑھی ہے تب بھی نماز نہیں ہوئی۔ اور اگر وہاں آدمی تو موجود نہیں ہے کہ جس سے وہ پوچھ لے اور اپنے دل کی گواہی سے نماز پڑھ لی اُسے پھر معلوم ہوا کہ جدھر نماز پڑھی ہے ادھر قبلہ نہیں ہے۔ تو بھی نماز ہوگئی۔

نماز میں قبلہ کی طرف منہ کرنے کی وجہ

۲۔ بعض ناواقف لوگ مسلمانوں کو جب دیکھتے ہیں کہ وہ قبلہ کی طرف منہ کر کے نماز میں کھڑے ہوتے ہیں تو وہ اُن پر بت پرستی کا الزام لگاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ''مسلمان کعبہ پرست ہیں''۔ حالانکہ مسلمان بالاتفاق کعبہ پرست کو کافر کہتے ہیں۔ فقہ کی مستند کتاب دُرمختار میں لکھا ہے کہ جو شخص نماز میں یہ نیت کرے کہ میں کعبہ کو سجدہ کرتا ہوں۔ وہ کافر ہو جاتا ہے۔ یہاں صرف حکم کی اطاعت منظور ہے۔ اس کی حکمتوں اور مصلحتوں کا بیان آگے آتا ہے۔

قرآن کریم میں ارشاد ہوتا ہے کہ خدائے پاک ہر جگہ موجود ہے۔ اور

﴿وللہ المشرق والمغرب فاینما تولوا فثم وجه اللہ﴾ (البقرۃ:۱۱۵)

مشرق ومغرب (غرضیکہ تمام جہات واطراف زمین) اللہ ہی کے ہیں۔ پس جہاں جس طرف بھی (مشرق ہو یا مغرب شمال ہو یا جنوب) منہ کرو۔ اللہ تعالیٰ موجود ہے۔ تم جدھر منہ

کر کے نماز پڑھو اُدھر ہی اللہ تعالیٰ کا منہ ہے۔ وہ کسی خاص سمت کا مفید و پابند نہیں۔ اور نہ کوئی خاص جگہ اس کے لئے مخصوص ہے کیونکہ وہ مادہ اور جہت سے پاک و منزہ ہے۔

پس آیۃ فی نفسہا میں جہاں تک غور کیا جاتا ہے یہی معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کے وقت جدھر منہ کیا جائے ادھر ہی وہ موجود ہے کیونکہ اس نے تمام اطراف و جہات کو برابر بتایا یہی وجہ ہے کہ فقہائے کرام کے نزدیک جو شخص قبلہ کی جانب نماز پڑھنے سے عاجز ہو۔ خواہ کسی مرض کی وجہ سے یا مال کے خوف سے یا کسی دشمن کے ڈر سے یا کسی اور وجہ سے تو اس کو استقبال قبلہ کی ضرورت نہیں۔ بلکہ جس طرف وہ نماز پڑھ سکتا ہو پڑھ لے۔ مگر سنت[1] سے معلوم ہوتا ہے کہ ان خاص صورتوں کے علاوہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ نے ابتدائے اسلام میں چند مہینہ بیت المقدس اور بعدہ کعبہ ہی کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی ہے۔ اور کسی سمت کو منہ نہیں کیا۔ جس کی وجہ سے استقبال خانۂ کعبہ نماز کی شرط قرار دیا گیا۔

۲۔ کعبہ مکرمہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کی ایک وجہ یہ ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کعبہ کی طرف نماز پڑھنے کا بہت شوق تھا اور اس انتظار میں رہتے تھے۔ ایک روز جب کہ آپؐ بنی سلمہ کی مسجد میں ظہر کی نماز پڑھ رہے تھے۔ دو رکعت پڑھ چکے تھے کہ یہ حکم آیا:

﴿فول وجھک شطر المسجد الحرام﴾ (البقرۃ:۱۴۴)

''تجھ کو مسجد حرام (خانۂ کعبہ) کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کا حکم دیا جاتا ہے''۔ آپ قبلہ کے لئے اس قدر مشتاق تھے کہ اس انتظار میں رہتے تھے کہ کب حکم نازل ہو۔ اس کا سبب یہ تھا کہ کعبہ مکرمہ ہی سے آپؐ کو معراج ہوئی تھی جس میں نماز کی فرضیت کا حکم ہوا تھا۔ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قبلہ بھی یہی تھا۔ اور قیامت میں عرش معلّٰی کی تجلی بھی وہیں ہو گی اور بہت سی فضیلتیں مکہ مکرمہ میں تھیں جو بیت المقدس میں نہ تھیں جب کعبہ کی طرف منہ پھیرنے کا حکم ہوا تو آپؐ اور تمام صحابہ اس طرف پھر گئے۔

جب خدائے پاک کا حکم آچکا ہے تو اس لئے قبلہ کی طرف منہ کرنا ضروری ہے۔ گو حکم

[1] ویسا ہی دوسری آیۃ اینما کنتم فولوا وجوھکم شطرہ میں کعبہ ہی کو بغرض اتحاد مقرر کیا گیا۔۱۲

آچکا ہے۔مگر خدا اب بھی ہر چار طرف موجود ہے۔اس حکم کی تعمیل کے باعث ہر مسلمان قبلہ کی طرف منہ کر لیتا ہے اور مجبوری اور ضرورت کے وقت نمازی جس طرف ممکن ہو سکے نماز پڑھ سکتا ہے۔

۳۔ ابتدائے اسلام میں بے شک بیت المقدس مسلمانوں کے لئے چند روز کے واسطے قبلہ رہا تھا۔ جب تک حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ معظّمہ میں رہے۔نماز اُسی طرف منہ کر کے پڑھتے رہے۔ تا کہ پہلی آسمانی کتابوں کی پیشگوئی اور نبی آخرالز ماں کی علامت پوری ہو جائے اور اہل کتاب کی تالیف قلوب ہو۔ہجرت کے سولہ ۱۶ مہینے کے بعد مدینہ منورہ میں وہ منسوخ وموقوف ہوکر کعبہ مقرر ہوا۔ کیونکہ یہ کعبہ بیت المقدس سے اس وجہ سے بھی افضل ہے کہ وہ کعبہ ایک پیغمبر حضرت سلیمان علیہ السلام کا بنایا ہوا ہے۔اور یہ کعبہ پانچ پیغمبروں کا بنایا ہوا ہے۔ اول اُس کی بنیاد حضرت آدم علیہ السلام نے ڈالی۔ جب طوفان نوح میں خراب ہوا۔تو حضرت نوح علیہ السلام نے مرمت کی۔اس کے بعد حضرت ابراہیم خلیل اللہ اور اسمٰعیل ذبیح اللہ علیہما السلام نے از سر نو تعمیر فرمایا۔اس کے بعد سید المرسلین حبیب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کے ساتھ مل کر بنایا۔ کعبہ کی طرف توجہ کر کے نماز پڑھنے میں اس کی طرف اشارہ ہے کہ گویا ہر ایک نمازی پانچ پیغمبروں کا وسیلہ جناب باری میں پیش کرتا ہے اور یہ کہتا ہے کہ الٰہی میں خود اس قابل نہیں ہوں جو میری عبادت قبول ہو لیکن بطفیل اُن پیارے پیغمبروں کے جنھوں نے یہ کعبہ بنایا ہے میری نماز قبول فرمالے۔

۴۔ خدائے پاک کی ذات مادہ اور جہت سے پاک ومنزہ ہے اور ممکن نہیں کہ اُس کی طرف کوئی جانب خاص کر کے منہ کیا جا سکے کیونکہ وہ ہر جگہ ہے۔ اہل ملت وقوم کی یکسانی کے لئے خدائے پاک نے ایک جگہ مقرر کر دی اور فرمایا کہ اس کی طرف منہ کر لینا ہی خدا کی طرف منہ کر لینا ہے۔یعنی قبلہ رو ہو کر نماز پڑھا کرو۔ فقہائے حنفیہ کے نزدیک نماز کی حالت میں اپنا

سینہ کعبہ مکرمہ کی طرف خواہ حقیقتاً ہو[1] یا حکماً نماز کی شرط ہے۔ کعبہ کی طرف منہ کرنا شرط نہیں۔ اس میں یہ راز ہے کہ کعبہ یا قبلہ صرف ایک سمت نماز ہے اور مومن کا ظاہری و باطنی منہ صرف خدائے پاک ہی کی طرف ہونا چاہئے۔ لہذا اگر کوئی کعبہ سے منہ پھیر کر نماز پڑھے تو ہو جائے گی، مگر خلاف سنت ہونے کی وجہ سے مکروہ تحریمی ہے۔

۵۔ چونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مسجد حرام کو اپنا قبلہ بنالیا تھا۔ اس لئے ملت ابراہیمی تو یہی چاہتی تھی کہ بیت اللہ قبلہ ہو۔ مسلمان چونکہ ابراہیمی ملت پر ہیں۔ اس لئے ان کا قبلہ ابراہیمی ہوا۔ قبلہ کی طرف نماز میں منہ کرنا دین حنیفی کی بڑی پہچان ہے جس کی وجہ سے ایک مسلمان غیر مسلمین سے متمیز ہوسکتا ہے۔

۶۔ اہلِ لغت کے نزدیک قبلہ مقابلہ سے ہے۔ بعض کے نزدیک اس سمت کا نام ہے جس کی طرف انسان منہ کرے اور بعض کے نزدیک انسان کی اُس حالت کا نام ہے جس میں وہ کسی امر کی طرف متوجہ ہو اور مفسرین نے لکھا ہے کہ بیت اللہ ایک مقام ہے پس مکان پر اس لفظ کا اطلاق کرنا جو انسان کی حالت کو ظاہر کرنے والا ہے۔ اس غرض کے لئے ہے تو معلوم ہو کہ اصلی غرض اس مکان کی عبادت نہیں بلکہ انسان کے اندر ایک حالت کا پیدا کرنا ہے۔ ظاہر ہے کہ اگر کوئی شخص کسی مکان کی طرف جاتا ہے تو مکین مقصود ہوتا ہے۔ اُس طرف کے آداب و نیاز کو ہر شخص صاحب خانہ کے لئے سمجھتا ہے جیسا کہ کسی شاعر نے لکھا ہے ؎

میرا گزر دیار میں لیلیٰ کے جب ہوا　　بوسہ پہ بوسہ میں در و دیوار پر دیا
تڑپا نہیں دیار کی اُلفت میں میرا دل　　پر ساکن دیار کی اُلفت میں مر مٹا

غرض جیسے کسی تخت نشین کو اگر اس کے تخت کی طرف جھک کر سلام کرتے ہیں تو وہ صاحب تخت کو ہوتا ہے خود تخت کو نہیں ہوتا۔ بالجملہ لفظ بیت اللہ یا قبلہ ہی اس امر کی شہادت کے

---

[1] جن لوگوں کو کعبہ مکرمہ نظر آتا ہو اُن پر خاص کعبہ کی طرف سینہ کر کے نماز پڑھنا فرض ہے۔ اس طرح کہ اگر ان کے سینہ سے سیدھا خط نکالا جائے تو کعبہ سے جا کر مل جائے جن لوگوں کو کعبہ نظر نہ آتا ہو جیسے ہم لوگ اُن پر یہ فرض ہے کہ اس طرف سینہ کر کے نماز پڑھیں جس طرف کعبہ ہو بالکل سیدھ پر کھڑا ہونا فرض نہیں۔ مؤلف۔

لئے کافی ہے کہ خانہ مقصود نہیں بلکہ صاحب خانہ (خُدا) مراد ہے۔ چونکہ اس کی پاک ذات جہت وغیرہ سے پاک ہے۔ اس لئے اس کے گھر کی طرف اور اس کی طرف جو اس کا بڑا اشعار ہے توجہ کرنا اُسی کی طرف توجہ کرنے کے قائم مقام ہے۔ انسان جب اپنے ظاہری جسم کو نماز میں ایک معین طرف کو متوجہ کرے گا تو اس کا دل بھی اُسی طرف متوجہ ہو جائے گا اور نماز میں دل جمعی اور سکون ہونے کی وجہ سے حضور دل بھی حاصل ہوگا جو نماز کی قبولیت کی بہت بڑی شرط ہے۔

۷۔ کعبہ کو مقرر کرنے میں خداوند کریم کو صرف اپنے حکم کی اطاعت منظور ہے اور حکم کی مخالفت سے سخت نفرت فرما کر اس پر لعنت نازل کرتا ہے جو اس کے حکم کی مخالفت کرتا ہے۔ جس طرح بہ ظاہر ملائک کے خیال میں حضرت آدم (علیہ السلام) پر ملائک کو شرف تھا۔ اسی طرح درحقیقت انسان کو کعبہ کی زمین یا چار دیواری پر شرف ہے۔ جس طرح وہاں اصلی مطیع کو نقلی اور جعلی مطیع سے جُدا اور الگ کرنے کے لئے ایک کم درجہ کے قالب کو سجدہ کرنے کا حکم ہوا جس کی وجہ سے اس وقت اصلی تابعدار ملائک اور نقلی تابعدار شیطان الگ الگ سب پر ظاہر ہو گئے۔ اسی طرح توجہ الیٰ الکعبہ سے اصلی حکم الٰہی کے مطیع اور اپنی عقل لڑا کر خدائے تعالیٰ کی اطاعت نہ کرنے والے ظاہر ہو گئے۔ چنانچہ تحویل قبلہ کا حکم ہونے سے ہزاروں اہل کتاب اور جاہل عرب معترض ہوئے اور مومنین کاملین نے نمازوں ہی میں اپنے منہ کعبہ مکرمہ کی طرف پھیر دیئے۔

صحابہؓ کی اطاعت کی مثال

چنانچہ براء صحابیؓ کہتے ہیں کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب پہلے مدینہ میں تشریف لائے تو اپنے ننھیال یا ممیال میں اترے اور آپ ﷺ سولہ ۱۶ یا سترہ ۱۷ مہینے تک (مدینہ میں) بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے تھے۔ اور آپ ﷺ یہ پسند کرتے تھے کہ آپ ﷺ کا قبلہ کعبہ ہو جائے اور پہلی نماز جو آپ ﷺ نے (کعبے کی طرف) پڑھی وہ عصر کی تھی۔ اور آپ ﷺ کے ساتھ اور لوگ بھی تھے۔ اُن میں سے ایک شخص جو آپ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھ کر آ رہا تھا۔ ایک اور مسجد والوں پر سے گزرا۔ وہ رکوع میں تھے (یہ لوگ بنی حارثہ تھے۔ انصار میں سے جو اس

وقت اپنی مسجد میں نماز پڑھ رہے تھے۔ اب اس کو مسجد القبلتین کہتے ہیں) اُس شخص نے کہا ''میں اللہ کا نام لے کر کہتا ہوں کہ میں نے (ابھی) حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کعبے کی طرف نماز پڑھی''۔ یہ سنتے ہی وہ سب لوگ نماز ہی میں کعبے کی طرف پھر گئے۔ (بخاری شریف)

۸۔ جسمانی عبادت کی خوبصورتی اتفاق اور اتحاد کی صورت میں ہوتی ہے اگر کسی عبادت کے کرنے میں اتفاق واتحاد نہ ہوتو وہ ضرور بدنما ہوگی۔ اور اتفاق کی صورت بغیر ایک طرف متوجہ ہونے کے نہیں ہوسکتی لہذا عبادت کے اتفاق و یگانگت کی صورت میں لانے کے لئے سمت کعبہ مقرر کی گئی۔ تا کہ سب نمازی ایک ہی جانب منہ کر کے عبادت کی خوبصورتی کو قائم رکھیں۔

استقبال کعبہ اتفاق واتحاد ملت کیلئے ہے

۹۔ اس میں سب سے بڑا فائدہ مسلمانوں کو آپس میں اتفاق واتحاد اور اُلفت باہمی قائم رکھنے کی طرف ایما ہے جس کی وجہ سے خدائے پاک مسلمانوں میں اُلفت اور یک جہتی کو پسند اور مخالفت کو ناپسند کرتا ہے۔ اگر سب نمازی اپنے خیال سے الگ الگ جہتیں مقرر کر کے نماز میں کھڑے ہوتے تو ظاہر بینوں کو ایک بے ترتیبی فوج کی قواعد کی طرح کسی بُری معلوم ہوتی اور بہ ظاہر مسلمانوں کا کیسا بُرا اختلاف نظر آتا۔ شرع اسلام نے مومنوں کے لئے ایک خاص سمت (قبلہ) مقرر کر کے حکم دیا کہ اپنی نماز میں اِدھر سیدھ کر لیا کرو۔ اور یہ سمت خدائے پاک نے تمہارے لئے اس لئے معین کردی ہے تا کہ اس کے سبب تم سب میں موافقت قائم رہے۔

قبلہ مذہب حنفی کی علامت اور تذکیر اخوت اسلامی ہے

۱۰۔ قبلہ کے مقرر کرنے میں ایک یہ حکمت بھی ہے کہ اس کو تمام مسلمانوں کے مذہب اسلام اور ملت حنیفی کی پہچان قرار دیا اور اس کو مسلمانوں کی سب سے بڑی عبادت میں داخل کیا۔ تا کہ وہ دن میں پانچ مرتبہ اس سبق کو دہراتے رہیں اور سمجھتے رہیں کہ ہم سب اہل قبلہ آپس میں دینی بھائی ہیں۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی مضمون کو ان الفاظ میں بیان فرمایا:

''من صلی صلوٰتنا و استقبل قبلتنا و اکل ذبیحتنا فذلک المسلم الذی له ذمة الله و ذمة رسوله .

جو شخص ہماری طرح نماز پڑھے اور ہمارے قبلہ کی طرف نماز میں منہ کرے۔ اور مسلمانوں کے ہاتھ کا مذبوحہ کھائے تو وہ مسلمان ہے۔ خدائے تعالیٰ اور اس کا رسول اس کے ضامن ہیں''۔

استقبال قبلہ کی نسبت امام رازی کی رائے

۱۱۔ الکعبة سرة الارض و سطها فامر الله تعالیٰ جمیع خلقه بالتوجه الی وسط الارض فی صلاتهم و هو اشارة الی انه یحب العدل فی کل شیء و لاجله جعل وسط الارض قبلة للخلق ۔

کعبہ زمین کی ناف اور اس کے درمیان میں واقع ہے۔ پس خدائے پاک نے اپنی تمام مخلوق کو زمین کے وسط کی طرف توجہ کرنے کا امر فرمایا جس میں اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ وہ ہر چیز میں عدل کو پسند کرتا ہے۔ اسی لئے زمین کے وسط کو اس نے مخلوق کو قبلہ ٹھیرایا۔ (تفسیر کبیر)

قابلِ غور نکتہ

۱۲۔ نماز میں اذل سے لے کر اخیر تک کوئی نقطہ کعبہ کی عزت وعظمت یا اس کے شرف و مجد کے لئے مقرر نہیں اور نہ اُس سے کسی قسم کی مدد و استعانت طلب کی جاتی ہے۔ یہ اسی وجہ سے ہے کہ کوئی نافہم مسلمانوں پر کعبہ پرستی کا الزام نہ لگا سکے۔ بلکہ اگر کوئی نمازی کعبہ کی بزرگی کا نماز میں قصد کرے تو اس کی نماز فاسد ہو جاتی ہے۔ حالانکہ تمام دنیا کے اہل مذاہب کا مسلمہ اصول ہے کہ جس کی پرستش کی جاتی ہے۔ اُس کی محامد و اوصاف کا بیان کرنا اور اس سے اپنی حاجات کا طلب کرنا ضروری ہے۔ ورنہ پرستش بیکار ہے۔ مسلمان اپنی نماز میں کعبہ کی نسبت ان دونوں امروں کو حرام ٹھیراتے ہیں۔ پھر اُن پر کعبہ پرست ہونے کا الزام لگانا کس قدر صریح

ناانصافی اور ظلم ہے۔

معترضین کو یہ بھی سوچنا چاہئے کہ اگر مسلمان کعبہ کی سمت معین نہ کرتے کسی اور جانب منہ کر کے نماز پڑھتے تو پھر بھی یہ سوال بدستور رہتا اور کہنے والے کہتے کہ ''مسلمان ادھر کیوں منہ کرتے ہیں؟'' پھر اس کا جواب دینا پڑتا۔ خدائے پاک نے اپنی مرضی سے ایک سمت قبلہ معین کردی جس میں بہت سی حکمتیں اور مصلحتیں ہیں جن میں سے بعض کا ذکر اوپر کردیا گیا ہے۔ خدا نے سب سے پہلا گھر یا سب سے پہلی عبادت گاہ کا انتخاب کردیا جو کسی طرح نامناسب اور محل اعتراض و مورد طعن نہیں۔

نیت نماز

نماز کی نیت کے احکام

ا۔ نماز پڑھنے سے پہلے نیت کرنی شرط ہے۔ یعنی دل میں نماز پڑھنے کا قصد کرنا، زبان سے نیت کرنا ضروری نہیں بلکہ دل میں جب نمازی اتنا سوچ لے کہ میں آج فلاں وقت کی فرض نماز پڑھتا ہوں۔ اور اگر سنت پڑھنی ہو تو یہ سوچ لے کہ سنت پڑھتا ہوں۔ پس اتنا خیال کر کے اپنے دل کو متوجہ کر کے اللہ اکبر کہہ کر ہاتھ باندھ لے تو نماز ہو جائے گی اور اگر زبان سے نیت کرلے تو بہتر ہے۔ لیکن جو لمبی چوڑی نیت لوگوں میں مشہور ہے۔ اس کا کہنا کچھ ضروری نہیں۔ آدمی اگر زبان سے نیت کہنا چاہے تو صرف اتنا کہہ لینا کافی ہے ''نیت کرتا ہوں میں آج کی اس نماز ......[1] کے فرض کی ''اللہ اکبر'' یا نیت کرتا ہوں اس نماز ...... کی سنتوں کی اور منہ میرا طرف کعبہ شریف کی''۔ یہ سب کہنا ضروری نہیں چاہے کہے یا نہ کہے۔ اگر زبان سے نیت کہی جائے تو ایسی عبارت ہونا چاہئے جس سے معلوم ہوتا ہو کہ نیت ہو چکی۔ نہ یہ کہ اب نیت کرے گا۔ نیت کی عبارت خواہ عربی زبان میں ہو یا کسی اور زبان میں۔ صرف زبان سے اگر نیت کی عبارت کہہ دی

[1] یہاں وقت فجر، ظہر، عصر، مغرب، عشاء غرضیکہ جس نماز کی نیت کر رہا ہو اس کا نام لے۔ (مؤلف)

جائے تو درست نہیں۔ اور اگر صرف دل سے ارادہ کر لیا تو درست ہے بلکہ اصل نیت یہی ہے۔

نیت شرط ہونے کی وجہ

فقہائے کرام کے نزدیک کی نماز میں نیت شرط ہے۔ چونکہ لغت میں نیت دلی قصد اور ارادے کو کہتے ہیں۔ زبان سے کہنے کو نیت نہیں کہتے اس لئے جب تک دل نماز کی طرف راغب نہ ہو وہ نماز نماز نہیں ہوگی بلکہ وہ ایک غیر اختیاری حرکت ہوگی جس کا کچھ اعتبار نہیں۔ اسی بناء پر حدیث شریف میں ہے:

انما الاعمال بالنیات (صحاح ستہ)

اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔

فقہاء نے لکھا ہے کہ ایسا شخص کہ جس کی یہ حالت ہو کہ وہ دل سے کسی کام کا ارادہ نہ کر سکتا ہو، مجنون کے حکم میں داخل ہے۔ اُس پر نماز پڑھنا ضروری نہیں (ردالمحتار)۔ زبان سے نیت کرنے کو ہمارے فقہاء نے صرف اس لئے مستحب کہا ہے کہ عوام کو دلی ارادے کی تمیز نہیں ہوتی۔ اور کبھی آدمی متفکر ہوتا ہے تو اس کا دلی ارادہ بغیر زبان سے کچھ کہے ہوئے مستقل نہیں ہوتا اور نہ زبان سے نیت کہنا حضور انور ﷺ اور صحابہؓ سے منقول ہے۔

سترِ عورت

وضو کرنے کے بعد نمازی کو سترِ عورت فرض ہے۔ یعنی نماز پڑھنے کی حالت میں اُس حصۂ جسم کو چھپانا فرض ہے جس کا ظاہر کرنا شرعاً حرام ہے۔ خواہ تنہا نماز پڑھے یا کسی کے سامنے مرد کو ناف سے زانو تک اور عورت کو تمام بدن سوائے منہ اور ہاتھ اور پاؤں کے ڈھانکنا فرض ہے۔ مرد پر باقی تمام بدن کو ڈھانکنا فرض نہیں بلکہ سنت ہے۔ مگر مرد کو ٹخنے ڈھانکنا حرام ہیں۔ نمازی جب تک اپنا ستر نہ ڈھانک لے نماز کی نیت نہ باندھے۔

سترِ عورت کے فرض ہونے کی وجہ بھی ظاہر ہے کہ جب تک آدمی ننگا ہونے کی حالت

میں کسی دوسرے عام آدمیوں کے سامنے آنے سے فطرتاً حیا کرتا اور شرم کھاتا ہے تو احکم الحاکمین (خُدا) کے دربار میں اس طرح ننگے کھڑے ہونے کی رخصت کیسے ہوسکتی ہے۔ دوسرا ننگے ہونے سے شیطان کا غلبہ ہوتا اور خیالات میں پراگندگی پیدا ہوتی ہے اور یہ پرلے درجہ کی ایک بدتہذیبی اور وحشیانہ حالت ہے جس کی اصلاح کے لئے اسلام پاک دُنیا میں آیا ہے۔ اگر اسلام ستر عورت کا حکم نہ دیتا تو وہ ایک وحشیانہ حیثیت کے لوگوں کے قابل سمجھا جاتا۔ اسلام پاک نے اس کو اس قدر اہمیت دی ہے کہ اگر کوئی شخص تنہا مکان میں نماز پڑھتا ہو یا کسی اندھیرے مقام میں ہو تب بھی اس پر ستر عورت فرض ہے۔ اگر نماز پڑھنے کی حالت میں کوئی شخص قصداً اپنی ستر غلیظہ یا خفیفہ کے چوتھے حصے کو کھول دے تو اُس کی نماز فوراً فاسد ہو جائے گی۔ خواہ بقدر ایک رکن ادا کرنے کے کھلا رہے یا اس سے کم (شامی) ان مسائل سے واضح ہوسکتا ہے کہ شرع اسلام میں ستر عورت کی کس قدر تاکید اور ضرورت ہے۔

اوقاتِ نماز

نماز کے وقتوں کا بیان

۱۔ فجر کی نماز کا وقت پو پھٹنے سے سورج نکلنے سے پہلے تک ہے (۲) ظہر کی نماز کا وقت دوپہر ڈھلنے کے بعد سے چوتھائی دن رہنے سے پہلے تک ہے (۳) عصر کی نماز کا وقت چوتھائی دن رہنے کے بعد سے سورج ڈوبنے سے پہلے تک ہے (۴) مغرب کی نماز کا وقت سورج ڈوب جانے کے بعد سے آخری وقت شفق تک یعنی وہ سُرخی وسفیدی جو مغرب کی طرف بعد غروب سورج دیر تک نظر آتی ہے (۵) عشاء کی نماز کی وقت شفق غائب ہو جانے کے بعد سے فجر ہونے کے پہلے تک ہے۔

اوقات نماز مقرر ہونے کا راز

اپنی اپنی نماز کے اوقات ہر ایک مذہب نے مقرر کئے ہیں۔ وقتوں کے مقرر کرنے کی

ضرورت اس وجہ سے پڑی کہ چونکہ ہر وقت اور ہر آن خدائے معبود کی یاد کرنا خاص لوگوں کا کام ہے اور اس کے لئے بہت بڑے دل و دماغ اور انسانی ضروریات زندگی سے فارغ البالی کی ضرورت ہے اس لئے ان ضروریات اور حالات کو مدنظر رکھ کر محسوس ہوا کہ کوئی خاص اوقات خدا یادی کے لئے معیّن کرنے چاہئیں تا کہ اپنی ضروریات سے فارغ ہو کر انسان اپنے آقا و مولا کی سرکار میں حاضر ہو کر اپنی عجز و انکساری کا اقرار اور اس کی عظمت و کبریائی کا اعتراف کر سکے۔ ہر ایک اہل مذہب نے اپنے اپنے خیال اور محبت و شوق کے انداز سے بعض نے آٹھ دن کے بعد ایک وقت مقرر کیا۔ بعض نے آٹھ پہر کے بعد اور بعض نے ہر دن میں دو وقت مقرر کئے لیکن خدائے پاک کے مقدس مذہب اسلام نے (جس کا سب سے بڑا رکن خدا کی یاد ہی ہے) تمام دنیا کے مذاہب سے بالخصوص رات کے چوبیس گھنٹوں میں کم سے کم پانچ وقت نماز کے فرض کئے ہیں۔ تا کہ ہر ایک مسلمان خواہ کسی درجہ اور کسی رتبہ کا ہو۔ ان وقتوں میں ضرور اپنے مولا رحیم و کریم کے حضور میں حاضر ہو کر اپنی عاجزی و انکساری اور عبودیت کا اعتراف کر کے انعامات و اکرامات حاصل کرے اور اس کے شکر گزار بندوں میں شمار کیا جائے۔

تعین اوقات کی ظاہری حکمتیں

(۱) نماز کے لئے وقت کے مقرر کرنے میں یہ حکمت ہے کہ وقت کے مقرر ہونے سے آدمیوں کے دلوں کو اس کی طرف توجہ رہتی ہے اور ان کی دل جمعی بھی رہتی ہے۔ اگر لوگوں کو اُن کی اپنی رائے پر چھوڑ دیا جاتا تو ضرور ایک جھگڑے کی بات تھی کیونکہ اکثر دیکھنے میں آتا ہے کہ جس امر میں تعین نہ ہو۔ اس میں ہر شخص کی آزادئ رائے اور مداخلت سے ایسے فسادات ضرور برپا ہوا کرتے ہیں۔ خواہ لوگوں کا اس میں نقصان ہی کیوں نہ ہو مگر اپنا دخل دینا ضرور پسند کرتے ہیں۔ پس شرع نے خود ہی اوقات مقرر کر کے اس جھگڑے کا سدّ باب کر دیا۔

۲۔ اگر شرع نماز کے اوقات کا تعین نہ کرتی اور اس کا اختیار لوگوں کو دے دیتی کہ وہ جب اور جس قدر ان کا دل چاہے عبادت کر لیں۔ تو لوگ تھوڑی سی عبادت کو زیادہ سمجھنے لگتے اور

اپنے نفسوں کی غفلت اور سستی کے سبب رفتہ رفتہ اس کو اس حد تک پہنچا دیتے کہ جو بالکل رائیگاں وغیر مفید ہوتا۔

۳۔ تجربہ اس کا شاہد ہے کہ جسم انسانی کی حفاظت کے لئے حفظ ماتقدم کے طور پر خدائے پاک کی پیدا کردہ اشیاء از قسم ادویہ واغذیہ حسب مناسب وقت استعمال کی جاتی ہیں۔ ایسا ہی روحانیت کی حفاظت کے لئے خدائے پاک کے فرمودہ احکام کی بجا آوری بمناسبت اوقات معیّنہ کی جاتی ہے۔

۴۔ حکمتِ الٰہیہ نے اوقات معیّن کرنے میں بڑا ہی رحم اور عدل کا اظہار کیا ہے۔ یہ بات حکمت کے خلاف تھی کہ حضرتِ انسان کو ایسے بوجھ کے نیچے دبایا جاتا کہ اسے تدابیر ضروریہ کو ترک کرنا پڑتا اور احکام طبعیّہ سے بالکل خارج ہو جانے کی ضرورت پڑتی۔ اس واسطے حکمت الٰہیہ کا مقتضیٰ ہوا کہ لوگوں کو زمانہ کے ہر ایک حصہ کے بعد نماز کی پابندی اور اس کی مداومت کا حکم دیا جائے تا کہ نماز سے قبل اس کا انتظار کرنا اور اس کے لئے تیار رہنا اور نماز پڑھ لینے کے بعد اس کے نور کا اثر اور اس کے رنگ کا بقیہ بھی بمنزلۂ نماز ہی کے ہو جائے اور غفلت کے اوقات میں بھی خدائے پاک کا ذکر مدنظر رہا کرے۔ اور اس کی اطاعت میں دل معلق رہے اور یہ سارا وقت عبادت الٰہی میں شمار کیا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

الصلوۃ الخمس و الجمعۃ الی الجمعۃ و رمضان الی رمضان مکفرات لما بینھن اذا اجتنب الکبائر ؎ (مسلم شریف)

نماز پنجگانہ (ایک نماز دوسری تک) ایک جمعہ دوسرے جمعہ تک اور ایک رمضان دوسرے رمضان تک جو ان کے درمیان گناہ ہو جائیں، ان کو مٹانے والے ہیں اُس شخص کے لئے جو کبیرہ گناہوں سے بچنے والا ہے۔

۵۔ تعین اوقات میں یہ بھی فائدہ ہے کہ اگر کوئی شخص ان اوقات کی پابندی سے آزاد رہنا چاہے تو اس کی گوشمالی ممکن ہو سکے تا کہ وہ نمازوں کو حیلوں حوالوں سے ٹالنے کا عادی نہ بن جائے۔

۶۔ہم دیکھتے ہیں کہ قدرت نے ہر ایک شئے کے لئے وقت مقرر کیا ہے اور کوئی چیز وقت مقررہ کے بغیر نہیں ہوتی۔ مثلاً سردی سردی کے اور گرمی گرمی کے ہر موسم میں آتی ہے اور سردی کے روکنے کی گرمی میں تدبیریں کی جاتی ہیں۔ علیٰ ہذا موسمی چیز موسم پر ہی بوئی جاتی ہے۔ بے وقت و بے موسم کچھ ہوتا ہی نہیں اس سے ظاہر ہے کہ وقت کو بھی ہر کام میں دخل ہے اور کسی خاص وجہ سے کوئی خصوصیت اس میں ضروری ہوتی ہے۔ اسی لئے حکیم مطلق (خُدا) نے آٹھ پہر میں پانچ وقت مقرر کر کے فرمایا:

﴿ان الصلوة كانت على المومنين كتابا موقوتاً﴾ (النسآء:۱۰۳)

''بیشک نماز مومنوں پر فرض وقتی ہے'' (یعنی ایمانداروں پر نماز وقت وقت سے فرض ہے اور وقت سے پہلے اور بعد نماز نہ ہوگی۔

۷۔قرآن حکیم نے اوقاتِ نماز پنجگانہ کی خصوصیت و حقیقت سمجھنے کے لئے اوقات خمسہ کے اوصاف مؤثرہ کی طرف توجہ دلائی ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے:

﴿فسبحن الله حين تمسون و حين تصبحون وله الحمد فى السموات والارض و عشيا وحين تظهرون﴾ (الروم:۱۷۔۱۸)

پس جس وقت تم لوگوں کو شام ہو اور جس وقت تم کو صبح ہو اللہ کی تسبیح (وتقدیس) کرو۔ اور آسمان و زمین میں وہی اللہ تعریف کے لائق ہے۔ اور (نیز) تیسرے پہر اور جب تم لوگوں کو دوپہر ہو اللہ کی تسبیح و تقدیس کرو)

اس ارشادِ خداوندی سے صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ ان وقتوں میں عرش و فرش زمین و آسمان کے اندر تغیرات عظیم واقع ہوتے ہیں۔ خدائے پاک کی جدید تسبیح و تحمید کا موقع آتا ہے۔ اور ان تغیرات کا اثر انسان کے روح و جسم پر واقع ہوتا ہے۔ اور تبدیل اوقات و حالات کا دور و اثر روزانہ آٹھ پہر میں پانچ دفعہ خاص طور پر ہوتا ہے اور وہ یہی پانچ نمازوں کے اوقات ہیں یہ اثر انھیں وقتوں تک محدود نہیں بلکہ بعض اوقات کا دور ہفتہ کے دور کے ساتھ ساتھ ہوتا ہے۔ وہ جمعہ

کے دن کا وقت ہے اور بعض وقتوں کا دور سال کے دور کے ساتھ ہوا کرتا ہے۔ جیسے رمضان شریف و عیدین۔ اس کی بعینہٖ یہ مثال ہے کہ جس طرح ایک طبیب جسمانی علاج کے لئے ادویات کے لئے اوقات اور موسموں کا لحاظ رکھ کر استعمال کراتا ہے۔ بعض دواؤں کا نہار منہ صبح اُٹھ کر اور بعض کا کھانا کھانے کے بعد استعمال کرنا جس طرح فائدہ بخشتا ہے اور بعض کا استعمال سردیوں میں نافع ہوتا ہے اور بعض کا گرمیوں اسی طرح روحانی بیماریوں کے دفعیہ اور روحانی قوتوں کے بحال رکھنے کے لئے خدائے حکیم نے ان روحانی دواؤں کے استعمال کے اوقات یہ اوقات خمسہ مقرر کئے ہیں۔ انھیں وقتوں میں ان کا استعمال کرنا نافع ہے اور یہی نماز کے پنجگانہ اوقات کی خصوصیت کی فلاسفی و حقیقت ہے۔

۸۔ اس میں پابندی اوقات سے اُمورِ مہمہ میں تاخیر نہ کرنے کی طرف ایما ہے۔ لا تو خر عمل الیوم بغد (آج کا کام کل پر نہ چھوڑو) جو ایک نہایت ہی قیمتی سبق ہے اور یہ امر مسلمہ ہے کہ ان اوقات پنجگانہ میں زمین پر انتشار روحانیت اور ایک مثالی قدرت کا ظہور ہوتا ہے۔ پس قول طاعات و استجابتِ دعا کے لئے ان وقتوں سے عمدہ اور مناسب و بہتر اور کوئی اوقات نہیں ہیں۔ اس امر کو قریب ایک لاکھ چوبیس ہزار نبیوں اور بے تعداد ولیوں نے مشاہدہ فرما کر گواہی دی ہے کہ ان اوقات میں انوار و برکات آسمانی کا نزول ہوتا ہے۔ اور قبولیت دعا کے لئے خدائے مجیب کی طرف سے ان وقتوں میں اُس کی رحمت و مغفرت کی ایک خاص ہوا چلتی ہے۔ اسی سبب سے ان اوقات میں نمازیں مقرر کی گئیں۔

۹۔ ان پنجگانہ نمازوں کو پابندی کے ساتھ ان کے وقتوں میں پڑھنے سے غفلت دور ہوتی ہے اور گناہوں کی سیاہی دلوں کے اندر نہیں بیٹھتی۔ اس کی شہادت خود حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دی اور فرمایا:

ایک نماز سے دوسری نماز تک جتنے گناہِ صغیرہ ہوتے ہیں معاف ہو جاتے ہیں[1]۔ یہ بھی آپ ﷺ نے فرمایا:

---

[1] اس حدیث شریف کے الفاظ پیچھے لکھے جا چکے ہیں یہاں صرف ترجمہ یا خلاصہ لکھ دیا گیا ہے۔ مؤلف

من صل سجدتین لا یسھو فیھا غفر اللہ لہ ماتقدم من ذنبہ (مسند امام احمدؒ)
جوشخص دو رکعت ایسی ادا کرے کہ جس میں غفلت اور سہو نہ ہو۔ تو اس کے گزشتہ گناہ معاف ہوجاتے ہیں۔

۱۰۔ اوقات مقرر کرنے میں سب سے بڑی حکمت و مصلحت یہ ہے کہ دن کام کرنے کے لئے ہے اور رات آرام کے لئے۔ لگاتار کام کرنا آدمی کو تھکا دیتا ہے اور پھر اسے یا تو اپنے کام میں سستی کرنی پڑتی ہے۔ یا آرام لینے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے نہ صرف محنت مزدوری کرنے والوں کو بلکہ گاؤتکیہ لگا کر اور میز کرسی پر بیٹھ کر کام کرنے والوں کو بھی آرام لینے کی ضرورت پڑتی ہے۔ خدائے علیم و حکیم نے نمازوں کے اوقات ایسے مقرر کئے ہیں کہ نماز پڑھنے والوں کی کلفت دور ہوتی رہتی ہے۔ آدمی صبح سویرے تازہ دم اُٹھ کر کام شروع کرتا ہے۔ اس لئے دیر تک کرسکتا ہے۔ اور تقریباً دوپہر کو اسے تھکن محسوس ہوتی ہے۔ یہی وقت ظہر کا اول وقت ہے جس میں حکم دیا کہ کام چھوڑ دو اور جس جسمانی مشغلہ سے تنگ آگئے ہو۔ اس سے الگ ہوکر وضو کرو اور نماز پڑھو۔ ایک طرف تھکن دور ہوگی۔ دوسری طرف دنیاوی جھگڑوں کا غلبہ جو طبیعت پر ہوگیا ہے اس میں کمی آجائے گی۔ پھر اپنا کام شروع کرو مگر اب اتنی دیر جی لگا کر نہیں کرسکتے۔ جتنا تازہ دم کیا تھا۔ اس لئے عصر کا وقت جلدی ہی آجاتا ہے۔ اور پھر نمازی کو ایک گونہ آرام دیتا ہے۔ ابھی دن باقی ہے۔ اگر کام کرنا ہے پھر مشغول ہوجاؤ۔ ورنہ اس بیچ کے وقت میں بھی مشغولِ خدا رہو۔ کام کرنے والوں کو پھر مغرب کا وقت پھر کام سے چھڑا دیتا ہے مغرب سے فارغ ہوکر کھانا کھاؤ پیو۔ اُٹھو بیٹھو۔ بال بچوں میں دل بہلاؤ۔ دوست آشنا سے ملو۔ اتنا وقت بخیر گزرا۔ شکر یہ میں عشاء پڑھو اور سو جاؤ۔ دن بھر چاق و چوبند رہتا ہے۔ تو نماز صبح کے خیال سے سویرے اُٹھو۔ نماز ادا کرو اور اپنا کام سنبھالو۔ اللہ تعالیٰ تمہارے کاموں میں برکت دے گا۔ یہ برکت کیا تھوڑی ہے کہ بار بار کی نماز اضمحلال طبع ہوجاتا ہے۔

اوقات نماز اس کی قبولیت کی دلیل ہیں

۱۱۔ یہ امر بھی مسلمہ ہے کہ جب کہ عمل کا سلسلہ مسلسل چلا جائے تو سمجھ لینا چاہئے کہ سب مقبول ہو رہا ہے۔ اس کا مقصد اس مثال سے واضح ہو جاتا ہے کہ اگر کوئی شخص کسی صاحب اختیار رئیس کے پاس جائے اور اس کو اس کا آنا ناپسند ہو۔ تو وہ اس کے ساتھ کیا برتاؤ کرتا ہے۔ ظاہر ہے کہ دوسرے وقت گھسنے بھی نہ دے گا۔ پس خدائے پاک نے اوقات پنجگانہ کے مقرر کرنے میں اس کی طرف اشارہ فرمایا کہ پانچوں وقت کی نماز کے لئے مسجد میں آنے کی اجازت دینا اور اس کی قوت باقی رکھنا اور اس کے ادا کرنے کی توفیق عطا فرمانا اس کی دلیل ہے کہ آدمی کا پہلا عمل (نماز) ناپسند نہیں ہوا اور نہ کوئی ایسا سخت پہرا[1] ہوتا کہ وہ اس کے دربار (مسجد) میں گھسنے بھی نہ پاتا۔

نماز ایک وقت کیوں مقرر نہ ہوئی

۱۲۔ بدن کی نسبت روح کے لطیف ہونے پر سب کا اتفاق ہے۔ جب بدن کی تقویت کے لئے دن رات میں متعدد دفعہ غذا بہم پہنچانے کی ضرورت تسلیم کی گئی ہے تو روح کو قوت و طاقت پہنچانے کے واسطے اس کی غذا یعنی نماز کی بھی زیادہ تر ضرورت ہے۔ لہذا حکیم روحانی نے رات دن میں (۵) بار روحانی غذا کے مقرر کئے۔ ایک بار سے روح تر و تازہ نہیں رہ سکتی تھی۔

تعیین اوقات خمسہ کی باطنی حکمتیں

اوقات خمسہ خدا کی حضوری کیلئے ہیں

۱۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم شب معراج میں نمازوں کی تخفیف کرانے پانچ دفعہ تشریف لے گئے جس کی وجہ سے پینتالیس معاف ہوئیں اور صرف پانچ رہ گئیں۔ جب پانچ

[1] پہرا سے مراد ظاہری پولیس یا فوج کا پہرا مراد نہیں۔ بلکہ وہ (ملائکہ کا) پہرا ہے جو غافلوں کو ادھر نہیں آنے دیتا۔ جیسا کہ بعض دولتمندوں اور نئے تعلیم یافتوں کو مسجد میں قدم رکھنے سے ڈر لگتا ہے اور وہ مارے ہیبت و خوف کے اِدھر آنے سے ہچکچاتے ہیں۔ (مؤلف)

دفعہ کی حضوری جو نمازیں معاف اور کم کرنے کے لئے تھی وہ ایسی چیز تھی۔ یہ پانچوں دفعہ دیدار الٰہی اور ہمکلامی میسر ہوئی تو ضروری ہوا کہ آپ کی اُمت کو بھی الصلوٰۃ معراج المومنین کے باعث سے ہر روز پانچ ہی دفعہ حضوری نصیب ہوا کرے۔ اس لئے پانچ وقت نمازوں کے مقرر ہوئے۔

اوقات خمسہ حواس خمسہ کے شکریہ کے لئے ہیں

۲۔ انسان میں ظاہر کے حواس پانچ ہیں۔ (۱) آنکھ (۲) ناک (۳) کان (۴) زبان (۵) گرمی سردی کی پہچان۔ ان پانچوں حواس کے شکریہ میں یہ پانچ نمازیں فرض ہوئیں تا کہ لوگ ہر ایک حس کے فائدے کے مقابلہ میں ایک نماز ادا کریں تا کہ اس کا شکریہ ادا ہو جائے۔

اپنے اور متعلقین کے گناہوں کے معاف کرانے کیلئے اوقات خمسہ ہیں

۳۔ جس طرح حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جناب باری میں نماز کی کمی کرانے کے لئے تشریف لے گئے[1] اسی طرح آپ کی اُمت پر پانچ دفعہ رات دن میں فرض ہوا کہ وہ بھی اپنے اور متعلقین کے گناہوں کی معافی کرانے کے لئے ہر روز پانچ مرتبہ دربارِ الٰہی میں حاضر ہوا کریں۔ تا کہ اُن کے گناہوں کی مغفرت ہوتی رہے۔

نعمائے خداوندی کے شکریہ کے لئے اوقات خمسہ مقرر ہوئے ہیں

۴۔ آدمی کی زندگی اور حیات کے عالم میں بڑی نعمتیں خداوند کریم کی طرف سے پانچ عطا ہوئی ہیں۔ (۱) کھانا پینا (۲) گرم سرد لباس (۳) سکونت کے لئے مکان (۴) خدمت کے لئے بیوی، لونڈی اور غلام۔ سیر و تفریح کے لئے سواری (۵) جان کا شکریہ ایمان اور لا الٰہ الا

---

[1] مسلم شریف کی حدیث میں ہے کہ دن رات میں آپ کی اُمت پر پچاس وقت کی نمازیں فرض ہوئیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے کہنے سے آپ ﷺ باری تعالیٰ کی جناب میں کمی کے لئے جاتے رہے۔ یہاں تک کہ پانچ رہ گئیں۔ (مؤلف)

اللہ محمد رسول اللہ کا اقرار ہے۔اورزندگی جیسی نعمت میں ان پانچوں نعمتوں کے شکر میں یہ پانچوں نمازیں مقرر ہیں۔

اوقات خمسہ پانچوں حالتوں کے شکریہ کے لئے ہیں

۵۔انسان کی زندگی میں پانچ حالتیں ہیں۔(۱) لیٹنا (۲) بیٹھنا (۳) سونا (۴) جاگنا (۵) کھڑا ہونا۔ان پانچوں حالتوں میں رحمت الٰہی اور نعمت مولا کا بندوں پر مینہ برستا ہے۔ہر ایک حالت میں بے شمار انعامات و احسانات ہیں۔لہذا پانچوں حالتوں کی نعمتوں اور انعامات کا شکریہ یہ پانچ نمازیں ہیں۔جو آدمی ان پانچ وقتوں کی نماز ادا کرتا رہتا ہے وہ ان نعمتوں اور احسانوں کے شکریہ سے سبکدوش ہوتا رہتا ہے اور شکر گزاری کی وجہ سے مزید انعامات کا اس پر نزول ہوتا رہتا ہے۔

اوقات خمسہ سے آدمی کے گناہ جھڑ جاتے ہیں

۶۔شرع اسلام میں پاک کرنے والے پانچ غسل تھے (۱) غسل جنابت (۲) غسل حیض (۳) غسل نفاس (۴) غسل بحالت جنابت اسلام لانے کا (۵) غسل میت۔ظاہر کی ناپاکیوں سے زندگی اور موت میں پاک کرنے والے یہ پانچ غسل مقرر ہوئے۔چونکہ سب سے بڑی ناپاکی گناہ کی ہوتی ہے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ گناہوں کا ذریعہ یہی پانچ حواس ہیں۔کیونکہ جو گناہ سرزد ہوتا ہے وہ بالضرور حواس خمسہ کی مدد سے ہی ہوتا ہے۔اس لئے یہ نماز پنجگانہ جناب باری نے مقرر فرمائی جو درحقیقت گناہوں کی میل اور آلائش کو دھونے کے لئے پانچ غسل ہیں جن سے مراد یہ ہے کہ نمازی آدمی سب گناہوں سے پاک ہوجائے۔اسی مضمون کو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پاک مثال میں بیان فرمایا:

ارایتم لو ان نهرا بباب احدکم یغتسل فیه کل یوم خمسا هل یبقی من درنه شیء قالوا لایبقی من درنه شیء قال فذالک مثل الصلوٰة الخمس

یمحو اللہ بھن الخطایا (بخاری و مسلم)

نماز کی مثال نہر کی سی ہے۔ جو ہر مسلمان کے گھر کے آگے بہتی رہتی ہے۔ اگر کوئی شخص نہر میں پانچ دفعہ ہر روز غسل کرلیا کرے۔ اس کے بدن پر کبھی کوئی میل رہ سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ صحابہؓ نے عرض کیا کہ "اس کے بدن پر کیسے میل رہ سکتا ہے"۔ آپ ﷺ نے فرمایا "یہی مثال نماز پنجگانہ کی ہے۔ ان نمازوں کی (برکت سے) اللہ تعالیٰ نمازی کے گناہوں کو مٹادیتا ہے"۔

اس حدیث شریف نے اس مسئلہ کو صاف کردیا کہ نماز سے گناہ انسان کے وجود سے واقعی ایسے خارج ہوجاتے ہیں کہ جیسے غسل کرنے سے میل و پلیدی جسم سے اُتر جاتی ہے اور اس امر کی تکمیل ظہر کی نماز سے لے کر فجر کی نماز تک ہوتی رہتی ہے، اور جو شخص پانچ نمازوں میں کوئی نماز عمداً چھوڑتا ہے، اس کے وجود میں گناہوں کی کدورت بڑھ جاتی ہے۔

اوقات خمسہ کی نمازیں مصائب سے رہائی دلانے کا موجب ہیں

۷۔ دُنیا کی زندگی ختم ہونے والی چیز ہے۔ اس کے خاتمہ پر مومن کو پانچ مصیبتیں درپیش ہیں (۱) موت (۲) قبر (۳) میدانِ حشر (۴) پُل صراط (۵) جنت کا دروازہ بند ہونا۔ خداوند ارحم الراحمین نے اپنے رحم سے ان پانچوں مصیبتوں سے رہائی بخشنے کے لئے یہ پانچ نمازیں فرض کیں۔ اس مضمون کو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث شریف میں ارشاد فرمایا:

من حافظ علی الصلوٰۃ اکرمہ اللہ بخمس خصال یرفع عنه ضیق الموت وعذاب القبر ویعطیه اللہ کتابه بیمینه ویمر علی الصراط و یدخل الجنة بغیر حساب (زواجر ابن حجر مکیؒ)

جو شخص پنجگانہ نمازوں کی پابندی کرے گا خدائے پاک اُس کو پانچ خصائل عطا کرے گا (۱) موت کی سختی سے بچائے گا (۲) قبر کے عذاب سے رہائی بخشے گا (۳) حشر کے میدان میں اپنی پناہ میں رکھے گا۔ اس کا اعمال نامہ داہنے ہاتھ میں دے گا (۴) پُل صراط پر گرنے سے محفوظ رکھ کر (بجلی کی طرح) گزار دے گا۔ (۵) جنت میں (اپنے فضل سے) بلاحساب داخل کرے گا۔

نماز پنجگانہ پانچ قبلوں کی مناسبت سے فرض ہوئیں

۸۔ اسلام پاک کے آنے سے قبل اہل مذاہب نے پانچ قبلے مانے ہوئے تھے۔ اور پانچ ہی گروہ ان کی طرف عبادت گزار تھے (۱) مکہ معظّمہ قریش کا قبلہ (۲) بیت المقدس اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) کا قبلہ (۳) بیت المعمور فرشتوں کا قبلہ (۴) ذات الٰہی سمت قبلہ بھولے ہوئے نمازیوں کا قبلہ (۵) عرش الٰہی کروبیوں کا قبلہ۔ خداوند پاک نے مسلمانوں کو چونکہ وہ سب قبلوں کو مانتے اور ان کا ادب کرتے ہیں۔ اس لئے تمام قبلوں کے عبادت گزاروں کے برابر ثواب عطا فرمانے کی غرض سے ہر ایک قبلہ کے مقابل ایک ایک نماز فرض کی پانچ قبلے تھے۔ پانچ ہی نمازیں فرض کیں جو آدمی ان پانچوں نمازوں کی حفاظت کرتا ہے اس کے نامۂ اعمال میں پانچ قبلوں کے عابدوں کا ثواب لکھا جاتا ہے[1]۔

پنجگانہ نمازیں پچاس نمازوں کا ثواب حاصل کرنے کیلئے مقرر ہوئیں

۹۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت پر ابتدائے رسالت میں دو وقت کی نماز فرض ہوئی تھی۔ ایک سورج نکلنے سے پہلے اور ایک مغرب سے پہلے۔ ہجرت سے ڈیڑھ برس پہلے جب کہ آپ ﷺ کو معراج ہوئی۔ تو اس وقت ارشاد عالی یہ ہوا کہ اے مبارک نبی ﷺ ہم نے تمہاری اُمت پر روزانہ پچاس وقت کی نمازیں پڑھنی فرض کیں۔ جاؤ تم بھی ان نمازوں کو پڑھو اور اپنی اُمت کو بھی ہدایت کرو"۔ آپ جب چھٹے آسمان پر واپس آتے ہوئے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ملے تو انھوں نے فرمایا کہ آپ جلدی واپس جائیے اور معاف کرائیے۔ بھلا ایک دن میں پچاس نمازیں کون ادا کرے گا۔ آپ ﷺ جناب موسیٰ علیہ السلام کے کہنے سے پانچ دفعہ بارگاہِ الٰہی میں واپس جاتے رہے اور پانچ دفعہ کی شفاعت پر پینتالیس نمازیں معاف اور پانچ باقی رہیں اور ساتھ ہی ارشاد ہوا:

﴿مایبدل القول لدی و ما انا بظلام للعبید﴾ (ق:۲۹)

[1] یہ حدیث ترغیب وترہیب کے لئے بیان کرنے میں قابل استثناء ہے۔ (مؤلف)

اے نبی! نہ ہماری بات بدلی جاتی ہے اور نہ ہم کسی پر ظلم کرنا یا زیادہ مشقت ڈالنا پسند کرتے ہیں''۔ تم اور تمہاری اُمت نے پانچ نمازیں اگر پڑھیں۔ ہم پانچ کے وہی پچاس[1] لکھتے رہیں گے۔ تمہاری اُمت کے لئے ثواب کا یہ قاعدہ ہے۔

﴿من جاء بالحسنة فله عشر امثالها﴾ (الأنعام:١٦٠)

جو شخص ایک نیکی کر کے لائے گا وہ ایک کی دس پائے گا''۔

پڑھنے میں پانچ ثواب میں پچاس ۵۰ اعداد ہندسہ سے پانچ ہی دس ۱۰ کے حساب سے تھیں۔ خدائے مہربان نے فرمادیا۔ پانچ پڑھو پچاس لکھواؤ۔ ایک کی دس پاؤ۔ اگلی اُمتوں پر صرف تین نمازیں (کسی پر فجر، کسی پر ظہر، کسی پر عصر کی) فرض تھیں۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت پر ان پانچ وقتوں کی نماز فرض کی گئی۔ (۱) فجر (۲) ظہر (۳) عصر (۴) مغرب (۵) عشاء۔ اور ان پانچوں وقتوں کی نماز صرف اسی اُمت کے ساتھ خاص ہے۔

نماز پنجگانہ کے وقتوں کی حکمتیں

ظہر کے وقت کی حکمتیں

۱۔ نماز ظہر کے وقت میں یہ حکمت و مصلحت ہے کہ آفتاب تمام اجرام سماوی میں سب سے بڑا جرم اور بڑا روشن کُرّہ ہے۔ مخلوق پرستوں کا یہ بھی ایک معبود قرار پایا ہوا ہے۔ غیر پرست لوگ اس کی بھی پرستش کرتے ہیں۔ سورج کے طلوع ہوتے ہی اس کے پوجنے والے اس کی پوجا شروع کر دیتے ہیں۔ قدرت الٰہی سے جب وہ نصف النہار پر پہنچتا ہے تو اس کو زوال شروع ہو جاتا ہے اور وہ ڈھلنے لگتا ہے۔ اس کا ڈھلنا اس کے باطل (معبود) ہونے کی دلیل ہے۔ ایسے وقت میں معبود حقیقی خالق کائنات نے باطل پرستوں کے مقابلہ میں نماز ظہر مقرر

[1] پانچ نمازوں کا تقرر بھی زبان تجویزی سے ہوا۔ یہ پانچ ثواب میں پچاس کے برابر ہیں۔ گویا خداوند کریم نے آہستہ آہستہ یہ سمجھایا کہ ثواب تو (۵۰ کے برابر) کامل ہے۔ اور حرج اور مرض اُٹھا دیا گیا ہے۔ (حجۃ اللہ البالغہ) مؤلف

فرمائی۔ تا کہ خدائے پاک کے سچے پرستاروں کی اس عبادت سے باطل پرستوں پر حجت قائم ہو جائے کہ ایک ہی حالت پر قائم و دائم رہنے والی ایک خدا کی ذات ہی ہے۔ اُسی کی عبادت کرنی چاہیے۔ جو اپنی حالت کو خود نہیں سنبھال سکتا۔ وہ کسی دوسرے کی سنبھال کیسے کرسکتا ہے۔ اس وقت سورج پرستوں پر الٰہی عدالت سے فردِ جرم لگتا ہے اور مومن اس کی رحمت کے مورد بنتے ہیں۔

نماز ظہر میں حضرت خلیل اللہ کی اتباع اور پیروی ہے

۲۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بچپن ہی میں اپنی بت پرست قوم پر حجت قائم کرنے کے لئے رات کے وقت جب تارے دیکھے تو آپؑ نے فرمایا کہ ''کیا یہ میرے معبود ہیں؟'' مگر جب وہ چھپنے لگے تو فرمایا کہ یہ تارے خدا نہیں ہو سکتے''۔ تھوڑی دیر کے بعد چاند نکلا تو آپؑ نے اس کو دیکھ کر فرمایا کہ شاید میرا یہ خدا ہے؟'' جب صبح کے وقت وہ بھی ڈوب گیا تو آپؑ نے فرمایا یہ چھپنے والا کب خدا ہو سکتا ہے؟'' جب آفتاب طلوع ہوا تو آپؑ نے فرمایا کہ یہ سورج ضرور خدا ہوگا کیونکہ یہ بہت بڑا ہے''۔ سورج پہلے تو اوپر چڑھتا چلا گیا اور اس کی روشنی بھی تیز ہوتی گئی۔ مگر نصف النہار پر پہنچ کر وہ بھی ڈھلنے لگا اور اس کو زوال شروع ہو کر زرد ہونے لگا تو اُس وقت آپؑ کی زبان سے نکلا:

﴿لئن لم یھدنی ربی لاکونن من القوم الضالین﴾ (الأنعام:۷۷)
اگر مجھے میرا رب رہنمائی نہ کرے گا تو میں ضرور مخلوق پرست ہو جاؤں گا''۔

یہ کہہ کر خالق کائنات معبود حقیقی عزاسمہٗ کی طرف توجہ کی۔ باری تعالیٰ کو آپؑ کی یہ بات بہت پسند آئی۔ حضرت خلیل اللہ (علیہ السلام) کی اس پاک یادگار کو قائم رکھنے کے لئے مومنوں پر عین سورج کے وقت ظہر کی نماز فرض فرمائی۔ تا کہ اس نماز کے پڑھنے والوں کا حشر خُدا کے پیارے خلیلؑ کے ساتھ ہو[1]۔

[1] قرآن کریم میں ہے ان اولی الناس با براھیم للذین اتبعوہ (آل عمران:۶۸) ابراہیمؑ کے ساتھ خصوصیت کے بڑے حق دار تو وہ لوگ تھے جنھوں نے ان کی پیروی کی''۔ پس اُن کے ساتھ قیامت میں وہی لوگ ہوں گے جو ان کی پیروی کریں گے۔ (مؤلف)

نماز ظہر نارِ جہنم سے رہائی کیلئے مقرر ہوئی

۳۔ ہر روز دوپہر کے وقت دوزخ کی آگ بھڑکائی جاتی ہے۔ اسی جوش وخروش میں دوزخ سے یہ آواز نکلتی ہے:-

﴿قد افلح المومنون الذین ھم فی صلوتھم خشعون﴾ (المؤمنون:۱)

بے شک جو مومن اپنی نمازوں کو خشوع وخضوع کے ساتھ ادا کرتے ہیں ان کی نجات و رستگاری ہے''۔

جب دوزخ خود اپنے منہ سے (باذنِ الٰہی) اقرار کرتی ہے کہ نمازیوں کو مجھ سے مخلصی و رہائی حاصل ہے تو دوزخ سے دور رکھنے کے لئے خدائے کریم نے نماز ظہر مقرر فرمائی تاکہ جب دوزخ اقرار کر رہی ہو تو مومن اس وقت نماز میں مصروف ہوکر اس کے اقرار کے بموجب نجات کا حقدار بن جائے۔ (نزہتہ المجالس)

نماز ظہر کی نسبت بشارت

۴۔ اس نماز کے حق میں حدیث شریف میں ہے کہ

فمن صلی ھا حرم اللہ جسدہ علی النار (احسن المواعظ)

جو اس نماز کو ادا کرتا رہے گا وہ دوزخ سے دور رہے گا''۔

نماز ظہر ملائکہ کے ساتھ شرکت کی وجہ سے فرض کی گئی

۵۔ حضرت سیدنا علی المرتضیٰ (کرم اللہ تعالیٰ وجھہ) فرماتے ہیں کہ ایک دن حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں یہودیوں نے عرض کیا کہ آپ ﷺ کی اُمت پر پنجگانہ نماز اور ان کے اوقات خاص مقرر ہونے میں کیا حکمت ہے؟ اور ہم یہ بھی مانتے ہیں کہ سوائے نبی کے اور کوئی دوسرا اس راز کو کھول نہیں سکتا''۔ حضور ﷺ نے ان کے جواب میں ارشاد فرمایا کہ ''نماز ظہر کے معین ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس وقت آسمان پر فرشتے خداوند قدوس کی

پاک تسبیح کرتے ہیں اور ساتھ ہی .... آسمانوں کے دروازے بھی (اجابتِ دعا کے لئے) کھولے جاتے ہیں۔ اس وقت بندوں کی دعا قبول ہوتی ہے۔ خدائے پاک نے میری اُمت پر اس وقت نماز ظہر مقرر فرما دی ہے۔ تا کہ ان کو ملائکہ کی شرکت حاصل ہو کر ان کی دعائیں قبول ہوں۔ اور ان کے اعمال آسمان پر صعود کریں۔ نماز ظہر میں یہ حکمت و راز ہے''۔ (مجالس سنیہ)

نماز ظہر کو ٹھنڈا کر کے پڑھنے کی حکمت

۶۔ ظہر کا وقت آفتاب ڈھلنے کے بعد شروع ہوتا ہے اور جب تک ہر چیز کا سایہ سوا سایۂ اصلی کے دو مثل نہ ہو جائے ظہر کا وقت رہتا ہے مگر احتیاط یہ ہے کہ ایک مثل کے اندر ظہر کی نماز پڑھ لی جائے۔ گو ظہر کا اول وقت افضل ہے۔ تاہم حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم از راہِ شفقت ارشاد فرماتے ہیں کہ:

اذا اشتدالحر فابر دو ا بالظهر فان شدة الحرمِنُ فيح جهنم (بخاری ومسلم)

جب گرمی کی شدت ہو تو ظہر کو ٹھنڈا کر کے پڑھا کرو کیونکہ گرمی کی شدت جہنم کا ابال ہے۔

اس سے حضرت سرور عالم (فدواہ روحی) کا مطلب یہ ہے کہ دوزخ و بہشت کا خدائے پاک کے ہاں خزانہ ہے۔ اس خزانہ میں سے کیفیات مناسبہ اور منافرہ کا فیضان ہوتا رہتا ہے ایسے تکلیف اور سختی کے وقت میں ذرا دم لے کر نماز پڑھنا موجب آرام و آسانی ہے۔

ظہر کی نماز کے وقت سونا مضر صحت جسمانی ہے

۷۔ طبیبوں نے لکھا ہے کہ زوال کے بعد سونا مضر صحت ہے۔ قانونچہ کی شرح مفرح القلوب میں ہے:

نوم بعد زوال که مسمیٰ است به خیلوله لكونه حائلا بين النائم والصلوٰة محدث نسيان است''

''زوال کے بعد سونا جس کو (اطباء کی اصطلاح میں) خیلولہ کہتے ہیں اور خیلولہ اس لئے

کہتے ہیں کہ اس وقت کا سونا سونے والے اور نماز کے درمیان حائل ہو جاتا ہے۔ نسیان کی مرض پیدا کرتا ہے"۔ دردسر تو اس وقت کی نیند کا ایک خاصہ ہے۔ ان کے علاوہ اس وقت کے تغیرات جو جسم انسانی پر ظاہر ہوتے ہیں وہ بہت ہیں۔ خدائے حکیم نے ان تغیرات و اثرات سے بچانے کے واسطے نماز ظہر مقرر فرما دی۔ تا کہ مومن نماز کے اہتمام اور اس کی ادائیگی میں مشغول ہو کر اس نیند کے غلبہ سے محفوظ رہے۔

نماز عصر کے وقت کی حکمتیں

نماز عصر قبولیت کا وقت ہوتا ہے

ا۔ عصر کا وقت بعد دو مثل کے شروع ہوتا ہے۔ اور آفتاب ڈوبنے تک رہتا ہے۔ یہ وقت درگاہِ الٰہی میں بڑی قبولیت کا ہوتا ہے۔ چنانچہ اس کی نسبت حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لن یلج النار احد صلی قبل طلوع الشمس و قبل غروبها یعنی الفجر و العصر ۔ (مسلم شریف)

جو آدمی فجر اور عصر کی نماز پڑھا کرے گا وہ کبھی دوزخ میں نہیں جائے گا"۔

اس وقت آسمانوں کے فرشتے نمازیوں کے لئے دعائے مغفرت کرتے ہیں۔ چنانچہ کعب احبار روایت کرتے ہیں کہ ایک وقت خدائے تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا کہ اے موسیٰ جب نبی آخر الزماں اور ان کی اُمت عصر کی چار رکعتیں پڑھے گی چودہ طبق کے فرشتے اُن کے لئے مغفرت کی دعا کریں گے کوئی ایک فرشتہ بھی دعا کرنے سے باقی نہ رہے گا۔ اور یہ ہمارا وعدہ ہے کہ جس کے لئے فرشتے دعا کریں گے ہم اُسے عذاب نہ دیں گے"۔ اپنے اس وعدہ کو پورا کرنے اور حضورؐ کی اُمتِ مرحومہ کو عذاب سے بچانے کے لئے نماز عصر کو مقرر فرمایا۔

نمازِ عصر شیطانی مکر سے بچنے کا سبب اور ذریعہ ہے

۲۔ لکھا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے عصر کے وقت دانہ کھایا۔ عتابِ خداوندی میں آکر دنیا کے قید خانہ میں جنت سے نکال کر قید کئے گئے۔ چونکہ باوا آدمؑ اسی عصر کے وقت میں کھانے پینے کا خیال کر کے شیطان کے دھوکے میں آ گئے۔ خداوند پاک نے اپنی رحمت کاملہ سے اپنے رسولؐ پاک کی اُمت پر نمازِ عصر فرض کی۔ تا کہ یہ اُمت مرحومہ اس وقت نماز میں مشغول ہو کر کھانے پینے کے خیال سے باز رہے اور شیطان کا جادو ان پر نہ چل سکے اور یہی وجہ ہے کہ اکثر صلحاء نے نمازِ عصر سے نمازِ مغرب تک کھانے پینے، باتیں کرنے سے منع کیا ہے اور روزہ رکھ کر ذکرِ الٰہی میں مصروف رہنے کا حکم دیا ہے۔

نمازِ عصر کے وقت فرشتوں کا پہرہ بدلتا ہے

۳۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ عصر کی نماز کے وقت فرشتوں کا پہرہ بدلتا ہے۔

یتعاقبون فیکم ملائکۃ باللیل و ملائکۃ بالنہار و یجتمعون فی صلوٰۃ الفجر و صلوٰۃ العصر ثم یعرج الذین باتوا فیکم فیسئلھم ربھم وھو اعلم بھم کیف ترکتم عبادی فیقولون ترکناھم وھم یصلون واتیناھم وھم یصلون (بخاری و مسلم)

باری تعالیٰ کی طرف سے بندوں کے افعال کی نگہبانی کرنے والے فرشتے رات کے اور ہیں اور دن کے اور۔ دن کے فرشتے عصر کے وقت جاتے اور رات کے فرشتے آتے ہیں۔ رات دن کے فرشتے عصر کی نماز میں جمع ہوتے ہیں۔ پھر جب دن کے فرشتے خدائے پاک کے حضور میں عصر کے بعد حاضر ہوتے ہیں تو اُن سے پوچھا جاتا ہے کہ تم نے میرے بندوں کو کس حال میں چھوڑا؟ وہ عرض کرتے ہیں کہ الٰہی عصر کی نماز میں مشغول تھے''۔ ارشاد ہوتا ہے کہ تم انھیں خونریز اور مفسد کہتے تھے پھر اب تم ہی کہتے ہو کہ آتے اور جاتے ہم نے ان

کو نماز ہی میں دیکھا''۔[1]

پس عصر کی نماز خدائے پاک نے فرشتوں کے قائل معقول کرنے کے لئے مقرر فرمائی۔ کیونکہ اُس وقت فرشتوں کا تبادلہ ہوتا یا اُن کا پہرہ بدلتا ہے اور آنے جانے والے فرشتے ان نمازیوں کے گواہ بنتے ہیں۔

نماز عصر اللہ والوں اور دنیا والوں کے امتیاز کا باعث ہے

۴۔ عصر کا وقت دنیا داروں کی مصروفیتوں کا وقت ہوتا ہے۔ دنیا کے طالب اس وقت اپنے دنیوی معاملات اور کاروبار میں بیحد مصروف رہتے ہیں۔ یہ وقت کھانے پینے کے دھندوں، سیر و تفریح کے موقعوں کھیل و تماشوں کے لئے خاص طور پر وقف سمجھا جاتا ہے۔ خدائے پاک نے اپنے منکروں اور دنیا کے طالبوں اور غافلوں سے الگ کرنے اور ان میں اور مومنوں میں امتیاز پیدا کرنے کی غرض سے نماز عصر مقرر فرمائی تاکہ مومن کافروں سے الگ ہوکر مسجدوں میں جمع ہوجائیں۔ اس میں اس کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے کہ جب کافر و مسلمان حشر کے میدان میں ایک جگہ جمع ہوں گے تو دربار خداوندی سے حکم ہوگا۔

﴿و امتاز و الیوم ایھا المجرمون﴾ (یٰسٓ:۵۹)

اے خدا کے منکرو گناہگارو! اہل ایمان سے الگ ہوجاؤ''۔ (یعنی جس طرح یہ لوگ عبادت الٰہی اور خصوصاً عصر کے وقت تم سے الگ ہوئے۔ اسی طرح یہ جنت میں جانے کے لئے تم سے الگ ہوں گے۔

نماز عصر شیطان کی توجہ سے بچنے کا علاج ہے

۵۔ عصر کے وقت شیطان کی توجہ اپنی پوری قوت کے ساتھ دنیا کی طرف ہوتی ہے جس

---

[1] حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش کے وقت فرشتوں نے ان دوکلموں سے جہان بھر کے گناہوں کا الزام لگایا تھا۔ من یفسد فیھا و یسفک الدماء ۔ کہ وہ مفسد اور خونریز ہوں گے۔ عصر کی نماز کی شہادت سے ان کو ان کی غلطی کا معترف بنانا منظور ہے۔ (مؤلف)

کی وجہ سے لوگوں کے دلوں میں گناہ کے خیالات اور خواہشات نفسانی کے جذبات بھڑکنے لگتے ہیں۔ سب نافرمان اور بداعمال لوگ اُس وقت اپنے بُرے کاموں کی تیاریوں میں مشغول ہوجاتے ہیں۔ اس شیطانی توجہ کا دور آدھی رات تک رہتا ہے۔ پھر رحمٰن کی توجہ دنیا کی طرف شروع ہوجاتی ہے۔ اس وقت سب اہل عالم کے دل میں خدائے پاک کا دھیان اور اس کا خوف پیدا ہونے لگتا ہے۔

پس شیطان کی توجہ اور اس کے شر سے بچنے کے لئے نماز عصر فرض ہوئی کہ اُدھر شیطان کی توجہ شروع ہو۔ اِدھر سب مومن اللہ کے نیک بندے بھاگ کر خدائے پاک کی جناب میں آکر پناہ گزیں ہوجائیں جس کی وجہ سے شیطانی توجہ کا اثر زائل ہوجائے گا اور مومن گناہوں سے پاک وصاف رہیں گے۔ یہی وجہ ہے کہ اس نماز کی حفاظت کا نہایت تاکیدی فرمان قرآن کریم میں دیا گیا۔

﴿حافظوا علی الصلوٰۃ و الصلوٰۃ الوسطی﴾ (البقرۃ:۲۳۸)

لوگو! سب نمازوں کی حفاظت کرو مگر بیچ (عصر[1]) کی نماز کا خاص دھیان رکھا کرو۔ اس کی بڑی حفاظت اور پابندی کیا کرو“۔

نماز عصر عذاب قبر سے بچنے کے لئے مقرر ہوئی

۲۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جب کوئی آدمی مرنے کے بعد قبر میں دفن کیا جاتا ہے تو اُس کے پاس سیاہ رنگ کیری آنکھوں والے دو فرشتے آتے ہیں۔ ایک کو منکر اور دوسرے کو نکیر کہتے ہیں ”یہ فرشتے بغرض حساب سب مومن و کافر کے پاس آتے ہیں۔ یہ وقت بڑا نازک اور بڑی مصیبت اور خطرہ کا ہوتا ہے۔ میت کو یہ وقت عصر کا معلوم ہوتا ہے۔ دُنیا میں خواہ کوئی وقت ہو جب مردہ سوال و جواب کے لئے (قبر میں) زندہ کیا جاتا ہے تو اُسے یہی

[1] احادیث سے ثابت ہے کہ بیچ کی نماز سے عصر کی نماز مراد ہے اور چونکہ یہ وقت دنیا کے کاروبار میں مشغول رہنے کا ہے۔ اس وجہ سے اس نماز کی بڑی تاکید اور بڑی فضیلت ہے اور نماز عصر کو بیچ کی نماز اس لئے فرمایا کہ صبح اور ظہر دو نمازیں دن کی اس سے پہلے ہیں اور مغرب وعشاء کی رات کی وہ نمازیں اس کے بعد۔ (مؤلف)

وقتِ عصر نظر آتا ہے اور بعض کے نزدیک نزع (جاں کنی) کے وقت بھی مرنے والے کو عصر کا وقت ہی سمجھائی دیتا ہے۔ نماز عصر کے مقرر کرنے میں یہ بھی حکمت ہے کہ جب مومن بندہ اس نماز کا عادی ہوگا تو اُسے معلوم ہوگا کہ آفتاب چھپ رہا ہے۔ افسوس کھانے لگے گا کہ میں نے ابھی تک نماز عصر نہیں پڑھی۔ وہ نماز کی طرف متوجہ ہو جائے گا۔ فرشتے اس کی نماز اور خوفِ الٰہی کو دیکھ کر اس پر کوئی عذاب نہیں کریں گے بلکہ اس سے کہیں گے کہ

نم کنومة العروس الذی لا یوقظه الا احب اهله الیه حتی یبعثه الله من مضجعه ذالک (ترمذی شریف)

جس طرح دلہن سوتی ہے اسی طرح تو بھی سو جا۔ جس طرح اس کو سب سے زیادہ پیارا ہی جگاتا ہے اسی طرح تجھ کو بھی (قیامت کے دن) اللہ تعالیٰ ہی تیرے لیٹنے کی جگہ سے اُٹھائے گا۔

نماز عصر پڑھنے والے کی توبہ حضرت یونسؑ کی طرح قبول ہوگی

ے۔ لکھا ہے کہ حضرت یونس علیہ السلام پر جب عتاب الٰہی نازل ہوا اور انھوں نے مچھلی کے پیٹ میں خدائے غفور و رحیم کی جناب اقدس میں سجدہ کر کے یہ عرض کیا کہ

﴿لا اله الا انت سبحنک انی کنت من الظلمین﴾ (الأنبیاء:۸۷)

اے خدا تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔ تو پاک (ذات) ہے میں نے (بڑا) ظلم کیا۔

تو آپؑ کی توبہ قبول ہوئی اور معاً مچھلی کو حکم ہوا کہ بہت جلد یونسؑ کو زمین پر نکال پھینک دے۔ حکم الٰہی ہوتے ہی مچھلی نے آپؑ کو دریا کے کنارے باہر ڈال دیا۔ تو یہ عصر کا وقت تھا۔ اس قبولیت توبہ کے وقت میں نماز عصر مقرر ہوئی تاکہ جو نمازی اس نماز کی پابندی کرے گا، یونسؑ کی طرح اُس کی توبہ بھی قبول کی جائے گی اور قیامت کے روز یونس (علیہ السلام) کا رفیق ہوگا۔

نماز مغرب کے وقت کی حکمتیں

مغرب کا وقت قبولیت دعاء کا وقت ہوتا ہے

ا۔ مغرب کا وقت بھی قبولیت کا وقت ہوتا ہے۔ اس وقت کی نسبت کعب احبار سے روایت ہے کہ مغرب کے وقت جب کوئی مومن اللہ کا بندہ نماز پڑھتا ہے آسمان کے دروازے کھل جاتے ہیں۔ اس وقت جو دعا مانگتا ہے وہ قبول ہوتی ہے جو حاجت طلب کتا ہے وہ پوری ہوتی ہے۔ پس نماز مغرب اللہ تعالیٰ کا فضل عظیم ہے کہ جو بندوں پر اس لئے فرض کی گئی ہے کہ مومنین کاملین اس کے ذریعہ رحمت الٰہی سے حصہ لیں۔

مغرب کا وقت توبہ کے قبول ہونے کا وقت ہے

۲۔ مغرب کے وقت باوا آدام علیہ السلام کا سجدہ اوران کی توبہ قبول ہوئی جس کے شکریہ میں انھوں نے یہ شکریہ کی نماز ادا کی۔ خدائے کریم نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے غلاموں اور اُمتیوں کو اس قبولیت توبہ کے وقت نماز مغرب پڑھنے کا حکم دیا جس میں حکمت یہ ہے کہ جو نمازی مغرب کی نماز پڑھا کرے گا، تمام دن کے گناہوں سے پاک ہو جائے گا جو دعا وہ اس وقت مانگے گا وہ قبول ہوگی۔

نماز مغرب دن بھر کی نعمتوں کا شکریہ ہے

۳۔ دن ختم ہو گیا۔ دن کی نعمتیں بھی ختم ہونے کو آئیں۔ خالق و مالک حقیقی کی ان گنت نعمتوں کا جن سے تمام دن فائدہ اُٹھایا شکریہ واجب ہو گیا۔ انصاف تو اس کا مقتضی تھا کہ ہر نعمت کے ساتھ ساتھ شکریہ ادا ہوتا رہتا۔ لیکن یہ ہونا بہت مشکل اور محال تھا۔ رحمت الٰہی نے بندوں پر فضل کیا اور اس وقت نماز مغرب فرض کر دی جس میں یہ حکمت بھی رکھی کہ جو مومن بندہ اس وقت کی نماز پڑھے گا، دن بھر کی تمام نعمتوں کا شکریہ ادا ہو جائے گا۔

نمازِ مغرب کی وجہ سے آدمی گناہوں کے الزام سے بَری ہو جاتا ہے

۴۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدائے پاک نے اپنی قدرت سے معجزانہ رنگ میں پیدا کیا۔ اُن کی والدہ ماجدہ حضرت مریمؑ کو اس ولادت فرزند سے ایک خاص شرف بخشا جس کو دیکھ کر نافہموں نے یہ نتیجہ نکالا کہ حضرت مریمؑ کو خدائے پاک کی بیوی بنایا اور ان کے فرزند حضرت عیسیٰ کو خدا کا بیٹا کہنا شروع کیا۔ حضرت عیسیٰ کو جب یہ خبر ملی تو خدائے پاک کی جناب اقدس میں عرض کیا کہ ''خداوندا تو خوب جانتا ہے کہ میں نے اپنی قوم کو ایسا کہنے کی اجازت نہیں دی، بلکہ میں نے تو ان سے صاف اور کھلے لفظوں میں یہ کہا ہے کہ میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں۔ ان ظالموں نے اپنی طرف سے مجھے خدا اور خدا کا بیٹا بنادیا ہے۔ میرا اس میں کوئی قصور نہیں۔ میں ان کے اس گندے عقیدے سے سخت بیزار ہوں''۔ خدائے پاک کی جناب سے ارشاد ہوا کہ ''اے عیسیٰ اس میں تمہارا کچھ قصور نہیں تم اس الزام سے بالکل بری ہو۔ تمہارے ذمہ کچھ وبال نہیں''[1]۔ یہ حکم پاک جب عیسیٰ علیہ السلام نے سُنا تو مغرب کے وقت اس کے شکریہ میں تین رکعت نماز پڑھی۔ مسلمانوں پر نمازِ مغرب فرض ہونے میں یہ بھی حکمت ہے کہ جو شخص اس نماز کو ادا کرے گا وہ بھی ایک الزام سے بری کیا جائے گا اور اس کی توبہ و معذرت قبول کی جائے گی۔

نمازِ مغرب پڑھنے والا ہمیشہ کامیاب و بامراد رہے گا

۵۔ اسلامی دنیا میں یہ واقعہ سب سے زیادہ شہرت پذیر ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام اپنے پیارے اور تمام دنیا سے حسین بیٹے (حضرت یوسف علیہ السلام) کی جدائی میں مارے رنج کے چالیس ۴۰ یا اسی[2] ۸۰ سال تک روتے رہے۔ اتنے عرصہ دراز کے بعد جب فضل الٰہی ہوا اور حضرت یوسف علیہ السلام کا کُرتہ قاصد لے کر آپؑ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور اس کُرتہ کی برکت سے خدائے پاک نے ان کی گئی ہوئی بصارت پھر عطا کی اور تمام رنج و مصائب کا

---

[1] اسی سوال و جواب کا اعادہ قیامت کے روز ہوگا جس کا ذکر قرآن کریم کی سورۂ مائدۃ کے اخیر میں ہے۔ (مولف)

[2] حضرت امام غزالی علیہ الرحمہ نے اپنی تفسیر میں اسی ۸۰ برس بھی لکھا ہے۔ (مؤلف)

خاتمہ کیا اور آپؑ کا سارا غم غلط ہو کر کُل مصائب خوشی سے مبدّل ہو گئے تو آپؑ نے نماز مغرب بطور شکریہ پڑھی۔ خدائے پاک نے مسلمانوں پر اس نماز کے فرض کرنے میں یہ حکمت بھی ملحوظ رکھی ہے کہ اس نماز کا پڑھنے والا بھی حضرت یعقوب علیہ السلام کی طرح کامیاب و بامراد ہو گا۔

نماز مغرب حفظ الٰہی میں آنے کیلئے ہے

۲۔ دن چھپ گیا۔ سورج کی روشنی جاتی رہی۔ کالی رات آنے لگی۔ تمام وحشتوں اور پریشانیوں کا گھر اندھیری رات آ گئی۔ اِدھر آنکھیں بیکار ہونے لگیں۔ حفاظت ظاہری کے تمام اسباب کھوئے جانے لگے۔ اُدھر دنیا کی آفات و بلیات کا نزول شروع ہوا۔ اب اس حافظ حقیقی کے سوائے ہزاروں موذیوں اور بلاؤں سے بچانے والا کوئی سہارا باقی نہیں رہا۔ اُسی کا سہارا باقی رہ گیا۔ مومن کو حکم ہوا کہ اس وقت نماز پڑھ کر مولائے حقیقی کو اپنا حافظ بنا لے اور اس کے حصن حصین میں پناہ لے لے۔ پھر کوئی بلا تم کو ضرر نہ پہنچا سکے گی۔ پس جو نمازی مغرب کی نماز ادا کرتا ہے وہ حفظ الٰہی میں آ جاتا ہے۔

نماز عشاء کے وقت کی حکمتیں

نماز عشاء معراج شریف کی یادگار کے لئے فرض ہوئی

ا۔ نماز عشاء کا وقت سپیدی زائل ہوجانے کے بعد شروع ہوتا ہے اور جب تک صبح صادق نہ نکلے باقی رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول پاک حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج شریف کا ایک خاص شرف عطا فرمایا۔ اور یہ ایک ایسا مرتبہ ہے کہ جو مخلوق میں سے کسی دوسرے کو نصیب نہیں ہوا۔ چونکہ خداوند پاک نے حضور کی اُمت کو کنتم[1] خیر امة اخرجت للناس کا معزز خطاب ارشاد فرمایا۔ جس کے باعث یہ اُمت اس کو بہت پیاری اور پسندیدہ ہے۔ اس لئے ان کے لئے الصلوٰۃ معراج المومنین[2] کے مطابق اس معراج روحانی کا شرف بخشا۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصلی معراج جسمانی کا وقت عشاء تھا۔ آپ ﷺ کی اُمت پر بھی اس معراج کی یادگار نقلی معراج (نماز) کا وہی وقت مقرر فرمایا۔ تا کہ وقت کی مطابقت سے پوری یادگار قائم رہے۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو قرب خاص اور حضوریٔ جناب باری آسمانوں پر عشاء کے وقت ہوئی۔ آپ ﷺ کی اُمت مساجد میں حاضر ہوکر اپنے رب کی حضوری سے مشرف ہوئی۔

نماز عشاء سے قبر ومحشر کا اندھیرا دور ہوتا ہے

۲۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

بشر المشائین فی الظلمت الی المساجد بالنور التام یوم القیمة (ترمذی وابوداؤد)

(خدائے تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے رسول اپنی اُمت کو) خوشخبری سنا دو کہ جو بندے

---

[1] تم سب گروہوں سے بہترین گروہ ہو۔

[2] مومنین کی معراج نماز ہے۔ (مؤلف)

اندھیرے میں نماز کے لئے مسجد میں جائیں گے اُنھیں قیامت کے روز پورا نور عطا ہوگا۔

حضور انور کے اس ارشاد سے معلوم ہوا کہ رات کی تاریکی میں نماز پڑھنے والے کو باری تعالیٰ نور کامل عطا کرے گا۔ عشاء کے وقت کی تاریکی اور ظلمت' قبر اور قیامت کی ظلمت اور تاریکی کے بالکل مشابہ ہے اور یہ ظاہر ہے کہ و العلاج بالضد (علاج اور دفعیہ مرض کا ضد اور مخالفت کے ساتھ ہوتا ہے) و الصلوۃ نور (نماز نور ہے) عشاء کی نماز کے مقرر ہونے میں یہ حکمت ہے کہ ایسے اندھیرے کے وقت میں کہ جو قبر اور قیامت کے اندھیرے کی صورت ہے۔ نماز عشاء پڑھنی فرض ہوئی تاکہ اس عبادت اور نماز کا نور قبر اور قیامت کے اندھیرے کو دور کردے جو بندۂ خدا عشاء کی نماز کی حفاظت کرے گا۔ خدائے پاک اسے قبر اور قیامت میں نور عطا کرے گا۔

نماز عشاء دن بھر کے گناہوں کا میل دھونے کے لئے مقرر ہوئی

۳۔ جب آدمی دن بھر کے معاملات کرنے کے بعد رات کو سونے کا قصد کرتا ہے تو اس وقت ضرورت ہوتی ہے کہ دنیا کے مشغلوں سے جو چرک (میل) طبیعت میں جم جاتی ہے وہ صیقل سے دور کردی جائے۔ اس لئے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عشاء کے بعد لوگوں کو قصوں اور شعروں کے پڑھنے سے منع فرمایا اور حکم دیا کہ نماز عشاء سے فارغ ہوکر خدائے پاک کے دھیان میں سو جاؤ۔ پس نماز عشاء دن بھر کے میل کو دھو کر سونے کے لئے فرض ہوئی۔

نماز عشاء کے مقرر ہونے کا ایک عجیب راز

۴۔ نیند کو موت کی بہن عام طور پر کہا جاتا ہے اور حقیقت میں نیند میں سوائے ایک آدھ امر کے باقی سب باتیں موت کی پائی جاتی ہیں۔ حتیٰ کہ قرآن حکیم میں ارشاد ہوتا ہے کہ سونے والے کی روح بھی قبض کرلی جاتی ہے۔ چنانچہ ارشاد خداوندی ہے:

﴿اللہ یتوفی الانفس حین موتھا و اللتی لم تمت فی مامنھا فیمسک

التی قضی علیها الموت و یرسل الاخری﴾ (الزمر:۴۲)

اللہ تعالیٰ روحوں (جانوں) کو جب ان کے مرنے کا وقت آتا ہے قبضہ کر لیتا ہے اور جو نہیں مرے ان کو ان کی نیند میں قبض کر لیتا ہے۔ پھر جن پر موت کا حکم صادر کیا ہے انھیں رکھ چھوڑتا ہے اور دوسروں کو ایک وقت معین تک بھیج دیتا ہے۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ نیند بھی ایک قسم کی موت ہی ہے۔ اور بخاری شریف کی حدیث میں آیا ہے کہ جو جس عمل اور جس خیال میں مرے گا قیامت میں وہی عمل کرتا ہوا اُٹھے گا۔ ایک دوسری حدیث میں ہے کہ ایک آدمی اونٹ پر سوار ہو کر احرام کی حالت میں جا رہا تھا۔ اتفاق سے اونٹ پر سے گر کر مر گیا۔ حضور نے (یہ سن کر کہ اس کی موت اونٹ سے گرنے کی وجہ سے واقع ہوئی ہے) اس کی نسبت فرمایا کہ

فانه یبعث یوم القیمة ملبیا

''یہ شخص قیامت کے دن اسی طرح لبیک کہتا ہوا اُٹھے گا''۔ پس خدائے کریم نے مسلمانوں کو اسی حکمت کے لئے عشاء کی نماز کا حکم فرمایا کہ آج رات کو کسی کی موت مقدر ہو تو اُس کا آخری عمل نماز ہو تا کہ اس کا خاتمہ نماز پر متصور ہو۔ اور وہ قیامت کے روز نماز پڑھتا ہوا ہی اُٹھے اور یہی وجہ ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اور تاکید و ہدایت فرمائی کہ ''عشاء کی نماز کے بعد باتیں نہ کیا کرو بلکہ عبادت الٰہی کے خیال میں سو جاؤ''۔

نماز عشاء میں مسلمانوں کا خاص امتیاز ہے

۵۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک رات عشاء کی نماز میں دیر لگائی [1]۔ لوگ انتظار کر کے اِدھر اُدھر لیٹنے لگے اتنے میں حضور تشریف لے آئے اور نماز شروع کی۔ نماز سے فارغ ہو کر فرمایا کہ:

ابشروا ان من نعمة الله علیکم انه لیس احد من الناس یصلی هذا

[1] عشاء کی نماز تہائی رات گزر جانے کے بعد اور قبل نصف شب کے مستحب ہے اور بعد آدھی رات کے مکروہ ہے۔ (مؤلف)

الساعة غير كم (بخاری شریف)

لوگو! خوش ہوجاؤ بے شک خدا کی نعمت تمہارے پر ہے کہ اس وقت میں خاص تمہارے سوائے کوئی دوسرا (غیر مذہب والا) عبادت نہیں کرتا۔ (یہ عبادت کا وقت خاص تم کو ہی عطا ہوا ہے)

درحقیقت جتنے مذاہب دنیا میں موجود ہیں۔ دن کی یا رات کی نمازوں میں اکثر ان کی بھی شرکت ہے۔ یعنی ان نمازوں کے وقتوں میں بھی وہ اپنے طریق سے عبادت کیا کرتے ہیں۔ فجر اور مغرب (صبح شام) کی عبادت تو اکثر لوگ کرتے ہیں۔ ظہر اور عصر کے وقت بھی عبادت خانوں میں بعض لوگ عبادت کرتے ہیں۔ لیکن عشاء کی نماز کا وقت اہل اسلام کے لئے خاص ہے بلکہ دوسرے مذہبوں والے تو اس وقت اپنے عیش وعشرت میں مصروف ہوتے ہیں۔ اس وقت ہر ایک مذہب کے آدمی بلا لحاظ قوم وملت کھانے پینے سونے کھیل تماشا یا دیگر سامان غفلت میں مشغول ہوتے ہیں۔ صرف مسلمان ہی اس خاص وقت میں اپنے مولا کی عبادت بجا لاتے ہیں۔ یہ نماز مسلمانوں کے لئے ایک خاص امتیازی نشان ہے اور مومن کے ایمان کا کامل امتحان ہے جیسا کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ليس صلوٰة اثقل على المنافقين من الفجر و العشاء (بخاری ومسلم)

منافقین (یا کچے ایمان والوں) پر بھاری اور سخت ناگوار نماز سوائے فجر اور عشاء کے کوئی دوسری نہیں۔ اور اسی وجہ سے اس کا ثواب بھی زیادہ ہے اور تاکید بھی شدید ہے۔

عشاء کی نماز پڑھنے والا دشمنوں کے شر سے محفوظ رہے گا

۶۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو خدائے پاک نے جب فرعون جیسے ناپاک دشمن سے نجات دی اور موسیٰ علیہ السلام نے اپنے دشمن کو غرق ہوتے اپنی آنکھوں سے دیکھا تو کمال محبت ودلی خلوص سے عشاء کی نماز پڑھی۔ کیونکہ وہ یہی عشاء کا وقت تھا۔ خدائے پاک کو وہ نماز بہت پسند آئی اور ان کی متابعت کے لئے اپنے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت پر فرض فرمائی تاکہ جو آدمی اس نماز کی پابندی کرے گا وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرح دشمنوں کے شر

سے محفوظ رہے گا اور قیامت میں موسیٰ علیہ السلام کا رفیق ہوگا اور جو شخص اس سے غفلت کرے گا وہ قیامت میں فرعونؔ، ہامانؔ، قارونؔ اور ابیؔ بن خلف جیسے دشمنانِ خدا کے ہمراہ ہوگا۔ (مسند امام احمد۔ دارمی۔ بیہقی)

نماز فجر کے وقت کی حکمتیں

صبح سویرے اُٹھنا بہت مفید ہے

ا۔ یہ تو ظاہر ہے کہ صبح کا وقت غافلوں، کاہلوں، کافروں اور منافقوں کی میٹھی نیند کا ہوتا ہے۔ اس وقت وہ بڑے آرام سے سوتے اور بڑے مزے سے خرّاٹے بھرتے ہیں۔ آج کل کے زمانے میں تو یہ بات فیشن میں داخل ہوگئی ہے کہ لوگ آدھی رات (یا اس سے بھی زیادہ وقت) تک جاگتے یا سیر وتفریح کھیل وتماشوں میں گزار دیتے ہیں اور آدھی رات گزر جانے کے بعد سوتے ہیں۔ صبح کو اُٹھنا یا عبادت الٰہی میں مشغول ہونا ایسے لوگوں کے لئے بہت مشکل اور بھاری ہوتا ہے۔ جیسا کہ حدیث شریف میں آچکا ہے جو نماز عشاء کی حکمتوں میں لکھی جا چکی ہے اسلام پاک ہی پر منحصر نہیں۔ بلکہ بڑے بڑے قابل ریفارمروں نے بڑی بڑی سخت ہدایات مذہبی فرمائی ہیں کہ "انسان کو دو تین گھڑی کے تڑکے اُٹھ کر اپنے مذہبی طریقے کے مطابق خدائے پاک کا نام یا سندھیا یا نماز ادا کرنی چاہئے"۔ لیکن خدا کی شان ہے کہ بڑے سے لے کر چھوٹے تک ہر ایک آدمی کے دل سے خدائے پاک کی عبادت کا خیال بہت اُڑتا چلا جاتا ہے اور بالخصوص نئے تعلیم یافتہ اصحاب کی طبیعت پر تو خدائے پاک کی عبادت کا اثر ایک مذاق کے مانند ہے۔

فجر کا وقت صبح صادق سے شروع ہوتا ہے اور طلوعِ آفتاب تک رہتا ہے۔ سب سے پہلے اخیر شب میں ایک سپیدی لمبی سی آسمان پر ظاہر ہوتی ہے۔ مگر یہ سپیدی قائم نہیں رہتی بلکہ اس کے بعد ہی پھر اندھیرا ہوجاتا ہے۔ اس کو صبح کاذب کہا جاتا ہے۔ بعد ازاں آڑی سپیدی کنارۂ آسمان پر پھیلتی نظر آتی ہے۔ اس کو صبح صادق کہا جاتا ہے۔ اسلام پاک نے رات گزر جانے کے

بعد سب سے پہلی نماز اسی وقت مقرر کی کیونکہ یہ بڑا بابرکت وقت ہوتا ہے۔ خالصہ[1] مذہب نے اس وقت کو "امرت ویلا" کہا ہے۔ ہندو مذہب نے بھی پراتکال کے بھجن و عبادت کو بڑا مؤثر مانا ہے۔ حکماء اور اطبّا بھی کہتے ہیں کہ انسان کو چاہئے کہ وہ صبح تڑکے اُٹھ کر جس طریقہ سے اس سے ہوسکے بالضرور اپنے خدائے تعالیٰ کی عبادت کرے کیونکہ اس وقت کی نیند سے انسان کی روحانیت پر بہت بُرا اثر پڑتا ہے اور اس کی صحت بدنی کو سخت ضرر پہنچتا ہے۔ چنانچہ حکیم علامہ ارزانی لکھتے ہیں:

امام نوم بامداد کہ مسمیٰ است بعیلولہ سیخت زیاں دارد . خاصۃً اگر معدہ خالی بود (مفرّح القلوب)

"صبح کے وقت کی نیند جس کو حکماء کی اصطلاح اور زبان عربی میں عیلولہ کہتے ہیں۔ سونے والے کو سخت نقصان پہنچاتی ہے۔ خاص کر اگر معدہ خالی ہو تو ضرور ضرر پہنچتا ہے۔

نماز فجر غافلوں اور منافقوں اور اللہ والوں میں امتیاز کرنے والی ہے

۲۔ نماز فجر کے مقرر ہونے میں یہ بھی حکمت ہے کہ خدائے پاک نے مومنوں کو کافروں سے نیکوں کو بدوں سے ہوشیاروں کو غافلوں سے الگ کرنے اور اُن میں امتیاز پیدا کرنے کے لئے نماز فجر فرض کی ہے تاکہ نمازی بے نمازوں گناہگاروں منکروں کو چھوڑ کر اپنی محبت و فرمانبرداری کا ثبوت پیش کریں۔ آج دنیا میں جس طرح ان غافلوں کو سوتا چھوڑ کر دربار خداوندی میں حاضر ہوں گے کل قیامت کے دن ان غافلوں کو روتا اور کفِ افسوس ملتا ہوا چھوڑ کر جنت میں جائیں گے اور دیدارِ الٰہی اور جنت سے بہرہ ور ہوں گے۔

نماز فجر فرشتوں پر اتمام حجت اور دفع الزام کے واسطے فرض ہوئی

۳۔ یہ حدیث شریف پہلے بیان ہو چکی ہے کہ عصر کی نماز کے وقت سے فرشتے رات بھر انسان کے پاس رہتے ہیں اور صبح کی نماز کے وقت ان کا پہرہ بدلتا ہے۔ جب وہ جناب باری میں حاضر ہوتے ہیں تو اُن سے پوچھا جاتا ہے کہ جب تم گئے تھے بندے کیا کرتے تھے اور جب تم آئے

[1] یہ سکھوں کے مذہب کا نام ہے۔ (مؤلف)

تو کس حال میں تھے؟ فرشتے عرض کرتے ہیں کہ "ہم نے آتے اور جاتے وقت ان کو نماز میں دیکھا"۔ ارشاد ہوتا ہے کہ "اے فرشتو! یہ وہی انسان ہیں جن کو تم نے مفسد اور خونریز کہا تھا۔ تم گواہ رہو کہ میں نے ان کو بخشا"۔ پس ملائکہ کے مفسد اور خونریز کہنے کی تردید کے لئے فجر کی نماز مقرر ہوئی۔

نماز فجر محبت الٰہی کی علامت ہے

۴۔ دنیا والے لوگ جب صبح کو بیدار ہوتے ہیں تو اپنے دنیوی دھندوں اور نفسانی لالچوں میں مصروف ہوجاتے ہیں۔ ہر ایک پیشہ ور اپنے پیشہ کی تیاری میں لگ جاتا ہے۔ دوکاندار اپنی دوکان کی فکر کرنے لگتا ہے۔ نوکر اپنی نوکری کے دھیان میں محو ہوجاتا ہے۔ فجر کی نماز مقرر ہونے میں یہ بھی مصلحت ہے کہ جن کو خدائے معبود سے زیادہ کوئی چیز پیاری نہیں وہ اپنے سب دنیوی کاروبار سے منہ موڑ کر اپنے مولا محبوب حقیقی کے دربار میں حاضر ہو کر اس امر کا ثبوت پیش کرتے ہیں کہ ہم کو سب سے پہلے اپنے مولا کی خوشنودی اور اس کی یاد کی ضرورت ہے ہم اپنے خالق معبودِ حقیقی کو سب پر ترجیح دیتے ہیں ؎

علی الصبح کہ مردم بکاروبار روند بلاکشانِ محبت بکوئے یار روند

مدہوش و مست خوابِ سحر میں ہے بے نماز اور اٹھ کے آیا عاشق مولا نماز میں

نماز فجر سے تمام رات کی عبادت کا ثواب ملتا ہے

۵۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

من صلّی العشاء فی جماعة فكانما قام نصف الليل و من صلی الصبح فی جماعة فكانما صلى الليل كله . (مسلم شریف)

لوگو! جو عشاء کی نماز با جماعت ادا کرے گا اُس کو آدھی رات کی عبادت کا ثواب ملے گا اور پھر صبح کی نماز بھی جماعت کے ساتھ ادا کرے گا اس کو تمام رات کی عبادت کا ثواب ملے گا۔ فجر کی نماز عشاء کی طرح خدائے پاک کے فضل عظیم و احسان عمیم کا کرشمہ ہے کہ جس نے حضرت

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت کو دوسری اُمتوں سے ثواب اور عبادت میں بڑھانے کی غرض سے ان وقتوں کو فرض فرمایا۔ صرف فجر اور عشاء کی نماز باجماعت پڑھنے والے کو مفت میں قائم اللیل (ساری رات کا عابد) بنادیا اور یہ کرم واحسان اس لئے کیا کہ دوسرے نبیوں کے اُمتیوں کی عمریں بہت زیادہ تھیں جس کی وجہ سے عبادت کے لحاظ سے وہ اس اُمتِ محمدیہؐ (جن کی عمر بہت کم ہے) سے بہت بڑھی ہوئی تھیں۔ اُن کی عمریں زیادہ اِن کی کم اُن کی عبادتیں بہت زیادہ اِن کی کم۔ رحمت الٰہی نے اس اُمتِ مرحومہ کو ایسی ایسی خاص عبادتوں سے سب اُمتوں سے افضل واعلیٰ بنادیا۔

نماز فجر کا صلہ دیدار الٰہی ہوگا

۶۔ صبح کے وقت کو دیدار الٰہی کے وقت سے بہت مشابہت ہے۔ اس وقت کی نماز بالخاصیت دیدار الٰہی کی دوا ہے کیونکہ جنت میں نہ رات ہوگی اور نہ دن، نہ سورج نظر آئے گا نہ سردی[۱] ہوگی۔ ایسا نورانی وقت ہوگا جیسے صبح کا وقت ہوتا ہے۔ اس وقت میں نماز فرض ہونے میں یہ بھی حکمت ہے کہ جب دیدار کا مشابہ وقت نماز اور حاضری کے لئے ملا ہے تو ضرور ہے کہ اس کے صلہ میں دیدار اور اصلی حاضری بھی ملے گی اور یہی وہ مضمون ہے جس کو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث شریف میں ادا فرمایا:

انکم سترون ربکم عیانا فان استطعتم ان لاتغلبوا علی صلوۃ قبل طلوع الشمس فافعلوا (بخاری شریف)

''لوگو! بیشک تم اپنے پروردگار کو ظاہراً دیکھو گے اس میں کچھ شک وشبہ نہ ہوگا۔ پس اگر تم سے ہو سکے تو سورج نکلنے سے پہلے کوئی چیز تم کو نماز پڑھنے سے باز نہ رکھے''۔ (یعنی صبح کی نماز کو کبھی ترک نہ کرنا تاکہ تم دیدارِ الٰہی پانے کے حقدار بنے رہو)

پس نماز فجر دیدارِ الٰہی کے لئے ایک مجرب عمل[۲] ﴿**ھل جزاء الاحسان الا الاحسان**﴾ (الرحمٰن: ۶۰) نیکی کا بدلہ نیک' حاضری کا بدلہ حضوری اور نماز فجر کا بدلہ دیدار مقرر ہوا۔

---

[۱] قرآن کریم میں ہے **لایرون فیھا شمسا ولا زمھریرًا** (الدھر: ۱۳) مؤلف

[۲] احسان کا بدلہ احسان ہونا چاہئے۔ (مؤلف)

نمازوں کے وقتوں کی وسیع حد میں مقرر ہونے کا راز

چونکہ نماز خدائے پاک کی اُن نعمتوں کے ادائے شکر کے لئے ہے جو ہر وقت و ہر آن فائض ہوتی رہتی ہیں۔ اس لئے اس کا مقتضا یہ تھا کہ کسی وقت انسان اس عبادت سے خالی نہ رہے مگر چونکہ اس میں تمام ضروری حوائج میں حرج ہوتا ہے۔ اس لئے تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد ان پانچ وقتوں (فجر، ظہر، عصر، مغرب، عشاء) میں نماز فرض کی گئی اور ہر ایک نماز کے وقت کی اول و آخر حد مقرر کردی گئی تاکہ سب لوگ بہ آسانی آگے پیچھے نماز ادا کرسکیں۔ اگر یہی مشروع ہوتا کہ سب نمازی ایکہی وقت میں یا ایک ہی ساعت کے اندر نماز پڑھیں۔ اُس ساعت کے آگے پیچھے نہ پڑھ سکیں تو اس میں حرج عظیم واقع ہوتا اور اکثر لوگ نماز سے رہ جاتے۔ کیونکہ دنیوی کاروبار کی مصروفیت کی وجہ سے ایک ہی ساعت میں سب کا جمع ہوجانا محال تھا۔ لہذا خدائے پاک نے اپنے بندوں کی آسانی کے لئے اوقات کے اندر کسی قدر توسیع اور گنجائش کردی اور وقتوں کے اول و آخر کے لئے حدیں جو منضبط اور محسوس ہیں فرمادیں جس سے آسانی ہوگئی اور مخلوق الٰہی نافرمانی سے بچ گئی۔

۲۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

الوقت الأول من الصلوٰۃ رضوان اللہ و الوقت الاخر عفو اللہ (ترمذی شریف)

نماز کا اول وقت میں ادا کرنا اللہ تعالیٰ کی رضامندی کا موجب اور آخر وقت میں پڑھنا عفو کا سبب ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اول و آخر وقت میں نماز ہوجاتی ہے۔

نمازوں کے وقتوں کی حدیں

نمازوں کے اوقات کی اول و آخر کی حدیں یہ ہیں۔ (۱) فجر کے وقت میں کسی کا اختلاف نہیں۔ یہ سب کے نزدیک فجر کا وقت صبح صادق سے شروع ہوتا ہے اور آفتاب نکلنے

تک رہتا ہے۔

۲۔ظہر کا وقت سب کے نزدیک آفتاب ڈھلنے کے بعد شروع ہوتا ہے اور دو مثل تک رہتا ہے اس میں فقہاء کے نزدیک اختلاف ہے۔لہذا احتیاطاً ایک مثل[1] کے اندر اندر نماز پڑھ لینا مناسب ہے۔

۳۔عصر کا وقت بعد دو مثل کے شروع ہو کر غروب آفتاب تک رہتا ہے اور بعض کے نزدیک آفتاب کے زرد ہو جانے تک اس کی حد ہے۔

۴۔مغرب کا وقت آفتاب کے ڈوبنے سے لے کر جب تک شفق کی سپیدی آسمان کے کناروں میں قائم رہے باقی رہتا ہے۔

۵۔عشاء کا وقت شفق کی سپیدی زائل ہو جانے کے بعد سے لے کر جب تک صبح صادق نہ نکلے باقی رہتا ہے۔

نماز کی رکعتیں

تعداد رکعات

۱۔نماز فجر دو سنت[2]۔دو فرض۔

۲۔ظہر چار سنت۔چار فرض۔بعد میں دو۲ سنت۔دو۲ نفل

۳۔نماز عصر۔چار فرض (اس کی چار سنتیں بھی اول ہیں مگر وہ ضروری نہیں)

۴۔نماز مغرب تین فرض۔دو۲ سنت۔دو۲ نفل

---

[1] یعنی جب تک ہر چیز کا سایہ سوا سایۂ اصلی کے دو۲ مثل نہ ہو جائے ظہر کا وقت رہتا ہے۔(مؤلف)

[2] ان سنتوں کی حدیث شریف میں بہت تاکید آئی ہے۔اگر کسی دن دیر ہو جائے اور نماز کا وقت بالکل اخیر ہو جائے تو مجبوری کے وقت دو رکعت فرض اول ادا کر لئے جائیں لیکن جب سورج نکل آئے اور اونچا ہو جائے تو دو رکعت سنت قضاء ادا کر لینا چاہئے۔(مؤلف)

۵۔نماز عشاء چار فرض۔دو۲ سنت۔دو۲نفل۔تین وتر[1]۔دو نفل[2]۔اس میں (اول) چار سنتیں بھی ہیں۔مگر وہ ضروری نہیں۔

نماز کی رکعات کے مقرر ہونے کا راز

ا۔حکماء اور اطباء کے نزدیک انسان کیلئے ریاضت (اکسرسائز) یا کچھ نہ کچھ کثرت کرنا بھی ضروری ہے۔قارئین نے دیکھا ہوگا کہ بغیر ریاضت کے بڑے بڑے مالدار آدمی یا سوداگر لوگ یا دیگر دوکاندار جو کہ مطلق ریاضت نہیں کرتے ہیں۔کیسے موٹے اور بھدّے ہوجاتے ہیں جن کے جسم میں چربی کی مقدار زیادہ ہوجاتی ہے اور اعضائے رئیسہ پر چربی کا دباؤ ایسا پڑتا ہے کہ اعضاء رئیسہ کو بیکار کردیتا ہے اور اس دباؤ کی وجہ سے کھلے طور پر اعضائے رئیسہ اپنی ڈیوٹی (خدمت) کو پورے طور پر پورا نہیں کرسکتے اور جب کہ اس کا استعمال پورے طور پر نہ ہو تو اُن میں بالضرور کمزوری واقع ہوجائے گی۔پس اس وجہ سے اُن کا جسم بھاری ہوتے ہوتے ایسا ہوجاتا ہے کہ اگر ان کا جسم ہلکا کرنے کے لئے علاج کے طور پر اکسرسائز کرنا کوئی طبیب بتلادے تو پھر ان سے اکسرسائز (ریاضت) بھی نہیں ہوسکتی۔اس لئے انسان کے لئے حکیموں نے واجب قرار دیا ہے کہ وہ ہمیشہ محنتی کام بھی کرتا رہے۔اور اگر اس کی ڈیوٹی ایسی ہو کہ اس کو محنتی کام کرنے کا اتفاق نہ ہو تو وہ صبح یا شام کو تو پیدل دو تین میل کی سیر یا ڈنڈ' مگدر کشتی وغیرہ ضرور کرے۔ایسا کرنے سے خون بالکل صاف رہتا ہے اور اعضائے رئیسہ میں اچھی طرح پہنچتا ہے۔جلد مضبوط ہوتی ہے اور دماغی پٹھے بھی نہایت مضبوط رہتے ہیں اور قوت باہ،قوت باصرہ اور قوت سامعہ غرضکہ تمام قوتیں قائم رہتی ہیں اور سب سے زیادہ معدے کے فعل کو تقویت حاصل ہوکر بھوک خوب لگتی ہے وغیرہ وغیرہ فائدے حکماء نے بیان کئے ہیں۔

---

[1] اگر آدمی تہجد گزار ہو اور پکا بھروسہ ہو کہ آنکھ ضرور کھلے گی تو وتر کی نماز تہجد کے بعد پڑھنا افضل ہے ورنہ عشاء کے بعد سونے سے پہلے پڑھ لینا چاہئے۔(مؤلف)

[2] وتر کے بعد دو رکعتیں آنحضرت ﷺ سے منقول ہیں اسلئے یہ دو رکعت وتر کے بعد بیٹھ کر پڑھنا مستحب ہے۔(مولف)

اسلام پاک جیسے کامل مذہب نے جو انسان کی جسمانی اور روحانی قوتوں کا بڑھانے والا ایک پاک دین ہے۔ اس نے نماز جیسی روحانی غذا اور مقوی دوائی کے ساتھ بدن انسانی کی بھلائی اور صحت کیلئے نمازوں کی متعدد رکعات مقرر فرما کر اس مہذب اکسر سائز (کثرت) کو بھی لازم و عام کر دیا جس میں بلالحاظ عمر و مرتبہ سب کے سب اس ریاضت سے فائدہ اُٹھائیں اور ظاہر ہے کہ نماز اُٹھنے بیٹھنے کھڑا ہونے جھکنے اور زمین پر پیشانی ٹیکنے میں کس قدر شریفانہ کثرت موجود ہے جو آدمی دن رات میں پانچ دفعہ ریاضت کرے گا۔ اسے کثرت کے مذکورہ بالا فائدے کیوں حاصل نہ ہوں گے؟

۲۔ تعداد رکعات کے مقرر کرنے میں یہ بھی فائدہ ہے کہ نماز کی ایک مقدار معین ہو جاتی ہے اگر تعداد رکعات کا التزام نہ کیا جاتا تو نمازوں کا انتظام نہ ہو سکتا اور بے ترتیبی اور اختلاف پڑ جاتا۔ اور کسی شخص سے بھی نماز کا حساب لینا یا اس سے باز پُرس کرنا مشکل ہو جاتا۔ لہذا شرع اسلام نے روزانہ نمازوں کے اوقات اور ان کا اندازہ یا مقدار تعداد رکعات سے معین فرما دیا تاکہ کل کو کوئی شخص عذر اور حیلہ حوالہ نہ کر سکے۔ کیونکہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحیح حدیث میں فرمایا کہ:

ان اول مایحاسب به العبد یوم القیامة من عمله صلوته، فان صلحت فقد افلح و أنجح و ان فسدت فقد خاب و خسر (ترمذی)

''سب اعمال سے پہلے قیامت میں نماز کا سوال ہوگا جس کو اس سوال میں کامیابی ہوئی بے شک و نجات پائے گا۔ اور جس کو اس میں ناکامی ہوئی وہ نقصان اُٹھائے گا''۔ (ترمذی شریف)

نماز کی رکعتیں دو تین اور چار مقرر ہونے کا راز

۳۔ ایک حدیث شریف میں آیا ہے کہ خدائے پاک نے جب نماز کو مقرر کیا تو حضر و سفر میں دو رکعت مقرر فرمائی۔ پھر سفر کی حالت بدستور رہی۔ اور حضر کی نماز بڑھا دی گئی۔ چنانچہ حضرت اُم المومنین عائشہ فرماتی ہیں کہ:

فرضت الصلوٰۃ رکعتین ثم ھاجر النبی صلعم فرضت اربعا و ترکت صلوٰۃ السفر علی الاولی (بخاری شریف باب ہجرت)

''مکہ میں نماز کی دو رکعتیں فرض تھیں۔ ہجرت کے بعد چا فرض کی گئیں اور سفر کی نماز بدستور (دو رکعتیں) قائم رہی''۔

ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ بجز مغرب کی نماز کے کہ وہ تین ہی رکعتیں ہیں۔ دو رکعت نماز کا کم درجہ ہے۔ اس واسطے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''فی کل رکعتین التحیة'' (دو رکعت میں التحیات[1] ہے) چونکہ تھوڑی نماز کا کچھ معتد بہ فائدہ نہیں ہوتا اور بہت سی نماز لوگوں پر گراں ہوتی اور ان کو اس کا ادا کرنا بہت دشوار ہو جاتا۔ اس لئے باری تعالیٰ کی حکمت کا اقتضا ہوا کہ کم از کم دو رکعتیں مقرر کی جائیں۔ جیسا کہ فجر کی نماز دو رکعت فرض ہے۔

۴۔ یہ تو عام طور پر تسلیم کیا جاتا ہے کہ خالقِ کائنات نے ملائکہ کو نور سے پیدا فرمایا اور ان کی پرواز کے لئے اُن کو پَر عطا کئے جن سے وہ آن کی آن میں آسمان سے زمین آتے اور واپس چلے جاتے ہیں۔ خدائے علیم و حکیم نے کسی فرشتہ کو دو پر اور کسی کو تین اور کسی کو چار پر عنایت کئے ہیں جن سے وہ اُس کی اطاعت اور اس کی حکم برداری میں اُڑتے رہتے ہیں اور احکام الٰہی کی بجا آوری میں سر مو فرق نہیں کر سکتے۔ قرآن کریم میں اس کی شہادت موجود ہے جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے کہ:

﴿جاعل الملائکة رسلا أولی أجنحة مثنی و ثلث و ربع﴾ (فاطر:۱)

اللہ تعالیٰ نے ملائکہ سے رسالت یا پیغمبری کا کام لینے کے لئے اُن کو دو۲، دو۲۔ تین تین۔ چار چار پر عطا کئے جن سے کسی فرشتے کو جب کوئی حکم ملتا ہے تو وہ زمین سے اُڑ کر آسمان تک آن کی آن میں احکام الٰہی کو پورا کر کے پھر حضوری میں حاضر ہو جاتا ہے۔

---

[1] دونوں قعدوں میں التحیات پڑھنا واجب ہے۔ نہ پڑھی جائے یا ایک مرتبہ سے زیادہ پڑھی جائے تو واجب ترک ہو جائے گا۔

خالقِ کائنات نے آدم کو مٹی سے پیدا کیا اور فرشتوں پر فوقیت و برتری دے کر اپنا خلیفہ بنایا۔ لیکن مٹی میں پرواز کہاں؟ اور اگر آدم میں پرواز کی استعداد نہ ہو تو وہ درگاہ قدس میں کیونکر پہنچ سکے۔ ظاہری پرواز کے لئے آدمؑ کے پاس پَر بھی نہ تھے حکمت وقدرت الٰہی نے آدم کے لئے عالم بالا پر پہنچانے کے لئے نماز کے روحانی پَر عنایت کئے تاکہ آدم اس روحانی پرواز سے جنت الفردوس میں پہنچ جائے۔ پَروں کے عطا فرمانے میں فرشتوں کی مطابقت ملحوظ رکھ کر (جتنے پَر فرشتوں کے تھے وہ سب کے سب) آدمی کو عطا کئے گئے۔ فرشتوں کے کسی گروہ کے دو دو پر تھے۔ مومنوں کو بھی دو پر صبح کی نماز کے عطا ہوئے۔ فرشتوں کے کسی گروہ کو تین تین پر ملے ہیں دو پروں سے اُڑتے ہیں اور تیسرا منہ پر ڈھانپتے ہیں کیونکہ وہ اپنے خالق و معبود حقیقی سے بہت شرماتے ہیں۔ خدائے حکیم نے اس طرح کے تین پر مغرب کی تین رکعتیں عنایت فرمائیں۔ کسی گروہ کو چار چار پَر عطا ہوئے ہیں اُن کے بدلے میں چار چار رکعتیں ظہر وعصر اور عشاء کی نمازوں میں گویا چار پَر عنایت کئے جس نمازوں کے روحانی پر ہیں۔

جس طرح ملائکہ اِن پَروں سے اُڑ کر آسمان تک پہنچ جاتے ہیں۔ اسی طرح نمازی آدمی اپنی نماز کے پروں سے عالم بالا تک پہنچ جاتا ہے۔ بلکہ جب نمازی آدمی اِن روحانی پَروں سے اپنی نماز میں پرواز کرتا ہے تو فرشتے اپنا اُڑنا بھول جاتے ہیں اور نمازی کی پرواز کو دیکھ کر حیران و ششدرر رہ جاتے ہیں[1]۔ اس حکیم مطلق و معبود برحق نے نماز کے وہ روحانی پَر انسان کو عنایت کئے ہیں کہ ان پَروں سے یہ جہاں تک پہنچتا ہے فرشتے وہاں تک ہرگز نہیں پہنچ سکتے اور ان کو بشر کے کمالات کا معترف ہونا پڑتا ہے۔

تعداد رکعات کا تعین عادت اللہ کے موافق ہے

تعداد رکعات میں دو کا عدد مقرر کرنے میں یہ حکمت بھی ہے کہ عادت اللہ یونہی جاری ہے کہ تمام حیوانات و نباتات کے پیدا کرنے میں ہر فرد کے دو ٹکڑے ہوتے ہیں اور دونوں مل کر

---

[1] کاملین کی نمازوں کے بکثرت واقعات کتابوں میں درج ہیں جن کو فرشتے دیکھ کر حیران رہ گئے۔ (مؤلف)

بمنزلہ ایک شئے کے ہوتے ہیں۔ حیوان کی دو طرفیں تو معلوم ہیں اور بسا اوقات ایک طرف کو کچھ امراض وغیرہ لاحق ہو جاتے ہیں اور دوسری طرف ان سے محفوظ رہتی ہے جیسے فالج کے اندر۔ اور یہی مفہوم قرآن کریم کی اس آیۃ میں ارشاد ہوا ہے:

والشفع والوتر (الفجر:۳)

''قسم ہے طاق کی اور جفت کی''۔

بعض مفسرین کے نزدیک جفت سے مراد یہاں جسم کو روح سے ملانا یا روح کو جسم سے پیوست کرنا ہے۔ جیسے روح اور جسم مل کر ایک انسان بنتا ہے۔ ایسا ہی دو دو رکعتیں مل کر باہم بمنزلہ ایک چیز کے ہوتی ہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ تمام نمازوں میں دو رکعت سے کم کوئی نماز مقرر نہیں کی گئی۔

ہر دو رکعت کے بعد قعدہ مقرر ہونے کی وجہ

۶۔ یہی وجہ ہے کہ دونوں سجدوں کے بعد دوسری رکعت میں بیٹھنا واجب ہے۔ اگر نماز دو رکعت سے زیادہ ہو[1] اور قعدہ اخیرہ تو نماز کی شرط ہے۔ اس میں یہ راز ہے کہ دو رکعت سے ایک خاص حصہ نماز کی امتیاز اور پورا ہونے کا مفہوم ادا ہوتا جائے۔

تعداد رکعات حواس خمسہ کی مطابقت سے معین کی گئیں

۷۔ یہ بھی ظاہر ہے کہ قدرتِ خداوندی نے دنیوی نعمتوں سے فائدہ حاصل کرنے کے واسطے انسان کو پانچ حواس (جن کو حواس خمسہ کہتے ہیں) عنایت کئے ہیں۔ انھی حواس خمسہ پر انسان کی زندگی کا لطف اور لذائذ جسمانی اور ذائقہ کا دار و مدار ہے۔ اگر قدرت ان حواس کے عطا فرمانے میں بخل کرتی تو انسان بالکل ایک گوشت کا لوتھڑا ہوتا۔ ہرگز کسی کام کا نہ ہوتا۔ انہی حواس خمسہ کے ذریعہ سے آدمی اپنے محسن مولائے خدائے کریم کی عطا کردہ سینکڑوں ہزاروں نعمتوں سے فائدہ اُٹھاتا اور مزے حاصل کرتا ہے۔ کون نہیں جانتا کہ دنیا کی تمام نعمتیں (۱) آنکھ

[1] فقہاء کی اصطلاح میں اس کو قعدۂ اولیٰ کہا جاتا ہے۔ (مؤلف)

(۲) ناک (۳) کان (۴) زبان (۵) حس گرم و سرد کی پہچان پر موقوف ہیں۔ اور سینکڑوں نعمتیں انسان ان کے ذریعہ سے برتتا ہے۔ پس ان حواس کی تعداد کے موافق ان نعمتوں کے شکریہ میں خدائے پاک نے پانچ نمازیں فرض کردیں۔ ہر ایک حواس کے مقابلہ میں ایک نماز پھر جس حد تک پانچوں حواس کام کرسکتے تھے اس کو ملحوظ رکھ کر اس کی شمار پر نماز کی رکعتیں مقرر فرمائیں۔ مثلاً

ا۔قوت حاسہ

(چھونے سے گرم سرد کی پہچان کرنے والی حس) یہ ایک بڑی نعمت ہے۔ یہ دو کام کرسکتی ہے۔ گرم اور سرد بتاسکتی ہے اور انسان کے سر سے پاؤں تک تمام بدن میں موجود ہے۔ اس کے مقابلہ میں فجر کی نماز مقرر ہوئی تاکہ اس نعمت کا شکریہ ادا ہوجائے جس کے دو اثر ہیں۔ اور رات بھر کے بعد صرف دو رکعت فرض ہوئیں۔ اس میں بھی بھید ہے کہ جس طرح وہ حس تمام بدن میں موجود ہے۔ اس طرح اس نماز کا اثر تمام رات کی نیند اور غفلت پر پڑ کر ساری رات کے گناہ معاف ہوجائیں۔

(ب) قوتِ شامہ

(سونگھنے کی حس) یہ حس یا ناک چاروں طرف سے کام دیتی ہے۔ چاروں طرف کی خوشبو بدبو کا معلوم کرنا دو طرح کے سانس لینا ایک اندر کا ایک باہر کا یہ سب مل کر چار نعمتیں ہوئیں۔ اس کے مقابلہ میں چار رکعتوں والی نماز ظہر فرض ہوئی۔

(ج) قوت ذائقہ

(یعنی زبان) یہ حس کھٹا میٹھا۔ نمکین اور تلخ چیزوں کا ذائقہ معلوم کرتی ہے۔ اس لئے عصر کی نماز چار رکعت والی مقرر ہوئی۔ یہ حس بجائے خود سب نعمتوں کی لذت اور ذائقہ حاصل کرانے کے علاوہ چار قسم کا کلام بھی کرتی ہے۔ تعریف یا مذمت' کارآمد کلام یا بیکار گفتگو یہ چار

طرح کا کلام بجائے خود ایک نعمت ہے جس کا شکریہ بھی واجب تھا۔ اس سب کے بدلہ میں عصر کی چار رکعتیں فرض ہوئیں۔

(د) قوت باصرہ

(دیکھنے والی حس) آنکھیں گو سب سے بڑی نعمت ہیں۔ مگر تین ہی طرف سے کام دے سکتی ہیں۔ دائیں بائیں اور سامنے سے تو سب کچھ دیکھتی ہیں مگر پیچھے سے کچھ نہیں دیکھتیں اور یہی راز ہے کہ اس کے مقابلہ میں نماز مغرب فرض ہوئی۔ جس کی تین رکعتیں ہیں۔

(ہ) قوت سامعہ

(سننے والی حس) کان چاروں طرف سے کام دیتے ہیں۔ ہر ایک طرح کی بات سنتے ہیں۔ کون نہیں جانتا کہ جب رات کے اندھیرے میں آنکھیں بیکار ہو جاتی ہیں تو کان برابر کام دیئے جاتے ہیں۔ اس بڑی نعمت کے شکریہ کے واسطے اس کے مقابلہ میں عشاء کی نماز چار رکعتوں والی فرض ہوئی۔ تاکہ انسان اس نعمت کے شکریہ سے بری ہو جائے۔ (احسن المواعظ)

پس اگر یہ پنجگانہ نمازیں فرض نہ ہوتیں تو انسان کسی طرح بھی الٰہی نعمتوں کا شکریہ ادا نہیں کر سکتا تھا۔ کس ہاتھ اور زبان سے شکر الٰہی ہو سکتا تھا۔

از دست و زبان کہ بر آید
کز عہدۂ شکرش بدر آید

نماز فجر میں دو رکعت فرض ہونے کی وجہ

۹۔ نمازوں کے اوقات پر تعداد رکعات کی تقسیم انبیائے سابقین کے آثار پر کی گئی ہے۔ جو افضال الٰہی اور کرامات خداوندی کا کرشمہ ہے۔ لکھا ہے کہ جب حضرت آدم علیہ السلام کو جنت سے نکال کر دُنیا میں بھیجا گیا تو رات کا وقت تھا۔ رات کے اندھیرے کو دیکھ کر بہت خائف ہوئے تمام رات درگاہِ الٰہی میں گریہ وزاری میں مصروف رہے۔ جب صبح کی روشنی نمودار ہوئی تو

آپؑ کی وحشت و پریشانی دور ہوئی جس کے شکریہ میں حضرت آدم علیہ السلام نے دو رکعتیں پڑھیں۔ خدائے پاک نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت پر یہ نماز فرض کر دی جس میں اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ جس طرح آدم علیہ السلام نے رات کے اندھیرے سے نجات پا کر شکریہ ادا کیا۔ یہ اُمت بھی رات گزر جانے کے بعد شکریہ ادا کر کے قبر اور حشر کے اندھیرے کا پہلے سے فدیہ دیتی ہے جس کی وجہ سے ان کو قبر اور حشر کے اندھیرے کی بالکل تکلیف نہ ہوگی۔

۲۔ چونکہ فجر کا وقت لوگوں کی غفلت اور نیند کا زمانہ ہوتا ہے۔ اس وقت میں سستی اور کاہلی بہت زیادہ ہوتی ہے اور دیر سویرے سے اُٹھنے کا بھی ڈر رہتا ہے اس لئے اس نماز میں سب سے کم یعنی صرف دو رکعتیں فرض ہوئیں۔

فجر کی نماز میں طول قرأت کے حکم کی وجہ

(۱) اسی وجہ سے فجر کی نماز میں طول قرأت مستحب کیا گیا تا کہ جو شخص ثواب زیادہ حاصل کرنا چاہے وہ فجر کی نماز میں قرآن کریم زیادہ پڑھ لے۔ فقہاء کے نزدیک فجر کی نماز میں طوال مفصل کی سورتوں کا پڑھنا نماز کی سنت ہے اور فجر کے فرض کی پہلی رکعت کی نسبت ڈیوڑھی سورۃ پڑھنا مسنون ہے (شامی) چونکہ نیند سے جاگنے کے وقت دل کو فراغت ہوتی ہے اور پہلے پہل جو آواز کان سے گزر کر دل پر پڑے وہ کلام دل میں بلا مزاحمت مؤثر ہوتا اور قلب میں خوب جم جاتا ہے۔ اس لئے فجر کی نماز میں سب نمازوں سے زیادہ لمبی قرأت کا پڑھنا سنت ہے۔ اور نیز اسی کمی کو پورا کرنے کی وجہ سے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فجر کی سنتوں کی سخت تاکید فرمائی۔ مگر فرضوں کی عدد رکعات میں زیادتی نہیں کی گئی جس کی وجہ اوپر بیان ہو چکی ہے۔

(۲) فجر کی نماز میں مخصوص طور سے شرع اسلام نے خشوع و خضوع کا لحاظ زیادہ رکھا ہے۔ چونکہ نماز صبح میں اطمینان زیادہ ہوتا ہے اس لئے بار بار کے اُٹھنے بیٹھنے سے اس میں فرق

آتا ہے اس لئے کمیت کی بجائے اس میں کیفیت کا اضافہ کر دیا گیا۔ رکعتوں کی تعداد تو وہی رہی مگر قرأت لمبی کر دی گئی حضرت اُم المومنین عائشہ صدیقہؓ کا بیان ہے کہ نماز فجر کے چار رکعتیں نہ ہونے کا یہ سبب ہے کہ اس کی دونوں رکعتوں میں لمبی سورتیں پڑھی جاتی ہیں۔ (مسند ابن حنبل)

نماز ظہر کی چار رکعتوں کی حکمت

۱۱۔ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام اپنے پیارے بیٹے حضرت اسمٰعیل ذبیح اللہ علیہ السلام کو حکم الٰہی سے ذبح کرنے کے لئے جب لے گئے۔ مقام منیٰ میں جب پہنچے تو دوپہر کا وقت تھا۔ خلیل اللہ نے جب ذبح کی نیت سے اپنے عزیز فرزند کو زمین پر لٹایا۔ تو آپ کو اس وقت چار فکر اور غم تھے۔ ایک بڑی فکر یہ تھی کہ کسی طرح سے کامل طور پر حکم الٰہی ادا ہو جائے۔ دوسری فکر یہ تھی کہ حضرت اسمٰعیلؑ نے اس چھوٹی سی عمر میں اپنا ذبح ہونا منظور کیا۔ تیسری فکر یہ تھی کہ اس کی والدہ ہاجرہ کو کیا جواب دوں گا۔ چوتھی فکر یہ تھی کہ اب اسمٰعیل کی والدہ اکیلی جنگل میں رہ کر کیونکر زندگی بسر کرے گی۔ جب رحم کرنے والے مہربان خدا نے اپنے خلیلؑ کے سارے غم غلط کر دیئے۔ حضرت اسمٰعیل کی جگہ دنبہ قربانی کرنے کے لئے بھیج دیا اور آپؑ کے خواب کو بھی سچ کر دیا۔ تو اس عرصہ میں آفتاب ڈھل چکا تھا یعنی ظہر کا وقت ہو گیا تھا۔ حضرت خلیل اللہ علیہ السلام نے ان چاروں غموں کے رفع ہونے کے شکریہ میں چار رکعتیں ادا کیں۔ خدائے پاک کو اس وقت کی عبادت بہت پسند آئی۔ اسی (ظہر کے وقت اسی طرح کی چار رکعتیں اُمت محمدیہ پر فرض فرمائیں تاکہ اُمتِ مرحومہ کے نمازیوں کو حضرت خلیلؑ اللہ سے نسبت اور آپؐ کی اطاعت و پیروی کا تعلق پیدا ہو کہ فاتبع ملة ابراهيم حنيفا کے بموجب ابراہیم خلیل اللہ کے ساتھ ان کا حشر ہو اور اسی طرح ان کے غم اور فکریں دور ہوں۔

نماز عصر کی چار رکعتوں کی حکمت

۱۲۔ حضرت یونس علیہ السلام کو جبکہ وہ عتاب الٰہی میں آئے حق تعالیٰ نے ان کو چار

اندھیروں میں قید کیا۔ پہلا دریا کا اندھیرا، دوسرا مچھلی کے پیٹ کا اندھیرا، تیسرا اس مچھلی کو ایک اور مچھلی نے نگل لیا تھا۔ اس کے پیٹ کا اندھیرا۔ چوتھا رات کا اندھیرا۔ جب آپؑ کی توبہ قبول ہوئی تو وہ عصر کا وقت تھا۔ حضرت یونس علیہ السلام نے ان چار اندھیروں سے نجات پانے کے شکریہ میں چار رکعتیں پڑھیں۔ خدائے پاک کی جناب اقدس میں یہ نماز بہت مقبول ہوئی۔ وہی چار رکعتیں عصر کے وقت کی نماز میں اپنے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت پر فرض کردیں جس میں امر کی طرف اشارہ ہے کہ اس نماز کے ادا کرنے والے بھی حضرت یونسؑ کی طرح چار اندھیروں سے نجات پائیں گے (۱) بُری موت کے خاتمے کے اندھیرے سے (۲) قبر کے اندھیرے سے (۳) پُل صراط کے اندھیرے سے (۴) قیامت کے اندھیرے سے۔

نماز مغرب کی تین رکعتوں کی حکمت

۱۳۔ مغرب کی نماز کی تین رکعتوں کی وجہ حضرت اُم المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے ان الفاظ میں بیان فرمائی ہے کہ الا المغرب فانها وتر النهار (مسند احمد حنبلؒ) مغرب کی نماز میں اضافہ نہ ہونے یعنی چار نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ وہ دن کی نماز وتر ہے۔

۲۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے عذر کو جب خدائے پاک نے قبول فرمایا تو آپؑ نے مغرب کے وقت دو رکعتیں شکریہ کی پڑھیں۔ چونکہ لوگوں نے آپؑ پر دو الزام لگائے تھے: ایک خدا اور دوسرا خدا کا بیٹا ہونا، اس لئے ان دونوں الزاموں سے بریت ہونے پر ایک کے بدلے میں ایک ایک رکعت ادا کی۔ اس الزام میں ان کی والدہ ماجدہ حضرت مریم بھی شریک تھیں۔ کیونکہ اِن پر خدا کی بیوی ہونے کا الزام تھا۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ان کی والدہ ماجدہ کی بریت بھی منظور ہوگئی۔ تو حضرت مریمؑ کی جانب سے بھی شکریہ کی ایک نعمت ادا کی۔ خدائے پاک نے یہ تینوں رکعتیں (جو دراصل بریت نامہ تھا) حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت پر فرض کیں، جس میں اس امر کی طرف اشارہ تھا کہ اس نماز کی پابندی کرنے والوں کی حضرت عیسیٰ اور ان کی والدہ ماجدہ کی طرح ہر ایک الزام اور گناہ سے توبہ و معذرت

قبول کر لی جائے گی۔

۲۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کے پاس جب قاصد حضرت یوسف علیہ السلام کا کُرتا لے کر آیا اور بصارت بھی پھر مل گئی۔ اور آپ کی تمام مصیبتوں کا خاتمہ ہوگیا۔ تو اُنھوں نے مغرب کے وقت تین رکعتیں بطور شکریہ ادا کیں جو دراصل تین بڑی نعمتوں کا شکریہ تھیں۔ ایک کھوئی ہوئی بینائی کا روشن ہو جانا۔ دوسری حضرت یوسف کے زندہ ہونے کی بشارت ملنا۔ تیسری حضرت یوسف کا دین اسلام پر قائم رہنا۔ خدائے پاک نے اپنے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت کو ہر ایک طرح کی فضیلت عطا فرمانے کی غرض سے یہ نماز بھی فرض فرمادی اور تین ہی رکعتیں پڑھنے کا حکم دیا۔ جس میں اس امر کی طرف اشارہ تھا کہ اس نماز کے پڑھنے والوں کو حضرت یعقوب علیہ السلام کی طرح کامیاب و بامراد رکھا جائے گا۔

عشاء کی چار رکعتوں کی حکمت

۱۴۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنے دشمن (فرعون) پر آخری کامل فتح پانے کے دن چار طرح کے غم تھے (ایک اپنے آپ کو سمندر کے پار اُتارنا۔ دوسرے تمام ساتھیوں (بنی اسرائیل کا صحیح سالم بچالے جانا، تیسرا فرعون جیسے دشمن کے ہاتھ سے نجات پانا۔ چوتھا فرعون اور اس کے لشکر کا غارت ہونا، عشاء کے وقت خدائے پاک نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ان چاروں غموں سے رہائی بخشی اور اُنھوں نے شکریہ میں چار رکعتیں ادا کیں۔ ایک ایسے اولوالعزم نبی کی یادگار قائم رکھنے اور اس کی اتباع و مطابقت کے واسطے یہی چار رکعتیں عشاء کی نماز میں خدائے تعالیٰ نے مقرر فرمادیں جس میں اس امر کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے کہ جو شخص اس نماز کو ادا کرتا رہیگا اس کو بھی اِسی طرح چار غموں سے نجات ہوگی۔ ایک سوء خاتمہ کے غم سے دوسرا عذاب قبر کے غم سے۔ تیسرا قیامت کے غم سے۔ چوتھا دوزخ کے غم سے۔ غرض اور بہت سی حکمتیں اور مصلحتیں ان اوقات پنجگانہ میں موجود ہیں جو بہ نظر وقت فہم یا بخوف طوالت نظر انداز کردی گئی ہیں سمجھنے والوں کے لئے یہی بس ہے۔

پانچوں نمازوں میں سترہ رکعات ہونے کی وجہ

۱۵۔ یہ بیان ہو چکا ہے کہ لیلۃ المعراج میں نماز فرض ہوئی اور الصلوٰۃ معراج المومنین نماز کی شان ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے شب معراج میں سات آسمانوں اور آٹھوں بہشتوں کو دیکھا اور عرش و کرسی کی سیر فرمائی جن کی تعداد سترہ ہوتی ہے۔ سترہ رکعتوں کے فرض ہونے میں یہ راز ہے کہ جس طرح حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے شب معراج میں ان سترہ مقامات کی سیر فرمائی۔ اسی طرح نماز پنجگانہ ادا کرنے والا یہ سترہ رکعتیں پڑھ کر انھیں سترہ مقامات کی سیر کرنا ہے اور اس کو روحانی معراج سے انھیں جگہوں کی سیر نصیب ہوتی ہے۔

ا۔ نماز جب پہلے پہل مقرر ہوئی تو سفر وحضر میں دو رکعت فرض ہوئی تھی۔ جب حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے باذن الٰہی مکہ مکرمہ سے ہجرت فرمائی۔ اور اسلام کا نیا دور پیدا ہوا۔ اسلام پھیلنے لگا اور لوگ بکثرت دائرۂ اسلام میں داخل ہو گئے اور محبت الٰہی و توحید خداوندی نے عبادت کا ولولہ اور شوق مومنوں کے دلوں میں پیدا کیا تو دن رات کی نمازوں میں چھ رکعتیں فرض اور بڑھا دی گئیں۔ اور سفر کی نماز بدستور باقی رہی[1] ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ مغرب کی نماز کی تین ہی رکعتیں پہلے ہی دن فرض ہوئیں۔ گیارہ پہلے کی اور چھ بعد کی ملا کر کل سترہ رکعتیں رات دن میں فرض کی گئیں۔

نماز کے اوقات میں ان رکعات کی تقسیم انبیائے سابقین کے آثار پر کی گئی جیسا کہ اس سے پہلے بیان ہو چکا ہے اور اس لحاظ سے بھی کہ مغرب چونکہ سب (دن کی) نمازوں سے آخر کی نماز ہے۔ عرب کے لوگ راتوں کو دنوں سے پہلے شمار کیا کرتے تھے۔ اس لئے مناسب ہوا کہ وہ ایک عدد جس نے پورے عدد کو طاق کر دیا ہے۔ اس میں پایا جائے۔ اور فجر کی نماز بہ باعثِ نیند اور غفلت کا وقت ہونے کے اس میں زیادتی نہ کی جائے اور اگر کسی سے ہو سکے تو وہ اس میں لمبی

[1] حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے اس مضمون کی حدیث پہلے لکھی جا چکی ہے۔ (مؤلف)

قرأت پڑھ لیا کرے۔ تاکہ وہ ثواب اور عبادت میں کم نہ رہ جائے۔

سفر کی حالت میں نماز مغرب و فجر میں قصر نہ کرنے کی وجہ

۱۶۔ اس میں بھی یہی مصلحت اور حکمت ہے کہ ایک عدد کا نماز مغرب میں موجود رہنا مناسب ہے اس لئے شرع اسلام نے حکم دیا کہ مسافر چار رکعت والی نماز کو دو کر کے پڑھے اور دو دو تین تین رکعت والی نماز میں قصر نہ کرے۔ یہ بھی لکھا جا چکا ہے کہ نماز مغرب میں تین رکعتیں ہی شروع ہوئی ہیں۔ اور حدیث شریف میں ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

المغرب وتر النهار فاوتر الصلوٰة الليل

لوگو! مغرب کی نماز کے تین فرض دن کے وتر ہیں۔ پس رات کی نماز کے وتر بھی پڑھا کرو۔

اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ مغرب کی نماز کی تین رکعت میں کمی کرنے سے جو بمنزلہ دن کے وتر کے میں اصل حکمت وتر جاتی رہتی ہے اور فجر کی دو رکعت میں کمی کرنے سے شام کے وتروں کی حکمت میں خلل آتا ہے۔ وہ اگر وتر کا درجہ حاصل کر لے تو شام کے وتروں کی جو تین ہی مشروع ہوئے ہیں۔ ضرورت باقی نہیں رہتی کیونکہ دو میں سے ایک کو گھٹانا وتر کی مصلحت کے خلاف ہے جو کہ دن کے اختتام پر عمل کرنے کے لئے مشروع ہوئے ہیں اور وہ اختتام شام کے وقت ہوتا ہے۔ لہذا خدائے پاک نے وتروں کی تعداد دن کی نماز مغرب میں اور رات کی نماز عشاء میں تین تین رکعت مقرر فرمائے ہیں جس میں یہ راز ہے کہ دن رات کی نمازوں میں سے انھی دو نمازوں میں تین تین وتر محدود ہیں۔ پس اگر صبح کی نماز میں دو رکعت میں سے ایک کم کی جاتی تو ایک رکعت طاق باقی رہتی اور وہ بھی وتر ہوتی اور وہ شام کے وتر کی حکمت و مصلحت کے منافی ہوتی کیونکہ خدائے تعالیٰ کی مصلحت مکرر وتر کے برخلاف ہے اور یہ ظاہر ہے کہ وتر طاق کو کہتے ہیں کہ جو جفت (یعنی دو) کے خلاف ہو۔

فرضوں کے اول و بعد کی سنتیں

سنتوں کی رکعتیں مقرر ہونے کی وجہ

ا۔ چونکہ نماز سب سے عمدہ اور بہتر عبادت ہے اور خدائے پاک کو سب عبادتوں سے زیادہ مرغوب اور محبوب ہے۔ اس لئے اس کی جس قدر کثرت کی جائے بہت خوب اور مبارک ہے۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جن کو نماز سے زیادہ کوئی چیز پیاری نہ تھی۔ اس عبادت میں فرائض وواجبات کے علاوہ ہر فرض کے ساتھ کچھ سنتیں مقرر فرمائیں اوران کے مقرر کرنے کی وجہ بھی اپنی زبان پاک سے ان الفاظ میں بیان فرمائی۔

ان اول مايحاسب به العبد يوم القيامة من عمله صلوته فان صلحت فقد افلح وانجح و ان فسدت فقد خاب وخسر فان انتقص من فريضته شيءٌ قال الرب تبارک و تعالیٰ انظر واهل لعبدی من تطوع فَيُكمل بهاما انتقص من الفريضه ثم يكون سائر عمله علی ذلک (سنن ترمذی)[1]

لوگو مسلمان بندے کی نماز کا سب سے پہلے حساب ہوگا۔ اگر وہ نماز اس کی (ارکان و شرائط کے لحاظ سے) کامل نکلی۔ (یعنی پورے طور پر ادا ہوئی ہوگی) تو وہ اس کے لئے باعث ثواب اور نجات ہوگی اور اگر نماز فاسد نکلے گی تو اس کو کوئی ثواب نہیں ملے گا وہ ناکامیاب ہوگا۔ لیکن اگر اس کی نماز میں کچھ کمی رہ گئی ہوگی تو رب تبارک وتعالیٰ فرشتوں سے فرمائے گا کہ میرے بندے کی عبادت نفلی دیکھو اس کے فرضوں میں جو نقص رہ گیا ہے۔ وہ اس سے پورا کرو۔ اسی طرح سب اعمال کا حساب ہوگا۔ جس عمل میں نقص ہوگا۔ وہ نفلی عبادات سے کامل کیا جائے گا۔

سنتیں فرضوں کی تکمیل کیواسطے ہیں

۲۔ پس حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد پاک سے ثابت ہوگیا کہ سنتیں

[1] سنن نسائی: کتاب الصلوٰۃ: باب المحاسبۃ علی الصلوٰۃ۔

فرضوں کی تکمیل کے واسطے مقرر کی گئی ہیں تا کہ فرض کے ساتھ آسانی سے ادا ہو جائیں۔ اور جو قصور و نقصان فرائض کے ادا کرنے میں واقع ہوا وہ بھی ان کی وجہ سے پورا ہو جائے اور اس کا ہونا بھی ضروری تھا۔ کیونکہ انسان ایک ایسی عاجز ہستی ہے کہ اکثر دنیوی اشغال اس کو خدا کی یاد سے غافل کر دیتے ہیں۔ اس لئے حکمت الٰہی کا اقتضا ہوا کہ فرض سے پہلے کچھ ایسی نماز مقرر کر دی جائے کہ جو غفلت اور سستی اور کدورت کو دور کر کے دل کو پاک و صاف کر دے اور نمازی نہایت دلجمعی سے تمام شغلوں سے خالی اور یکسو ہو کر اپنے مولا کے دربار میں اپنا فریضہ ادا کرنے کے واسطے کھڑا ہو اور فرض نماز ادا کر چکنے کے بعد اس امر کی بھی ضرورت تھی کہ اب جو نقص یا کمی اس کے ادا کرنے میں ہوئی ہو اس کو بھی کسی عبادت سے پورا کیا جائے یعنی اس کی تکمیل بھی سنتوں کے ذریعہ سے ہو۔ اسی وجہ سے مقرر ہوا کہ نماز سے قبل اور بعد کچھ سنت پڑھی جائیں تا کہ فرضوں کی باحسن طریق تکمیل ہو جائے اور انسان کی نماز موجب ثواب و نجات بن جائے۔

سنتوں کا ثواب اور ان کی تعداد

۳۔ ان سنتوں کے پڑھنے میں ثواب بھی بہت ہے اور ان کی فضیلت میں بکثرت احادیث منقول ہیں۔ چنانچہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

من صلی فی یوم و لیلۃ ثنتی عشرۃ رکعۃ بنی لہ بیتا فی الجنۃ اربعا قبل الظھر و رکعتین بعدھا و رکعتین بعد المغرب و رکعتین بعدالعشاء و رکعتین قبل صلوٰۃ الفجر (ترمذی ونسائی)

جس نے بارہ رکعتیں ہمیشہ پڑھیں اس کے لئے بہشت میں مکان بنایا جائے گا۔ وہ چار رکعتیں ظہر سے پہلے اور دو بعد دو رکعتیں مغرب کے بعد اور دو رکعتیں عشاء کے بعد اور دو رکعتیں فجر کے پہلے ہیں۔

ان سنتوں کی تعداد بارہ رکعتیں ہیں۔ کچھ غیر مؤکدہ سنت بھی ہیں۔ مگر چونکہ وہ ہمیشہ نہیں پڑھی جاتیں اس لئے اس حدیث بالا میں شمار نہیں کیا گیا۔ اور اسی لئے حکم ہے کہ ان کو کبھی

پڑھا جائے اور کبھی چھوڑ دیا جائے۔

فجر کی سنتوں کے پہلے پڑھے جانے کی وجہ

۴۔ سنتوں کے فرض نماز کے آگے اور پیچھے مقرر کرنے میں یہ راز ہے کہ اس سے فرضوں کے نقصان کو پورا کیا جاتا ہے۔ اور ساتھ ہی پہلے مقرر کرنے میں یہ بھی حکمت ہے کہ مثلاً فجر کی نماز میں آدمی چونکہ خواب سے اُٹھتا ہے، غفلت، سستی اور نیند کا اس میں گہرا اثر ہوتا ہے۔ اس لئے نماز سنت کو مقدم کیا گیا۔ تا کہ فرض نماز کے پڑھنے تک اس نماز سے دل بیدار ہو جائے اور ایک طرح کی سستی اور غفلت دور ہو کر انسان فریضہ ادا کرے اور وہ کامل طور پر ادا ہو جائے۔

فجر کے بعد سنت نہ ہونے کی وجہ

۵۔ فجر کی نماز کے بعد سنت مقرر نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس میں اشراق کی نماز تک بیٹھنے اور نماز اشراق اور اس میں طول قراءت سے وہ درجہ مل جاتا ہے اور نیز وہ عام لوگوں کی فرصت کا وقت ہوتا ہے۔ لوگ بیٹھ کر یادالٰہی اور دیگر وظائف سے وہ کمی پوری کر سکتے ہیں۔

۱۔ اس وقت میں نماز پڑھنے کی ممانعت[1] بھی آئی ہے۔ فجر کی نماز کے بعد جب تک سورج نہ نکل آئے۔ کوئی نماز پڑھنے کا حکم نہیں۔ اس لئے بعد میں سنتوں کا تقرر نہیں کیا گیا جس کی وجہ حضرت اُم المومنین عائشہ صدیقہؓ نے یہ بیان فرمائی ہے تا کہ آفتاب پرستی کا شبہ نہ ہو یا آفتاب پرستوں کے ساتھ وقتِ عبادت میں تشابہ نہ ہو۔ (مسند ابن حنبل)

---

[1] بعض لوگ فرض ادا ہو جانے کے بعد فجر کی سنت پڑھ لیتے ہیں۔ مگر ہمارے فقہاء کے نزدیک فجر کی سنتیں چونکہ زیادہ مؤکد ہیں اس لئے ان کو جہاں تک ہو سکے پہلے ہی پڑھنا چاہیے۔ اگر فرض نماز شروع ہو چکی ہو تب بھی ادا کر لی جائیں۔ بشرطیکہ قعدہ اخیرہ مل جانے کی اُمید ہو۔ اگر قعدہ اخیرہ کے بھی نہ ملنے کا خوف ہو تو نمازی ان کو پھر نہ پڑھے اور فرض شروع ہونے کی حالت میں جو سنتیں پڑھی جائیں وہ ایسے مقام پر پڑھی جائیں جو مسجد سے علیحدہ ہو۔ اور اگر کوئی ایسی جگہ نہ ملے تو صف سے علیحدہ مسجد کے کسی گوشہ میں آدمی پڑھ لے۔ اور یہ بھی نہ ہو تو نہ پڑھے۔ (درمختار وغیرہ) مؤلف۔

فجر کی سنتوں کی تاکید کی وجہ

۶۔ فجر کی دو رکعت سنت مؤکدہ کی تاکید تمام مؤکدہ سنتوں سے زیادہ ہے۔ یہاں تک کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی نسبت فرمایا:

رکعتا الفجر خیر من الدنیا و مافیها (مسلم شریف)

فجر کی سنتیں (میرے نزدیک) تمام دُنیا و مافیہا سے بہتر ہیں۔

اور ان کی تاکید کے متعلق آپ ﷺ نے یہاں تک فرمایا کہ فجر کی سنتیں نہ چھوڑو چاہے تم کو گھوڑے کچل ڈالیں۔[1] اس کی وجہ یہ ہے کہ آدمی رات بھر سوتا رہنے کی وجہ سے جب صبح کو اُٹھتا ہے۔ تو اس پر غفلت اور سستی کا بھاری بوجھ لدا ہوتا ہے۔ وہ جب تک پہلے دو رکعت نہ پڑھ لے۔ فرض کی ادائیگی کے لئے ہوشیار نہیں بن سکتا لہذا حضور ﷺ نے ان کی سخت تاکید فرمائی۔

عصر کی نماز میں سنتیں مقرر نہ ہونے کا راز

۷۔ عصر کی نماز کا وقت بہت تنگ ہوتا ہے۔ کاروبار کے حرج کے خیال سے بہ نظر آسانی سنتیں مقرر نہیں کی گئیں۔ البتہ اگر کوئی شخص پڑھنا چاہے تو چار رکعت سنت پڑھ سکتا ہے۔ مگر وہ سنتیں مؤکدہ نہیں ہیں۔ ان کی نسبت حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

رحم اللّٰہ امرأً اصلی قبل العصر اربعاً (ترمذی۔ ابوداؤد وغیرہ)

---

[1] حضور ﷺ کا یہ ارشاد کہ جان جانے کا خوف ہو جب بھی نہ چھوڑو۔ اس کی غرض و غایت صرف تاکید اور ترغیب ہے ورنہ جان کے خوف سے تو فرضوں کا چھوڑنا بھی جائز ہے۔ اسی تاکید اور ترغیب کا یہ نتیجہ تھا کہ ابوبکر ابوعثمان نہدی سے روایت کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ:

رأیت الرجل یجیئ و عمر بن الخطاب فی صلٰوۃ الفجر فیصلی فی جانب المسجد ثم یدخل مع القوم فی صلوتھم (ازالۃ الخفا)

میں نے دیکھا ہے کہ ایک آدمی آتا تھا اور عمرو بن الخطاب نماز فجر میں ہوتے تھے۔ پس وہ سنت فجر مسجد کے گوشہ میں پڑھ کر لوگوں کے ساتھ نماز میں شریک ہوتا تھا۔ جس سے معلوم ہوا کہ سنت فجر کا فرض ہوتے ہوئے پڑھ لینا جائز ہے۔ بشرطیکہ گمان غالب ہو کہ جماعت مل جائے گی۔ یہی مذہب حنفیہ کا ہے۔ مؤلف

عصر سے پہلے چار رکعتیں پڑھنے والے پر اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کرے"۔

۲۔ عصر کی نماز کے اول و بعد کی سنتیں پڑھنے میں مجوس سے مشابہت ہوتی ہے۔ اس لئے بھی مقرر نہیں ہوئیں۔

۳۔ عصر کی نماز کے بعد مغرب کی نماز تک کسی نماز کے پڑھنے کا حکم نہیں اس لئے بعد میں اجازت نہیں دی گئی جس کی وجہ حدیث شریف میں یہ بیان ہوئی ہے کہ اس سے آفتاب پرستوں کے ساتھ وقتِ عبادت میں تشابہ نہ ہو یا آفتاب پرستی کا شبہ نہ ہو۔

مغرب کی سنتیں بعد میں مقرر ہونے کا راز

۸۔ مغرب کی نماز کا وقت بہت نازک ہوتا ہے۔ سورج چھپتے ہی نماز فرض کی تیاری کا حکم ہے۔ جیسا کہ حدیث شریف میں ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لایزال أمتی بخیر أو قال علی الفطرة مالم یؤخرو المغرب الی ان تشتبک النجوم (ابوداؤد)

میری اُمت ہمیشہ نیکی پر قائم رہے گی (یا راوی کہتا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا) ہمیشہ اسلام پر قائم رہے گی جب تک کہ نماز مغرب میں تاخیر نہ کیا کرے گی تا کہ ستارے چمکنے لگیں۔

تاخیر ہو جانے کے خوف سے پہلے کسی نماز کا حکم نہیں دیا گیا اور بعد میں دو رکعت سنتیں پڑھنے کا حکم بغرض تکمیل ہوا۔ تا کہ نماز مغرب میں اگر کوئی نقصان ہو تو ان سے اس کی کمی پوری ہو جائے۔

عشاء میں سنتوں کے بعد میں مقرر ہونے کی وجہ

۹۔ عشاء کی نماز کا وقت نیند اور سستی کے غلبہ کا ہوتا ہے دن بھر کا تھکا ہوا انسان جب کھانا کھا لیتا ہے تو اس پر نیند کا غلبہ ہونے لگتا ہے۔ اور جوں جوں رات گزرتی جاتی ہے سستی اور غفلت بڑھتی جاتی ہے۔ چونکہ دیر ہونے میں نیند کے غلبہ کا اندیشہ ہے اس لئے نماز فرض سے

پہلے کوئی سنت نماز مقرر نہیں ہوئی۔ تا کہ انسان جلدی نماز فرض سے سبکدوش ہو جائے۔ بعد میں دو رکعت سنت اس لئے مقرر ہوئی کہ اگر کوئی نقص اس نماز میں رہ گیا ہو تو وہ اس نماز سے پورا ہو کر نماز کامل ہو جائے۔

نماز ظہر کے اول و آخر سنتوں کے مقرر ہونے کی وجہ

۱۰۔ فجر کی نماز کے بعد سے قریباً سات آٹھ گھنٹے کا فاصلہ نماز ظہر کے لئے ہوتا ہے، کبھی کم و بیش بھی ہوتا ہے۔ اتنے زمانے کے مشاغل دنیوی اور کثرت کاروبار کی وجہ سے جو تھکان انسان کو ہوتا ہے وہ ظاہر ہے اور اس پر دوپہر کا کھانا کھانے اور نیند کی وجہ سے جو سستی اور غفلت انسان کے وجود میں پیدا ہوتی ہے وہ بھی ظاہر ہے۔ ہر ایک آدمی ہر روز اس کا تجربہ کرتا ہے۔ ایسی حالت میں حکمت الٰہی کا اقتضا ہوا کہ نماز فرض سے پہلے ایک بڑی نماز سے انسان کی غفلت اور سستی کو دور کر لیا جائے تا کہ وہ اچھی طرح ہوشیار ہو کر فریضہ کو ادا کر سکے۔ اس لئے چار رکعتیں پہلے مقرر ہوئیں اور اس کے بعد جب فریضہ ادا ہو گیا تو اس کی تکمیل کے لئے اور دو رکعت بڑھا دی گئیں۔ تا کہ جو کمی یا نقصان اس فریضہ میں رہ گیا ہو اس کا بدلہ ہو کر نماز کامل صورت میں ادا ہو جائے۔

فرض نمازوں کے بعد جلد ہی سنت پڑھنے کے حکم کی وجہ

۱۱۔ نمازی یا امام کے لئے حکم ہے کہ جن نمازوں کے بعد سنتیں ہیں جیسے ظہر، مغرب، عشاء، ان کے بعد بہت دیر تک دعا نہ مانگے۔ بلکہ مختصر دعا مانگ کر ان سنتوں کے پڑھنے میں مشغول ہو جائے، اس کی تاکید خود حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

عجلوا الرکعتین بعد المغرب فانھما ترفعان مع المکتوبۃ (بیہقی و رزین)

نماز مغرب کے بعد کی دو رکعتوں کے پڑھنے میں جلدی کرو کیونکہ یہ بھی فرض کے ساتھ

(علیین[1] تک) اُٹھائی جاتی ہیں۔

اس کی وجہ یہی ہے کہ جب فرض نماز درگاہ الٰہی میں پیش ہو تو ساتھ ہی اس کے نقصان اور کمی کو پورا کرنے والی نماز بھی موجود رہے۔ تاکہ وہ فرض کامل سمجھا جا کر قبولیت کا شرف حاصل کر سکے۔

فرض اور سنت میں امتیاز کرنے کا راز

۱۲۔ نفل نمازوں کے پڑھنے کا بھی وہی طریقہ ہے جو فرضوں کا ہے۔ فرق صرف اس قدر ہے کہ فرائض کی صرف دو رکعتوں میں سورۂ فاتحہ کے بعد دوسری سورۃ پڑھنے کا حکم ہے اور نوافل کی سب رکعتوں میں ہے۔ اس میں یہ راز ہے کہ فرض نمازوں کی صرف دو رکعتوں میں قراءت فرض ہے۔ یہ بھی تخصیص نہیں کہ پہلی دو رکعتوں میں قراءت فرض ہو یا پچھلی دو رکعتوں میں یا درمیانی میں۔ لیکن فرض کی پہلی دو رکعتوں میں قراءت کرنا واجب ہے۔ اگر دوسری تیسری یا چوتھی میں قراءت کی جائے اور پہلی دوسری میں نہ کی جائے تو واجب ادا نہ ہوگا۔ اگرچہ فرض ادا ہو جائے گا۔ وتر اور نفل نمازوں کی سب رکعتوں میں قراءت فرض ہے۔ (درمختار، مراقی الفلاح وغیرہ) اس کی وجہ فرضوں اور نفلوں میں امتیاز قائم کرنا ہے جو ایک بہت ضروری امر ہے۔

نماز عصر میں سنت مقرر نہ ہونے کا ایک اور راز

۱۳۔ نماز عصر کی تاکید سب نمازوں سے زیادہ قرآن مجید اور حدیث شریف میں موجود ہے۔ ایک حدیث میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں تک فرمایا ہے:

من ترک صلوۃ العصر فقد حبط عمله (بخاری شریف)

لوگو! جس نے نماز عصر کو ترک کیا اس کے تمام عمل باطل ہو گئے۔

باوجود اس قدر شدید تاکید کے پھر کوئی سنت اس کے قبل یا بعد مقرر نہ ہونے کی یہ وجہ بھی

[1] علیین وہ کتاب ہے جس میں نیک اعمال لکھے جاتے ہیں۔ ۱۲

ہے کہ فرضوں کے پہلے اور پیچھے سنتوں کے مقرر کرنے میں علاوہ کمی ونقصان کو پورا کرنے کے لئے زیادتی ثواب بھی مقصود ہے۔ اور نماز عصر چونکہ ایسے وقت فرض کی گئی ہے جو دنیوی مشاغل اور کاروبار کی کثرت کی وجہ سے ایک امتحان کا وقت ہوتا ہے۔ نمازی جب سب مشاغل کو پیچھے ڈال کر نماز کے لئے حاضر ہو جاتا ہے تو اس کے لئے ثواب بھی زیادہ ہونا چاہئے۔ یہی وجہ ہے کہ جہاں اس کی تاکید اور سزا سخت ہے۔ وہاں اس کا ثواب بھی سب سے زیادہ ہے۔ چنانچہ کعب احبار روایت کرتے ہیں کہ ایک وقت خدائے پاک نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا کہ:

یا موسی أربع رکعات یصلیها احمد و امته وهی صلوٰة العصر فلا یبقی ملک فی السموات والارض الا استغفرلهم ومن استغفرلهم الملئکة لم اعذبه (تنبیہ فقیہ ابی اللیث)

اے موسیٰ جب چار رکعتیں عصر کے وقت احمد (نبی آخرالزماں ﷺ) اور آپ کی اُمت ادا کرے گی، تمام آسمانوں اور زمین کے فرشتے اُن کے لئے مغفرت کی دعا کریں گے۔ کوئی فرشتہ بھی دعا کرنے سے باقی نہ رہے گا۔ اور جس کے لئے ملائکہ دعا کریں ہم اسے عذاب نہ کریں گے۔ پس جب عصر کی چار رکعتوں کا اتنا ثواب ہے تو اب اسی کی ادائیگی ایسے نازک وقت میں کافی ہے۔

نماز کے فرائض

نماز کے اندر سات رکن فرض ہونے کی وجہ

یہ لکھا جا چکا ہے کہ نماز میں سولہ فرض ہیں۔ نو تو نماز کے باہر ہیں اور سات نماز کے اندر ہیں۔ باہر کے فرضوں کی نسبت فرداً فرداً اپنے اپنے موقعوں پر ان کی حکمتیں اور مصلحتیں لکھ دی گئی ہیں۔ نماز کے اندر کے سات فرضوں کی نسبت بیان کیا جاتا ہے۔ نماز کے اندر تکبیر[1] تحریمہ، قیام، قرأت، رکوع، سجدہ، قعدہ اخیرہ۔ نماز کو اپنے فعل سے تمام کر دینا۔ سات فرض ہیں جس

[1] بعض فقہاء نے اس کو نماز کے باہر کے فرضوں میں شمار کیا ہے۔ اس لئے ان کے نزدیک چھ فرض قرار دیئے گئے ہیں۔ مؤلف

میں یہ راز ہے کہ انسان کا جسم بھی سات ہی چیزوں سے بنا ہے (۱) بھیجایا مغز (۲) رگیں (۳) گوشت (۴) پٹھے (۵) ہڈیاں (۶) خون (۷) کھال یا جلد۔ انھی سے بدنِ انسانی کی تربیت ہوتی ہے۔ جو ہر ایک بجائے خود ایک بڑی نعمت ہے۔ خدائے پاک نے ہر ایک کے شکریہ کے لئے نماز کے اندر سات ہی فرض مقرر فرمائے تاکہ ہر ایک کا شکریہ ادا ہو جائے۔ یہ سات فرض نماز کے رکن کہلاتے ہیں۔

۲۔ نماز چودہ طبق کے فرشتوں کی عبادت کا مجموعہ ہے (۱) بعض فرشتے شب و روز تکبیر و تہلیل میں گزارتے ہیں (۲) بعض صبح و شام تلاوت قرآن مجید میں مشغول رہتے ہیں (۳) بعض ہمیشہ سے دست بستہ قیام میں ہیں (۴) بعض رکوع میں جھکے رہتے ہیں (۵) بعض ہمیشہ سے سر نیاز سجدہ میں رکھے ہوئے اپنے خالق و مالک کی پاکی بیان کررہے ہیں (۶) بعض گھٹنوں کے بل التحیات کی صورت میں بیٹھے ہیں (۷) بعض فرشتے سلام پھیر کر حکمِ الٰہی بجالانے کے لئے جہاں حکم ہوتا ہے حاضر ہوتے ہیں اور وہاں سے واپس آکر پھر عبادتِ الٰہی میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ فرشتوں کی عبادت کے مندرجہ بالا سات طریقے جو خدائے ذوالجلال کی درگاہ میں مقبول و پسندیدہ ہیں۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت کی نماز میں جمع فرمادیئے تاکہ نمازی سب ملائکہ کی عبادت کا ثواب حاصل کریں۔

۳۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث شریف میں ارشاد فرمایا:

من اعتق رقبة مسلمة اعتق الله بكل عضو منه عضوا منه من النار حتى فرجه لفرجه (بخاری و مسلم)

جو کوئی مسلمان کسی لونڈی یا غلام کو آزاد کرے گا اللہ تعالیٰ اس کے بدلہ میں آزاد کرنے والے کو جہنم سے آزاد کرے گا اس طرح کہ غلام کے سر کے بدلہ میں آقا کا سر، پیٹ کے بدلہ میں آقا کا پیٹ، پیروں کے بدلہ آقا کا پیر۔ غرضیکہ ہر ایک اعضاء کے بدلے آقا کا ایک ایک جوڑ دوزخ سے آزاد ہوگا۔ اس نے غلام کو آزاد کیا۔ خدائے پاک نے اسے دوزخ سے جوڑ کے

بدلے جوڑ آزاد کیا۔

پس نماز کے اندر یہ سات فرض مقرر ہونے میں اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ جس طرح غلام آزاد کرنے والے آدمی کے جسم کے سات اجزاء کا بردہ آزاد کرنے کے بدلے میں ہر ایک جوڑ کے بدلے میں ایک ایک جوڑ آزاد ہو گیا۔ اسی طرح نمازی آدمی کے سات اجزاء ہیں۔ ہر فرض کے بدلے میں یہ ساتوں چیزیں مغز، رگیں، گوشت، پٹھے، ہڈیاں، خون، جلد سب آزاد ہو گئیں۔ نماز پڑھنا گویا بردہ آزاد کرنا ہے۔ الحاصل جس نے ساتوں فرض ادا کر لئے۔ اس نے اپنے آپ کو سالم دوزخ سے آزاد کرا لیا۔

قرآن کریم بھی اس کی شہادت دیتا ہے کہ نماز پڑھو اور جہنم سے آزاد ہو جاؤ۔ چنانچہ ارشاد خداوندی بایں الفاظ موجود ہے۔

ویتجنبها الاشقی الذی یصلی النار الکبری ثم لایموت فیها و لا یحیی قد أفلح من تزکی و ذکر اسم ربه فصلی (پ۳۰ اعلیٰ۔ ع۱)

لوگو! وہی بد بخت اس سے الگ رہ جائے گا جسے جہنم کی آگ میں داخل ہونا ہے پھر وہاں نہ مرے گا اور نہ جئے گا یقیناً وہ فلاح پا گیا۔ جو پاک بنا اور اپنے پروردگار کا نام لے کر (یعنی اللہ اکبر کہہ کر) نماز پڑھتا رہا۔ قرآن کریم کے اس مضمون نے اس مسئلہ کو بالکل صاف کر دیا کہ نماز پڑھنے والا آدمی دوزخ سے آزاد ہو جاتا ہے۔

۴۔ جس انسان کے بدن کے متذکرہ بالا جوڑوں میں یہ اتحاد اور اتصال موجود ہے کہ اگر کوئی ایک جوڑ ان میں سے بیمار ہو جاتا ہے تو تمام اعضاء میں بے چینی اضطراب پیدا ہو کر صحت میں فتور واقع ہو جاتا ہے۔

چو عضوے بدرد آورد روزگار دگر عضو ہارا نماند قرار

اسی طرح نماز کے ان ساتوں فرض میں اتحاد اور اتصال ہے۔ اگر کوئی ایک فرض بھی ناقص یا ناتمام رہے گا۔ یا بالکل چھوٹ جائے گا تو نماز کی صحت جاتی رہے گی اور

ساتوں فرض ندارد ہو جائیں گے اس واسطے حکم ہے کہ نماز کے فرضوں کو نہایت احتیاط اور ہوشیاری سے ادا کیا جائے۔

نماز میں سات فرض اور سترہ رکعات کی وجہ

۵۔ نماز سے مقصود گناہوں کی مغفرت اور طلبِ عفوورحمت ہے۔ رات دن کے چونکہ چوبیس ساعتہ (گھنٹے) ہیں جس میں انسان طرح طرح کے گناہ کرتا ہے۔ سات فرض اور سترہ رکعتیں مل کر بھی چوبیس ہی ہوتے ہیں۔ اس لئے اس میں یہ حکمت ہے کہ جو آدمی نماز کی پابندی کرے گا۔ اس کے رات دن کے گناہ بخشے جائیں گے۔

پانچ نمازیں اور سات فرضوں کا راز

۶۔ پانچ نمازوں اور سات فرضوں میں بھی اسی کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے کہ جس طرح (۵) اور (۷) ملکر (۱۲) ہوتے ہیں اسی طرح سال کے بھی بارہ مہینے ہوتے ہیں۔ نماز پڑھنے والا بارہ مہینوں میں گناہوں سے پاک رہتا ہے۔ گویا نمازی تمام عمر گناہوں سے پاک صاف رہ کر خدا کے حضور میں جاتا ہے۔

تکبیر تحریمہ کی حکمتیں

تکبیر تحریمہ کی وجہ تسمیہ

۱۔ چونکہ نمازی کو حکم ہے کہ نماز شروع کرتے وقت نیت باندھنے کے بعد اللہ اکبر کہے۔ اس لئے تکبیر کے بعد نماز کی حالت شروع ہو جاتی ہے جس کی وجہ سے اب نماز پڑھنے والے پر کھانا، پینا، چلنا پھرنا، بات چیت کرنا اور اکثر وہ چیزیں جو خارج نماز میں جائز تھیں حرام ہو جاتی ہیں اس لئے اس کو تحریمہ کہا جاتا ہے۔

تکبیر تحریمہ میں دونوں ہاتھوں کو کانوں تک اُٹھانے کا راز

۲۔ نیت باندھنے کے وقت اللہ اکبر کہنا فرض ہے اور مرد کے لئے ہاتھ کانوں تک اُٹھانا اور سبحانک اللھم پڑھنا اور عورت کے لئے ہاتھوں کو دونوں مونڈھوں تک اُٹھانا سنت ہے۔ نمازی نماز کی نیت کر کے اللہ اکبر کہے اور کہتے وقت اپنے دونوں ہاتھ کو کپڑے سے نکال کر کانوں[1] کی لوتک اُٹھائے اور سمجھے کہ خدائے پاک کے ماسواء سے وہ دست بردار ہو کر اس کے حضور میں آ گیا ہے۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جب کوئی بندہ نماز کے لئے کھڑا ہوتا ہے تو وہ اپنے مولا کی حضوری میں پہنچ جاتا ہے۔ پھر اگر وہ بندہ نماز میں کہیں اور طرف خیال لے جاتا ہے تو خدائے پاک فرماتا ہے ''اے ناسمجھ میں تیرے سامنے تھا۔ مجھے چھوڑ کے کہاں گیا۔ کیا مجھ سے بھی اچھا کوئی اور نظر آیا؟ سب کو چھوڑ کر میری طرف آ مجھ سے بہتر کوئی نہیں۔ پس اللہ اکبر کہنے میں اس کی طرف اشارہ ہے کہ نمازی یہ سمجھیں کہ نماز میں حضورِ معنی کی آمد آمد ہے۔ یہ سینکڑوں آدمی صفیں باندھے حضور کے استقبال کے لئے کھڑے ہیں۔ ایک درباری وکیل جس کو امام کہتے ہیں وہ سب کے آگے کھڑا ہے۔ یکا یک حضور کی تشریف آوری ہوئی۔ امام نے چوبدار کے طور پر القاب شاہنشاہی سے پکارا اللہ اکبر۔ لو مبارک وہ شاہنشاہی عالی جاہ تشریف لے آئے۔ یہ سنتے ہی حضور کا القاب (سب کے منہ سے) اللہ اکبر نکلا اور ہاتھ باندھ کر نہایت ادب سے کھڑے ہو گئے۔ آنکھیں ہیبت سے نیچی کیں چہرے پر خوف اور ڈر کے آثار نمایاں ہوئے۔

نمازی تکبیر تحریمہ میں شریکِ خدا سے لاعلمی ظاہر کرتا ہے

۳۔ دنیا میں یہ قاعدہ ہے کہ انسان اپنی لاعلمی اور بے خبری جتلانے کے لئے ہاتھوں کو کانوں پر رکھ کر بیان کرتا ہے۔ اسی طرح نمازی زبان سے تو اپنے مولا کی کبریائی کا اقرار کرتا ہے اور ہاتھوں سے اس مولا کی مانند یا برابر شریک سہم ہونے کی لاعلمی بیان کر کے کانوں پر ہاتھ

[1] عورت اپنے ہاتھوں کو صرف کندھوں تک اُٹھائے لیکن ہاتھوں کو دوپٹہ سے باہر نہ نکالے اور پھر سینہ پر باندھ لے۔

رکھتا ہے اور زبانِ حال سے کہتا ہے کہ میں نے اس سے بڑا کہیں سنا بھی نہیں۔

ہاتھ اٹھانے میں قول وفعل کی مطابقت کی طرف اشارہ ہے

۴۔ اللہ اکبر کے ساتھ ہاتھ اُٹھانے میں یہ بھی راز ہے کہ نمازی کا قول وفعل دونوں مطابق ہوجائیں۔ زبان سے خدائے پاک کی بلندیٔ شان بیان کرتا ہے اور ساتھ ہی دونوں ہاتھ اُٹھا کر اس کے عالی مکان ہونے کو اشارہ سے بتلاتا ہے کہ وہ مولا بڑا عالی شان و عالی مکان ہے۔

تکبیر تحریمہ کی نسبت مولانا رومی کا بیان

۵۔ حضرت مولوی معنوی تکبیر تحریمہ کی نسبت اپنی مشہور مثنوی میں لکھتے ہیں[1]۔

معنی تکبیر ایں است اے سیم کاے خدا پیش تو ما قرباں شدیم

وقت ذبح اللہ اکبر می کُنی ہمچنیں در ذبحِ نفسِ کشتنی

کوئی اللہ اکبر و ایں شوم را سر ببرتا وارہد جان از عنا

عورتوں کو مونڈھوں تک ہاتھ اُٹھانے کی وجہ

۶۔ تکبیر تحریمہ میں عورت کے مونڈھوں تک ہاتھ اُٹھانے کی یہ وجہ ہے کہ اس میں اس امر کا اشارہ ہے کہ عورت کا مرتبہ مرد کے نیچے ہے اور عورت کے ستر حال کے مناسب اسی حد تک ہاتھ اُٹھانے مناسب ہیں جس میں تین اشارے مرکوز ہیں (۱) غیر اللہ سے دست برداری اور رو گردانی (۲) گناہوں سے اعراض (۳) اپنے ستر حال کی درخواست۔

---

[1] یعنی تکبیر تحریمہ سے یہ مراد ہے کہ اے خدا میں نے اپنے آپ کو تیرے لئے قربان کردیا۔ جیسا کہ جانور کو ذبح کرنے کے وقت تم اللہ اکبر کہا کرتے ہو ایسا ہی نفس امارہ پر تکبیر کہو جو قابل ذبح ہے۔ تکبیر کہہ کر اس بدبخت نفس امارہ کی خواہشوں کا سر کاٹ ڈالو۔ یعنی عام بُری اور ناجائز خواہشوں کا مجموعہ نفس امارہ ہے۔ اسی کو چھوڑ دو تاکہ تمہاری جان عذاب سے بچ جائے۔ (مؤلف)

(ا) اس میں ستر زیادہ رہتا ہے۔ کانوں تک ہاتھ اُٹھانے میں سینہ کے ظاہر ہو جانے کا خوف ہے۔[1] لہذا صحیح یہ ہے کہ عورت خواہ لونڈی ہو یا بیوی سب کو شانوں تک ہاتھ اُٹھانا چاہئے۔ (درمختار)

کانوں تک ہاتھ اُٹھانے کا ایک عجیب راز

ے۔ جس طرح کوئی شخص دریا میں غرق ہوتے وقت دریا کی ہیبت سے بچنے کے واسطے اپنے ہاتھ پانی کی سطح پر مارتا ہے کہ شاید کوئی چیز ہاتھ میں آجائے یا کوئی ہاتھ پکڑ لے اور جان بچ جائے۔ اسی طرح یہ بندہ گنہگار گناہوں کے دریا میں غرق ہونے کے ڈر سے ہیبت وجلال الٰہی سے خائف ہو کر ہاتھ اوپر کی طرف اُٹھاتا ہے۔ جس میں اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ شاید میرا مولا میرا ہاتھ پکڑ لے اور میں گناہوں کے دریا میں غرق ہونے سے بچ جاؤں۔

قیام کی حکمتیں

قیام کے احکام

(ا) قیام میں سیدھا بے آڑ کھڑا ہونا فرض ہے اور اتنی دیر تک کھڑا رہنا فرض ہے جس میں اس قدر قرأت کی جاسکے جو فرض ہے، اور قیام صرف فرض اور واجب نمازوں میں فرض ہے۔ ان کے سوا اور نمازوں میں فرض نہیں، جو شخص قیام پر قادر نہ ہو اس پر قیام فرض نہیں۔ اگر کوئی شخص ایسا کمزور ہو کہ کھڑے ہونے سے اس کو ایک آیۃ پڑھنے کی بھی طاقت نہ رہے تو اس کو بھی کھڑے ہو کر نماز پڑھنا جائز نہیں۔ (درمختار وغیرہ)

قیام میں مردوں کو زیر ناف اور عورتوں[2] کو سینہ پر ہاتھ باندھنا سنت ہے۔

مردوں کو اس طرح کہ بائیں کلائی داہنے انگوٹھے اور چھوٹی انگلی کے حلقہ میں اور داہنی

---

[1] امام شافعیؒ کے نزدیک مردوں کو بھی شانوں تک ہاتھ اُٹھانا چاہئے۔ حنفیوں کے نزدیک مذکورۂ بالا فرق کے علاوہ مرد اور عورت کی نماز میں یہ بھی ایک امتیازی حالت ہے۔ (مؤلف)

تین انگلیاں بائیں کلائی کے اوپر ہوں۔ اور عورتوں کو صرف ہاتھ پر ہاتھ رکھ لینا سنت ہے۔

حالت قیام میں سجدے کے مقام پر، رکوع میں قدم پر، سجدے میں ناک پر، بیٹھنے کی حالت میں زانو پر، سلام کی حالت میں شانوں پر نظر رکھنا مستحب ہے۔ اگر جمائی آجائے تو حالت قیام میں داہنے ہاتھ ورنہ بائیں ہاتھ کی پشت سے بند کر لینا بھی مستحب ہے۔

بعد ہاتھ باندھنے کے فوراً **سبحانک اللھم** پڑھنا اور امام اور منفرد کو بعد ثناء کے اور مسبوق کو اپنی ان رکعتوں کی پہلی رکعت میں جو امام کے بعد پڑھے **اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم** کہنا بھی سنت ہے۔

طول قیام کے فائدے

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نماز میں قیام طول طویل کرنا پُل صراط پر آسانی سے گزرنے کا باعث ہوتا ہے اور لمبا قیام کرنا موت کی سختی کو دور کرتا ہے۔ جان بآسانی

---

۲ حضرت امام شافعی علیہ الرحمۃ اس مسئلے میں اختلاف رکھتے ہیں۔ ان کے نزدیک مردوں کو بھی عورتوں کی طرح سینہ پر ہاتھ باندھنے چاہئیں۔ محدثین نے سینہ پر اور ناف کے اوپر اور نیچے ہاتھ باندھنے کی روایتیں لکھی ہیں۔ ان تینوں مقاموں میں کوئی تناقص اور ضعف نہیں ہے۔ البتہ اپنے اپنے مسلک کو ترجیح دینے کے لئے بعض نے ان پر بحثیں کی ہیں۔ بعض کوتاہ نظر لوگوں کا خیال ہے کہ علمائے احناف کے پاس اس مسئلہ میں کوئی حدیث موجود نہیں۔ حالانکہ ابن شیبہ کے مصنف میں ایک حدیث بذریعہ علقمہ کے وائل بن حجر سے نقل کی گئی ہے کہ انہوں نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو زیر ناف ہاتھ باندھے ہوئے نماز پڑھتے دیکھا۔ محدثین نے اس حدیث کے سب راویوں کو معتبر مانا ہے۔ جن لوگوں نے اس حدیث یا اس قسم کی اور روایات میں کچھ نقص ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ علمائے احناف نے ان کے جواب دے کر ان کے دلائل کو رد کر دیا ہے۔ ''القول الحازم'' میں علامہ فرنگی محلی نے اس بحث کا خوب فیصلہ لکھا ہے۔ علقمہ سے اور وائل سے ملاقات نہ ہونے کی غلطی کو بہت عمدگی سے رد کیا ہے۔ ترمذی شریف کے دیکھنے سے بھی اس خیال کی غلطی ظاہر ہو جاتی ہے۔ کتاب آثار امام محمدؒ و سنن ابوداؤد میں آثار صحابہ موجود ہیں۔ حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کی نسبت آیا ہے ان علیا قال **السنۃ وضع الکف علی الکف تحت السرۃ** آپ زیر ناف ہاتھ باندھتے تھے اور یہ مضمون فرمایا کرتے تھے۔ اور اصول حدیث میں لکھا ہے کہ جس جگہ **السنۃ کذا** یا **ان من السنۃ** کا کلمہ واقع ہو تو وہاں سنت رسول ﷺ مراد ہوا کرتی ہے۔ (مؤلف)

نکلتی ہے۔ (کنز العمال)

قیام میں ہاتھ باندھ کر کھڑا ہونے کی وجہ

۲۔ اس میں اس کی طرف اشارہ ہے کہ انسان اپنے گناہوں کی شامت سے ایک خونی مجرم کی مانند ہے، اور نماز بمنزلہ عرض کے ہے کہ جو ملزم نے عدالت عالیہ حضور رب العالمین میں پیش کی ہے۔ اگر نماز جماعت کے ساتھ ہے تو بذریعہ وکیل یعنی امام کے، اور اگر نہیں تو بذات خاص۔ پھر اجلاس عالیہ قائم ہے۔ خاص الخاص شہنشاہ عدالت میں جلوہ فرما ہیں۔ اس ملزم کا مقدمہ پیش ہے۔ پس ایسی حالت میں مجرم اور ملزم کے لئے فرض ہے کہ وہ ہاتھ باندھے نیچی نگاہ کئے کھڑا رہے۔ شاید اس کی عاجزی کی صورت پر رحم ہو کر جاں بخشی کی جائے۔

۲۔ نماز شعائر الٰہی میں سے ہے جس کی غرض و غایت یہ بھی ہے کہ نمازی کی بندگان شاہی سے مشابہت کا اظہار ہو۔ جیسا کہ ادنیٰ لوگوں کو بادشاہوں کے دربار میں عرض و معروض کرتے وقت وحشت اور ہیبت کی حالت طاری ہوتی ہے اور ہاتھ پاؤں سمیٹ لئے جاتے ہیں۔ کسی قسم کی بے توجہی نہیں کی جاتی۔ ازسرتاپا مؤدب ہو کر کھڑا رہنا پڑتا ہے۔ پس جس طرح نماز میں ہاتھ باندھ کر مؤدب کھڑا ہونا قانون فطرت کی رو سے بھی بندگی کی علامت ہے۔ اسی طرح نماز میں تمام بدن کا جناب باری کے لئے سکیڑ لینا نفس کو خدائے پاک کے حضور میں مؤدب ہو کر کھڑا ہونے پر آگاہ کرنے کے لئے ہے۔

نماز میں دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھنے کا راز

۳۔ اس طرح ہاتھ باندھنے کا طریقہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اُسوۂ حسنہ ہے۔ حضرت ابن مسعود فرماتے ہیں کہ ایک روز میں بائیں ہاتھ کو دائیں ہاتھ پر رکھ کر نماز پڑھ رہا تھا۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھ کر میرے دائیں ہاتھ کو پکڑ کر بائیں پر رکھ دیا۔ ایک دوسرے صحابی (قبیصہ بن ہلب) کا بیان ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے

امام نماز ہوا کرتے تھے اور قیام میں بائیں ہاتھ کو دائیں کے نیچے رکھا کرتے تھے۔

(۲) اسلام میں فضیلت وفوقیت کا منصب دائیں جانب کو ہے۔ ہر ایک فضیلت وفوقیت کا کام داہنے ہاتھ کو دیا گیا ہے۔ کھانا کھانا، پانی پینا، لکھنا وغیرہ اُمور داہنے ہاتھ کے سپرد کئے گئے ہیں۔ ناک جھاڑنا، استنجا کرنا وغیرہ اُمور بائیں ہاتھ کے ذمہ لگائے گئے ہیں۔ خدائے پاک کا ارشاد قرآن کریم میں ہے کہ:

﴿ویوت کل ذی فضل فضله﴾ (ھود:۳)

خدائے پاک کا یہ قانون قدرت ہے کہ وہ ہر صاحب فضیلت کو اس کی فضیلت کا حق ادا کرتا ہے (تم بھی اسی قانون کی پیروی کرو)۔

ہر ایک صاحب حق کو اس کا حق عطا کرنا عدالت و انصاف ہے۔ پس جب دائیں کو بائیں پر فضیلت وفوقیت حاصل ہے اور فضیلت وفوقیت کا منصب اوپر ہی مناسبت رکھتا ہے۔ لہذا نماز میں دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھنا سنت ہے کیونکہ

بہ دارد فضیلت یمیں بر یسار

نماز میں اِدھر اُدھر دیکھنا منع ہونے کی حکمت

۴۔ جب نمازی قیام میں دست بستہ کھڑا ہو جائے تو اس کو اِدھر اُدھر دیکھنا یا کسی سے کلام کرنا منع ہے جس میں یہ حکمت ہے کہ بادشاہوں کے دربار میں جب لوگ عرض ومعروض کرنے کے لئے جاتے ہیں تو ان کی وحشت و ہیبت کے مارے بیخود ہو کر کھڑے ہو جاتے ہیں۔ پاؤں کی حرکت بند کر دیتے ہیں۔ اپنی نظر کو نیچی کر لیتے ہیں اور اِدھر اُدھر نہیں دیکھتے۔ مبادا کہ بادشاہ کی نگاہ میں گستاخ و بے ادب سمجھے جائیں۔ اسی طرح نماز میں اِن اُمور کی رعایت رکھنا لازمی قرار دیا گیا۔ کیونکہ جب ایک دنیوی بادشاہ وحاکم کے حضور میں اِدھر اُدھر دیکھنا یا کسی اور کی طرف مخاطب ہو کر کلام کرنا گستاخی اور بے ادبی میں داخل ہے تو احکم الحاکمین شہنشاہ حقیقی کے دربار اور اس کے حضور میں ایسے اُمور کب جائز ہو سکتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت نبی کریم

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ان العبداذ اقام الی الصلوۃ فانما ھوبین یدی الرحمن، فاذا التفت یقول اللہ عزوجل: الی من تلتفت، الی خیر منی؟! اقبل یابن ادم الی، فانا خیر ممن تلتفت الیه (ترغیب منذری)

جب کوئی بندہ نماز کیلئے کھڑا ہوتا ہے تو وہ فوراً رب العزت کی حضوری میں پہنچتا ہے۔ پھر اگر وہ نمازی کہیں نماز میں اور طرف متوجہ ہو جاتا ہے تو اللہ عزوجل فرماتا ہے (اے نا سمجھ میں تیرے سامنے تھا) مجھے چھوڑ کر کہاں گیا کیا مجھ سے اچھا کوئی اور نظر آیا؟ سب کو چھوڑ میری طرف آ۔ مجھ سے بہتر کوئی نہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب نمازی اِدھر اُدھر دیکھتا ہے تو خدائے پاک بھی اس کی طرف متوجہ نہیں رہتا۔

۲۔ یہی وجہ ہے کہ فقہائے کرام کے نزدیک: (۱) اگر اپنے سینے کو قصداً بے عذر قبلہ سے پھیر لے حالت نماز میں (۲) یا کسی آدمی سے مخاطب ہو کر کلام کرے[1] (۳) یا کسی جانور کے مخاطبہ میں کلام کرے (۴) یا خود بخود کلام کرے (۵) یا ذکر اور دعا ـــــ جو مناسب نماز نہ ہو جیسے اے خدا مجھے شادی کرا۔ کھانا کھلا ـــــ میں لگ جائے تو نماز فاسد ہو جاتی ہے یا ایسے ہی کوئی اور حرکت کرے جو عمل کثیر کی حد تک پہنچ جائے تو نماز جاتی رہتی ہے۔ کیونکہ جب کوئی بندہ خدائے پاک کی جانب متوجہ ہو جاتا ہے تو اس کے لئے اس کی بخشش کا دروازہ کھل جاتا ہے۔ اور جب بندہ اس سے اعراض کرتا ہے تو صرف اسی رحمت و بخشش سے محروم نہیں رہتا، بلکہ اپنے اعراض کی وجہ سے عذاب الٰہی کا مستحق ہو جاتا ہے اور اس کی نماز جاتی رہتی ہے۔

(۳) حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث شریف میں ارشاد فرمایا:

ان ھذہ الصلٰوۃ لا یصلح فیھا شیءٌ من کلام الناس، انما ھی التسبیح والتکبیر وقرأۃ القراٰن.

---

[1] کلام کے مفسد نماز ہونے میں یہ شرط ہے کہ کم سے کم اس میں دو حرف ہوں یا ایسا ایک حرف ہو جس کے معنیٰ سمجھ میں آجاتے ہوں۔ (درمختار وغیرہ)

لوگو! نماز کی حالت میں لوگوں سے بول چال کرنا کسی طرح درست نہیں ہے کیونکہ نماز تو تسبیح اور تکبیر اور قرآن (کا کلمہ پڑھنا ہے)۔ (مسلم۔ نسائی۔ ابوداؤد)

(۴) حقیقت یہ ہے کہ نماز میں احکم الحاکمین کے حضور میں ایسی توجہ رکھ کر کھڑا ہونا چاہئے کہ اب تو اس بڑے پُر جلال کا سامنا ہے جس کے ہوتے ہوئے سب فنا ہو جاتے ہیں۔ اس کے حضور میں جا کر کسی کی خبر یا ہوش نہیں رہنا چاہئے اور ایسی ہیئت بنا کر اس کے سامنے دست بستہ کھڑا ہونا چاہئے، جیسے کوئی آدمی کسی خوفناک مقدمہ میں گرفتار ہوتا ہے اور وہ دیکھتا ہے کہ عدالت سے اس کے لئے قید یا پھانسی کا حکم ہونے والا ہے۔ ایسی حالت میں جو نقشہ اس مجرم کا ہوتا ہے ویسا ہی نمازی کا بننا شارع کا مقصد ہے، تاکہ ایسا ہی خوف زدہ دل لے کر ویسی ہی حالت بنا کر احکم الحاکمین کے دربار میں آدمی کھڑا ہو۔ جس نماز میں دل کہیں ہے اور خیال کسی اور طرف ہے اور زبان کچھ اور کہہ رہی ہے وہ نماز نہیں بلکہ وہ ایک لعنت ہے، جو آدمی کے منہ پر واپس ماری جاتی ہے اور قبول نہیں ہوتی۔

نماز میں ہوشیار ہو کر کھڑے رہنے کی حکمت

۵۔ اور یہی سبب ہے کہ نمازی کو چاہئے کہ نماز میں ہوشیار رہے۔ نماز میں کھڑے ہونے کی حالت میں اپنی نظر سجدے کے مقام پر جمائے رکھے، اور پیروں کی پشت پر حالتِ رکوع میں، اور سجدوں میں ناک پر اور بیٹھنے کی حالت میں زانو پر نظر رکھے اور جب تک نماز میں رہے آنکھوں کو کھلا رکھے بند نہ کرے۔ ہاں اگر سمجھے کہ آنکھ بند کر لینے سے نماز میں دل لگے گا تو کچھ مضائقہ نہیں۔ مگر سستی اور غفلت کی وجہ سے آنکھیں بند کرنا منع ہے کیونکہ خدائے پاک کی مقدس کتاب میں ہے:

﴿فویل للمصلین الذین ھم عن صلوتھم ساھون﴾ (الماعون: ۴۔۵)

ویل (یعنی عذاب یا لعنت یا حسرت)[1] ہے ان نمازیوں پر جو اپنی نماز میں سستی کرتے

[1] یہ تینوں معنی مفسرین کرام نے بیان فرمائے۔ مؤلف

(یا غافل ہو جاتے ہیں)۔

اسی مضمون کو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث شریف میں ادا فرمایا:

واذا ضیّع رکوعها و سجودها و القراءۃ فیها، قالت الصلوۃ ضیّعک اللّٰہ کما ضیعتنی، ثم صعدبها ولها ظلمة حتی تنتهی الی السماء فتغلق ابواب السماء دونها، ثم تلف کما یلف الثوب الخلق فیضرب بها وجه صاحبها (مشکوٰۃ شریف)

جب کوئی نمازی نماز کا رکوع اور سجدہ ضائع کرتا ہے اور اس میں قرأت ٹھیک نہیں پڑھتا تو اس کو نماز کہتی ہے کہ خدائے پاک تجھ کو ایسا ہی ضائع کرے جیسا کہ تو نے مجھے ضائع کیا ہے، پھر فرشتے اس (نماز) کو اوپر لیجاتے ہیں اور اس کے ساتھ اندھیرا ہوتا ہے۔ جب وہ نماز آسمان کے پاس پہنچتی ہے تو آسمان کے دروازے اس نماز کے آگے بند کئے جاتے ہیں۔ پھر اس نماز کو پرانے کپڑے کی طرح لپیٹ کر فرشتے اس نماز پڑھنے والے کے منہ پر مارتے ہیں۔

۳۔ حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ ’’حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف لائے۔ اسی درمیان میں ایک شخص آیا اور اس نے نماز پڑھی پھر آپ کو سلام کیا۔ آپ ؐ نے سلام کا جواب دے کر فرمایا کہ جا نماز پڑھ۔ اس لئے کہ تو نے نماز نہیں پڑھی (یعنی تیری نماز نہیں ہوئی) اس نے پھر نماز پڑھی اور آیا اور آپ کو سلام کیا۔ آپ ؐ نے فرمایا کہ جا نماز پڑھ۔ اس لئے کہ تو نے نماز نہیں پڑھی‘‘۔ یہ تین مرتبہ ہوا۔ تب اس نے عرض کیا کہ قسم ہے اس کی جس نے آپ ؐ کو سچا پیغمبر بنایا؛ میں اس کے سوا اور طریقہ نہیں جانتا۔ آپ ؐ نے فرمایا:

فقال اذا قمت الی الصلوۃ فکبر ثم اقرء ما تیسّر معک من القراٰن ثم ارکع حتی تطمئن راکعا ثم ارفع حتی تعتدل قائما ثم اسجد حتی تطئن ساجدا ثم ارفع حتی تطئن جالسا ثم اسجد حتی تطئن ساجدا ثم افعل ذلک فی صلوتک کلها. (بخاری شریف)

’’جب تم نماز کے لئے کھڑے ہو اور تکبیر کہو تو پھر جس قدر قرآن تم کو آسان (یاد) ہو پڑھو، پھر رکوع کرو۔ یہاں تک کہ حالتِ رکوع میں مطمئن ہو جاؤ۔ پھر اٹھو یہاں تک کہ سیدھے

کھڑے ہو جاؤ۔ پھر سجدہ کرو یہاں تک کہ حالتِ سجدہ میں مطمئن ہو جاؤ۔ پھر اٹھو یہاں تک کہ بہ اطمینان تمام بیٹھ جاؤ۔ پھر سجدہ کرو۔ یہاں تک کہ حالت سجدہ میں مطمئن ہو جاؤ۔ پھر ایسا ہی پوری نماز میں کرو"۔ پس ظاہر ہے کہ ایسے اطمینان کی نماز بغیر کامل ہوشیاری کے ادا ہونی محال ہے۔ اور اسی وجہ سے نماز میں ہوشیار رہنے کا حکم دیا گیا۔

نماز میں جمائی آنے سے منہ پر ہاتھ رکھنے کی وجہ

ا۔ فقہائے کرام کے نزدیک اگر نماز میں جمائی آ جائے تو حالتِ قیام میں داہنے ہاتھ کی پشت منہ پر رکھ لینا مستحب ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جمائی کے روکنے کا یہ ایک عمدہ طریقہ ہے۔ جب جمائی کی آمد ہونے لگے تو جہاں تک ممکن ہو کھانسی اور جمائی کو روکنا چاہئے (درمختار وغیرہ)

۲۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی وجہ یہ بیان فرمائی ہے کہ نماز کے اندر جب کسی کو تم میں سے جمائی آئے تو جہاں تک تم سے ہو سکے اس کو ضبط کرو، اس لئے کہ شیطان اس کے منہ میں گھس جاتا ہے۔

۳۔ جمائی لینے سے اکثر منہ کھل جاتا ہے اور سانس کے زور کے ساتھ اندر جانے کی وجہ سے گرد وغبار یا مکھی مچھر وغیرہ کے منہ میں چلے جانے کا ڈر ہوتا ہے۔ اس لئے نماز پڑھنے والے کا دل دوسری طرف راغب ہو کر دلی پریشانی کا باعث ہو جاتا ہے۔ منہ پر ہاتھ رکھنے سے یہ فائدہ ہوتا ہے کہ نہ تو کوئی چیز مخالف اندر جاتی ہے اور نہ دل پریشان ہوتا ہے۔

۴۔ بعض بزرگوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ جب جمائی کی آمد معلوم ہو تو آدمی اپنے دل میں یہ خیال کرے کہ انبیاء کو کبھی جمائی نہیں آئی تو جمائی رک جائے گی۔ علامہ قدوری نے لکھا ہے کہ میں نے اس کو بارہا تجربہ کیا اور ٹھیک پایا۔ علامہ شامی بھی کہتے ہیں کہ میں نے بھی اسے آزمایا اور صحیح پایا۔

نماز میں زیرِ ناف ہاتھ باندھنے کا راز

ا۔ علمائے احناف کے نزدیک تکبیر تحریمہ کے بعد مردوں کو ناف کے نیچے اور عورتوں

کو سینہ پر ہاتھ باندھنے میں یہ راز ہے کہ ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے میں عفت دستر عورت کی التجا ہے۔ یہ قاعدہ ہے کہ نماز کے اندر جتنے ارکان و افعال بجالائے جاتے ہیں وہ سب دعاؤں اور مناجاتوں کے اشارات وصورتیں ہیں جو خدائے پاک کے حضور میں بہ زبان حال موضوع ہیں۔ یہ ہی وجہ ہے کہ نماز میں ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے کا حکم دیا گیا تا کہ اس سے عفت و ستر عورت کی طرف ایما پایا جائے۔ سینہ پر ہاتھ باندھنا حق پر ثابت رہنے اور شرح صدر کے لئے حالی دعا ہے۔ اسی وجہ سے شافعیہ میں مردوں کو بھی سینہ پر ہاتھ باندھنے کا حکم ہے۔

زیر ناف ہاتھ باندھنا ایک حالی دعا ہے، جس طرح قولی دعائیں احادیث میں وارد ہیں ان کے مقابلہ میں یہ ایک حالی دعا ہے۔ مثلاً قالی دعا یہ ہے:

اللھم استر عوراتی واٰمن روعاتی. (ابن ماجہ)

الٰہی میرے عیب کو ڈھانپ دے اور مجھ کو خوف کی چیزوں سے امن دے۔

ایک دوسری دعا کے الفاظ یہ ہیں:

اللھم انی اسئلک الھدی والتقی والعفاف والغنیٰ.

''الٰہی! میں تجھ سے ہدایت وتقویٰ و پارسائی وغنا کا سوال کرتا ہوں۔''

۲۔ دنیاوی بادشاہوں اور حاکموں کے دربار میں دست بستہ مؤدب کھڑا ہونا بادشاہوں اور حاکموں کے مقررہ اصول کے مطابق پسندیدہ ومقبول ہوتا ہے، جو اس کے خلاف کرتا ہے وہ مورد الزام بنتا ہے۔ چونکہ شریعت حقہ کا کوئی حکم عقل کے خلاف نہیں ہے، اس لئے انسان کو حکم دیا کہ ادب کا اچھا اور بہتر طریقہ جو تمام مہذب لوگوں کے مذاق اور فہم کے موافق ہے؛ یعنی خدائے پاک کے حضور میں جب وہ دست بستہ کھڑا ہو تو اپنے ہاتھوں کو زیر ناف باندھ لے کیونکہ یہی اصول وہاں پسندیدہ اور مقبول ہے۔ اور انسان کی عقل کا تقاضا اور قانون فطرت کا ایماء اسی پر ہے۔ اور سب لوگوں کے نزدیک اسی کو زیادہ پسند کیا جاتا ہے [1]۔

---

[1] اس میں ایک راز ہے۔ مؤلف

قراءت کی حکمتیں

قراءت کے احکام

ا۔ قرآن مجید کا نماز میں پڑھنا فرض ہے اور ایک آیت کا پڑھنا فرض ہے؛ خواہ بڑی آیت ہو یا چھوٹی۔ اور فرض نمازوں کی صرف دو رکعتوں میں قراءت فرض ہے۔ اور وتر اور نفل سب نمازوں کی سب رکعتوں میں قراءت فرض ہے۔ مدرک[1] پر قراءت فرض بلکہ جائز بھی نہیں۔ امام کی قراءت سب مقتدیوں کی طرف سے کافی ہے۔ مبسوق[2] کو اپنی گئی ہوئی رکعتوں سے دو رکعت میں قراءت کرنا فرض ہے۔ بشرطیکہ اس کی کوئی رکعت قراءت والی فوت ہوئی ہو۔ حاصل یہ کہ امام کے ہوتے ہوئے مقتدی کو قراءت کی حاجت نہیں[3]۔ ہاں مسبوق کے لئے چونکہ ان گئی

---

[1] وہ شخص جس کو شروع سے اخیر تک کسی کے پیچھے جماعت سے نماز ملے، اسی کو مقتدی کہتے ہیں۔

[2] وہ شخص جو ایک رکعت یا اس سے زیادہ ہو جانے کے بعد جماعت میں آ کر شریک ہوا ہو۔ مؤلف

[3] **فاتحہ خلف امام کا ضروری مسئلہ:**

امام کے پیچھے سورۂ الحمد شریف کے پڑھنے میں حضرت امام الائمہ ابوحنیفہ امام اعظم علیہ الرحمۃ اور صاحبین کا یہ مذہب ہے کہ آہستہ آواز اور بلند آواز دونوں قسموں کی نمازوں میں سورۂ فاتحہ پڑھنا مقتدی پر فرض نہیں۔ مگر سورہ فاتحہ کے بارے میں علمائے امت کا سخت اختلاف ہے۔ امام شافعی علیہ الرحمۃ سے صحیح روایت میں اس کا پڑھنا فرض ہے؛ خواہ بلند آواز کی نماز ہو یا آہستہ آواز کی۔ اور یہی امام احمد کا بھی مذہب ہے۔ امام مالک علیہ الرحمۃ کے نزدیک فرض نہیں، مگر آہستہ آواز کی نماز میں مستحب ہے۔ علماء احناف کے نزدیک سورۂ الحمد کا نماز میں پڑھنا فرض نہیں بلکہ اس کو مکروہ تحریمی لکھتے ہیں۔ ملا علی نے مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں اور دیگر علماء نے اس کی صراحت کی ہے کہ مقتدی پر کسی حال میں سورۂ فاتحہ فرض نہیں، بلکہ اگر کوئی پڑھے تو مکروہ تحریمی ہے۔ فرض سمجھنے والوں کی یہ دلیل ہے: حدیث شریف میں ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لا صلوٰۃ لمن لم یقرء بفاتحۃ الکتاب (بخاری)

یا لا صلوٰۃ الا بفاتحۃ الکتاب (مسلم)

ہوئی رکعتوں میں امام نہیں ہوتا، اس لئے اس کو قراءت کی ضرورت ہوتی ہے۔

بعد سورۂ فاتحہ کے دوسری سورۃ ملانا فرض کی پہلی دو رکعت اور باقی نمازوں کی سب رکعتوں میں واجب ہے۔ اور سورۂ فاتحہ فرض نمازوں کی پہلی دو رکعت اور باقی نمازوں کی سب رکعتوں میں ایک مرتبہ واجب ہے۔

''اس کی نماز صحیح نہیں جس نے سورۂ فاتحہ (الحمد شریف) نہ پڑھی''۔

جو لوگ اس کی فرضیت کے قائل ہیں، ان کے دلائل سے امام کا پڑھنا مقتدی کے حق میں کافی نہیں، بلکہ ہر ایک کو حقیقۃً پڑھنا چاہئے۔ احناف کے دلائل میں سے ایک یہ حدیث ہے:

عن جابر بن عبداللہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال من صلی خلف الامام فان قراءۃ الامام لہ قراءۃ. محمد فی مؤطاہ بطریقین فی أحد ھما أبو حنیفۃ الامام الاعظم وھو احسن طرقہ.

جابر بن عبداللہؓ کی روایت حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے کہ آپؐ نے فرمایا جو شخص امام کے پیچھے نماز پڑھے تو امام کی قرأت اس کی قرأت ہے۔ امام محمد علیہ الرحمۃ نے موطا میں یہ حدیث دو سندوں سے روایت کی ہے۔ ایک میں حضرت امام ابوحنیفہ امام اعظم ہیں اور وہ سند تمام سندوں سے عمدہ ہے۔ محقق ابن ہمام نے اس کو صحیح کہا ہے شرط بخاری و مسلم پر، اور علامہ عینی نے کہا ہے کہ وہ حدیث صحیح ہے۔ ابوحنیفہ تو ابوحنیفہ ہیں اور موسیٰ ابن ابی عائشہ پرہیزگار ثابت قدم لوگوں میں ہیں، صحیحین کے راوی ہیں۔ یہ حدیث حنفیہ کے مذہب کی مؤید ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ مقتدی پر قراءت ضروری نہیں۔ یہ حدیث صحیحین کی حدیثوں سے کسی طرح صحت میں کم نہیں۔ اس کے سب راوی ثقہ اور عادل ہیں جیسا کہ علامہ عینی نے تصریح کی ہے۔

حدیث **''لاصلوٰۃ الا بفاتحۃ الکتاب''** کے ساتھ ملانے سے اس کا مطلب صاف ظاہر ہو جاتا ہے کہ وہ حکم تنہا نماز پڑھنے والے اور امام کا ہے، جو شخص کسی امام کے پیچھے نماز پڑھے تو اس امام کی قراءت اس کی قراءت سمجھی جائے گی۔ لہٰذا مقتدیوں کو قراءت کرنے کی کچھ ضرورت نہیں؛ نہ سورۂ فاتحہ کی نہ کسی اور سورۃ کی۔ اور یہی وجہ ہے کہ بعض کبار صحابہ میں اس کے پڑھنے کے سخت مخالف ہیں جیسا کہ امام محمد علیہ الرحمۃ نے موطا میں لکھا ہے:

اخرج محمد فی مؤطاہ عن داؤد بن قیس عن محمد بن عجلان ان عمر بن الخطابؓ قال لیت فی فم الذی یقرأ خلف الامام حجراً.

داؤد بن قیس سے روایت ہے کہ ہم کو خبر دی محمد بن عجلان نے کہ (حضرت) عمر بن خطابؓ نے فرمایا کاش جو شخص قراءت خلف الامام کرتا ہے اس کے منہ میں پتھر ہوتے۔

حنفیہ کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ قرآن کریم میں ارشاد ربانی موجود ہے کہ

بعد ہاتھ باندھنے کے فوراً سبحٰنک اللھم پڑھنا سنت ہے۔ اور امام اور منفرد کو بعد ثناء کے، اور مسبوق کو اپنی ان رکعتوں کی پہلی رکعت میں جو امام کے بعد نماز پڑھے سنت ہے کہ اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم بھی پڑھا جائے۔ اور ہر رکعت کے شروع میں الحمد للہ سے پہلے بسم اللہ الرحمن الرحیم بھی سنت ہے۔ امام اور منفرد کو بعد ختم سورۂ فاتحہ

﴿واذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا لعلكم ترحمون﴾ (الأعراف:۲۰۳)

''جب قرآن مجید پڑھا جائے تو تم سب لوگ اس کو سنو اور چپ رہو تا کہ تم رحم کئے جاؤ''۔

اس آیۃ سے صاف ظاہر ہے کہ قرآن کریم کا سننا واجب ہے؛ خواہ نماز کے اندر پڑھا جائے یا خارج نماز میں۔ پس اس کے خلاف کرنا بے شبہ مکروہ تحریمی ہوگا۔ اسی وجہ سے مقتدی کو جب کہ امام قراءت کر رہا ہو کوئی دعا وغیرہ پڑھنا یا قرآن مجید کی قراءت کرنا خواہ وہ سورۂ فاتحہ ہو یا اور کوئی سورۃ پڑھنا مکروہ تحریمی ہے۔ حدیث شریف میں ہے: ''ایک مرتبہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح کی نماز سے فارغ ہو کر فرمایا کہ تم میں سے کسی نے میرے پیچھے قراءت کی ہے؟ تو ایک نے عرض کیا کہ میں نے کی ہے، آپ نے ارشاد فرمایا کہ میں کہتا ہوں کہ کیا حال ہے کہ تم لوگ قرآن مجید پڑھنے میں مجھ سے نزاع کرتے ہو''۔ یعنی مجھے اطمینان سے پڑھنے نہیں دیتے۔ (نسائی۔ موطا۔ امام مالکؒ۔ ترمذی وغیرہ) اس آیت کے متعلق عبداللہ بن حمید، صاحب بیہقی اور امام سیوطی نے تفسیر در منثور میں ابی العالیہ سے بایں طور حدیث بیان کی ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب صحابہ کے ساتھ نماز پڑھتے اور قراءت فرماتے تھے تو آپ کے صحابہ بھی قراءت کرتے تھے۔ پھر یہ آیت (واذا قرئ القرآن الخ) آئی تو صحابہ پڑھنے سے چپ ہو گئے۔'' (ترمذی)

اور ایک دوسری حدیث میں ہے جس کو ابو قتادہ و ابو ہریرہ و ابی موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہم نے روایت کیا ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ امام اس لئے مقرر کیا گیا ہے کہ تم اس کی پیروی کرو۔ جب وہ تکبیر کہے تم بھی تکبیر کہو۔ جب وہ پڑھے تم چپ رہو۔ (مشکوٰۃ۔ موطا۔ ابن ماجہ وغیرہ)

حضرت عبداللہ بن عمرو زید بن ثابت و جابر بن عبداللہ سے پوچھا گیا کہ امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھ لیا جائے؟ تو انھوں نے فرمایا:

لا یقرأ خلف الامام فی شیئی من الصلوٰۃ (حاشیہ مشکوٰۃ۔ موطا امام محمد)

''نماز میں امام کے پیچھے قرآن میں سے کچھ نہ پڑھا جائے۔''

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے لکھا ہے کہ اصل میں بری بات یہ ہے کہ امام سے قرآن میں نزاع کی جائے اور مقتدی کی قراءت کبھی اس حد تک پہنچا دیتی ہے، جو شخص ڈرتا ہو وہ قراءت خلف الامام نہ کرے۔ (مؤلف)

کے آمین کہنا، اور قراءت بلند آواز سے ہو تو سب مقتدیوں کو بھی آمین کہنا، اور آمین کا آہستہ آواز سے کہنا سنت ہے۔ حالت قیام میں دونوں قدموں کے درمیان چار انگل کا فصل ہونا۔ اور فجر، ظہر کے فرض میں طوال مفصل اور عصر، عشاء میں اوساط اور مغرب میں قصار پڑھنا۔ اور فجر کی پہلی رکعت میں دوسری رکعت سے ڈیوڑھی سورۃ پڑھنا بھی سنت ہے[1]۔

نماز میں ثناء پڑھنے کی وجہ

۲۔ نمازی جب کھڑا ہو کر ہاتھ باندھ لے تو پھر فوراً ثناء شروع کرے۔ کیونکہ تکبیر کے بعد فوراً اس خاص ثناء کا پڑھنا حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔ اگر کسی کے پیچھے نماز پڑھتا ہو تو اس کو پڑھ کر سکوت کرے۔ اور اگر امام قراءت شروع کر چکا ہو تو بھی اس کو نہ پڑھے بلکہ اللہ اکبر کے بعد ہی سکوت کر لے۔

اس کے پڑھنے کی وجہ یہ ہے کہ **سبحنک اللھم** بمنزلۂ سلام دربار کے ہے اور یہ سب پر روشن ہے کہ جب کوئی سائل کسی بڑے آدمی یا دربار شاہی یا کسی امیر کبیر کے دروازے پر کچھ مانگنے جاتا ہے تو سب سے پہلے اس کے حضور میں اس کی مدح و ثناء اس کی بزرگی و عظمت اور اپنی حالت کی عاجزی وانکساری بیان کرتا ہے۔ جب وہ اس کو اپنی طرف متوجہ دیکھتا ہے تو جھٹ اپنا معروضہ یا اپنی درخواست اس کے حضور میں پیش کر دیتا ہے۔ یا زبانی اپنی حاجت کا اظہار شروع کرتا ہے۔ اسی اصول کے مطابق شارع نے حکم دیا کہ نماز کے شروع میں دعائے ثناء پڑھو۔ تاکہ تمہارا نفس رب العالمین کی بزرگی اور جلال کو ظاہر کر کے اپنی پستی اور عبودیت کا اظہار کرے۔ جس کی وجہ سے تمہارے دلوں میں حضور پیدا ہوگا اور مناجات میں دل لگے گا جو نماز کی قبولیت کا باعث ہوگا۔ اور مناجات کی طرف دلی میلان کا سبب ہوگا۔

---

[1] قراءت کی قسمیں: سورۂ حجرات سے سورۂ بروج تک طوال مفصل ہیں اور بروج سے ﴿والضحیٰ﴾ یا ﴿لم یکن الذین﴾ تک اوساط مفصل کہتے ہیں اور والضحیٰ یا لم یکن سے اخیر تک قصار مفصل اور ﴿ق﴾ سے اخیر تک مفصل کہتے ہیں اور یہ تعیین سنت ہے اس کا خلاف مناسب نہیں۔ مؤلف

ثناء کے بعد اعوذ پڑھنے کا راز

۳۔جب نمازی ثناء پڑھ چکے تو پھر اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم . پڑھے۔ اس کے پڑھنے میں ایک تو ارشاد ربانی کی تعمیل ہے کیونکہ قرآن حکیم میں ارشاد موجود ہے:

﴿فاذا قرأت القراٰن فاستعذ باللہ من الشیطٰن الرجیم.﴾ (النحل:۹۸)

"جب تو قرآن مجید پڑھنے کا ارادہ کرے تو شیطان مردود سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگ لے۔" (تاکہ اس کے مکر اور شر سے تو محفوظ رہے)۔

ایک تو اس لئے کہ چونکہ ثناء کے بعد اب سورۂ فاتحہ اور قراءت قرآن کی باری ہے، اس لئے اب اس قرآنی حکم کی تعمیل کے لئے اعوذ پڑھنے کا حکم ہوا۔ اور دوسرا اس لئے کہ خدا کی پناہ میں آجانے کی وجہ شیطان اپنے مکر و وساوس سے نماز میں خلل نہ ڈال سکے گا۔ پس اعوذ پڑھنے میں یہ فائدہ ہے کہ نمازی خدائے پاک کی پناہ میں آجاتا ہے، جیسے کہ کوئی آدمی اپنے حاکم یا بادشاہ کے روبرو اپنی عرضی پیش کرتے وقت اپنے کسی دشمن کو (جو وہاں موجود ہو) پہلے وہاں سے ہٹادینے کی استدعا کرتا ہے۔ اسی طرح نمازی اپنی عرضی سے پہلے خدائے پاک کی سرکار میں اپنے سخت دشمن شیطان سے بچ کر خلوص و حضور دل سے اپنا مدعا اور مقصود بیان کرنا چاہتا ہے تاکہ شیطان اس میں کسی طرح شرارت یا مداخلت نہ کر سکے۔

سورۂ فاتحہ سے پہلے بسم اللہ پڑھنے کا سرّ

۴۔سورۂ فاتحہ پڑھنے سے پہلے بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھنے کا اس لئے حکم ہوا کہ اب شیطان سے تو خدائے پاک کی پناہ میں آجانے سے بے فکری ہوگئی۔ اب اسی کے بابرکت نام سے اپنی عرضی بھی شروع کی جائے جس سے اپنا مقصد مانگنے کے لئے نمازی آیا ہے تاکہ اس کو اپنے نام کی ابتداء کرنے سے ادھر توجہ و خیال ہو[1]۔

---

[1] صحابہ و تابعین کا اس مسئلہ میں بھی اختلاف ہے۔ بعض بسم اللہ نماز میں پڑھتے تھے بعض نہیں۔ بعض بسم اللہ بلند آواز سے پڑھتے بعض آہستہ آواز سے۔ چنانچہ ابو بکر اسود راوی ہیں اور کہتے ہیں کہ صلیت خلف عمر سبعین صلوٰۃ فلم یجهر فیها بسم الله الرحمن الرحیم. "میں نے حضرت امیر المومنین سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے

(۲) قرآن کریم کے پڑھنے سے پہلے اعوذ اور بسم اللہ پڑھنا مسنون ہے حتیٰ کہ اگر پڑھنے کے درمیان میں کوئی دنیاوی کلام کرے تو اس کے بعد پھر اس کا اعادہ کرنا چاہئے۔ اور قرآن مجید کی ہر سورۃ کے شروع میں بسم اللہ کہہ لینا مستحب ہے۔ صرف سورۂ براءت کے شروع پر بسم اللہ نہ پڑھنا چاہئے۔ پس سورۂ فاتحہ بھی ایک سورۃ ہے، اس لئے سورۂ فاتحہ سے پہلے بسم اللہ پڑھنا مقرر ہوا۔ ماسوائے اس کے بعض بزرگوں نے لکھا ہے کہ اس میں احتیاط بھی ملحوظ ہے، کیونکہ بعض روایتوں میں بسم اللہ کا سورۂ فاتحہ کا جزو ہونا بھی آیا ہے۔ اور اس میں تو کسی کو انکار نہیں کہ بسم اللہ قرآن کریم کی ایک آیت ہے اگرچہ کسی سورت کا جزو نہیں۔

نماز میں سورۂ الحمد پڑھنے کی حکمت

۵۔ (۱) نماز میں سورۂ الحمد کا پڑھنا واجب ہے جس کی یہ وجہ ہے کہ الحمد شریف ایک عرضی ہے جو نمازی حضور رب العالمین میں پیش کرتا ہے۔ جیسے عرضی کے شروع میں بادشاہ یا حاکم کے القاب و آداب اور اس کی مدح وثنا کا اظہار کیا جاتا ہے۔ اسی طرح کا سورۂ فاتحہ میں مضمون ہے۔ پوری سورت اور اس کا ترجمہ شروع کتاب میں لکھا جاچکا ہے۔ یہاں بطور خلاصہ اس کا مضمون بیان کیا جاتا ہے۔

نمازی خدائے پاک کے حضور میں کھڑا ہو کر عرض کرتا ہے:

مولا سب خوبیاں تیری ذات کے لئے ہیں، کیونکہ تو پالنے والا اور سب پر رحم اور مہربانی کرنے والا ہے۔ (پھر اس کی عدالت عالیہ کا با اختیار ہونا بیان کرتا ہے) تو مالک ہے دن جزا کا۔ (پھر اپنا غلام ہونا اور ہمیشہ سے سرکار عالیہ سے ہر قسم کی مدد ملنا، اپنا قدیمی نمک خوار ہونا بیان کرتا ہے) ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں۔ (ان سب مرتبوں کے بعد اصلی مضمون عرضی کا پیش کر کے التجا کرتا ہے کہ) مولا ہمیں ہدایت کر، اور اپنی مرضی کا سیدھا راستہ چلا، ان لوگوں کے راستہ پر جن پر تیرا فضل ہوا۔ (یعنی انبیاء مرسلین اور اولیائے کاملین اور دوسرے عباد صالحین کا طریقہ ہمیں نصیب کیجئے۔ یہ گناہوں کی بُری عادتیں چھڑائیے)، نہ ان

پیچھے ستر نمازیں پڑھیں اور انھوں نے بلند آواز سے بسم اللہ الرحمٰن نہیں پڑھی۔" یہی مذہب حنفیہ کا ہے۔ بسم اللہ کا آہستہ آواز سے پڑھنا ان کے نزدیک مستحب ہے۔ امام شافعی علیہ الرحمۃ بلند آواز سے پڑھنے کا حکم دیتے ہیں۔ (مؤلف)

کے راستہ پر جن پر تو نے غضب کیا ہوا ہے اور نہ ان کے راستہ پر جو سچی تعلیم کو بھول گئے (یعنی یہود و نصاریٰ کی سرکشی اور گناہکاری سے بچایئے۔ پھر انبیائے مرسلین کے ساتھ جنت میں بھیجئے۔ یہود و نصاریٰ کے ساتھ جہنم میں جانے سے محفوظ رکھیئے۔)

پس الحمد شریف ایک عرضی مجرم کی طرف سے نجات اور جان بخشی کے لئے پیش ہوئی۔ اور آئندہ کے لئے قانون پر چلنے کے لئے بطور استمداد و استدعا ضمانت بھی داخل کردی گئی جو ایک بہت مناسب و موزوں مضمون ہے۔

۲۔ نماز میں سورۂ الحمد کے پڑھنے کی یہ بھی وجہ ہے کہ وہ جامع دعا ہے۔ خدائے پاک نے اس کو بطور تعلیم دینے یا عرضی دینے یا دعا سکھانے کے واسطے اپنی حسب مرضی و شان کا مضمون نازل فرمایا ہے۔ اس کے بندے اس کے حضور میں اس طرح حمد و ثنا پیش کرکے اور اس کے اختیارات کو جتلا کر اس سے استعانت اور مدد مانگتے ہیں، اور اپنی عبودیت و انکساری کا اظہار اس طرح بیان کرکے وہ راستہ جو ہر قسم کی فلاح و بہتری کا جامع ہے مانگا کرتے ہیں، اور ساتھ ہی اپنی عرضی میں یہ بھی التجا کرتے ہیں کہ الٰہی ان لوگوں کے راستے سے کہ جن پر تیرا غضب ہوا ہے، اور جو گمراہ ہیں، تیری پناہ میں آتے ہیں اور اس سے دور رہنے کے ملتجی ہیں۔ غرض کہ یہ ایک جامع دعا ہے جو بطور عرضی کے حضور رب العالمین میں پیش کی جاتی ہے۔

۳۔ اس میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی تعمیل بھی مقصود ہے کیونکہ حضرت نبی اکرم فداہ روحی نے فرمایا:

قال لا صلوٰۃ لمن لم یقرء بفاتحۃ الکتاب (بخاری شریف)

اس کی نماز صحیح نہیں جس نے سورۂ فاتحہ (الحمد) نہ پڑھی۔

آمین کہنے کا راز

۶۔ امام جب سورۂ فاتحہ پڑھ چکے تو مقتدیوں کو چاہئے کہ وہ آمین کہیں[1] کیونکہ امام و منفرد کو الحمد

[1] علمائے احناف کے نزدیک آمین کا آہستہ کہنا سنت ہے۔ اور بلند آواز سے کہنا بھی حدیثوں میں آیا ہے۔ امام مالک علیہ الرحمۃ سے بھی ایک روایت میں آہستہ کہنا ہی آیا ہے۔ احادیث سے آہستہ اور بلند آواز (دونوں طرح) سے

کے ختم ہونے کے بعد آہستہ آہستہ آمین کہنا سنت ہے۔ اس میں راز ہے کہ امام سب نمازیوں کی طرف سے وکیل ہونے کی حیثیت سے ایک ایک عرضی کا مضمون پیش کرتا ہے۔ جب وہ مضمون ختم ہو چکا تو ضرورت ہے کہ سب کا اتفاق معلوم ہو جائے، تاکہ امام نے عرضی کا جو مضمون حضور میں پیش کیا ہے سب کی طرف سے بالاتفاق سمجھا جا سکے۔ اگر سب کی طرف سے ہے تو اس پر دستخط کریں یا زبان سے اقرار کریں۔ سب نمازیوں کا مل کر آمین کہنا اس کی تصدیق کرنا ہے کہ جو کچھ ہمارے وکیل (امام) نے عرضی کا مضمون پیش کیا ہے اس کے ایک ایک حرف سے ہم کو اتفاق ہے اور ہم سب کی متفقہ التجا ہے کہ سرکار عالی ہماری اس عرضی (دعا) کو قبول فرمائیں اور ہم کو محروم نہ کریں۔

ثابت ہے۔ جانبین کے پاس اپنے اپنے دلائل موجود ہیں۔ حنفیہ اپنے استدلال میں یہ حدیث پیش کیا کرتے ہیں کہ

عن وائل بن حجر انه صلی مع النبی صلی الله علیه وسلم فلما بلغ غیر المغضوب علیهم ولا الضآلین قال امین واخفی بها صوته (مسند امام احمد وابو داؤد وترمذی وتہذیب ودار قطنی ومعجم طبرانی بسند صحیح)۔

وائل بن حجر کہتے ہیں کہ انھوں نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی، آپ ﷺ جب غیر المغضوب علیہم ولا الضالین پر پہنچے تو آمین کہی۔ مگر آواز کو بلند نہیں کیا بلکہ آہستہ آواز سے فرمایا۔

اور حضرت ابن مسعود وحضرت عمر فاروق (رضی اللہ عنہما) کی نسبت حدیث صحیح میں آیا ہے کہ یہ حضرات امام کے لئے چار چیزوں میں اخفا کا حکم دیتے تھے۔ ایک ثناء، دوسری آمین، تیسری تعوذ، چوتھی بسم اللہ (فتح القدیر وفتح الملہم وغیرہ)۔

جس حدیث میں مدّبها صوته وارد ہے اس کے معنی شارحین نے ''مدّبأ لفه وخفّف میمه'' لکھے ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ (الف) کھینچ کر پڑھتے تھے۔ انصاف یہ ہے کہ دونوں طرح کی حدیثیں موجود ہیں۔ اور بلند آواز اور آہستہ آواز سے آمین کہنے میں کوئی بہت سخت اختلاف نہیں۔ مگر افسوس اس زمانے کے جاہلوں پر ہے کہ آہستہ اور بلند کہنے والے آپس میں ایک دوسرے کو گمراہ اور بے دین کہتے ہیں۔ اور یہی نہیں کہ وہ آپس میں ایک دوسرے کو برے القابات وخطابات سے ہی یاد کرتے ہیں بلکہ وہ لڑتے جھگڑتے اور مقدمہ بازی تک نوبت پہنچاتے ہیں۔ بعض متعصب آمین زور سے کہنے والے جب کسی جگہ دیکھتے ہیں کہ یہاں کے لوگ آمین آہستہ کہتے ہیں تو ان کو چڑانے کے لئے اس زور سے آمین پکارتے ہیں کہ محلے والے جمع ہو جاتے ہیں اور آخر نوبت بہ تکرار پہنچتی ہے۔ گویا ان لوگوں کے نزدیک دین اور سنت کا دارومدار صرف آمین کے بلند اور زور سے پکارنے پر رہ گیا ہے۔ ایسی باتیں سخت معیوب اور قابل نفرت ہیں (مؤلف)

فاتحہ کے ساتھ ضم سورۃ کی حکمت

۷۔ نمازی کو چاہئے کہ سورۂ الحمد ختم ہونے کے بعد سنن ونوافل و وتر کی سب رکعتوں میں اور فرض کی پہلی دو رکعت میں کوئی سورۃ یا کچھ اس کا حصہ پڑھے، کیونکہ سورۂ فاتحہ کے بعد قرآن کریم کی کسی دوسری سورۃ کا پڑھنا واجب ہے۔ اگر کوئی شخص پہلے دوسری سورۃ پڑھے اور اس کے بعد سورہ فاتحہ پڑھے تو واجب ادا نہ ہوگا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے کہ الحمد شریف ایک عرضی مجرم کی طرف سے نجات اور جاں بخشی یا خطا سے درگزر کرنے کے لئے پیش ہوئی، عرضی کا پیش ہونا تھا کہ فوراً منظوری ہوئی۔ اور یہ بھی لکھا جا چکا ہے کہ فاتحہ عرض وسوال ہے، جب یہ عرض وسوال اس خدائے رحمٰن ورحیم کی بارگاہ اقدس واعلیٰ میں پیش ہوا تو فوراً قبول ہوا، کسی سورۃ قرآن مجید کا اس کے بعد پڑھنا اس عرض وسوال کا جواب ہے جس میں تمام کامیابیوں کا مفصل طور پر راز بیان ہوا ہے۔ جب سوال میں ﴿اھدنا الصراط المستقیم﴾ استدعا کی گئی تو اس کے بعد قرآن کریم کے مضامین کا پڑھا جانا بدلالت ﴿ذلک الکتب لاریب فیہ ھدی للمتقین﴾ یہ معلوم ہوا کہ سائل کا سوال پورا ہو گیا اور اس کی درخواست منظور ہوگئی اور وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہوگیا۔ اور اس کامیابی کی شہادت اس حدیث سے ملتی ہے:

عن ابی ھریرۃ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول قال اللہ عز و جل قسمت الصلوۃ بینی و بین عبدی ولعبدی ماسأل یقول العبد ﴿الحمد للہ رب العٰلمین﴾ قال اللہ تعالیٰ حمدنی عبدی یقول ﴿الرحمن الرحیم﴾ یقول اثنی علّی عبدی یقول العبد ﴿ملک یوم الدین﴾ یقول اللہ مجدنی عبدی یقول العبد ﴿ایاک نعبدو ایاک نستعین﴾ یقول اللہ ھذا بینی و بین عبدی فلعبدی ماسال یقول العبد ﴿اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم غیر المغضوب علیھم ولا الضالین﴾ یقول اللہ فھؤلاء لعبدی ولعبدی ماسأل. (تفسیر معالم التنزیل)

حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ نماز مجھ میں اور میرے بندے میں تقسیم ہے اور میرا بندہ جو کچھ مانگتا ہے

اس کو ملتا ہے۔ جب بندہ ﴿الحمد للّٰہ رب العالمین﴾ کہتا ہے تو اللہ عز وجل فرماتا ہے کہ بندے نے میری تعریف کی۔ جب ﴿الرحمن الرحیم﴾ کہتا ہے تو فرماتا ہے کہ بندے نے میری ثناء کی۔ جب بندہ ﴿مالک یوم الدین﴾ کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے بندے نے میری بزرگی بیان کی۔ جب ﴿ایاک نعبدو ایاک نستعین﴾ کہتا ہے تو فرماتا ہے کہ میرا بندہ جو کچھ مانگے میں وہی دوں گا۔ اسی طرح جب بندہ ﴿اھدنا الصراط المستقیم﴾ آخر تک کہتا ہے تو حکم ہوتا ہے کہ بندے کی دعا قبول ہوئی اور وہ جو کچھ مانگتا ہے اس کو دیا جاتا ہے۔

(۲) پس اصلی غرض ضم سورہ سے جواب سوال ﴿اھدنا الصراط المستقیم﴾ ہے۔ لہٰذا سورۃ منضمہ بمنزلہ حکمنامہٗ احکم الحاکمین کے ہے، کیونکہ قرآن کریم سارے کا سارا بندوں کی ہدایت و رہنمائی کے لئے نازل ہوا ہے۔ تمام قرآن مجید میں یا تو: (۱) ایمان لانے نیک عمل کرنے، برے افعال اور بد اعمال سے بچنے کے احکام ہیں۔

(۲) انبیائے سابقین کے حالات اور اقوال اور ان کی قوموں یا امتوں کا ذکر ہے جس میں اس امر کی تصریح کی گئی ہے کہ ان میں سے جو کوئی ایمان لایا اور اچھے عمل کئے اسے نجات ملی اور جس نے انکار کیا وہ عذاب الٰہی میں گرفتار رہا۔

(۳) یا معاملات کی ہدایت ہے۔ پس قرآن کریم کی کسی آیت یا کسی سورت کو پڑھنے سے یہ مطلب ہوگا کہ جاؤ ہم نے تمہاری درخواست کو قبول کر لیا۔ تم آئندہ کو اس پاک قانون کی تابعداری کیا کرو۔ صراط مستقیم کی تمام ہدایتیں اور اس پر چلنے کے طریقے سب اس میں درج ہیں۔ اگر ان پر کاربند ہو گے تو ہمیشہ سیدھی راہ پر قائم رہو گے، اپنے مقصد و مراد کو پہنچ جاؤ گے۔

امام (وکیل) کو ہی حکم ہوتا ہے کہ اب تم ہی اس میں سے کچھ پڑھ کر اپنے مقتدیوں (مؤکلوں) کو سنا دو۔ امام الحمد شریف کے بعد اگر وہ آیتیں پڑھتا ہے کہ جن میں ایمان اور نیک عمل کرنے اور بری باتوں سے بچنے کی ہدایت ہے تو اس کی طرف اشارہ ہے کہ وہ اپنے پیچھے نماز پڑھنے والوں سے کہہ رہا ہے کہ تمہاری عرضی پر دربار الٰہی سے یہ حکم ہوا ہے کہ جاؤ ہم نے تمہارا

قصور معاف کیا، جاں بخشی کی۔ مگر آئندہ کے لئے اس دستور شاہی پر اگر کار بند رہو گے تو عدالت عالیہ ہمیشہ کے لئے جنت کی جاگیر عطا کرے گی۔

اور اگر سورۂ فاتحہ کے بعد وہ آیتیں تلاوت کیں کہ جن میں امم ماضیہ کی نافرمانیوں کا ذکر ہے تو اس میں یہ اشارہ ہوگا کہ دربار الٰہی سے یہ حکم ہوا ہے کہ جاؤ اس وقت تمہارا قصور معاف ہوا، لیکن یاد رکھو اگر تم نے بھی پھر ایسے ہی عمل کئے اور احکام الٰہی کی پھر بے حرمتی کی تو جو اُن منکروں کا حشر ہوا وہی تمہارا بھی ہوگا۔

اور اگر رحمت الٰہی کا ذکر ہے تو اس کا یہ مطلب ہوگا کہ جاؤ ہم نے تم کو بخش دیا۔ اور ہم اسی طرح بخشا کرتے ہیں اور تم ہمیشہ اسی طرح ہم سے معافی مانگتے رہا کرو۔

الحاصل بلحاظ عظمت و شان مسئول عنہ کے یہ دونوں ضروری ہیں یعنی فاتحہ کے بعد قرآن کریم میں سے بھی کچھ پڑھا جائے، تاکہ آئندہ کے لئے اس خدائی حکمنامہ کی قرأت و سماعت سے جو امام و منفرد نے اپنی اطاعت و فرماں برداری کا اظہار کیا ہے اس کی شہادت ملتی رہے اور یہ ظاہر ہو جائے کہ وہ ہر طرح اب خدائے پاک کے مطیع اور فرماں بردار ہیں۔

(۳) یہ مسئلہ یوں بھی حل ہوسکتا ہے کہ گویا گنہگار انسان کا اپنے مولا حکیم و کریم سے سوال کرنا' اور ہدایت کی سیدھی راہ پر چلنے کی استدعا پیش کرنا ایسا ہی ہے جیسے مریض کسی کامل طبیب سے اپنے مرض کی دوا طلب کرتا ہے، جس سے اس کی غرض یہ ہوتی ہے کہ امراضِ اعمال ناجائزہ' اعتقاداتِ ردیّہ اور شرک و بدعات جیسی مہلک اور تباہ کن بیماریوں سے مجھ کو نجات اور شفا حاصل ہو۔ پس اس کی درخواست کے جواب میں حکم ہوتا ہے کہ تمہاری بیماریوں کی شفا کلام الٰہی کی طب اکبری کے مجرب نسخوں میں ہے۔ قرآن کریم کو جہاں سے جی چاہے پڑھو اور اس پر عمل کرو۔ یہی ایک آزمودہ نسخہ تمام امراض روحانی؛ فسق و فجور، شرک و بدعت، کفر و انکار، حسد و ریا، کبر و کینہ، بخل و اسراف، غضب و غصہ وغیرہ امراض کے لئے کافی و شافی ہے۔ اس کی تلاوت سے تم کو تمہاری کہنہ بیماریوں کی دوا ملے گی۔ بس اب یہ سمجھو کہ سورۂ فاتحہ کا پڑھنا ایسا ہی ہے جیسے

کوئی مریض کسی کامل طبیب کے سامنے اپنی قابل رحم حالت بیان کر کے دوائی طلب کرتا ہے۔ اور سورۂ فاتحہ کے بعد کسی دوسری سورت قرآن کا پڑھنا بمنزلہ طبیب کے دوا دینے اور اس کے شکریہ کے ساتھ قبول کر لینے کے ہے۔ پس سورۂ فاتحہ ہی پر اگر اکتفا کیا جاتا تو مضمون ہی ادھورا رہ جاتا، طبیب مریض کی حالت اور استدعا تو سن لیتا، مگر اس کے لئے کوئی دوا نہ دینے کا کام اور الزام باقی رہ جاتا۔ خدائے حکیم حقیقی نمازی کی استدعا بھی سنتا اور اس کے لئے قرآن کریم جیسی شفاء اور رحمت کی دوا بھی عطا فرماتا ہے۔ جیسا کہ خدا کی مقدس کتاب میں ہے:

﴿وننزل من القرآن ما هو شفآء ورحمة للمؤمنين.﴾ (بنی اسرائیل:۸۲)

اور ہم نے قرآن میں ایسی ایسی چیزیں اتاری ہیں جو ایمان والوں کے لئے (امراض روحانی کا) علاج اور (موجب) رحمت ہیں۔

۴۔ بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ سورۂ الحمد شریف مجمل قرآن ہے اور الٓمٓ سے لے کر والناس تک مفصل قرآن ہے۔ اس صورت میں جب امام نے نمازیوں کی درخواست بذریعہ سورۂ فاتحہ جناب باری میں پیش کی اور سیدھی راہ پر چلنے کی ہدایت طلب کی تو گویا جناب الٰہی سے حکم ہوا کہ تمہارے سوال کا جواب خود تمہاری درخواست میں موجود ہے۔ اگر تم نہیں سمجھے تو امام (یا نمازی) خود قرآن مفصل پڑھ کر سمجھ لے کہ ﴿انعمت عليهم﴾ یعنی جن لوگوں پر انعام الٰہی ہوا (انبیاء، اولیاء، شہداء، صالحین) ان کا راستہ اور جن پر غضب الٰہی ہوا ایسے گمراہوں کے طریقے سب مفصل طور پر اس میں مذکور ہیں۔ پس اگر سورۂ فاتحہ کے بعد قرآن کی کوئی دوسری سورۃ نہ پڑھی جائے تو مطلب فوت ہو جاتا اور سوال کا جواب ادھورا رہ جاتا۔

(۵) قرآن کریم کی تلاوت اور اس کی تعظیم سب مسلمانوں پر لازم و واجب ہے۔ خدائے پاک نے سب سے افضل و اعلیٰ عبادت نماز میں اس کو فرض قرار دے کر اپنی ایک بڑی زبردست حکمت اور مصلحت کا اظہار کیا ہے، تا کہ ہر مسلمان کے کانوں میں کلام الٰہی کے احکام کی آواز پڑتی رہے، تا کہ ہر وقت کی یاددہانی سے وہ غافل اور بے پرواہ نہ ہو جائے، بلکہ اس کے دل میں احکام الٰہی کا خیال ہر وقت جما رہے اور وہ قانون شکنی سے خائف رہے۔

۶۔نماز میں تلاوتِ قرآن کریم میں ایک یہ حکمت ومصلحت ہے کہ جب تک ہر نمازی کو اور خاص کر امامِ نماز کو قرآن کریم کا کچھ حصہ یا پورا قرآن مجید یاد نہ ہو وہ نماز نہیں ادا کر سکتا۔ جس میں اس کی حفاظت و تلاوت منظور و مقصود ہے۔ تاکہ ہر ایک نمازی کے دل و دماغ میں قرآن مجید محفوظ رہے۔ اور ظاہر ہے کہ کوئی نمازی ایسا نہ ملے گا جس کو قرآن کریم کا کچھ نہ کچھ حصہ یاد نہ ہوگا۔ اور پیش اماموں میں تو ہزاروں لاکھوں قرآن کریم کے حافظ موجود ہیں۔ اگر نماز میں سورۂ فاتحہ کے بعد قرآن کی تلاوت کا حکم نہ دیا جاتا تو یہ بے نظیر فائدہ حاصل نہ ہوتا۔ اور قرآن مجید کی اس کثرت کے ساتھ تلاوت نہ ہوتی جتنی اب ہوتی ہے۔

نماز میں سارا قرآن فرض نہ ہونے کا راز

سورۂ فاتحہ کے بعد سارا قرآن کریم پڑھنا فرض و واجب نہیں بلکہ صرف چھوٹی تین آیتوں اور بڑی ایک آیت کا پڑھنا واجب ہے۔ اگر اللہ کا بندہ سارا قرآن مجید اپنی نماز میں پڑھ سکے تو اس کے لئے جائز ہے۔ بعض صحابہ اور تابعین کی نسبت ایک ایک رکعت میں ختم قرآن کریم کی روایتیں منقول ہیں۔ مگر شرع کو تو ہر فرد بشر کا لحاظ ضروری ہے۔ لہٰذا بغرض تخفیف و آسانی تھوڑا سا پڑھ لینا جائز رکھا۔ خدائے پاک نے خود ہی فرما دیا:

﴿فاقرءُ وا ما تیسر من القراٰن (سورۃ المزّمّل: ۲۰)

قرآن میں سے جہاں سے پڑھنے میں آسانی ہو پڑھ لیا کرو۔

کیونکہ قرآن مجید کی ہر سورۃ ایک پورا کلام ہے، جس کی بلاغت سے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منکرین نبوت کو عاجز کر دیا۔ نماز میں کسی ایک سورۃ کے مقرر ہونے میں یہ بھی راز ہے کہ ہر سورۃ اپنی ابتداء اور انتہا کی وجہ سے ایک پورا کلام ہوتا ہے۔ اور ہر سورۃ کا اسلوب جدا جدا ہے۔ اصل میں مناسب بھی یہی تھا کہ لوگوں کی آسانی کی غرض سے قرآن مجید کا نماز میں پڑھنا چھوٹے چھوٹے حصوں پر بانٹ دیا جاتا۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کی آسانی کے واسطے بعض مرتبہ سورۃ کے ایک ٹکڑے کو بھی نماز میں پڑھا۔ اس لئے تین

چھوٹی آیتوں یا ایک بڑی آیت کے پڑھنے کی اجازت دی گئی۔

فرضوں کی آخری دو رکعت میں ضم سورۃ نہ کرنے کا راز

نمازی آخر انسان ہے۔ اس سے نماز میں کوئی نہ کوئی قصور اور کمی رہ جانا یقینی ہے۔ بسا اوقات حضور وتوجہ یا فہم دل یا قراءت یا ارکان میں سے کسی رکن میں نقص وکسر رہ جاتی ہے۔ لہٰذا پہلی دو رکعتوں کے ساتھ دوسری دو رکعتیں ان نقصانات کے معاوضہ کے لئے ملائی گئی ہیں۔ اور قاعدہ ہے کہ جب کسی چیز کا جبر مطلوب ہوتا ہے تو اس کے ساتھ اس نوع کی ایسی چیز ملائی جاتی ہے جو حسب حیثیت ودرجہ اس سے ادنیٰ ہو۔ اگر پہلی دو رکعتوں میں فرائض کے ساتھ دوسری دو رکعتیں کامل مع ضم سورۃ ملائی جاتیں، جو ہر وجہ و ہر پہلو سے پہلی دو رکعتوں کے برابر ہوتیں، تو کسر کا جبر واکمال وتشریع رکعتین کی حکمت ضائع ہو جاتی۔ (اسرار شریعت)

نماز میں عورتوں کو بلند آواز سے قراءت نہ کرنیکی وجہ

فقہائے کرام نے لکھا ہے کہ عورتوں کو کسی وقت کی نماز میں قراءت بلند آواز سے کرنے کا اختیار نہیں بلکہ ان کو آہستہ آواز سے قراءت کرنا چاہئے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ عورت کی آواز ستر میں داخل ہے۔ اگر عورت بلند آواز نکالے گی تو غیر محرموں کے کانوں میں اس کی آواز پڑنے سے خرابی کا احتمال ہے۔ اس لئے عورت کو نماز بھی گھر کے اندر کوٹھڑی میں پڑھنا افضل ہے اور نماز میں بلند آواز سے قراءت کرنا منع ہے۔

بعض نمازوں میں قراءت جہری اور بعض میں قرأۃ سری کی وجہ

امام کو فجر کی دونوں رکعتوں میں اور مغرب اور عشا کی پہلی دو رکعتوں میں (خواہ قضا ہوں یا ادا) اور جمعہ اور عیدین اور تراویح کی نماز میں اور رمضان کے وتر میں بلند آواز سے قراءۃ کرنا واجب ہے۔ منفرد کو اختیار ہے چاہے بلند آواز سے قرأۃ کرے یا آہستہ آواز سے[1] اور امام کو ظہر، عصر

[1] آواز کے بلند ہونے کی فقہاء نے یہ حد بیان کی ہے کہ کوئی دوسرا شخص سن سکے اور آہستہ آواز کی یہ حد لکھی ہے کہ خود سن سکے دوسرا نہ سن سکے (فتاویٰ قاضی خاں وغیرہ)۔ مؤلف

کی کل رکعتوں میں اور مغرب وعشا کی اخیر رکعتوں میں قرأت آہستہ آواز سے کرنا واجب ہے (فتاویٰ قاضی خاں وغیرہ)

نماز عصر وظہر میں قراءت آہستہ آواز سے کرنے میں یہ حکمت ہے کہ دن کا وقت اکثر لوگوں کی مصروفیت اور مشاغل دنیوی کا ہوتا ہے جس کی وجہ سے دلی اطمینان اور قلبی توجہ پریشان رہتی ہے۔ ماسوا اس کے دن کو عام طور پر بازاروں، گلی کوچوں بلکہ گھر میں بھی شوروغل اور طرح طرح کے ڈھول باجوں وغیرہ کی آوازوں سے ایک طرح کا انتشار روحانیت ہوتا ہے۔ ایسی وقتوں میں جب کہ دلی توجہ نہ ہو اور متفرق امور وافکار سے دلوں کو فراغت نہ ہو قراءت کا آہستہ آواز سے مقرر ہونا ہی مناسب تھا۔ اور رات کے وقت عام طور پر دل امور وافکار سے خالی ہوتے ہیں۔ بازاروں میں شوروغل اور دیگر پریشان کن سامان نہیں ہوتے۔ مشاغل دنیوی کا خیال بھی کم ہوجاتا ہے اور ایک قسم کی خاموشی وسکون وآرام ہونے کی وجہ سے دلی توجہ بھی کم ہوتی ہے، کان بھی سننے پر آمادہ ہوتے ہیں۔ لہٰذا مغرب، عشاء اور فجر کے وقتوں میں بلند آواز سے قراءت کرنا مؤثر وموزوں تھا۔ حکمتِ الٰہی نے ان مصالح کو مدنظر رکھ کر دن کی نمازوں میں خفیہ اور رات کے وقتوں میں جہری قراءت مقرر فرمادی۔

۲۔ ابتدائے اسلام میں دشمنان اسلام قرآن شریف کی آواز سے بہت گھبراتے تھے اور جہاں اس پاک کلام کی آواز سنتے تھے شوروغل مچاتے تھے، جس کی وجہ سے مسلمانوں کی نماز میں بہت پریشانی ہوتی تھی۔ دن کو وہ چونکہ عام طور پر گلی کوچوں اور بازاروں میں پھرتے رہتے تھے۔ خدائے پاک نے مصلحتاً دن کی نمازوں میں قرآن کریم کا پڑھنا خفیہ مقرر فرمادیا۔ اور رات کو ایک تو وہ بھی اپنے گھروں میں گھس جاتے' اور دوسرا مسلمان بھی سب کے سب ایک جگہ جمع رہتے ہیں' اور ایسے لوگ جو امور مجبوریہ ومشاغل کی وجہ سے دن کو غیر حاضر رہتے تھے' وہ سب رات کو آکر جمع ہوجاتے تھے' اور کافروں کو کسی قسم کی شرارت کرنے کا موقع نہ رہتا تھا۔ لہٰذا رات کی نمازوں میں بلند آواز سے پڑھنے کا حکم دیا گیا۔ آئندہ بھی ایسے ہی موانع پیش آنے کے

خیال سے اس حکم کو عام کر دیا گیا۔ اور اب تک اسی پر عمل ہے۔

نماز میں قرآن مجید پڑھے جانے کی ایک اور وجہ

قرآن کریم کا پڑھنا بہت بڑا ثواب ہے۔ اس کے پڑھنے کی نعمت صرف انسان کو بخشی گئی ہے، شیاطین وغیرہ اس کی تلاوت پر قادر نہیں بلکہ بعض فرشتوں کو بھی یہ نعمت نصیب نہیں، وہ بھی اس آرزو میں رہتے ہیں کہ کوئی انسان تلاوت کرے اور وہ سنیں! ہاں مومنین جن کو یہ نعمت نصیب ہے البتہ وہ اس کی تلاوت پر قادر ہیں۔ (تفسیر القرآن)

۱۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قرآن مجید کے پڑھنے سے ہر حرف کے عوض میں دس نیکیاں ملتی ہیں۔ میں نہیں کہتا کہ الٓمٓ ایک حرف ہے بلکہ (الف) ایک حرف ہے، لام ایک حرف، میم ایک حرف ہے۔ (مقصود یہ ہے کہ صرف الٓمٓ کہنے سے تیس نیکیاں ملتی ہیں۔ سنن دارمی وغیرہ)

۲۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے ایک حرف کلام الٰہی کا نماز سے باہر سنا اسے دس نیکیاں ملیں، دس گناہ معاف ہوئے، دس درجے جنت میں ملے۔ اور جس نے ایک حرف قرآن مجید کا نماز میں بیٹھ کر پڑھا ہر ایک حرف کے بدلے میں پچاس نیکیاں ملیں گی، پچاس گناہ معاف ہوں گے، پچاس درجے جنت میں بلند ہوں گے۔ جس نے کھڑے ہو کر نماز میں قرآن کریم پڑھا ایک ایک حرف کے بدلے میں سو سو نیکیاں ملیں گی، سو سو گناہ معاف ہوں گے اور سو سو درجے جنت میں بلند ہوں گے۔ (کنز العمال)

۳۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس شخص کی مثال جو امام کے ساتھ سورۂ فاتحہ کے شروع میں آ کر جماعت میں شامل ہو جائے ایسی ہے جیسے کوئی شخص دار کفر فتح کرنے میں شروع سے شامل رہا۔ اور اس شخص کی مثال جو سورۂ فاتحہ کے اخیر میں آ کر نماز میں ملا ایسی ہے جیسے کوئی شخص بعد فتح کرنے کے غنیمت کے بانٹنے میں شریک ہو کر حصہ دار بن گیا۔ مقصود یہ ہے کہ نماز کے شروع میں آ کر شامل ہونا جہاد اکبر اور باعثِ اجر عظیم ہے۔ اور اخیر میں آ کر ملنا

مفت کا ثواب ہے۔ (کنز العمال)[1]

۴۔ خالد بن معدانؒ سے روایت ہے کہ جو شخص قرآن مجید پڑھے اس کو اکہرا ثواب ملے گا، اور جو اس کو سنے اس کو دوہرا ثواب ملے گا۔ (دارمی)۔ اسی حدیث سے علماء نے اخذ کیا ہے کہ قرآن مجید کے سننے میں پڑھنے سے بھی زیادہ ثواب ہے۔ (کبیری)۔ پس نماز میں قرآن کریم کے پڑھنے میں یہ حکمت ہے کہ نمازی اس کی تلاوت کا ثواب بے حساب حاصل کر کے جنت کے درجات میں ترقی کرے، اور اس کے گناہوں کی مغفرت ہو جائے۔

رکوع کی حکمتیں

رکوع کے احکام

ا۔ نمازی کو حکم ہوتا ہے کہ سورۃ پڑھ چکنے کے بعد اللہ اکبر کہتا ہوا جھک جائے۔[2] ہر رکعت میں ایک مرتبہ رکوع کرنا فرض ہے۔ اگر کسی کی پیٹھ بڑھاپے وغیرہ کے باعث جھک گئی ہو اور ہر وقت اس کی حالت رکوع کے مشابہ رہتی ہو تو اس کو رکوع میں سر جھکا دینے کی ضرورت ہے۔ رکوع میں جاتے وقت تکبیر کہنا اور تکبیر اور رکوع کی ابتداء ساتھ ہی ہو اور رکوع میں اچھی طرح پہنچ جانے کے ساتھ ہی تکبیر کا ختم ہو جانا سنت ہے۔ مردوں کا رکوع میں اس طرح ہونا کہ دونوں ہاتھ گھٹنوں پر ہوں۔ ہاتھوں کی انگلیاں کشادہ ہوں اور سر اور پیٹھ اور سُرین برابر ہوں؛ ایسا نہ ہو کہ سر جھکا ہوا ہو اور پیٹھ اٹھی ہوئی ہو سنت ہے۔ عورتوں کو صرف گھٹنوں پر ہاتھ رکھ لینا اور انگلیوں کو ملائے رکھنا، اور صرف اس قدر جھکنا کہ ان کے ہاتھ گھٹنوں تک پہنچ جائیں سنت ہے۔ رکوع میں پنڈلیوں کا سیدھی رکھنا اور مردوں کا دونوں ہاتھوں کو پہلو سے جدا رکھنا اور رکوع میں کم

---

[1] یہ دونوں حدیثیں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت سے کنز العمال میں منقول ہیں۔ مؤلف۔

[2] رکوع کی حد فقہاء نے یہ بیان کی ہے کہ نمازی اسی قدر جھک جائے جس میں دونوں ہاتھ گھٹنوں تک پہنچ جائیں۔ صرف جھک جانا فرض ہے، کچھ دیر تک جھکا رہنا فرض نہیں۔ مؤلف۔

از کم تین دفعہ سبحٰن ربی العظیم کہنا سنت ہے۔(منیہ۔مراقی الفلاح وغیرہ)

رکوع کرنے کی حکمتیں

ا۔جب بندے کا سوال پورا ہوگیا۔اوراس کی عرض قبول ہوگئی تو اس انعام کے شکر یہ میں آداب و نیاز بجالانا اس کے ذمہ ضرور ہوا۔اور یہ ظاہر ہے کہ جھکنا اور زمین پر سر رکھ دینا انتہائی آداب و نیاز ہیں، جو عطائے انعام کے وقت بجالائے جاتے ہیں۔اسی لئے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اذا قام العبد فی صلاتہ ذرّ البرّ علٰی راسہ حتّٰی یرکع (جامع صغیر سیوطی)

بندہ جس وقت نماز میں کھڑا ہوتا ہے تو رکوع میں جانے تک اس کے سر پر نیکیاں برسائی جاتی ہیں۔

ایک دوسری حدیث میں ہے کہ جس وقت بندہ نماز کے لئے کھڑا ہوتا ہے تو اس کے لئے آسمانوں کے دروازے کھولے جاتے ہیں۔اور وہ پردے کہ جو بندے اور خدائے تعالٰی کے درمیان میں ہوتے ہیں اٹھ جاتے ہیں (کنز العمال)۔جب اس قدر انعامات الٰہیہ کی بندے پر بارش برس رہی ہو تو بندے کو بھی لازم ہے کہ اپنی شکر گزاری کا فی الفور اظہار کرے۔رکوع و سجود اُس شکر گزاری کی حالت پر دلالت کرتے ہیں جو فرماں بردار اور شکر گزار بندے کو انعام ملنے یا اس کی درخواست منظور ہونے یا اس کی حاجت روائی کے وقت ہونی چاہئے یعنی جھکنا اور اپنے محسن کے قدموں پر سر رکھ دینا۔

(۲) رکوع کے جھکنے میں یہ بھی راز ہے کہ جب نماز کی عرضی پر قسم قسم کی ہدایتیں لکھی گئیں اور اس کو سنا دی گئیں۔ان کو سن کر نمازی نے فوراً سر تسلیم خم کیا اور گردن جھکا دی، کمر سامنے کر دی۔گویا زبان حال سے یہ کہہ رہا ہے کہ اے شہنشاہ ذوالجلال مجھ بندے گنہگار کی پیٹھ حاضر ہے، جس قدر آپ کا دل چاہے اس پر عملوں کا بھاری بوجھ رکھ دیجئے، آپ کو اختیار ہے خواہ اس کمر کو توڑ دیئے یا چھوڑ دیئے میں تو یہ کہہ رہا ہوں۔

سر تسلیم خم ہے جو مزاج یار میں آئے

رکوع میں تسبیح پڑھنے کا سر

جب نمازی کو اس کی درخواست پر شاہی پروانہ یا دستور العمل پڑھ کر سنایا گیا تو اس کی امتثال امر کے لئے جھکنا لازم ہوا۔ کیونکہ جھکنا اطاعت اور فرمانبرداری کی دلیل ہے۔ دنیا کا قاعدہ ہے کہ جب حاکموں کی طرف سے رعایا کے نام کوئی حکم نامہ یا پروانہ آتا ہے، اور ان کو پڑھ کر سنایا جاتا ہے تو رعایا کی طرف سے اس کی اطلاع یابی اور فرمانبرداری کا ایک نمونہ ضرور ہوا کرتا ہے۔ سو نمازی رکوع میں جھک کر **سبحٰن ربی العظیم** پڑھتا ہے جس میں اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ الٰہی تیری ذات پاک اور تیری سرکار بڑی ہے۔ میں تیرا خانہ زاد غلام ہوں۔ یہ میرا جھکنا تیری اطاعت اور فرمانبرداری کے لئے ایک دلیل ہے، میں ہمیشہ تیرے حکم کا پابند اور تیرے حکمنامہ کے امر پر عمل پیرا رہوں گا۔ اور کبھی سرتابی نہ کروں گا۔

(۲) رکوع میں یہ بھی حکمت ہے کہ جب بندہ اپنے مولا کے سامنے اس کی تعظیم ادا کرنے کے لئے اپنی بڑائی اور غرور کو سر سے نکال کر اپنی ہیئت بگاڑ کر ادنیٰ درجہ (چار پایوں کی صورت بنا کر گردن جھکا کے حضور) میں آتا ہے تو حسب ارشاد نبوی:

(من تواضع لله رفعه الله).

جو اللہ تعالیٰ کے لئے جھکے گا خدا اس کو (مرتبہ میں) بلند کرے گا۔

خدائے پاک اسے قبول فرماتا اور عزت بخشتا ہے۔ اس پر انعام واکرام نچھاور کرتا ہے۔ جیسا کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ان العبد اذا ركع فكانما تصدق بوزنه ذهبا واذا قال سبحان ربى العظيم فكانما قرأ كل كتاب نزل من السمآء (مجالس سنیہ)[1]

جب بندہ نماز کے اندر رکوع میں جاتا ہے تو اپنے وزن کے برابر سونا خیرات کرنے کا ثواب، اور جب اس میں تسبیح (سبحان ربی العظیم) کہتا ہے تو ساری آسمانی کتابوں کے پڑھنے کا ثواب اس کے نامۂ اعمال میں لکھا جاتا ہے۔

---

[1] مجالس سنیہ شرح اربعین نوویہ میں حضرت عبداللہ بن عمر سے یہ حدیث مروی ہے۔ مؤلف۔

سمع اللہ کہنے کی حکمت

جب نمازی نے اطاعت اور فرمانبرداری کے لئے گردن جھکادی۔ تو اب درگاہ رب العزت سے ارشاد ہوا کہ جاؤ ہم نے تمہاری کمر کا بوجھ ہلکا کر دیا اور تمہارے گناہوں کی گٹھڑی کو دور کر دیا۔ نمازی کو حکم ہوتا ہے کہ وہ رکوع سے اٹھ کر سیدھا کھڑا ہو جائے۔ امام صرف سمع اللہ لمن حمدہ [1] اور مقتدی صرف ربنا لک الحمد [2] اور منفرد [3] دونوں کہے۔ اس میں اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ رکوع سوال حالی تھا اور سمع اللہ کا کہنا اس میلان ربی کا شاہد ہے۔ جب نمازی کو حکم ہوا کہ ہم نے تمہاری کمر کا بوجھ اتار دیا تو اب نمازی کھڑا ہوتا ہے اور بوجھ ہلکا کرنے والے اپنے مولا کے حضور میں اس کی حمد بیان کر کے اس کا شکریہ ادا کرتا ہے۔

اگر نماز باجماعت ہے تو امام اپنے مقتدیوں کو بشارت دیتا ہے کہ حضور اقدس واعلیٰ نے تمہاری یہ درخواست قبول فرمالی۔ اب تم سر اٹھاؤ۔ مقتدی بھی سر اٹھا کر بطور شکر یہ ربنا لک الحمد پڑھتے ہیں۔ یعنی کہتے ہیں کہ ایسے مہربان اور قبول کرنے والے مولا ہی کی ذات قابل حمد و ستائش ہے۔

یہی مضمون حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جس وقت بندہ نماز کے لئے کھڑا ہوتا ہے تو اس کے تمام گناہ باندھ کر اس کے سر پر رکھے جاتے ہیں۔ جب وہ رکوع میں جاتا ہے تو وہ سارے گناہ گر جاتے ہیں۔ [1] (کنز العمال)

پس جب بندے کے سارے گناہ گر گئے اور وہ گناہوں سے پاک صاف ہو گیا تو وہ خوش ہو کر سیدھا کھڑا ہو گیا۔ اور زبان سے کہتا ہے سمع اللہ لمن حمدہ یعنی سن لیا اس مولا نے جو کچھ اس کی جناب قدس میں عرض کیا گیا تھا۔

---

[1] اللہ تعالیٰ سنتا ہے جو اس کی تعریف کرتا ہے۔

[2] اے ہمارے پروردگار تعریف تیرے لئے ہے۔ مؤلف

[3] اکیلا نماز پڑھنے والا۔ مؤلف۔

عورتوں کو اچھی طرح نہ جھکنے کی وجہ

عورتوں کو مردوں کی طرح رکوع میں جھکنے کی ممانعت کی یہ وجہ ہے کہ عورت کے ستر کے کھلنے کا خوف ہوتا ہے، زیادہ جھکنے سے عورت کی چھاتیوں کا لٹکنا' علاوہ کشفِ عورت کے بدنمائی اور تکلیف کا سبب بھی ہوتا ہے۔ لہٰذا شرع نے عورت کے لئے ایسی صورت رکوع کی مقرر فرمائی کہ اس میں نہ تو کشف عورت ہوتا ہے اور نہ بدنمائی اور تکلیف کا ڈر ہے۔

عورتوں کو رکوع میں کہنیوں کے ملائے رکھنے کی وجہ

کہنیوں کو حالت رکوع میں ملائے رکھنے کی وجہ بھی وہی ہے کہ اگر عورت مردوں کی طرح اپنی کہنیوں کو ملائے رکھے تو اس کے ستر عورت کے کھلنے کا خوف اور چھاتیوں کے ابھار اور دیگر حصہ بدن کے ظاہر ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ اس لئے شرع نے حکم دیا کہ عورت کو کہنیاں ملی ہوئی رکھنا چاہئے۔ اکثر ایسے مسائل میں کہ جن میں مردوں اور عورتوں میں امتیاز اور اختلاف شرع نے رکھا ہے[1]۔ عورت کے پردے اور مرد و عورت کے جذبات کو ملحوظ رکھ کر احکام صادر فرمائے ہیں جو شرع اسلام کی عمدگی اور جامعیت اور کمال کی دلیل ہے۔

نماز میں قومہ مقرر ہونے کا راز

جب آدمی رکوع کر چکا۔ اور اب اس کو سجدہ میں جانے کی ضرورت ہے لیکن سجدہ تک نہیں پہنچ سکتا جب تک کہ پھر نہ جھکے۔ اسی واسطے رکوع کے بعد اٹھ کر کھڑا ہو جانا چاہئے۔ جس کو فقہا قومہ کہتے ہیں۔ یہ کھڑا ہونا واجب[2] ہے۔ اب یہ ظاہر ہے کہ یہ کھڑا ہونا ایک تیسرا فعل ہے جو رکوع اور سجدے سے الگ ہے۔ اس میں یہ راز ہے کہ قومہ ان دونوں (رکوع و سجدہ) میں ایک حد فاصل ہے تا کہ یہ دونوں آپس میں ایک دوسرے سے علٰحدہ ہو کر ہر ایک' ایک مستقل عبادت ٹھہرے،

---

1. رکوع میں انگلیاں ملی ہوئی رکھنے کی وجہ بھی یہی پردہ ہے (مؤلف)

2. فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص قومہ کرنا بھول جائے تو اس پر سجدہ سہو کرنا لازم ہوگا، جس سے معلوم ہوا کہ اگر قومہ واجب نہ ہوتا تو سجدہ سہو کیوں لازم آتا۔ کیونکہ سجدہ سہو واجب کے ترک سے ہوتا ہے، سنت کے ترک سے نہیں ہوتا۔ بعض فقہاء نے لکھا ہے کہ قومہ سنت ہے۔ مگر محقق یہی ہے کہ واجب ہے۔ (مؤلف)

جس سے یہ بھی فائدہ ہو کہ نفس ہر ایک کا ارادہ بھی جدا کرے اور ہر ایک کے اثر قبول کرنے میں تنبیہ و آگاہی بھی علحدہ پائی جائے۔ ان ہی مصلحتوں کی وجہ سے یہ قومہ مقرر ہوا اور حکم دیا گیا کہ نمازی رکوع کی تسبیح جب پڑھ چکے تو اٹھ کر سیدھا کھڑا ہو جائے۔

قومہ میں توقف کرنے کی وجہ

قومہ میں اس قدر ٹھہرنا کہ ایک مرتبہ تسبیح کہی جا سکے واجب ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ قومہ اور جلسہ بدون اطمینان کے ایک طرح کا کھیل ہے۔ قومہ میں تھوڑی دیر توقف کرنے میں یہ فائدہ ہوگا کہ رکوع اور سجدہ کے درمیان میں اس کی وجہ سے ایک امتیاز اور فاصلہ قائم ہو جائے گا۔ اور نمازی جب کھڑا ہو جائے تو اس کو مناسب ہے کہ اپنے تمام اعضاء میں ذرا سکون دے لے، تا کہ یہ فعل بھی باطمینان ادا ہو جائے۔ اکثر لوگ جلدی میں قومہ اور جلسہ کی پرواہ نہیں کرتے۔ حالانکہ یہ ایک بہت بڑی غلطی اور سستی ہے۔ قیام کے ہر ایک فعل کو اطمینان سے ادا کرنے کا حکم ہے۔

رکوع اور سجود میں بار بار تکبیر کہنے کی وجہ

رکوع اور سجدے میں آتے جاتے اٹھتے بیٹھتے اللہ اکبر کہنا سنت ہے۔ مؤطا امام مالک میں ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جھکتے وقت اور اٹھتے وقت تکبیر کہا کرتے تھے۔ تمام ائمہ کا اس کے سنت ہونے پر اتفاق ہے۔ اور اسی حدیث سے تکبیر کا اس خاص طریقہ سے کہنا بھی معلوم ہوتا ہے۔ تکبیر تحریمہ اور ان تکبیروں میں یہ فرق ہے کہ ان میں ہاتھوں کو اٹھانے کی ضرورت نہیں[1]۔ کیونکہ ہاتھوں کو بلند کرنا تکبیر تحریمہ کے ساتھ مختص ہے اور یہی حنفیہ کا مذہب ہے۔

---

[1] رفع یدین کے بارے میں حنفیوں کے دلائل

رفع یدین کرنا حضرت امام ابو حنیفہ امام اعظم کے نزدیک صحیح نہیں۔ حنفی علماء کے دلائل میں سے ایک یہ حدیث شریف ہے کہ:

(۱) علقمہ سے مروی ہے کہ عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا کہ کیا میں تم کو نماز نہ پڑھاؤں جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پڑھتے تھے، پس نماز پڑھی انھوں نے اور ہاتھ نہیں بلند کئے مگر پہلی دفعہ یعنی تکبیر تحریمہ کے وقت (ترمذی شریف) امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن کہا ہے اور لکھا ہے کہ اسی کے قائل ہیں بہت سے اہل علم

(۱) رکوع وسجود کے تکرار تکبیر میں یہ حکمت ہے کہ اگر نماز سب مل کر جماعت کے ساتھ نماز پڑھ رہے ہیں تو اب ان کو ضرورت ہے کہ امام کی رکوع وسجود کی نقل وحرکت ان کو معلوم ہوتی رہے، تاکہ وہ اس کی متابعت پورے طور سے بجا لاسکیں۔ شرع اسلام نے نماز میں امام کو حکم دیا کہ وہ رکوع وسجود میں اٹھتے بیٹھتے بلند آواز سے تکبیر کہہ دیا کرے تاکہ جماعت کے لوگ اس کی تکبیر کو سن کر اس کا ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف منتقل ہونا معلوم کر کے اس کا ساتھ دے سکیں۔

(۲) اس میں یہ بھی حکمت ہے کہ اگر آدمی اکیلا نماز پڑھ رہا ہے تو بھی اس کو ضرورت ہے کہ ایک حالت سے دوسری حالت تک منتقل ہونے میں تکبیر کہتا ہوا جائے، تاکہ دونوں حالتوں کے درمیان ایک تیسرا فعل حائل ہو کر ان کو متمیز کر دے۔ تکبیر کے تکرار میں نفس کو ہر مرتبہ خدائے پاک کی عظمت اور کبریائی پر تنبیہ اور آگاہی ہوتی ہے جس سے نمازی کو اپنی عجز و انکساری اور ذلت ومسکنت پر توجہ بڑھتی رہتی ہے جو نماز کا اصلی مقصد اور مفہوم ہے۔

اصحاب نبی ﷺ سے اور تابعین سے اور یہی قول ہے سفیان اور اہل کوفہ (یعنی امام اعظم ابوحنیفہؒ) کا۔

اس حدیث شریف سے ثابت ہے کہ سوائے تکبیر تحریمہ کے رکوع میں جاتے وقت یا رکوع سے اٹھتے وقت ہاتھوں کا اٹھانا مسنون نہیں۔ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کا یہ فعل درحقیقت ایک بڑی حکمت پر مبنی ہے کہ نماز کا مدار اعضاء کے سکون پر ہے اور ہاتھوں کا بار بار اٹھانا سکون کے خلاف ہے۔

(۲) امام طحاویؒ نے سند صحیح کے ساتھ حدیث بیان کی ہے کہ حضرت ابن عمرؓ رفع یدین نہیں کرتے تھے۔

اور جو حدیثیں رفع یدین کے بارے میں عبداللہ ابن عمرؓ سے بخاری شریف میں درج ہیں وہ تمام منسوخ ہیں۔ چنانچہ عینی شرح بخاری میں لکھا ہے کہ حصین بن مجاہد کہتے ہیں کہ میں نے ابن عمر کے پیچھے نماز پڑھی، وہ تکبیر اولیٰ کے سوا رفع یدین نہیں کرتے تھے۔

(۳) ابن ابی شیبہ اپنی مصنف میں لکھتے ہیں کہ حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا کہ میں نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کے پیچھے نماز پڑھی۔ تو وہ سوائے پہلی تکبیر کے رفع یدین نہیں کرتے تھے۔

(۴) عینی میں ہے کہ عبداللہ ابن زبیرؓ نے ایک شخص کو رکوع میں رفع یدین کرتے دیکھا تو فرمایا کہ ایسا مت کرو۔ کیونکہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کام کیا، پھر ترک کر دیا۔ مؤلف۔

طوالت کے خوف سے اصل عبارتیں درج نہیں کی گئیں۔ جو دیکھنا چاہے وہ کتابیں نکال کر دیکھ لے۔ (مؤلف)

سجدہ کی حکمتیں

سجدہ کے احکام

ا۔ سجدہ میں پیشانی اور ایک پیر کی کسی انگلی کا زمین پر رکھنا فرض ہے۔ اور اگر پیشانی نہ رکھ سکتا ہو (کسی عذر کی وجہ سے) تو بجائے اس کے صرف ناک رکھ دینا کافی ہے۔ ہر رکعت میں دو سجدے فرض ہیں۔ ایک سجدہ قرآن مجید سے ثابت ہے اور دوسرا احادیث و اجماع سے (مراقی الفلاح وغیرہ)

سجدے میں پورے دونوں ہاتھوں اور گھٹنوں اور دونوں پیروں اور ناک کا زمین پر رکھنا واجب ہے (۱) سجدے میں جاتے وقت اللہ اکبر کہنا (۲) سجدے میں جاتے وقت پہلے گھٹنوں کو زمین پر رکھنا۔ پھر ہاتھوں کو پھر ناک کو پھر پیشانی کو، اور اٹھتے وقت پہلے ناک کو اٹھانا پھر پیشانی کو پھر ہاتھوں کو پھر گھٹنوں کو (۳) سجدے کی حالت میں منہ کو دونوں ہاتھوں کے درمیان میں رکھنا (۴) سجدے کی حالت میں مردوں کو اپنے پیٹ کا زانو سے، اور کہنیوں کا پہلو سے علحدہ رکھنا اور کہنیوں کا زمین سے اٹھا ہوا رکھنا، اور عورتوں کو پیٹ کا زانو سے، کہنیوں کا پہلو سے ملا ہوا، اور ہاتھ کی باہوں کا زمین پر بچھا ہوا رکھنا (۵) سجدے کی حالت میں دونوں ہاتھ کی انگلیوں کا ملا ہوا رکھنا (۶) سجدے میں دونوں پیر کی انگلیوں کا قبلہ رخ رکھنا (۷) سجدے میں دونوں زانوؤں کا ملا ہوا رکھنا (۸) سجدے میں کم سے کم تین مرتبہ سبحٰن ربی الاعلیٰ کہنا (۹) سجدے سے اٹھتے وقت تکبیر کہتے ہوئے سر کا اٹھانا (۱۰) سر اٹھاتے وقت زمین سے ہاتھوں کو سہارا دینا، یہ امور سنت ہیں۔

سجدہ مقرر ہونے کی وجہ

(۲) نماز میں انسان کو اپنے مولا کے دربار میں مجرمانہ صورت میں کھڑا ہونا پڑتا ہے، کیونکہ قیام بھی خدمت گاروں کے آداب میں سے ہے۔ رکوع اس امر کی دلیل ہے کہ وہ تعمیل حکم

سرکار رب العالمین کے لئے کس قدر گردن جھکاتا ہے۔ اور سجدہ کمال آداب اور کمال تذلل و نیستی کو۔۔ جو عبادت کا مقصود ہے ۔۔ ظاہر کرتا ہے۔ یہ آداب اور طریق ہیں جو بطور یادداشت مقرر کئے گئے ہیں۔ جسم کو باطنی طریق سے حصہ دینے کی خاطر ان کو مقرر کیا ہے۔ پس یوں سمجھو کہ نمازی کو حضور میں کھڑے کھڑے ایک خاص حالت طاری ہوئی تھی۔ قرب الٰہی کے نور کا اثر ہوتا چلا تھا۔ اس کو خیال آیا کہ جب میں گناہوں کی معافی کے لئے اپنے مولا کے سامنے رکوع میں جھکا تھا تو کسی قدر جلال و جمال کے دروازے پر بھی پہنچا تھا۔ اور سرور و نور بھی زیادہ ہوا تھا۔ جب دور کی حضوری میں یہ اثر ہوا تو بالکل در دولت پر حاضر ہو کر خدا جانے کیا حاصل ہوگا!!۔ یہ سوچ کر سیدھا کھڑا ہونے کے بعد فوراً سجدے میں گر گیا۔ اور اپنے مولا کے قدموں میں سر رکھ کر عرض کرنے لگا سبحٰن ربی الاعلٰی (مجھ ناچیز ذلیل کا پروردگار اعلیٰ ہے) میں کس طرح اس کے شان عالی کا اظہار کر سکتا ہوں۔ اس نے مجھے اس خاک سے پیدا کیا جس پر میں سر عجز و نیاز رکھ کر اپنے مولا کی کبریائی اور علو شان کا اقرار کرتا ہوں۔ بندہ اسی عرض میں تھا کہ ارشاد ہوا کہ اے خاک کے پتلے! اے بندے اٹھ اور سب کو دکھا کہ ہم نے تمہیں کس طرح اس خاک سے پیدا کیا۔

دو سجدوں کے مقرر ہونے کی حکمت

(۳) یہ سن کر بندہ فوراً اللہ اکبر کہتا ہوا خاک سے اٹھا اور اپنے خالق حقیقی کی قدرت کو عیاں کر دکھایا۔ اٹھ کر بیٹھا ہی تھا کہ وہاں سے پھر ارشاد ہوا کہ اس زندگی پر مغرور نہ ہونا پھر تمہیں اسی خاک میں ملنا ہوگا۔ جاؤ دوسرا سجدہ کرو۔ پھر خاک میں مل کر دکھاؤ کہ بندہ مر کر کس طرح خاک میں ملے گا۔ یہ سن کر فوراً ہی اللہ اکبر کہتا ہوا سجدے میں گر گیا اور وہی پہلی تسبیح ادا کی۔ ارشاد ہوا کہ ہم دوبارہ مارنے کے بعد پھر زندگی کریں گے۔

﴿منھا خلقنا کم وفیھا نعیدکم ومنھا نخرجکم تارۃ اخریٰ﴾ (طٰہٰ:۵۵)

اسی زمین سے تم کو پیدا کیا۔ پھر اسی میں تم کو لوٹا کر لائیں گے۔ اور اسی سے تم کو دوبارہ

نکال کھڑا کریں گے۔

بندہ تکبیر کہتا ہوا سیدھا کھڑا ہو گیا کہ دیکھو اس طرح خاک سے زندہ ہو کر قیامت میں کھڑے ہو جائیں گے۔ لیکن جو کچھ نمازی کی آنکھوں نے دیکھا اور جو دل میں ذوق وشوق پیدا ہوا اس نے لاچار کیا کہ اب دوبارہ حضور میں حاضر ہونے کی پھر عرضی دی جائے۔ چنانچہ عرضی پیش ہوئی اور پھر بلایا گیا اور وہی پہلی دفعہ کی طرح معاملہ ہوتا رہا۔

(۲) یہ بھی واضح طور پر بیان ہو چکا ہے کہ جسمانی تعظیم کے لئے تین باتیں فطرتی امور میں داخل ہیں۔ چنانچہ سب سلاطین کے درباروں میں ان ہی باتوں کو تعظیم شاہی میں داخل سمجھا گیا ہے: (۱) دست بستہ کھڑا ہونا (۲) جھکنا (۳) سجدہ کرنا یعنی پاؤں پر سر رکھ دینا۔ اور عمدہ تعظیم وہی ہے جو سب کی جامع ہو۔ اور ظاہر ہے کہ سجدے سے بڑھ کر کوئی درجہ تعظیم کا نہیں۔ سجدہ میں علاوہ تعظیم کے اظہار شکر بھی ہے، جیسا کہ حدیث میں وارد ہے کہ سجدہ تلاوت میں یہ دعا پڑھی جائے:

سجد وجهی للذی خلقه وصوره وشق سمعه وبصره بحوله وقوته فتبارک الله احسن الخالقين .

میرے منہ نے اس کو سجدہ کیا جس نے اس کو پیدا کیا ہے اور جس نے اس کو بنایا ہے، اور اس میں کان اور آنکھ پیدا کئے اپنی طاقت اور قوت سے، پس بزرگ ہے اللہ اچھا پیدا کرنے والا۔

نمازی جب سجدہ کرتا ہے تو وہ اپنے پیدا کرنے والے مولا کے حضور میں اپنے سر نیاز کو اس کے قدموں میں رکھ دیتا ہے جیسا کہ مروی ہے کہ

ان الساجد يسجد فی قدمی الرحمن (جامع صغیر للسیوطی)

سجدہ کرنے والا رحمٰن (خدا) کے قدموں پر سجدہ کرتا ہے۔

پس واضح ہو گیا کہ تعظیمی ارکان میں مقصود بالذات سجدہ ہی ہے، کیونکہ وہ تعظیم کا سب سے اعلیٰ درجہ ہے اور باقی امور (قیام ورکوع وغیرہ) اس کے لئے واسطہ وذرائع ہیں۔ لہٰذا شرع اسلام نے قرار دیا کہ سجدہ کو دو دفعہ کیا جائے تاکہ تعظیم کا مقصد اعلیٰ کما حقہ ادا ہو جائے۔

(۳) جب فرشتوں کو درگاہِ رب العزت سے حکم ہوا کہ آدم کو سجدہ کرو۔ سب ملائکہ نے اس حکم کی تعمیل کی۔ مگر ابلیس نے سجدہ کرنے سے انکار کیا۔ اس کی پاداش میں خدائے پاک نے اس کے گلے میں لعنت کا طوق ڈالا اور مردودِ درگاہ بنا دیا۔ جب فرشتوں نے سجدے سے سر اٹھایا اور ابلیس کی یہ حالت دیکھی تو فوراً دوبارہ سجدے میں گئے اور عرض کیا کہ الٰہی! تیرا شکر ہے کہ تو نے ہم کو سجدہ کرنے کی توفیق عطا فرما کر اس نافرمانی کی لعنت سے بچایا۔

خداوند پاک نے نماز میں وہی دو سجدے ہر رکعت میں مقرر فرمائے تاکہ نمازی کو فرشتوں کی عبادت کا ثواب حاصل ہو اور ساری عبادت کے ارکان میں فرشتوں کے برابر ہو جائے۔ پس جس طرح فرشتوں کا پہلا سجدہ اطاعت کا تھا اور دوسرا سجدہ لعنت سے بچ کر رحمتِ الٰہی میں آنے کے بدلہ میں شکریہ کا تھا، اسی طرح نمازی کا پہلا سجدہ اطاعت اور تعظیم کے لئے اور دوسرا سجدہ اس اطاعت اور تعظیم کی توفیق کے عطا ہونے کے شکریہ کے واسطے مقرر ہوا۔

سجدے میں جاتے اور اٹھتے وقت کی ترتیب کا راز

سجدہ میں جاتے وقت پہلے گھٹنے ٹیکنے پھر ہاتھ پھر منہ، اور سجدے سے اٹھتے وقت اس کے بالعکس یعنی پہلے پیشانی پھر ناک پھر ہاتھ اٹھانا سنت ہے۔ اس کے خلاف کرنا بلا عذر سخت مکروہ ہونے میں یہ راز ہے کہ سجدے میں جانا ظاہر و باطن میں موت اور فنا کی صورت ہے۔ قیام اور کھڑے ہونے کی نسبت سجدہ بالکل پستی اور فنا ہے۔ پھر گنہگار کا سجدہ کرنا گناہوں کی معافی کے لئے باطنی طور پر فنا ہے۔ جب سجدے میں جانا موت اور فنا کی ہم شکل ہے تو انسان کی موت کی صورت یہ ہے کہ پہلے گھٹنوں کی جان نکلتی ہے، پھر ہاتھوں کی، پھر سینے کی پھر سر اور منہ کی۔ لہٰذا سجدے میں موت کے ہم شکل ہونا مناسب ہوا، اور سجدے سے اٹھنا ظاہر طور پر حیات اور زندگی تھی، باطنی طور پر گناہ معاف کرا کر اٹھنا بھی ایک طرح کی باطنی زندگی اور بقا ہے۔ پس سجدے سے اٹھنا زندگانی کی صورت ہے۔

پس مناسب ہوا کہ جس طرح سب سے اول ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام کو حیات

اور زندگی ملی تھی اسی طرح سجدہ سے اٹھنے والا بھی اٹھے۔ پہلے آدمؑ کے سر میں جان داخل ہوئی تھی، پھر ہاتھوں میں پھر گھٹنوں میں۔ یہی وجہ ہے کہ سجدہ سے سر اٹھانے والے کو حکم ہوا کہ چونکہ وہ بھی موت کے بعد زندہ ہونے والے کی مثال ہے، اس لئے وہ بھی پہلے سر اٹھائے پھر ہاتھ پھر گھٹنے۔ الحاصل سجدے میں جانا موت کی صورت تھی، یہی سبب ہے کہ سجدے کا موت اور جاں کندنی کی طرح ادا کرنا مقرر ہوا۔ سجدے سے اٹھنا حیات اور زندگانی تھی، زندوں کی طرح اٹھنا مناسب اور لائق ہو۔ (احسن المواعظ)

سات اعضاء پر سجدہ کرنے کے حکم کی وجہ

نمازی کو چاہئے کہ جب وہ سجدے میں جائے تو سات اعضاء پر سجدہ کرے؛ جیسا کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اذا سجد العبد سجد معه سبعة ارا ب الوجه و كفّاه و ر كبتاه و قد ماه. (ترمذی)

جب نمازی آدمی سجدے میں جاتا ہے تو اس کے سات اندام سجدہ کرتے ہیں۔ اس کا منہ' اس کی دونوں ہتھیلیاں' اس کے دونوں گھٹنے' اس کے دونوں قدم۔

جس میں اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ چونکہ انسان کے بدن کی ساخت و بناوٹ ان ہی اعضاء سے تیار ہوتی ہے' جب ان اندام سے سجدہ کیا جائے گا تو ظاہر ہے کہ سارے جسم کا سجدہ ادا ہو جائے گا۔ اور یہی سبب ہے کہ فقہائے کرام نے ان سات اندامون کا نام بہ تخصیص بیان فرما کر ان پر سجدہ کرنے کے احکام کی تصریح کی ہے۔ اگر یہ اندام سجدے میں زمین پر نہ ٹکیں تو نماز میں خلل واقع ہوتا ہے۔

(۲) حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث شریف میں ارشاد فرمایا:

اذا اقرأ ابن ادم السجدة فسجد اعتزل الشيطان يبكى يقول يا وَ يلتى امر ابن ادم بالسجود فسجد فله الجنة و امرت بالسجود فأبيت فلى النار (مسلم شریف)

''جس وقت کوئی مسلمان سجدہ کی آیت پڑھ کر سجدۂ (تلاوت) کرتا ہے تو شیطان گوشہ

میں بیٹھ کر روتا ہے اور کہتا ہے کہ ابن آدم کو سجدے کا حکم ہوا یہ تو سجدہ کر کے جنتی بن گیا۔ مجھ کو (بھی) سجدے کا حکم ملا تھا، میں انکار (سرتابی) کر کے دوزخی ہو گیا۔"

اس حدیث شریف کے مضمون سے اس امر کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے کہ سجدہ کرنے سے آدمی دوزخ سے آزاد ہو کر جنتی بن جاتا ہے۔ اور چونکہ جہنم کے سات طبقے یا سات دروازے ہیں، اس لئے ان سات انداموں کے سجدہ کرنے سے جسم کو دوزخ کے ان سات طبقوں سے آزادی مل جائے گی۔ یہ سات ہی اندام دوزخ میں لے جانے کا ذریعہ ہیں۔ اس لئے ان ہی کو سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا۔

قیام، رکوع، سجدہ وغیرہ کی ترتیب کا سرّ

نماز میں پہلے قیام پھر رکوع اس کے بعد سجدہ پھر جلسہ مقرر ہونے میں یہ راز ہے کہ قیام ایک سربلندی اور رفعت ہے اور سجدہ پستی ہے، اور یہی مضمون حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

حق علی الله ان لا یرتفع شیئی الا وضعه وما تواضع لله احد الا رفعه.

جو کوئی شخص سربلندی اختیار کرے گا اللہ تعالیٰ کا حق ہے کہ وہ اسے پست کرے اور جو پستی (تواضع) اختیار کرے گا خدائے پاک اسے سربلند کرے گا۔ نیز آپ نے فرمایا:

ومن تواضع لله رفعه الله وهو فی نفسه صغیر وفی اعین الناس عظیم، ومن تکبر وضعه الله فهو فی اعین الناس صغیر وفی نفسه کبیر.

جو اللہ کے واسطے پستی (تواضع) اختیار کرے گا اس کو اللہ تعالیٰ سربلند کریگا وہ اپنے جی میں چھوٹا ہوگا مگر لوگوں کی آنکھوں میں بڑا دکھائی دے گا، اور جو آدمی تکبر کریگا ایسا شخص اپنے خیال میں تو بڑا ہوگا مگر لوگوں کی آنکھوں میں چھوٹا (یعنی حقیر) معلوم ہوگا۔

پس قیام چونکہ سربلندی تھی۔ اس لئے پہلے نمازی کو سرنگوں ہونے کا حکم ہوا، تاکہ رکوع میں جھکنے اور سجدے میں سر رکھنے سے اس کا پست اور سرنگوں ہونا واضح ہو جائے۔ اور چونکہ پست

اور سرنگوں ہونا ارتفاع اور سر بلندی کا موجب ہے اس لئے جب نمازی نے رکوع میں سر کو جھکایا تو حکم ہوا کہ فوراً کھڑا ہو جا۔ نمازی کو معلوم ہوا کہ پستی ہی میں سر بلندی ہے' تو اس نے زیادہ پستی سے سجدہ کیا۔ اب تو نمازی کو معلوم ہو گیا کہ سجدہ ایک ایسی شئے ہے کہ جو سب سے زیادہ دربار الٰہی میں محبوب ہے کیونکہ اس کی نسبت حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ

اقرب مایکون العبد من ربه وهو ساجد، فاکثرو الدعآء (مسلم شریف)

بندہ سجدے کی حالت میں اپنے پروردگار سے بہت قریب ہوتا ہے۔ اس لئے دعا کثرت سے مانگا کرو۔ نیز آپؐ نے فرمایا کہ

ما من حالة يكون العبد عليها احب الى الله من ان يراه ساجدا ويغر وجهه في التراب (مسلم شریف)

سب سے زیادہ پیاری حالت بندے کی اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ ہے کہ بندہ سجدے میں پڑا ہو۔ اور اس کا منہ خدا کے سامنے خاک پر دھرا ہو۔ نیز آپؐ نے فرمایا:

فقال عليک بکثرة السجود فانک لا تسجد لله سجدة الا رفعک الله بها درجة وحط عنک بها خطيئةً (مسلم شریف)

سجدے کثرت سے کرو۔ بے شک سجدہ کرنے والے کے اللہ تعالیٰ درجے بلند کرتا اور اس کے گناہوں کو معاف کر دیتا ہے۔

نمازی کو سجدے کی وجہ سے اور قبولیت حاصل ہوئی۔ اس کا زیادہ اعزاز ہونے لگا کہ اس کو حضوری میں بیٹھنے اور آرام لینے کی اجازت ملی، اس اجازت کا نام جلسہ ہے۔

نماز میں جلسہ مقرر ہونے کی وجہ

دونوں سجدوں کے درمیان میں بیٹھنے کو فقہاء کی اصطلاح میں جلسہ کہتے ہیں جو واجب ہے۔ نمازی نے پھر جب دوسرا سجدہ کیا تو یا اس کو سر بلند کیا جاتا ہے یعنی کھڑا ہونے کا حکم ملتا ہے، یا اس کے معاوضہ میں دیر تک دربار الٰہی میں بیٹھنے کی اجازت ملتی ہے، جس کا نام قعدہ ہے۔ جلسہ مقرر ہونے کی وجہ یہی ہے کہ اس سے دونوں سجدوں میں امتیاز ہو جاتا ہے اور در حقیقت دو

سجدے آپس میں اسی وقت متمیز ہو سکتے ہیں کہ جب ایک تیسرا فعل ان کے درمیان میں موجود ہو۔ اس سے نمازی کو ذرا دم بھی مل جاتا ہے اور دونوں سجدوں میں فصل و امتیاز بھی ہو جاتا ہے جو ایک ضروری امر تھا۔

نماز میں قعدہ و تشہد مقرر ہونے کا راز

نمازی کے لئے قعدۂ اولیٰ (یعنی دونوں سجدوں کے بعد دوسری رکعت میں) اگر نماز دو رکعت سے زیادہ ہو تو بقدر التحیات پڑھنے کے بیٹھنا واجب ہے۔ اور قعدہ اخیرہ یعنی وہ نشست جو نماز کی آخری رکعت میں دونوں سجدوں کے بعد ہوتی ہے؛ خواہ اس سے پہلے کوئی اور نشست ہو چکی ہو، جیسے ظہر، عصر، مغرب اور عشاء کی نمازوں میں یا نہ ہو چکی ہو، جیسے فجر، جمعہ، عیدین وغیرہ کی نماز میں اتنی دیر تک بیٹھنا جس میں التحیات پڑھی جا سکے فرض ہے۔ اور دونوں قعدوں میں تشہد پڑھنا واجب ہے۔ اور اس میں یہ راز ہے کہ جب نمازی کو بیٹھ جانے کی اجازت ملی تو خالی بیٹھنا مناسب نہ ہونے کی وجہ سے حکم ہوا کہ وہ بیٹھ کر تحیہ و تشہد میں مشغول رہے، کیونکہ تشہد اعظم الاذکار میں سے ہے، اس کا نماز میں آنا ضروری تھا۔ لہٰذا تشہد نماز کے لئے ایک واجب ٹھہرایا گیا۔

قعدہ کی حکمتیں

ا۔ نماز میں قعدہ کی حکمت یہ ہے کہ نمازی کی حالت ایک مجرم یا گنہگار کی سی ہوتی ہے کہ جو کسی عدالت عالیہ کے اجلاس میں پیش ہوتا ہے۔ اول اول ملزم دست بستہ عدالت میں حاضر ہوتا ہے۔ اس لئے نمازی بھی دست بستہ حضور رب العلمین میں کھڑا ہوتا ہے۔ پھر وہ ایک گنہگار کی طرح اپنے گناہوں کی معافی کے لئے اپنے مولا کے روبرو گردن جھکا کر اپنی عاجزی اور انکساری کی ایک ذلیل ہیئت بنا کر رحم کا ملتجی ہوتا ہے، کیونکہ رکوع و سجود میں انسان کے عجز و نیاز، تضرع و انکسار کا ایک نقشہ ہے کہ جب انسان حالتِ فنا پر پہنچتا ہے تو وہ خدائے پاک کے آگے

سر رکھ دیتا ہے۔ خدائے کریم کی سرکار کا یہ خاصہ ہے کہ بندہ جس قدر سرکشی اور سربلندی کرتا ہے وہ اسے اور بگاڑتا ہے۔ اور جس قدر کوئی آدمی عاجزی کرتا اور اس کے لئے اپنے آپ کو بگاڑتا ہے وہ پاک مولا اسے اسی قدر سربلندی عطا کرتا اور اسے بناتا ہے۔ بندے نے رکوع میں جھکنے سے اپنے آپ کو بگاڑا۔ مولا نے اسے بنایا۔ یعنی رکوع سے سیدھا کھڑا کیا۔ بندے نے اور عاجزی کی۔ اور سیدھا سجدے میں گر گیا۔ خدائے پاک نے اسے اور عزت بخشی کہ سجدے سے اٹھا کر بٹھا دیا۔ بندے نے جب دیکھا کہ میرا مولا کس قدر مہربانی اور عنایت فرما رہا ہے اور مجھ کو یہ عزت بخشی ہے کہ اپنے دربار میں بیٹھنے اور آرام لینے کی اجازت عطا کی ہے۔ تو اس نے اپنے مولا کی حضوری میں خالی بیٹھنا مناسب نہ جان کر التحیات للہ پڑھنا شروع کیا۔ مناسب وقت تک یہ حضوری بندہ کو ملتی ہے۔ کبھی ایک دفعہ کبھی دو دفعہ بیٹھ جانے کی اجازت ہوئی۔ سب سے اخیر رخصت کیا گیا۔ یاد رکھو یہ باتیں صرف تقریر اور الفاظ کے ساتھ تعلق نہیں رکھتیں، جو چاہے ان کو آزمالے اور دیکھے کہ ان میں کیسا لطف اور مزہ ملتا ہے! اور کیسے کیسے فائدے حاصل ہوتے ہیں!!۔

۲۔ اس میں یہ بھی راز ہے کہ دراصل نماز صرف دو ہی رکعت مقرر ہوئی تھی، اور جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ باقی رکعتیں ان کی تکمیل کے واسطے بعد میں مقرر ہوئیں۔ لہٰذا ہر دو رکعت کے بعد تشہد کا حکم دیا گیا تا کہ اصل اور فرع میں فرق معلوم ہو جائے۔ اور اسی وجہ سے فرض نمازوں کی پہلی دو رکعتوں میں سورۂ فاتحہ کے بعد کسی سورۃ قرآنی کا پڑھنا واجب ہے اور آخری دونوں رکعتوں میں سورۃ کا ضم کرنا مقرر نہیں ہوا۔ حالانکہ فرض نمازوں کے سوائے باقی سب نمازوں میں ان کی ساری رکعتوں میں ضم سورۃ واجب ہے۔

(۳) جب نمازی کو حضوری میں بیٹھ جانے کی اجازت ملی تو چونکہ نماز معراج المومنین ہے، جس طرح حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے قرب خاص اور حضوری میں سوال ہوا تھا کہ اے رسول! تم ہماری سرکار میں کیا تحفہ لائے ہو؟ اسی طرح نمازی کو ارشاد ہوتا ہے کہ ہمارے

حضور میں کیا تحفہ لائے ہو؟ تو وہ اس وقت دو زانو بیٹھ کر التحیات پڑھ کر یہ جتاتا ہے کہ ان ہی تعظیمات قلبی اور عبادات بدنی اور مالی کا مستحق تو ہی ہے اور تیری سرکار کے لائق بھی یہی تحفہ ہے۔ میرا تمام مال و بدن اس امر کے لئے تیری حضور میں حاضر ہے۔

نماز میں تشہد کے مقرر ہونے کی حکمت

۲۔ تشہد نماز کا ایک واجب ہے۔ اس کی نسبت روضۃ الاحباب میں لکھا ہے کہ جب حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم قرب خاص اور حضوری رب العالمین میں شب معراج میں مشرف ہوئے تو آپؐ نے التحیات للہ و الصلوات و الطیبات پڑھا۔ باری تعالیٰ کی طرف سے السلام علیک ایھا النبی و رحمۃ اللہ و برکاتہ کا ارشاد ہوا۔ پھر آپؐ نے السلام علینا و علی عباد اللہ الصالحین مکرر عرض کیا۔ پھر فرشتوں نے عرض کیا اشھد ان لا الہ الا اللہ و اشھد ان محمد اعبدہ و رسولہ ۔ یہ گفتگو کا تمام سلسلہ ایک بڑے دربار کا نمونہ تھا۔ حضور کا التحیات پڑھنا شہنشاہِ حقیقی کے دربار کی حضوری کے وقت بمنزلہ آداب دربار تھا، اور باری تعالیٰ کا ارشاد ایسا تھا جیسے کوئی بادشاہ مالک دربار اپنے کسی مقرب کا سلام کمال عزت واحترام سے قبول کرتا ہے۔ حضور انور (فداہ روحی) کا پھر السلام علینا کہنا اپنے ہمراہ اور لوگوں کی یاددہانی کرانا تھا تاکہ وہ بھی مورد الطاف خداوندی ہوں۔ اور ملائکہ کا کلمہ شہادت پڑھنا ایسا تھا جیسے کہ حاضرین دربار کسی مقرب پر شاہی توجہ والطاف ہوتے دیکھ کر شہنشاہ کی مدحت وثنا اور اس مقرب کی تعریف اور استحقاق تقرب وعنایت بیان کرتے ہیں۔ چونکہ مومنوں کا معراج ہے، اس لئے بناء بر یاددہانی حال معراج اپنے رسول مکرم کی امت کو حکم ہوا کہ نماز میں یہ سب عبارت پڑھی جایا کرے۔

تشہد میں آنحضرتؐ اور عام مومنین وصلحاء پر سلام کی وجہ

۳۔ نمازی جب دربار الٰہی میں پہنچا اور اس کو عزت واحترام کے ساتھ بیٹھنے کی اجازت ملی تو نمازی نے جہاں مولا کریم کی حمد وثنا اور کل عبادات کا اسی کیلئے ہونا تسلیم کیا۔ اور وہاں سے

بیش از بیش انعامات و اکرامات کی سرفرازی ہوئی تو جس پیارے اور جان سے زیادہ محبوب نبی کی تعلیم اور جس کے صدقہ سے وہ اس درجہ عالیہ پر پہنچا' اس پر سلام عرض کرتا ہے تا کہ اس حدیث شریف پر عمل ہو کہ جس میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عام طور پر ارشاد فرمایا:

من لم یشکر الناس لم یشکر اللہ

لوگو! جو انسانوں کا شکر گزار نہ ہو وہ اللہ کا شکر گزار کب ہو سکتا ہے۔

اس کے سلام عرض کرنے سے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حق ادا ہو جاتا ہے۔

۲۔ جب حضور کے ذریعہ سے نماز فرض ہوئی۔ اور پھر قیامت میں آپ ہی کے ذریعہ نماز کا ثواب اور درجہ ملنے والا ہے۔ اور آپؐ ہی کی رسالت پر ایمان لانا' اور آپؐ سے دلی محبت رکھنا باعثِ نجات ہے' تو ضروری ہوا کہ نماز ہی میں کوئی حصہ ایسا مقرر کیا جائے کہ جس سے حضور انور فداہ روحی کی یاد ہمیشہ نمازی کے دل میں رہے اور آپؐ کی رسالت کا اقرار کیا کرے۔ تا کہ آپؐ کی عظمت و محبت ہمیشہ قائم رہے۔ اس غرض کے لئے نماز میں آپؐ پر سلام مقرر کیا گیا۔

۳۔ آپؐ پر اور عام مومنین و صلحاء پر سلام مقرر ہونے کی یہ وجہ بھی ہے کہ جب بندہ نماز کے لئے خدائے پاک کے حضور میں پہنچا اور اس کی قربت اسے حاصل ہوگئی، اب ضرورت اس کی ہے کہ اس کے دل میں یہ خطرہ نہ آنے پائے کہ اب میں رسولؐ کی ہدایت سے آزاد ہو گیا، مستبد بن بیٹھا، اور اب میں تعلیمات رسالت سے بالکل بے نیاز اور مستغنی ہو گیا ہوں۔ اس لئے اس کو عین حضوری میں یاد دلایا گیا کو وہ آپؐ پر سلام پڑھے۔ گویا آپ کے سامنے اقرار کر رہا ہوں کہ اس عالی شان دربار تک آپ کے وسیلے سے ہی پہنچا ہوں، اور آئندہ کو بھی آپ ہی ذریعہ ہیں، اور میں کسی وقت میں بھی آپ سے علیحدہ نہیں ہو سکتا۔ میں کیا تمام صالحین اور نیک بندوں کی سلامتی اسی میں ہے کہ وہ آپ کا دامن نہ چھوڑیں۔

۴۔ ایک مومن پر جب کوئی بخشش اور رحمت کا موقع آئے تو ہمدردی بنی نوع کی وجہ سے اس پر فرض ہے کہ وہ دوسرے بھائیوں کو بھی اس سے بہرہ ور کرانے کی کوشش کرے۔ یہی سبب ہے کہ نماز میں السلام علینا و علی عباد اللہ الصّٰلحین کی تعلیم سے سلام کو عام کر دیا

گیا۔ اور سب نیک بندوں کو سلام کے ذریعہ سے رحمتِ الٰہی میں سے حصہ دلایا گیا۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک ارشاد ہے:

والذی نفسی بیدہ لا یؤمن عبد حتی یحب لاخیہ مایحب لنفسہ (بخاری، مسلم)

لوگو! مجھ کو قسم ہے اس ذات پاک کی کہ جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے! کوئی بندہ مومن کامل نہیں ہوسکتا جب تک کہ وہ اپنے بھائی کے لئے وہی نہ چاہے جو اپنے لئے چاہتا ہے۔

آپؐ نے فرمایا جب بندے کی زبان سے ہم پر سلام اور اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں پر سلام نکلتا ہے تو ہر ایک بندے کو جو زمین و آسمان میں ہے، سلام پہنچ جاتا ہے۔

تشہد میں انگلی اٹھانے کا راز

۴۔ تشہد میں لا الہ الا اللہ کہتے وقت رفع سبابہ سنت ہے۔ اسی طریق سے لا الہ کہتے وقت داہنے ہاتھ کی بیچ کی انگلی اور انگوٹھے کا حلقہ بنا کر اور چھوٹی انگلی اور اس کے پاس کی انگلی بند کر کے کلمہ کی انگلی اٹھانا اور الا اللہ کہتے وقت رکھ دینا، اور باقی انگلیوں کو اخیر تک بدستور رکھنا مسنون ہے۔ اس کی وجہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب دہلویؒ یہ تحریر فرماتے ہیں کہ انگلی کے اٹھانے میں توحید کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے، جس کی وجہ سے قول اور فعل میں مطابقت ہو جاتی ہے اور توحید کے معنی آنکھوں کے سامنے متمثل ہو جاتے ہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ اس کے سنت ہونے پر تمام مجتہدین کا اتفاق ہے[1]۔ (حجۃ اللہ البالغہ)

---

[1] رفع سبابہ کا مسئلہ غالباً حدیث کی کوئی کتاب ثبوت اشارہ وعقد سے خالی نہیں۔ فقہ کی کتابیں بھی اس کے ثبوت میں متفق ہیں۔ نہایہ میں حضرت امام محمد علیہ الرحمۃ کی کتاب "المشیخۃ" سے نقل کیا ہے کہ انھوں نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک حدیث اشارہ کرنے کی روایت کر کے لکھا ہے کہ ہم بھی ویسا ہی کرتے ہیں جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کرتے تھے، اور یہی قول ہے امام ابوحنیفہ کا اور یہی قول ہے ہمارا۔ لیکن ہمارے زمانے کے بعض اہل علم بھی اشارہ نہیں کرتے۔ ان کا خیال ہے کہ جب بعض متاخرین نے اشارہ کرنے سے منع کیا ہے تو اس کی کیا ضرورت ہے۔ مگر ان کو اس کے ساتھ یہ بھی تو دیکھنا چاہئے کہ ان کے اس خیال کو محققین حنفیہ نے رد کر دیا۔ ملا علی قاری علیہ الرحمۃ نے "تزئین العبارۃ" اور عینی اور نہایہ شرح ہدایہ وغیرہ کتابوں میں اس کا ثبوت اور مخالفین کا رد موجود ہے۔ ان کے علاوہ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے اشعۃ اللمعات ترجمہ مشکوٰۃ اور شرح سفر السعادۃ میں اس

رکوع، سجود اور قعود میں قرآنی دعا نہ ہونے کی وجہ

۵۔قرآن کریم کی عظمت اور بزرگی اور اس کی فضیلت اور کرامت کے لئے اس قدر کافی ہے کہ وہ خداوند عالم خالق لوح وقلم کا کلام ہے۔تمام عیوب ونقائص سے پاک اور بری ہے۔ حضرت نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی نسبت ارشاد فرمایا کہ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کے نزدیک تمام آسمانوں اور زمینوں اور ان چیزوں سے جو ان میں ہیں زیادہ محبوب ہے (سنن دارمی)

اس پاک کتاب کی عظمت وشان کے لحاظ سے رکوع وسجود اور قعود میں اس کا پڑھنا منع کیا گیا۔اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمادیا کہ لوگو! خبردار ہو جاؤ کہ مجھے رکوع اور سجدے میں قرآن پڑھنے سے روک دیا گیا ہے۔رکوع میں خدا کی بزرگی بیان کرو۔اور سجدہ میں دعا کرنے کی کوشش کرو تاکہ تمہاری دعا قبول ہو (مسلم شریف) پس اس ممانعت کی وجہ بھی ظاہر ہے کہ شاہی فرمان ہمیشہ کھڑے ہو کر پڑھا جاتا ہے۔خصوصاً دربار شاہی میں تو اس کی عزت وحرمت کا خاص اہتمام ہوتا ہے۔رکوع وسجود وقعود عبودیت اور ذلت کا مقام ہے۔اس موقع پر کلام الٰہی اور فرمان ربانی کا پڑھنا مناسبت نہیں رکھتا۔لہٰذا شرع شریف نے اس فروتنی کے وقت کلام الٰہی کی عظمت کو مدنظر رکھ کر اس کا پڑھنا منع قرار دیا۔

جلسہ میں دائیں پاؤں کو کھڑا رکھنے کی وجہ

۶۔تشہد میں بیٹھنے کے وقت فقہاء کہتے ہیں کہ دایاں پاؤں کھڑا رکھے۔اور نمازی بائیں پیر کو بچھا کر اس پر بیٹھ جائے اور دونوں ہاتھ زانوں پر رکھ لے اس طرح کہ انگلیاں پھیلی ہوں۔ رُخ ان کا قبلہ کی طرف ہو۔بہت کشادہ ہوں نہ بالکل ملی ہوں۔سرے ان کے گھٹنوں کے

مسئلہ کی خوب تحقیق کی ہے۔حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کا مذہب تو اس میں ظاہر ہے۔حافظ عینی نہایہ شرح ہدایہ میں لکھتے ہیں: اور ایسا ہی اشارہ کے مسنون ہونے پر ہمارے تینوں اماموں اور ان کے متقدمین مقلدین کا اتفاق ہے اور خلاف صرف متاخرین نے کیا ہے۔سو ان کے خلاف کا کچھ اعتبار نہیں۔ہمارے خیال میں متاخرین کا انکار رفع یدین کی طرح اس بناء پر ہے کہ ان حرکات سے نماز میں سکون نہیں رہتا۔اور نماز کا مدار اعضاء کے سکون پر ہے۔مگر ایک فعل کے سنت ثابت ہو جانے کے بعد اس کا خلاف کرنا بھی جائز نہیں۔(مؤلف)

قریب ہوں۔ اس طرح بیٹھنے میں راز یہ ہے کہ نماز کی ہر ایک نشست و برخاست میں اس امر کا لحاظ رکھنا ضروری ہے کہ تمام اعضاء قبلہ کی طرف متوجہ رہیں۔ دائیں پاؤں کو جب کھڑا کیا جاتا ہے تو انگلیاں سیدھی قبلہ کی طرف رہتی ہیں اور بائیں کا حکم اس کے بیچ میں آ جاتا ہے اور یہی اسوۂ حسنہ بھی ہے، کیونکہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سجدے میں پیر کی انگلیاں قبلہ رخ رکھا کرتے تھے۔ (بخاری شریف)

تشہد کے بعد درود شریف پڑھے جانے کا راز

۷۔ جب نمازی تحیۃ کے بعد اب نماز سے فارغ ہو کر رخصت ہونا چاہتا ہے تو اس پر حق واجب ہے کہ ایسے حضور کے وقت حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے تحفہ درود و سلام ضرور بھیجے، جس کی وجہ سے ایک تو آپ کا حق ادا ہو جائے اور دوسرا قبولیت دعا کا باعث بنے۔ اور سب سے بڑا یہ فائدہ ہے کہ اس طریق سے نمازی ہر روز کم از کم پانچ وقت آپ کو یاد کر کے اپنی محبت کو تازہ کرتا رہتا ہے۔

۲۔ چونکہ تشہد کے بعد اب نماز ختم ہونے والی تھی اور ختم نماز کے بعد نمازی کے دعا کرنے کا وقت ہے اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

ان الدعآء موقوف بین السمآء والارض، لا یصعد منھا شیئی حتی تصلی علی نبیک. (ترمذی شریف)[۱]

دعا آسمان اور زمین کے درمیان لٹکی رہتی ہے اور وہ اوپر نہیں چڑھ سکتی جب تک تو (نمازی یا دعا کرنے والا) اپنے نبی (یعنی مجھ) پر درود نہیں بھیجتا۔ پس آپ پر درود بھیجنا قبولیت نماز و دعا کا سبب ہے۔ لہٰذا تشہد کے بعد درود شریف پڑھنا مقرر ہوا، کیونکہ نماز کے آداب میں ہے کہ دعا کرنے سے پہلے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوات و سلام اور برکات کے تحفے بھیجے جائیں تا کہ نماز و دعا مستجاب ہو۔

---

[۱] جو روایت ترمذی یہاں مؤلف نے نقل کی ہے وہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے (موقوفًا) ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے (مرفوعًا) جو روایت ہے وہ بروایت رزین ہے۔ ۱۲ حاشیہ محمد صدر الدین

نماز کے اخیر میں دعا کرنیکی وجہ

۸۔نماز ایک رحمت و برکت کی چیز ہے کہ اس کی وجہ سے بندہ درگاہ رب العزت میں مقبول ہوجاتا ہے اور نماز کی وجہ سے نمازی پر رحمت الٰہی چھا جاتی ہے۔حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ان العبد اذا قام الی الصلوٰۃ فتحت له ابواب السمآء و کشفت له الحجب بینه وبین ربه. (کنز العمال)

جس وقت بندہ نماز کے لئے کھڑا ہوتا ہے اس کے لئے آسمانوں کے دروازے کھولے جاتے ہیں۔اور وہ پردے کہ جو بندے اور خدائے تعالیٰ کے درمیان حائل ہیں اُٹھا دیئے جاتے ہیں۔

یہ دعا کی قبولیت کا وقت ہوتا ہے۔چونکہ اب بندہ نماز سے رخصت ہونے والا ہے۔ اب اس کو انعام واکرام دینے کا وقت ہوتا ہے۔اس لئے حکم ہوا کہ اپنے لئے اور اپنے ماں باپ اور تمام اہل اسلام کے واسطے دعائے مغفرت مانگا کرو۔

نماز کو اپنے فعل سے تمام کرنیکی حکمتیں

۱۔نماز کو اپنے فعل کے ساتھ ختم کرنا فقہاء کے نزدیک نماز کا رکن[1] ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ نماز کے ارکان تمام ہوجانے کے بعد کوئی ایسا فعل کیا جائے کہ جو نماز کے منافی ہو مثلاً **السلام علیکم** کہنا یا قبلہ سے پھر جانا۔یا اور کوئی بات چیت کرنا۔اس لئے نمازی کو حکم ہوا کہ پہلے داہنی طرف منہ پھیر کر کہے **السلام علیکم ورحمۃ اللہ**، پھر بائیں طرف منہ پھیر کر یہی سلام کہے۔

۲۔اس سلام میں کرام کاتبین[2] فرشتوں اور ان لوگوں کی نیت کی جائے جو نماز میں شریک ہوں۔

---

[1] اس کے فرض ہونے میں علماء کا اختلاف ہے۔بعضوں کے نزدیک فرض نہیں۔لیکن محقق قول یہی ہے کہ یہ فرض ہے۔(ردالمختار) مؤلف

[2] خدائے پاک کے حکم سے ہر انسان کے ہمراہ دو فرشتے ہمیشہ موجود رہتے ہیں۔ایک فرشتہ جو داہنی جانب رہتا ہے انسان کے نیک کاموں کو لکھتا رہتا ہے۔بائیں جانب والا فرشتہ بدیوں کی تحریر پر مامور ہے۔ان کے علاوہ اور فرشتے بھی رہتے ہیں۔بہتر یہ ہے کہ بغیر تعین عدد کے فرشتوں کی نیت کی جائے۔ مؤلف

اس میں اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ نمازی اس عالم سے باہر چلا گیا تھا۔ اور ماسوی اللہ سے فارغ ہوکر اپنے رب کی درگاہ میں پہنچ گیا تھا۔ اب جب وہاں سے واپسی کی اجازت مل گئی ہے تو لوگوں سے سلام علیک کرتا ہوا آیا ہے۔ یہ سلام بتائے دیتا ہے کہ نمازی کہیں دور سفر میں گیا ہوا تھا۔ اب باہر سے آیا ہے۔ اور موافق رسم آئندگان سلام کرتا ہوا آ رہا ہے۔ اب اس کی حالت پر یہ مصرعہ صادق آ رہا ہے۔

ادھر اللہ سے واصل اُدھر مخلوق میں شامل

۳۔ نماز سے باہر آنے کیلئے اس امر کی بھی ضرورت تھی کہ کوئی خاص فعل کیا جائے، کیونکہ اگر کوئی خاص فعل مقرر نہ کیا جاتا اور ہر شخص اپنی مرضی اور خواہش سے جو چاہتا کرنے لگتا تو کس قدر بدنما بات ہوتی۔ لہٰذا شرع شریف نے ایک ایسی بات مقرر کی جو ایسے موقع پر سب سے بہتر و مناسب سمجھی جاتی ہے، یعنی السلام علیکم کہنا واجب قرار دیا۔ اور یہ ظاہر ہے کہ سلام کہنا سب کے نزدیک ایک بہترین کام ہے۔ یوں تو اسلام پاک کے تمام افعال ایک خاص شان اور درجہ رکھتے ہیں، مگر سلام کی نسبت ایک شخص نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں عرض کیا کہ مسلمانوں کی کونسی خصلت سب سے افضل ہے؟ حضور نے جواب میں فرمایا:

تطعم الطعام و تقرئ السلام علی من عرفت و من لم تعرف. (بخاری و مسلم)

(بھوکوں کو) کھانا کھلانا، اور سب لوگوں کو سلام کہنا؛ خواہ ان کی پہچان ہو یا نہ ہو[1]۔

سلام کے اول دائیں اور پھر بائیں طرف پھیرنے کی وجہ

۴۔ متعدد دفعہ اس کا ذکر پہلے آ چکا ہے کہ شرع میں فضیلت و تفوق کے کاموں کو دائیں اور کمتر و ادنیٰ درجے کے امور کو بائیں جانب سے شروع کرنے کا امر فرمایا گیا ہے۔ اسی سبب سے ہر نیک کام میں دائیں جانب کو سبقت و بزرگی حاصل ہے۔ لہٰذا نماز کا سلام بھی پہلے دائیں

[1] ایسی سب سے افضل خصلت کو بعض جگہ کے مسلمانوں نے بالکل ترک کر دیا ہے۔ یعنی ''السلام علیکم'' کہنے کی بجائے ''آداب عرض'' کرتے ہیں جس میں ترک سنت کا گناہ ہے۔ مؤلف

جانب سے شروع ہوا۔

۲۔ چونکہ نیکیوں کے لکھنے والے فرشتے دائیں طرف اور بدیوں کے بائیں طرف رہتے ہیں۔ لہٰذا حکم ہوا کہ فرشتوں کی عظمت کے لحاظ سے پہلے داہنی جانب اور پھر بائیں طرف سلام پھیرا جائے۔

نماز کے سب ارکان کی فضیلت وثواب کے متعلق ارشاد نبوی ﷺ

۵۔ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب بندہ نماز پڑھنے کھڑا ہوتا ہے اور اللہ اکبر کہتا ہوا نماز میں ہاتھ باندھتا ہے تو ادھر تکبیر اس کے منہ سے نکلتی ہے ادھر نمازی سارے گناہوں سے ایسا پاک وصاف ہوجاتا ہے کہ گویا وہ آج ہی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا ہے۔ اور جب نمازی اعوذ پڑھتا ہے تو نمازی کے بال بال کے بدلے ہر ایک بال کے شمار کے موافق نیکیاں ملتی ہیں۔ جب الحمد شریف پڑھتا ہے تو گھر بیٹھے حج اور عمرہ ادا کر لیتا ہے۔ جب رکوع کرتا ہے اور سبحٰن ربی العظیم کہتا ہے تو جس قدر آسمان سے کتابیں نازل ہوچکی ہیں سب کے پڑھ لینے کے برابر ثواب ملتا ہے۔ اور جب سمع اللہ لمن حمدہ کہتا ہے تو خدائے تعالیٰ اس بندے کو نظر رحمت سے دیکھتا ہے۔ جب نمازی سجدہ کرتا ہے تو سارے جنات اور انسانوں کے شمار کے برابر ثواب حاصل کرتا ہے۔ جب سجدے میں سبحٰن ربی الاعلیٰ کہتا ہے تو غلام آزاد کرنے کا ثواب ملتا ہے۔ جب التحیات پڑھنے بیٹھ جاتا ہے تو اللہ اُسے صابرین کا ثواب عنایت فرماتا ہے۔ پھر جب سلام پھیرتا ہے تو آٹھوں دروازے جنت کے اس کے لئے کھولے جاتے ہیں۔ چاہے جس دروازے سے جنت میں چلا جائے۔ (مجالس سنیہ شرح اربعین نودیہ)

نماز جمعہ

جمعہ کے دن کی فضیلت

ا۔ نماز جمعہ بھی اعظم شعائر اسلام سے ہے۔ اس کی نسبت حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمام دنوں سے بہتر جمعہ کا دن ہے۔ اس میں حضرت آدم علیہ السلام پیدا کئے گئے۔ اور اسی میں وہ جنت میں داخل کئے گئے۔ اور اسی دن جنت سے باہر لائے گئے اور قیامت کا وقوع بھی اسی دن ہوگا۔ (مسلم شریف)

حضرت امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ شب جمعہ کا مرتبہ لیلۃ القدر سے بھی زیادہ ہے۔ اس لئے کہ اس رات میں حضرت نبی کریم رسول رؤف ورحیم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی والدہ ماجدہ کے شکم طاہر میں جلوہ افروز ہوئے اور حضور کا تشریف لانا اس قدر خیر و برکت دنیا و آخرت کا سبب ہوا جس کا شمار و حساب کوئی نہیں کرسکتا۔ (اشعۃ اللمعات شرح فارسی مشکوۃ)

آپؐ نے فرمایا کہ جمعہ کا دن تمام دنوں کا سردار اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے بزرگ ہے۔ (ابن ماجہ)

آپؐ نے فرمایا: ''اے مسلمانو! اس دن کو اللہ تعالیٰ نے عید مقرر فرمایا ہے۔ پس اس دن غسل کرو۔ اور جس کے پاس خوشبو ہو وہ خوشبو لگائے اور مسواک اس دن لازم کرلو۔'' (ابن ماجہ)

ہر مسلمان کو اس دن لازم ہے کہ غسل کرے۔ سر کے بالوں اور بدن کو خوب صاف کرے اور مسواک کرے۔ کیونکہ مسواک کرنا بھی اس دن بہت فضیلت رکھتا ہے۔ غسل کے بعد عمدہ سے عمدہ کپڑے (جو اس کے پاس ہوں) پہنے اور ممکن ہو تو خوشبو لگائے اور ناخن وغیرہ بھی کتروائے۔ جامع مسجد میں بہت سویرے جائے۔ جو شخص جتنے سویرے جائے گا اسی قدر اس کو ثواب ہوگا۔ جمعہ کی نماز کے لئے پیادہ پا جانے میں ہر قدم پر ایک سال روزہ رکھنے کا ثواب ملتا ہے۔ (ترمذی شریف)

جمعہ کے دن درود شریف پڑھنے میں بھی اور دنوں سے زیادہ ثواب ملتا ہے۔

نماز جمعہ کے آداب

۲۔نماز جمعہ فرض عین ہے۔قرآن مجید اور احادیث متواترہ اور اجماع امت سے ثابت ہے، اس کا منکر کافر اور اس کا بے عذر تارک فاسق ہے۔حضرت ابن عباس کہتے ہیں کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص بے ضرورت جمعہ کی نماز ترک کر دیتا ہے وہ منافق لکھ دیا جاتا ہے ایسی کتاب میں جو تغیر وتبدل سے بالکل محفوظ ہے۔(مشکوٰۃ شریف)

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لوگ جمعہ کے ترک سے باز رہیں؛ ورنہ خدائے تعالیٰ ان کے دلوں پر مہر کر دیگا، پھر وہ غفلت میں پڑ جائیں گے۔(مسلم شریف)

آپؐ نے فرمایا جو شخص تین جمعہ سستی سے یعنی بے عذر ترک کر دیتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے دل پر مہر کر دیتا ہے(ترمذی شریف)۔اور ایک روایت میں ہے کہ خداوند عالم اس سے بیزار ہوتا ہے۔

مسلمانوں میں جب تک اصلی اسلام تھا تو جمعہ کے دن فجر کے بعد راستے اور شہروں کی گلیاں لوگوں سے بھری ہوئی نظر آتی تھیں۔کیونکہ سب آدمی بہت سویرے جامع مسجد میں جاتے تھے، بہت اژدہام ہوتا تھا، جیسے عید کے دنوں میں ہوتا تھا، پھر یہ طریقہ جاتا رہا، تو لوگوں نے کہا کہ یہ پہلی بدعت ہے جو اسلام میں پیدا ہوئی۔یہ لکھ کر حضرت امام غزالی علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں کہ ''مسلمانوں کو کیوں شرم نہیں آتی! یہود اور نصاریٰ ہی کو دیکھ کر ان کو عبرت پکڑنی چاہئے کہ وہ لوگ اپنی عبادت کے دن یعنی یہود سنیچر کو اور نصاریٰ اتوار کو اپنے عبادت خانوں میں یا گرجا گھروں میں کیسے شوق سے سویرے جاتے ہیں، اور طالبان دنیا کتنے سویرے بازاروں میں خرید وفروخت کے لئے پہنچ جاتے ہیں۔پس طالبانِ دین کیوں پیش قدمی نہیں کرتے؟''۔(احیاء العلوم)

درحقیقت مسلمانوں نے اس مبارک دن کی قدر بالکل گھٹا دی ہے۔بڑے آدمیوں کو تو یہ بھی خبر نہیں ہوتی کہ آج کونسا دن ہے اور اس کا کیا مرتبہ ہے۔افسوس وہ دن جو کسی زمانے میں مسلمانوں کے نزدیک عید سے زیادہ تھا۔اور جس دن پر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فخر تھا

اور جو دن اگلی امتوں کو نصیب نہ ہوا تھا، آج مسلمانوں کے ہاتھ سے اس کی ایسی ذلت اور ناقدری ہو رہی ہے! خدا کی دی ہوئی نعمت کو اس طرح ضائع کرنا سخت ناشکری ہے جس کا وبال ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں انا للہ و انا الیہ راجعون۔ (علم الفقہ)

نماز جمعہ کے واجب ہونے کی شرطیں

۳۔ (۱) مقیم ہونا (۲) تندرست ہونا۔ مریض پر جمعہ کی نماز واجب نہیں (۳) آزاد ہونا۔ غلام پر جمعہ کی نماز واجب نہیں۔[1] (۴) مرد ہونا۔ عورت پر نماز جمعہ واجب نہیں (۵) جماعت کے ترک کرنے کے جو عذرات ہیں ان سے خالی ہونا۔ اگر ان عذروں میں سے کوئی عذر موجود ہو تو نماز جمعہ واجب نہ ہوگی۔ مثلاً پانی بہت زور سے برس رہا ہو۔ کسی مریض کی تیمارداری کرتا ہو۔ اور یا مسجد جانے میں کسی دشمن کا خوف ہو۔ اور نمازوں کے واجب ہو جانے کی جو شرطیں ہیں وہ بھی اس میں معتبر ہیں یعنی عاقل بالغ مسلمان ہونا۔

یہ مذکورہ بالا شرطیں جو بیان ہوئی ہیں نماز جمعہ کے واجب ہونے کی ہیں، لیکن اگر کوئی شخص باوجود نہ پائے جانے ان شرطوں کے نماز جمعہ پڑھے تو اس کی نماز ہو جائے گی؛ یعنی ظہر کا فرض اس کے ذمہ سے اتر جائے گا۔ مثلاً کوئی مسافر یا کوئی عورت نماز جمعہ پڑھے۔

نماز جمعہ کے صحیح ہونے کی شرطیں

۴۔ (۱) مصر یعنی شہر ہو یا قصبہ، گاؤں یا جنگل میں جمعہ درست نہیں۔ البتہ جس گاؤں کی آبادی قصبہ کے برابر ہو وہاں جمعہ درست ہے (۲) ظہر کا وقت (۳) خطبہ یعنی لوگوں کے سامنے خدائے پاک کا ذکر کرنا (۴) خطبے کا نماز سے پہلے ہونا (۵) خطبے کا وقت ظہر کے اندر ہونا (۶) جماعت (۷) اذن عام یعنی عام اجازت کے ساتھ علی الاشتہار نماز جمعہ پڑھی جائے، کسی مقام پر چھپے ہوئے رہ کر نماز جمعہ پڑھنا درست نہیں۔

ان مذکورہ بالا شرائط کے نہ پائے جانے کی صورت میں اگر کوئی شخص جمعہ کی نماز پڑھے گا

[1] جو مرض جامع مسجد تک پیادہ پا جانے سے مانع ہو اس مرض کا اعتبار ہے۔ (مؤلف)

تو اس کی نماز نہ ہوگی۔(ردالمختار)

نماز جمعہ کا طریقہ

۵۔خطبہ شروع ہونے سے پہلے اس نماز کے لئے دومرتبہ اذان کہتے ہیں۔پہلی اذان سن کر جمعہ کی تیاری کے سوا باقی سب کاروبار خرید وفروخت وغیرہ سب پر حرام ہوجاتے ہیں۔ خطبہ شروع ہونے سے قبل چار رکعت سنت ادا کرنا چاہئے۔جب دوسری اذان ہوجائے تو چپکے بیٹھ کر خطبہ سننا چاہئے۔جو کوئی خطبہ کے وقت کلام کرے یا دوسرے کو زبان سے کہے کہ خاموش رہو،اس کو جمعہ کا ثواب نہیں ملتا۔جب خطبہ ختم ہوجائے اور جماعت کی تکبیر کہی جائے تو اس طرح نیت کرنا چاہئے:میں نے ارادہ کیا کہ دو رکعت فرض نماز جمعہ پڑھوں؛

نویت ان اصلی رکعتی الفرض صلوٰۃ الجمعۃ.

نیت باندھ کر امام کے ساتھ دو رکعت نماز جمعہ ادا کیا جائے۔پھر دعا مانگنے کے بعد چار رکعت سنت ادا کی جائیں۔پھر اگر چاہے تو دو رکعت سنت اور پڑھ لے۔جمعہ کی نماز کے بعد ظہر کی نماز کی ضرورت نہیں کیونکہ وہ معاف ہوجاتی ہے۔البتہ بعض مقامات پر علمائے احناف چار رکعت احتیاط الظہر پڑھنے کی اجازت دیتے ہیں جو ادا کرلی جائے تو بہتر ہے۔

جمعہ کے خطبہ کے مسائل

۶۔جب سب لوگ آجائیں تو امام کو چاہئے کہ منبر پر بیٹھ جائے اور مؤذن اس کے سامنے کھڑے ہوکر اذان کہے۔اذان کے بعد امام فوراً کھڑے ہوکر خطبہ شروع کرے۔خطبہ میں بارہ چیزیں مسنون ہیں:

خطبہ پڑھنے کی حالت میں خطیب کو کھڑے رہنا (۲) دو خطبے پڑھنا (۳) دونوں خطبوں کے درمیان میں اتنی دیر تک بیٹھنا کہ تین مرتبہ سبحان اللہ کہہ سکیں (۴) دونوں حدثوں سے طاہر ہونا (۵) خطبے کی حالت میں لوگوں کی طرف متوجہ رہنا اور منہ لوگوں کی طرف رکھنا (۶) خطبہ شروع کرنے سے پہلے اپنے دل میں اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم کہنا (۷) ایسی آواز سے

پڑھنا کہ لوگ سن سکیں (۸) خطبہ میں ان بارہ قسم کے مضامین کا ہونا: اللہ تعالیٰ کا شکر اور اس کی تعریف۔ اللہ تعالیٰ کی وحدت۔ نبی کریم فداہ روحی کی رسالت کی شہادت۔ آپ پر درود، وعظ و نصیحت، قرآن مجید کی آیتوں یا کسی سورت کا پڑھنا۔ دوسرے خطبے میں پھر ان سب چیزوں کا اعادہ کرنا۔ دوسرے خطبہ میں بجائے وعظ و نصیحت کے مسلمانوں کے لئے دعا کرنا۔ خطبے کو زیادہ طول نہ دینا بلکہ نماز سے کم رکھنا۔ خطبہ منبر پر پڑھنا۔ اگر منبر نہ ہو تو کسی لاٹھی وغیرہ پر ہاتھ رکھ کر کھڑا ہونا۔ دونوں خطبوں کا عربی زبان[1] میں ہونا۔ خطبہ سننے والوں کو قبلہ رو ہو کر بیٹھنا۔

دوسرے خطبہ میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے آل واصحاب وازواج مطہرات خصوصاً خلفاء راشدین اور حضرت حمزہؓ وعباسؓ کے لئے دعا کرنا مستحب ہے۔ بادشاہ اسلام کے لئے بھی دعا کرنا جائز ہے۔ مگر اس کی ایسی تعریف کرنا جو غلط ہو مکروہ تحریمی ہے (بحر الرائق ودر مختار وغیرہ)

یوم جمعہ مقرر ہونیکی وجہ

۶۔ مقدس مذہب اسلام جس طرح انسانی سعادت وترقی کا متکفل ہے، اسی طرح سے وہ ایک ایسے قانون کی بھی بنیاد ہے جو تمدن انسانی کو قیامت کے لئے مستمراً قائم رکھ سکتا ہے۔ جیسا کہ قرآن کریم جیسی کامل کتاب سے ظاہر ہے۔ اخلاق، اجتماع، اقتصاد اور سیاست انسانی کے لئے جن طبعی اور ضروری قوانین کی ضرورت ہے وہ ان سب کا جامع ہے۔ چونکہ مذہب کی عام تبلیغ وتعلیم کے لئے ہفتہ بھر میں ایک روز مقرر ہونا ضروری تھا۔ اس واسطے ہر قوم اور ہر مذہب میں ایک دن ہفتے میں ضرور متبرک مانا جاتا ہے۔ یا یوں سمجھئے کہ عبادتِ الٰہی یا دوسرے مذہبی کاموں کے لئے مخصوص کیا جاتا ہے، تا کہ انسان چھ روز اپنے دنیوی مشاغل وتلاش معاش میں صرف کرے اور ساتویں روز اپنے پیدا کرنے والے کی عبادت کرے۔ یہود نے شنبہ (سنیچر) کا دن مقرر کیا۔ اس خیال سے کہ خالق کائنات نے اس دن میں تمام مخلوقات کے پیدا کرنے سے فراغت کی تھی۔ نصاریٰ نے یک شنبہ (اتوار) کا دن مقرر کیا۔ اس وجہ سے کہ یہ دن ابتدائے

[1] بعض علماء خطبہ کسی دوسری زبان میں پڑھنا ناجائز قرار دیتے ہیں۔ بعض نے عربی کا ترجمہ یا کچھ اور مسائل یا پند ونصائح کا خطبہ میں پڑھنا جائز قرار دیا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب (مؤلف)

آفرینش کا ہے۔ چنانچہ اب تک یہ دونوں فرقے ان دنوں میں بہت اہتمام کرتے ہیں۔ اور سب کام کاج چھوڑ کر عبادت میں مصروف رہتے ہیں۔

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خدا نے یہود و نصاریٰ پر، جو تم سے پہلے تھے یوم جمعہ کی بزرگی و فضیلت پوشیدہ رکھی، اس لئے وہ بھٹک گئے۔ یہود کے لئے سبت (ہفتہ) کا دن تھا۔ اور نصاریٰ کے لئے اتوار کا روز۔ پس وہ قیامت تک ہمارے پیچھے ہیں۔ ہم اہل دنیا سے اخیر پر آئے ہیں۔ اور سب لوگوں سے پہلے قیامت کے دن ہمارا فیصلہ ہوگا؛ یعنی دربار الٰہی میں حاضر ہوں گے۔ وجہ اس امر کی یہ ہے کہ دنیا کی ابتداء اتوار سے شروع ہوئی اور اس کی تکمیل یوم جمعہ بوقت عصر ہوئی۔ پس جمعہ کے دن میں جس کی پیدائش ہؤوہ جامع فضائل اولین و آخرین ہے۔ لہٰذا اس کی فضیلت اس امر کی مقتضی ہے کہ اس کو دربار الٰہی میں باریابی سب سے پہلے ہو، کیونکہ وہ تمام نیکیوں کا مجموعہ ہے اور سب کا سردار ہے (اسرار شریعت)

۲۔ مقدس دین اسلام نے جو دنیا کو توحید الٰہی اور عبادتِ خداوندی سکھانے آیا تھا۔ عبادت کا روز یوم جمعہ مقرر کیا جس کی نسبت حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمام دنوں سے بہتر جمعہ کا دن ہے۔ نیز آپؐ نے فرمایا: بہترین دنوں میں سے، جس میں آفتاب کا طلوع ہوتا ہے، وہ جمعہ کا دن ہے۔ آپ نے فرمایا کہ قیامت کا وقوع بھی اسی دن ہوگا۔ (مسلم شریف)

(۳) جمعہ کے دن چونکہ تمام دنوں سے زیادہ نعمتیں فائض ہوتی ہیں، جس طرح نماز پنجگانہ کے وقتوں کے اثرات انسان کی روح پر پڑتے ہیں، اسی طرح جمعہ کے دن بھی انسانی بدن و روح پر تاثیرات مناسبہ کا ظہور ہوتا ہے جن کی وجہ سے اس دن کو سید الایام اور سب سے بزرگ دن مانا گیا ہے۔ اس دن مسلمانوں کو عبادت کرنے کا حکم دیا گیا تاکہ جس قدر جماعت کی کثرت ہوگی، اسی قدر ان فوائد کا بھی زیادہ ظہور ہوگا، کیونکہ مختلف شہر کے محلوں اور گاؤں کے مسلمان مل کر ایک جگہ جمع ہو کر اس عبادت کو جب بجالائیں گے تو ان کو ثواب بھی اسی کثرت کے لحاظ سے زیادہ ملے گا جس کثرت سے وہ جمع ہوں گے۔

۴۔ اسلام پاک کے تمام احکام کی تعمیل کی اصلی بنیاد مشورہ ہے اور مشورہ صرف مجالس مشاورت اور دار الشوریٰ کے ذریعہ سے کیا جا سکتا ہے۔ اس لئے اسلام پاک نے یہ تمام اساسی اصول قائم کئے اور نہایت اعلیٰ پیمانہ پر قائم کئے۔ سب سے پہلے محلّہ کی مسجدوں میں مسلمانوں کو جمع ہو کر نماز کے بعد باہم ذکر حالات ضروریہ اور مشورہ کا حکم دیا۔ اور ہفتہ کے بعد ایک بڑی مجلس مشاورت میں شریک ہونے کا امر فرمایا یعنی نماز جمعہ فرض کی۔ کیونکہ اس روز ایک عظیم الشان مجلس قائم ہو جاتی ہے۔ جس میں خطیب یا انتخاب شدہ سردار نماز کے پہلے منبر پر کھڑا ہو کر ہفتہ کے تمام اخبار و واقعات جو عالم اسلام کے لئے مفید ہیں' وضاحت کے ساتھ بیان کرتا ہے۔ اور اس وقت موجود جماعت کے لئے جو تلقین لازمی ہے اس کا پورا کرنا اور خطبہ کا سننا اور اس کا سمجھنا تمام حاضرین پر واجب ہے۔ عیدین کے روز اور حج کے موقع کے اجتماع میں بھی یہی حکمت ہے جو سیاستہً وفطرتاً دونوں حیثیتوں سے مسلمانوں کی اجتماعی حالت کے لئے مفید اور ضروری ہے۔
خدا کے فضل و کرم سے اب بھی کوئی ملک، شہر، قصبہ اور گاؤں نہیں جہاں مسلمان پاک و صاف ہو کر پانچ مرتبہ خدائے مالک الملک کی جناب اقدس میں ہاتھ باندھ کر نماز پڑھنے کھڑے نہ ہوتے ہوں۔ کوئی قصبہ اور شہر یقیناً ایسا نہیں ملے گا جس میں محلّہ کے مسلمانوں کی نماز پنجگانہ با جماعت نہ ہوتی ہو۔ ہر محلے کے مسلمان پانچ وقت روزانہ آپس میں مل لیتے اور ایک دوسرے کے حالات سے واقف ہونے کے علاوہ نماز کا ثواب بھی حاصل کر لیتے ہیں۔ لیکن ثواب کی کثرت اور دیگر قومی و ملی فائدے اسی وقت حاصل ہو سکتے ہیں کہ جب شہر کے مختلف محلوں کے لوگ اور ارد گرد کے رہنے والے باشندے ایک جگہ جمع ہو کر نماز پڑھیں[1] لیکن اس روزانہ اجتماع (پنجگانہ اوقات) میں اگر باشندگان شہر کو اکٹھا ہونے کا حکم دیا جاتا تو یہ امر سخت تکلیف کا باعث

[1] یہ فوائد بلا ریب اسی حالت میں حاصل ہو سکتے ہیں کہ جب سب مسلمان مل کر ایک جگہ شہر کی سب سے بڑی مسجد میں جمعہ ادا کریں۔ افسوس ہے کہ مسلمانوں نے اسلام کے سب برکات کو اپنے ہاتھوں سے پامال و برباد کر دیا ہے۔ شہر کی قریباً ہر چھوٹی بڑی مسجد میں نماز جمعہ ہوتی ہے جس کے سبب سے جامع مسجدوں کی رونق کم ہوتی جا رہی ہے۔ اسلام کی شوکت گھٹ رہی ہے۔ مگر مسلمان مارے غفلت و سستی کے اس کا احساس نہ کر کے برباد ہو رہے ہیں۔ خدائے تعالیٰ ان کو دین کی سمجھ دے۔ مؤلف

ہوتا۔ ان وجوہات کا لحاظ کرتے ہوئے شریعت حقہ نے ہفتہ میں ایک دن جمعہ کا ایسا مقرر کیا جس میں تمام شہر کے محلوں اور آس پاس کے گاؤں کے مسلمان آپس میں جمع ہو کر اس ساتویں روز کی عبادت کو ادا کریں۔ سال کے بعد دو عیدوں میں عام شہر کے' اور سال کے بعد ایک مرتبہ حج کے روز سب دنیا کے مسلمانوں کو ایک جگہ جمع کرنے میں جس قدر فوائد و برکات حاصل ہوتے ہیں وہ ظاہر ہیں۔ اور اس لحاظ سے اسلام پاک نے جس زمانہ کو اس اصول پر چلایا وہ اس پاک دین کی حقیقی عظمت وشان کا زمانہ تھا۔

۵۔ نماز جمعہ کے مقرر ہونے سے مراد عام تبلیغ و تلقین اسلام ہے۔ روزانہ لوگوں کو جمع کرنے میں ضرور دقت اور تکلیف تھی۔ لوگوں کو اس میں حرج ہوتا۔ لہٰذا ہفتے کے بعد ایک دن جمعہ کا اس غرض کے لئے مقرر کیا گیا جو بالکل قرین عقل و مناسب امر ہے۔ اس میں نہ تو تکلیف اور حرج ہے' اور نہ کوئی ناگواری کی صورت موجود ہے، بلکہ اس میں ایک قسم کا آرام اور راحت ہے۔

جمعہ کے دن عام تعطیل کی وجہ

۷۔ یہی وجہ ہے کہ ہر قوم اور مذہب میں چھ دن کے بعد آرام کے لئے ایک یوم عام تعطیل کا قرار دیا گیا ہے۔ تمام عیسائی سلطنتوں میں یک شنبہ کے روز عام تعطیل دی جاتی ہے۔ چونکہ دین اسلام میں جمعہ عظیم الشان شعائر اللہ میں سے ہے اور شعائر الٰہی کی حرمت و تعظیم داخل ایمان و اسلام ہے، اس لئے شرع اسلام نے جمعہ کی عزت و حرمت کے لئے اس دن عام تعطیل کرنے کا حکم دیا، تاکہ تمام اہل اسلام کو اس دن اپنے عام دنیاوی کاروبار، دکانات اور کارخانہ جات اور دفاتر میں چھٹی دیدی جائے، اور اس دن کا ادب اس طرح کیا جائے کہ اس دن کا بیشتر حصہ عبادت الٰہی و اصلاح قوم وملت میں گزار دیں۔ اس دن خدا کی عبادت کریں، اپنے دوستوں کی ملاقات، علماء کی زیارت، غرباء کی اعانت، بیماروں کی عیادت، درود شریف کی کثرت، وعظ و نصیحت وغیرہ نیک کاموں میں مصروف رہیں۔

نماز جمعہ کے لئے شہر ہونے کا راز

۸۔شہر میں نماز جمعہ فرض ہونے میں یہ راز ہے کہ جب تک لوگ بکثرت جمع نہ ہوں جمعہ کا مقصد حاصل نہیں ہوسکتا، کیونکہ جمعہ مقرر ہونے میں سب سے بڑی حکمت و مصلحت وعظ و نصیحت، تبلیغ و تلقین اسلام ہے، اوراس مقصد کے لئے ایسے ہی مقام کا ہونا موزوں ومناسب ہے جہاں لوگ بکثرت آباد ہوں۔لہٰذا شرع اسلام نے جمعہ کے لئے شہر ہونا مقرر کیا۔اور اردگرد کے دیہات کے مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ وہاں سے اس بڑی جماعت میں مل کر نماز جمعہ ادا کریں۔اگر کوئی گاؤں شہر سے اس قدر قریب ہو کہ وہاں سے نماز جمعہ پڑھنے کے لئے کوئی شخص آئے تو دن ہی دن میں اپنے گھر واپس جاسکے تو ایسا مقام بھی مصر کے حکم میں ہے اور وہاں کے لوگوں پر بھی نماز جمعہ فرض [1] ہے۔(شرح سفر السعادۃ)

شہر کی تعریف میں بعض فقہاء نے یہ لکھا ہے: جہاں نمازی اس قدر رہوں کہ اگر سب مل کر وہاں کی کسی بڑی مسجد میں جمع ہونا چاہیں تو اس مسجد میں ان سب کی گنجائش نہ ہو۔غرض یہ ہے کہ جمعہ کے لئے نمازیوں کی کثرت اولیٰ و افضل ہے، کیونکہ زیادہ آدمیوں کا جمع ہونا موجب نزول رحمت الٰہی ہونے کا سبب ہے۔اس کے علاوہ دیہاتیوں کو شہریوں کی صحبت اور میل ملاپ سے تہذیب اور شائستگی اور ہدایت کا سبق بھی ملے گا جو قوم کی اصلاح و درستی کا موجب ہوگا۔

نماز جمعہ کیلئے بادشاہ اسلام یا اس کے نائب کے موجود ہونیکی وجہ

۹۔اس شرط میں یہ مصلحت ہے کہ اس بڑے اجتماع میں ہر ایک طرح کے لوگ بکثرت جمع ہوتے ہیں۔اس بڑی جماعت میں مختلف خیالات' عقائد اور اعمال کے لوگ شریک ہوتے

[1] جب شہر کے اردگرد کے دیہات کے رہنے والوں کو اس بڑی جماعت میں آکر شریک ہونے کا حکم ہے۔تو ان مسلمانوں کو سوچنا چاہئے کہ جو شہر میں رہ کر بڑی جماعت کی شرکت سے محروم رہتے ہیں۔اسی وجہ سے بعض فقہاء کے نزدیک جمعہ کی نماز شہر کی متعدد مساجد میں جائز نہیں، گو یہ قول مختار اور مفتی بہ نہیں ہے۔کیونکہ بعض بڈھوں اور دیگر مجبور لوگوں کی رعایت سے متعدد مسجدوں میں نماز جمعہ جائز ہے۔مگر بہتر یہی ہے کہ جمعہ کی نماز ایک ہی مقام ایک ہی مسجد میں سب لوگ جمع ہوکر پڑھیں (بحر الرائق وغیرہ) مؤلف۔

ہیں، جس کی وجہ سے فتنہ وفساد یا جھگڑے کا بھی خوف ہوتا ہے۔لہٰذا اگر خود بادشاہ یا اس کی طرف سے کوئی نائب موجود رہے گا تو اس کا انسداد کر سکے گا۔ اور انتظام درست رہے گا۔ اور کوئی بات تنازع کی پیدا نہ ہوسکے گی۔

۲۔ خلفائے راشدین کے زمانہ میں گورنروں کے پاس سالانہ فرامین بھیجے جاتے تھے، جس کے ذریعہ مسلمانوں کی ضرورتیں دریافت کی جاتی تھیں۔ اور حکام ان تجاویز کو جو مساجد اوپر جوامع اور عیدگاہوں میں قرار پاتی تھیں دریافت کرتے تھے، اور ان کا خلاصہ لکھ کر دربار خلافت میں بھیج دیتے تھے۔ خلیفہ خود یا اس کے نائبین جمعہ اور عیدین کے روز عام مسلمانوں کو ان سے واقف کراتے اور ان سے مشورہ لیا کرتے تھے اور جو قوانین اس طریقہ سے زمانہ کے موافق اور رفاہ عام کے لئے مقرر ہوئے تھے' خود اپنی زبان سے ان کا اعلان فرمایا کرتے تھے یا حکام کے ذریعہ پہنچایا جایا کرتے تھے تا کہ کسی کو انکار کی مجال نہ ہو۔

دار الاسلام میں جمعہ جائز ہونے کا سر

۱۰۔ نماز جمعہ ایک بڑی جماعت کے ساتھ ہوتی ہے اور خطبہ بھی اس کی شرط ہے۔ اگر غیر اسلامی سلطنت ہو اور وہ اس اجتماع کو پسند نہ کرے تو لڑائی جھگڑے کا دروازہ کھلنے کا اندیشہ ہے۔ شرع اسلام جس کو فتنہ وفساد اور لڑائی جھگڑے سے سخت نفرت ہے، اس نے جمعہ کے واسطے دار الاسلام کی قید لگادی۔ اگر یہ شرط مقرر نہ ہوتی تو پیروان اسلام کو سخت تکلیف کا سامنا کرنا پڑتا، یا تو وہ جمعہ ادا کر کے کافروں سے لڑائی مول لیتے یا ترک جمعہ کا عذاب ووبال اپنے سر لیتے۔ نماز جمعہ میں بادشاہِ اسلام یا اس کے نائب کی موجودگی یا دار السلام ہونے کی شرط کی یہی وجہ ہے کہ ان اجتماعات کے مقامات پر محکمہ یا حکومت کے مقامات کے قائم مقام ہوتے تھے، اور خود خلیفہ اور حکام اکثر ان موقعوں پر موجود رہتے تھے، اور ان کی موجودگی کی وجہ سے کوئی خرابی یا مانع سدراہ نہیں ہوسکتا تھا۔

دار الاسلام وہ مقام ہے جہاں کا بادشاہ مسلمان ہو یا وہاں احکام اسلامی جاری ہوں اور

غیر مسلموں کی طرف سے کوئی مزاحمت احکام شرعیہ میں نہ ہوتی ہو اور مسلمان وہاں بامن و امان بلا اجازت کُفّار رہ سکتے ہوں، جہاں یہ باتیں نہ ہوں وہ دار الحرب ہے۔

نماز جمعہ کیلئے جلدی جانے کی حکمت

۱۱۔ نماز جمعہ کے لئے جلدی جانے میں بہت ثواب ہے۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی نسبت یہ فرمایا کہ جب جمعہ کا روز ہوتا ہے تو خدائے پاک کے فرشتے مسجد کے دروازے پر کھڑے ہو جاتے ہیں۔ آنے والوں کے نام لکھتے رہتے ہیں جو سب سے پہلے آتا ہے اس کا نام پہلے لکھا جاتا ہے۔ اور اس کو ثواب بھی سب سے زیادہ ملتا ہے۔ جو سب سے اخیر میں آتا ہے اس کا نام بھی آخر میں لکھا جاتا ہے۔ اور ثواب بھی سب سے کم ملتا ہے۔ (بخاری و مسلم)

۲۔ پہلے آنے میں جگہ بھی اچھی اور موقع کی ملتی ہے۔ جہاں آدمی اطمینان سے خطبہ اور قراءت سن سکتا ہے۔

نماز جمعہ سے پہلے چار رکعت سنت مقرر ہونیکی وجہ

۱۲۔ جیسا کہ اور فرض نمازوں کے قبل و بعد سنتیں مقرر ہوئی ہیں۔ اسی طرح جمعہ کے اول چار رکعت سنتیں پڑھنے کا امر ہوا ہے۔ جس میں یہ مصلحت ہے کہ آدمی اپنے آپ کو پہلے خطبہ سننے اور نماز پڑھنے کے واسطے تیار کر لے۔ غفلت و سستی اور کدورت کو دل سے دور کرنے' خطبہ میں الٰہی احکام کے مضامین سننے کی طرف دلی رغبت سے متوجہ ہونے کا علاج یہ چار رکعات ہیں۔ اس نماز کے ادا کرنے سے آدمی تیار و بیدار ہو جاتا ہے۔

جمعہ میں دو اذانوں کا راز

۱۳۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور خلیفہ اول و ثانی (رضی اللہ عنہما) کے زمانے میں جمعہ کے لئے بھی اور نمازوں کی طرح صرف ایک ہی اذان تھی۔ کیونکہ ایک اذان سے کام چل سکتا تھا۔ لوگوں کی ایسی کثرت نہ تھی۔ مگر جب مسلمان نمازیوں کی بہت کثرت ہوگئی تو

حضرت سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ایک اذان اور بڑھادی گئی۔ (بخاری شریف)

چونکہ جب امام اذان کے بعد خطبے پر کھڑا ہوتا ہے اس وقت سے کوئی نماز پڑھنا یا آپس میں بات چیت کرنا مکروہ تحریمی ہے۔ لہذا پہلی اذان تو لوگوں کو مسجد میں نماز جمعہ کے لئے بلانے کے واسطے کہی جاتی ہے۔ اور دوسری اذان خطبہ کے سننے کے لئے آگاہ کرنے کے واسطے شروع ہوتی ہے۔

جمعہ میں خطبہ مقرر ہونیکی وجہ

۱۴۔ جمعہ شعائر اللہ میں سے ہے۔ اس میں خدائے پاک اور اس کے رسول برحق اور قرآنِ کریم کی عظمت کا پایا جانا ضروری ہے۔ نیز جب کہ تمام شہر کے باشندوں کے اجتماع کا دن ہے۔ اور اس اجتماع میں کئی قسم کے فائدے ملحوظ رکھے گئے ہیں، جن میں ایک بڑا فائدہ یہ بھی ہے کہ اس سے تبلیغ و اشاعت اسلام اور مسلمانوں کی اصلاح عقائد و اعمال کا کام لیا جائے۔ لہذا جمعہ میں نماز سے قبل خطبہ مقرر ہوا تاکہ جو لوگ ناواقف ہوں وہ واقف ہو جائیں، اور جو لوگ باوجود عالم و واقف ہونے کے غافل ہیں ان کے لئے بطور یاددہانی ہو جائے۔ تاکہ وہ لوگ عمل میں مستعد و دلیر بن جائیں۔ خطبہ کے ایسی آواز سے پڑھے جانے میں کہ جس کو لوگ سن سکیں۔ اسی کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے۔ کیونکہ وعظ اور نصیحت کرنا اسی حالت میں نفع دے سکتا ہے کہ جب وہ لوگوں کے کانوں تک پہنچ سکے۔

دو خطبے مقرر ہونے کا راز

۱۵۔ جمعہ کے دو خطبے پڑھنا اور دونوں کے درمیان میں خطیب کا اتنی دیر تک بیٹھنا کہ تین مرتبہ سبحٰن اللہ کہہ سکیں سنت ہے۔ اس میں یہ مصلحت ہے کہ ایک تو خطیب کو آرام مل جاتا ہے، وہ بیٹھ کر دم لے لیتا ہے۔ اور دوسرا سامعین کا شوق اور سرور از سرِ نو تازہ ہو جاتا ہے اور وہ بھی ایک خاص قسم کا آرام پا لیتے ہیں اور پھر متوجہ ہو کر دوسرا خطبہ سننا شروع کرتے ہیں۔

نماز جمعہ میں قراءت جہری کی وجہ

۱۶۔نماز جمعہ میں چونکہ اجتماع کثیر ہوتا ہے، اس لئے تبلیغ اسلام و تلقین اور وعظ و نصیحت کے خیال سے قرآن مجید کا بلند آواز سے پڑھنا قرار دیا گیا، تاکہ لوگوں کو کلام الٰہی کے مضامین میں تدبر کرنے کا موقع ملے۔ اور یہ کلام الٰہی کی عظمت و بزرگی کے شایان شان بھی تھا کہ وہ ایسے مجمع کے سامنے پڑھ کر سنایا جائے۔

نماز جمعہ کے بعد سنتوں کا راز

۱۷۔نماز جمعہ دو رکعت ادا ہو چکنے کے بعد پھر چار یا چھ سنتیں[1] پڑھنے میں یہ راز ہے کہ اب جو نقصان و کمی اس نماز کی ادائیگی میں ہوئی ہو، وہ کمی ان کے پڑھ لینے سے پوری ہو جائے، تاکہ نماز جمعہ کامل ہو جانے کی وجہ سے شرف قبولیت حاصل کر سکے۔

جمعہ کی وجہ تسمیہ

۱۸۔حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں عرض کیا گیا کہ جمعہ کی وجہ تسمیہ کیا ہے؟ آپؐ نے فرمایا:

لأنّ فیھا طبعت طینۃ ابیک ادم، وفیہ الصعقۃ والبعثۃ وفیھا البطشۃ (مسند امام احمد)

"اُس دن تمہارے باپ آدم پیدا ہوئے، اس دن صور پھونکا جائے گا۔ اسی دن لوگ قبروں سے اٹھیں گے۔ اسی دن سخت پکڑ ہوگی" (وغیرہ)

۲۔ چونکہ جمعہ کے دن تمام لوگ اکٹھا ہوتے ہیں، وہ دن سب مسلمانوں کے ایک مقام پر جمع ہونے کا ہے، اس لئے بھی اس کو جمعہ (یعنی جامع جامعات) کہا گیا، نیز اس دن انوار و فیوضات الٰہیہ کا بھی اجتماع ہوتا ہے۔

جمعہ کے روز غسل کرنے اور نئے کپڑے پہننے کی مصلحت

۱۹۔حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ جمعے کا دن مسلمانوں کی عید کا دن ہے، پس جمعہ کی نماز کے لئے آنے والوں کو چاہئے کہ وہ پہلے غسل کریں اور اگر خوشبو میسر ہو تو وہ

---

[1] امام صاحبؒ کے نزدیک چار۔ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک بعد جمعے کے چھ رکعتیں مسنون ہیں۔ (مؤلف)

بھی مل لیں اور مسواک ضرور کریں۔ اس دن کی فضیلت بیشک اس امر کی مقتضی تھی کہ اس روز کے اعمال زیادہ تر صفائی بدن و ستھرائی لباس سے بجالائے جائیں۔

۲۔ جمعہ کے روز غسل مقرر ہونے کا سبب حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہؓ نے یہ بیان فرمایا ہے کہ لوگ اپنے گھروں سے اور شہر مدینہ کے اردگرد کے مواضعات سے نماز جمعہ میں آ کر شریک ہوتے تھے۔ گرد و غبار میں اٹے رہتے تھے۔ پسینہ چلتا تھا، ایک روز ایک آدمی حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا، آپؐ میرے ہاں تشریف فرما تھے۔ آپؐ نے اس کو اس حال میں دیکھ کر ارشاد فرمایا: ولو تطھرتم لیومکم ھذا (بخاری شریف) ''اس دن کے لئے تم نہا لیتے۔''

۳۔ جمعہ کے روز چونکہ سب امیر غریب شاہ و فقیر شہر بھر کے لوگ ایک ہی مقام پر جمع ہو کر کندھے سے کندھا ملا کر نماز میں کھڑے ہوتے ہیں۔ اس لئے حفظان صحت کے اصول کو مدنظر رکھ کر اس دن خاص طور پر غسل کرنے، نئے کپڑے پہننے اور خوشبو لگانے کا حکم دیا گیا، تاکہ بیماریوں کے مضر اثرات سے بھی لوگ محفوظ رہیں۔ اور ماسوائے اس کے، میلے کچیلے نہ ہونے کی وجہ سے ایک دوسرے کے پاس کھڑے ہونے یا ملنے سے نفرت و کراہیت بھی نہ ہو۔

ترک جمعہ سے دل پر مہر لگنے کا راز

۲۰۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

من ترک ثلث جمع تھاونا طبع اللہ علیٰ قلبہ (ابوداؤد۔ ترمذی۔ ابن ماجہ وغیرہ)

''جو کوئی آدمی لاپرواہی اور حقیر جاننے کی وجہ سے تین جمعے ترک کردے گا اس کے دل پر اللہ تعالیٰ مہر لگا دے گا۔''

مہر لگنے کی وجہ یہ ہے کہ جمعہ کی وجہ سے جن انوار و برکات، جن دینی و دنیوی فوائد کا خدائے پاک کی طرف سے ملنے کا وعدہ دیا گیا ہے، ترک جمعہ سے آدمی ان سے محروم ہو جاتا ہے۔ اور انسان کا ان فیوضات سے بے بہرہ ہونا مہر لگنے کا موجب بن جاتا ہے، کیونکہ وہ ان

سے محروم ہوتے ہوتے اس قابل ہو جاتا ہے کہ پھر اس کو ادھر آنے کی توفیق ہی نہیں ملتی، اور یہی دل کی مہر ہے۔

واجب نمازیں

نماز وتر[1]

نماز وتر کے احکام

۱۔ نماز وتر واجب ہے۔ منکر اس کا گو کافر نہیں، مگر فرض نمازوں کے تارک کی طرح فاسق اور گنہگار ہے۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "جو شخص وتر نہ پڑھے وہ ہماری جماعت میں نہیں" (ابوداؤد)

وتر کی نماز بھی مغرب کی طرح تین رکعت ہے۔ اس کے پڑھنے کا طریقہ وہی ہے جو فرض نمازوں کا ہے۔ اس کی تیسری رکعت میں سورۃ ختم ہو جانے کے بعد دونوں ہاتھ اٹھا کر تکبیر تحریمہ کی طرح الله اکبر کہہ کر پھر باندھ لینے کے بعد دعائے قنوت پڑھنے کا حکم ہے۔

نماز وتر مقرر ہونے کی حکمتیں

۲۔ قیام اللیل یعنی رات کی نماز کی فضیلت میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

افضل الصلوٰۃ بعد الفریضۃ صلوٰۃ فی جوف اللیل. (مسند امام احمد).

نماز فریضہ کے بعد تمام نمازوں میں افضل وہ نماز ہے جو رات میں پڑھی جائے۔

---

[1] وتر اس نماز کو کہہ سکتے ہیں جس میں طاق رکعتیں ہوں۔ مگر فقہاء کی اصطلاح میں وتر اس خاص نماز کو کہتے ہیں جس کا وقت عشاء کی نماز کے بعد ہے، جو عام طور پر عشاء کے بعد فوراً پڑھی جاتی ہے۔ وتر کا واؤ مکسور و مفتوح دونوں طرح سے پڑھ سکتے ہیں مگر مکسور زیادہ مشہور ہے۔ یہ نماز بھی بڑی فضیلت اور ثواب کی چیز ہے۔ اس کے چھوڑنے میں گناہ بھی بڑا ہے۔ (مؤلف)

اور ساتھ ہی آپ کو یہ بھی معلوم تھا کہ رات کے اٹھنے میں نفس پر بڑی محنت و مشقت پڑتی ہے۔ آدمی کا نفس اس کو بہت ناگوار سمجھتا ہے۔ اس لئے رات کی نماز کو امت پر فرض نہیں کیا۔ البتہ ان کے لئے تین رکعتیں اور بڑھا دی گئیں تاکہ وہ مزید عبادت کا ثواب حاصل کرلیں، اس خیال سے کہ کوئی فرد بشر اس امت کا اس ثواب سے محروم نہ رہ جائے۔ اس نماز وتر کو شروع شب میں پڑھ لینے کی اجازت بھی فرمادی جیسا کہ ارشاد کیا کہ:

من خاف ان لا یقوم اٰخر اللیل فلیوتر اولہ ومن طمع ان یقوم من اٰخر اللیل فلیوتر اٰخرہ فان صلوٰۃ اللیل مشھودۃ وذٰلک افضل (مسلم۔ترمذی)

جو آدمی ڈرتا ہو کہ میں پچھلی رات میں نہیں اٹھ سکوں گا تو وہ اول رات ہی میں وتر کی نماز پڑھ لے۔ اور جس کو آخر رات میں پڑھ کر پورا درجہ حاصل کرنے کی طمع ہو وہ آخر رات ہی میں وتر پڑھے۔ کیونکہ پچھلی رات کی نماز میں حضور دل ہوتا ہے، اور یہ بات افضل ہے۔

۳۔ پہلے کئی جگہ بیان ہو چکا ہے کہ ابتداء میں رات دن میں صرف گیارہ رکعتیں فرض ہوئی تھیں۔ بعدازاں چھ رکعتیں اور بڑھا دی گئیں۔ جن میں ان گیارہ میں مغرب کی تین رکعات بمنزلہ دن کے وتر کے مقرر ہوئیں کیونکہ وتر اللہ تعالیٰ کو زیادہ پسند ہے، جیسا کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ان اللہ وتر یحب الوتر فاوتروا یا اھل القراٰن (سنن اربعہ)

''خداوند تعالیٰ طاق ہے اور طاق کو پسند فرماتا ہے۔ اس لئے اے اہل قرآن تم طاق نماز پڑھا کرو۔''

مغرب کی تین رکعتوں کے مقابلہ میں یہ تین رکعتیں رات کے وتر کی مقرر کی گئیں۔ تاکہ رات و دن کے وتر دونوں برابر ہو جائیں۔ اسی وجہ سے حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ نے فرمایا **الوتر ثلٰث کثلٰث المغرب** ۔یعنی وتر مغرب کی نماز کی طرح تین رکعت ہے۔ (فتح المبین)

وجہ تسمیہ دعائے قنوت

۳۔ اس نماز میں چونکہ خدائے تعالیٰ کے آگے اپنی فرماں برداری و اطاعت الٰہی کے اظہار کے لئے دعائے قنوت پڑھی جاتی ہے۔ اور قنوت کے معنی فرماں برداری و اطاعت کے ہیں۔ اس لئے اس دعا کا نام قنوت ہوا۔ قرآن کریم سے بھی ان معنوں کی تائید ہوتی ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے کہ:

﴿وقوموا اللہ قٰنتین﴾ (البقرۃ: ۲۳۸)

''خدائے تعالیٰ کے آگے فرمانبردار بن کر قائم رہو۔''

وتروں میں دعائے قنوت پڑھے جانے کا راز

۴۔ فقہائے حنفیہ کے نزدیک دعائے قنوت کا پڑھنا رات کے وتروں کے ساتھ مخصوص ہے۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا خاص طور پر پڑھنے کی ہدایت فرمائی۔ دعائے قنوت' اورادعیہ مسنونہ کی طرح ایک دعا ہے اوراس کا پڑھنا کئی طرح پر مسنون ہے۔ امام اعظم ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ کے نزدیک ایک رکعت کی وتر جائز نہیں۔ امام شافعی علیہ الرحمۃ کے نزدیک ایک رکعت بھی جائز ہے۔ دونوں طرف بکثرت احادیث صحیحہ موجود ہیں۔ مگر تین رکعت وتر اکثر صحابہ کا معمول[1] تھا۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ سعید بن میسّب کو ایک رکعت وتر پڑھتے ہوئے دیکھ کر فرمایا کہ کیسی ناقص نماز پڑھتے ہو۔ دو رکعت اور ملاؤ ورنہ میں تم کو سزا دوں گا۔ (نہایہ)۔ چونکہ یہ نماز فرض نمازوں کے علاوہ محض فرمانبرداری اور اطاعت الٰہی کے لئے مقرر کی گئی ہے۔ اس لئے اس دعا کا نام قنوت ہوا۔ اوراس کے پڑھنے کا حکم ہوا۔ کیونکہ اس میں بندہ فرمانبرداری واطاعتِ الٰہی کا اظہار کرتا ہے۔

---

[1] حضرت حسن بصری فرماتے ہیں کہ نماز وتر کی تین رکعتوں کو ایک سلام کے ساتھ پڑھنے پر تمام مسلمانوں کا اجماع ہے۔ (فتح المبین) مؤلف

عیدین کی نماز

عیدین کی تشریح

ا۔شوال کے مہینے کی پہلی تاریخ کو عید الفطر اور ذی الحجہ کی دسویں تاریخ کو عید الاضحیٰ کہتے ہیں۔ یہ دونوں دن اسلام میں عید اور خوشی کے دن ہیں۔ ان دونوں دنوں میں دو رکعت نماز بطور شکریہ کے پڑھنا واجب ہے۔ جمعہ کی نماز کی صحت و وجوب کے لئے جو شرائط..... جمعے کے بیان میں ذکر ہو چکے..... ہیں وہی سب عیدین کی نماز میں بھی ہیں۔ صرف ایک خطبہ میں فرق ہے، اور وہ یہ کہ جمعے کی نماز میں خطبہ فرض اور شرط ہے اور نماز سے پہلے پڑھا جاتا ہے۔ مگر عیدین کی نماز میں شرط یعنی فرض نہیں سنت ہے۔ اور نماز کے بعد پڑھا جاتا ہے۔ اور عیدین کے خطبے کا سننا بھی مثل جمعے کے خطبہ کے واجب ہے۔ اس وقت بولنا، چالنا، نماز پڑھنا سب حرام ہیں۔

عید الفطر کے احکام

۲۔عید الفطر کے دن بارہ چیزیں مسنون ہیں:

(۱) شرع شریف کے موافق اپنی آرائش کرنا۔ (۲) غسل کرنا (۳) مسواک کرنا۔ (۴) عمدہ سے عمدہ کپڑے (جو پاس موجود ہوں) پہننا (۵) خوشبو لگانا (۶) صبح کو بہت سویرے اٹھنا (۷) عیدگاہ کو بہت سویرے جانا (۸) عیدگاہ میں جانے سے پہلے کوئی میٹھی چیز کھانا (۹) عیدگاہ جانے سے پہلے صدقہ عید الفطر دیدینا (۱۰) عید کی نماز عیدگاہ میں جا کر پڑھنا۔[1] یعنی شہر کی مسجد میں

---

[1] حدیث شریف میں ہے کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یخرج یوم الفطر والاضحی الی المصلّٰی یعنی حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے روز عیدگاہ میں تشریف لے جاتے تھے۔ (بخاری و مسلم)۔ اس وقت عام طور پر شہر کی مسجدوں میں نماز پڑھنے کا رواج پڑ گیا ہے جس کی وجہ سے عیدگاہ کی رونق بالکل کم ہو جاتی ہے، لوگوں نے عیدگاہ کا جانا کوئی ضروری بات نہیں سمجھا ہے، حالانکہ عیدگاہ جانا سنت مؤکدہ ہے۔ بعض لوگوں سے جب عیدگاہ چلنے کیلئے کہا جاتا ہے تو وہ کہنے لگتے ہیں کہ عیدگاہ جانے سے ہماری مسجدوں کی رونق گھٹ جاتی ہے۔ ایسے مسلمانوں کو سوچنا چاہئے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی مقدس مسجد کو..... باوجود بے انتہا شرف و فضیلت کے عیدین کے روز..... چھوڑ دیتے تھے۔ اور نماز پڑھنے عیدگاہ تشریف لے جاتے تھے۔ اور یہی آپ ﷺ کے صحابہ کا معمول تھا۔ (مؤلف)

بلاعذر نہ پڑھنا اور جس راستے سے جائے اس کے سوا راستے سے واپس آنا (۱۱) پیادہ پا جانا (۱۲) راستے میں الله اکبر الله اکبر لا اله الا الله و الله اکبر الله اکبر و لله الحمد آہستہ آواز سے پڑھتے جانا۔ ان سب امور کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔

عیدالفطر کی نماز پڑھنے کا طریقہ

۳۔ نمازی پہلے کھڑے ہوکر یہ نیت کرے: نویت ان اصلی رکعتی الواجب صلوٰۃ عید الفطر مع ستة تکبیرات واجبة ۔ (یعنی) میں نے یہ نیت کی کہ دو رکعت نماز عید کی چھ واجب تکبیروں کے ساتھ پڑھوں۔ یہ نیت کر کے سب ہاتھ باندھ لو۔ اور سبحٰنک اللهم آخر تک پڑھ کر تین مرتبہ الله اکبر کہو۔ اور ہر دو مرتبہ مثل تکبیر تحریمہ کے دونوں ہاتھ اٹھاؤ اور بعد تکبیر کے لٹکا دو، اور ہر تکبیر کے بعد اتنی دیر تک توقف کرو کہ تین مرتبہ سبحان الله کہہ سکو۔ تیسری تکبیر کے بعد ہاتھ نہ لٹکاؤ بلکہ باندھ لو اور اعوذ بالله اور بسم الله پڑھ کر سورۂ فاتحہ اور کوئی سورۃ پڑھ کر حسب دستور رکوع سجدے کر کے کھڑے ہو جاؤ۔ اور اس دوسری رکعت میں پہلے سورۂ فاتحہ اور سورۃ پڑھ لو۔ اس کے بعد تین تکبیریں اسی طرح کہو، لیکن یہاں تیسری تکبیر کے بعد ہاتھ نہ باندھو۔ بلکہ لٹکائے رکھو اور پھر تکبیر کہہ کر رکوع میں جاؤ۔ (مجالس الابرار، علم الفقہ)

نماز کے بعد امام دو خطبے منبر پر کھڑے ہوکر پڑھے، اور دونوں خطبوں کے درمیان اتنی ہی دیر تک بیٹھے جتنی دیر جمعے کے خطبے میں حکم ہے۔

عیدالاضحیٰ کی نماز کا طریقہ

۴۔ عیدالاضحیٰ جسے عیدالبقر بھی کہتے ہیں، اس کی نماز کا بھی وہی طریقہ ہے جو عیدالفطر کی نماز کا ہے۔ اس میں بھی وہ سب چیزیں مسنون ہیں جو عیدالفطر میں ہیں۔ فرق صرف اس قدر ہے کہ عیدالاضحیٰ کی نیت میں بجائے عیدالفطر کے عیدالاضحیٰ کا لفظ داخل کرو۔ عیدالفطر میں عیدگاہ جانے سے پہلے کوئی چیز کھانا مسنون ہے، اور یہاں نہیں۔ عیدالفطر میں راستہ چلتے وقت آہستہ تکبیر کہنا مسنون ہے، اور یہاں بلند آواز سے۔ عیدالفطر کی نماز دیر کر کے پڑھنا مسنون ہے،

اورعید الاضحیٰ کی سویرے۔ یہاں صدقہ عید الفطر نہیں بلکہ بعد میں اہل وسعت پر قربانی واجب ہے۔ اذان واقامت نہ یہاں ہے نہ وہاں۔ نماز کے بعد قربانی کرنے کا حکم ہے۔ اور ذی الحجہ کی بارہویں تاریخ عصر کے وقت تک قربانی درست ہے۔ اس عید کے پہلے روز عرفہ کے دن (یعنی ذی الحجہ کی نویں تاریخ) فجر کی نماز سے تیرہویں تاریخ عصر کی نماز تک ہر ایک نماز[1] با جماعت کے بعد بلند آواز سے تکبیر پڑھنے کا حکم ہے۔

عیدین کی نمازوں کے مقرر ہونے کی وجہ

۵۔ ہر ایک قوم میں ایک دو روز خوشی اور سرور کے مقرر ہیں، جس کو وہ اپنی اپنی اصطلاح میں عید کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے لئے بھی سال میں یہ دو دن خوشی کے مقرر فرمائے۔

۲۔ تمام مسلماں ہر ایک مقام پر روزانہ پانچ وقت اپنے محلّہ کی مسجدوں میں جمع ہوکر اپنے معبود حقیقی کی عبادت کرتے ہیں۔ اور تمام محلوں کے مسلمان جمع ہوکر ہر ساتویں روز جمعہ کے دن شہر کی بڑی مسجد میں مل کر خدائے پاک کی عبادت اور اس کی عظمت وجبروت کو بیان کرتے ہیں۔ خدائے پاک نے اسی طرح قصبات اور دیہات کے مسلمانوں کے اجتماع کے لئے عیدین کی نماز تجویز فرمائی۔ چنانچہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لکل قوم عید، فھذا عیدنا.

''ہر قوم کی ایک عید ہے۔ اور ہماری بھی عید (خدائے تعالیٰ نے) مقرر فرمائی ہے۔''

اس روز سب مسلمانوں کو خوشی کرنا اور جمع ہوکر خدائے پاک کی عبادت کرنا چاہیئے۔

وجہ تسمیہ عید

۶۔ پھر کر آنے والی چیز کو عید کہا جاتا ہے۔ چونکہ یہ خوشی و سرور کا دن بھی ہر سال پھر کر آتا رہتا ہے۔ اس لئے عید سے پکارا جاتا ہے۔

[1] یعنی فرض عین نماز کے بعد، اسی طرح منفرد؛ مسافر اور عورت کو بھی حکم ہے۔

تقرری عید الفطر کی وجہ

۷۔ اس دن لوگ روزہ جیسی مہینہ بھر کی عبادت سے فراغت حاصل کرتے ہیں۔ اور اس خوشی میں کہ خدائے پاک نے روزہ داروں کو اس عبادت مفروضہ کے ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔ لہٰذا بطور شکریہ خوشی کرنے اور اس کی عبادت میں مصروف ہونے کا حکم دیا گیا۔ اس میں یہ بھی اشارہ پایا جاتا ہے تاکہ روزہ جیسی عبادت شاقہ سے فراغت ہونے کی خوشی کا اظہار ہو۔

عید الفطر کی وجہ تسمیہ

۸۔ لغت میں فطر کے معنی کھولنے اور پھاڑنے کے ہیں۔ چونکہ اس دن روزہ رکھنے کا حکم نہیں بلکہ روزہ کھولنے کا روز ہے۔ لہٰذا روزہ کھولنے کی وجہ سے اس کو عید الفطر کہا جاتا ہے۔

تقرر عید الاضحیٰ کی وجہ

۹۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں عرض کیا گیا کہ قربانی کیا شئے ہے۔ آپؐ نے فرمایا:

سنة ابیکم ابراھیم (ابن ماجہ)

''تمہارے باپ ابراہیمؑ کی سنت ہے۔''

یعنی اس میں ملت ابراہیمی کی یادگار ہے۔ اس دن حضرت خلیل اللہ علیہ السلام نے اپنے پیارے فرزند حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو قربانی کرنا چاہا اور خدا نے اس کو قبول فرما کر اس کے بدلے میں جانور کی قربانی کرادی، اس کے مقرر کرنے میں ملتِ ابراہیمیؑ کی یادگار کے علاوہ جان و مال کے ایثار کا بہترین سبق موجود ہے۔

۲۔ اس میں حاجیوں کے ساتھ تشبہ اور حج کی عظمت کی طرف بھی اشارہ پایا جاتا ہے، تاکہ حاجی جس کام میں مصروف ہیں سب لوگوں کو اس کی طرف رغبت وخیال ہو۔

عیدین کی نمازوں میں جہری قراءت کی وجہ

۱۰۔ اس کی نسبت علامہ ابن قیمؒ لکھتے ہیں:

جب کہ کوئی ایسی دینی تقریب پیش آجائے تو وہاں قراءت جہر پڑھنی مناسب تر ہے۔ مثلاً بڑے بڑے اجتماع جو جمعہ و عیدین و نماز استسقاء و کسوف میں ہوتے ہیں۔ کیونکہ ایسے وقت میں جہری قراءت کا پڑھنا تبلیغ اسلام کا مقصد حاصل کرنے کے لئے احسن و مناسب تر ہے، اور امر اجتماع کے لئے نافع ہے، اور کلام الٰہی کا لوگوں کے اجتماع عظیم کو سنانا رسالت کے بڑے بڑے مقاصد میں سے ہے۔ (اسرار شریعت)

عیدین کے لئے بیرون شہر میں جا کر نماز پڑھنے کی وجہ

۱۱۔ چونکہ تمام شہر اور اس کے اردگرد کے دیہات کے تمام لوگوں کا ایک بڑا اجتماع تھا، لہٰذا عید کا جلسہ شہر کے باہر میدانوں میں تجویز ہوا۔ اور نیز یہ ایک اسلامی میلہ تھا کھلی جگہ اور کھلی ہوا میں ہونا ہی موزوں و مناسب تھا۔

عیدین میں خطبہ مقرر ہونے کا راز

۱۲۔ عیدین کے روز بھی چونکہ تمام شہر اور دیہات کے سب مسلمان شہر کے باہر میدان میں بکثرت جمع ہوتے ہیں۔ اس لئے نماز کے علاوہ تبلیغ اسلام و تعلیم و تلقین و وعظ و ترہیب کا لوگوں کے سامنے پیش کرنا ضروری و مناسب ہوا۔ تاکہ مسلمانوں کا کوئی اجتماع (اور قوموں کی طرح) صرف لہو و لعب نہ ہو۔ بلکہ ان کے اکٹھا ہونے سے اعلائے کلمۃ الاسلام ہو۔ عام طور پر مسائل اسلام لوگوں کو سنائے جائیں۔ تاکہ نہ جاننے والے جاننے لگیں، لہٰذا شرع اسلام نے عیدین کے روز نماز کے بعد خطبہ مقرر کیا۔

عیدین کا خطبہ نماز کے بعد اور جمعہ کا پہلے ہونے کا راز

۱۳۔ عیدین کا خطبہ نماز کے بعد اس لئے رکھا گیا تاکہ سب لوگ نماز کے خیال سے

جلدی آ جائیں اور سب لوگ خطبہ سننے میں شریک ہو جائیں، جو اس اجتماع کا سب سے بڑا مقصد ہے اور چونکہ آج کے دن کی عید کی وجہ سے سب لوگ فارغ ہیں۔ اس لئے خطبہ بعد میں رکھنے سے کوئی حرج نہ تھا، برخلاف جمعہ کے کہ اس دن لوگوں کو نماز سے پہلے خطبہ سنا دیا جاتا ہے، تاکہ لوگ نماز پڑھ کر اپنے کاروبار میں لگ جائیں۔ ایسا نہ ہو کہ لوگ اپنے حرج کے خیال سے خطبہ سننا چھوڑ دیں۔ اس خیال سے جمعہ کا خطبہ قبل نماز مقرر ہوا۔

۲۔ چونکہ جمعہ کا خطبہ نماز کی شرط ہے، عیدین کا شرط نہیں۔ جمعہ کا خطبہ فرض ہے، عیدین کا سنت ہے۔ اس فرق و افضلیت کو ظاہر کرنے کے لئے جمعہ کا خطبہ پہلے اور عیدین کا پیچھے رکھا گیا۔

عیدین میں اذان و اقامت نہ ہونے کی وجہ

۱۴۔ اذان و اقامت فرض نمازوں کی علامت و شرط ہے، لہٰذا واجب اور مسنون نمازوں کے لئے ان کا مقرر ہونا ایک زبردست حکمت ہے، تاکہ فرض و واجب میں درجہ و مرتبہ کا لحاظ قائم رہے۔

عید الفطر کی نماز کو دیر سے اور عید الاضحیٰ کی نماز کو سویرے پڑھنے کی حکمت

۱۵۔ عید الفطر میں صدقہ فطر اس لئے لازم ٹھہرایا ہے کہ اس سے مخلوق خدا پر شفقت کا اظہار ہو، اور اس کی تاکید کی نسبت حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں تک فرما دیا کہ روزے آسمان و زمین کے درمیان لٹکے رہتے ہیں جب تک صدقہ عید الفطر ادا نہ کیا جائے آسمان پر نہیں جا سکتے۔ چونکہ صدقہ کا نماز عید سے پہلے ادا کر لینا ضروری ہے۔ اس لئے نماز کو ذرا دیر سے پڑھنا مقرر ہوا۔

۲۔ چونکہ نماز عید الفطر سے پہلے کچھ کھانا مسنون ہے۔ کھانے کے پکانے میں اکثر دیر لگتی ہے۔ لہٰذا اسی قدر نماز میں دیر کرنے کا حکم دیا گیا۔

۳۔ نماز عید الاضحیٰ میں چونکہ نماز کے بعد کھانا سنت ہے۔ اس لئے عید کے روز لوگوں کو دیر تک بھوکا رکھنا مناسب نہ تھا۔ اس لئے نماز میں جلدی کرنے کا حکم ہوا۔

۴۔ عید الاضحیٰ کی نماز کے بعد قربانی کرنے کا حکم ہے۔ چونکہ غربا و مساکین کی عید تو اسی وقت

ہے جب کہ ان کو کچھ کھانے کو ملے اور اس عید میں فقراو مساکین وغیرہم کے لئے سید الطعام[1] لحم یعنی گوشت کی مہمانی ہے، اس لئے نماز کو جلدی ادا کرنا مقرر ہوا، تا کہ ان کے گھروں میں بھی عید ہو۔

صدقہ عید الفطر کے مقرر ہونے کی وجہ

۱۶۔ اسلام پاک چاہتا ہے کہ اس کے پیروں کے سب گھروں میں عید ہو، لیکن دولتمند اور ذی ثروت لوگ تو سب سامان عید جمع کر لیتے ہیں۔ غریبوں اور ناداروں کی عید کے لئے اغنیاء پر صدقہ عید الفطر واجب قرار دیا گیا، تا کہ ان کے گھروں میں بھی عید ہو، اور یہی وجہ ہے کہ عید گاہ جانے کے قبل صدقۂ فطر دینا سنت ہے۔

عیدین میں زیادہ تکبیریں کہنے کا راز

۱۷۔ عیدین کا روز حظوظ نفس کا تھا۔ لہٰذا خدائے پاک نے ان نمازوں میں تکبیرات بڑھا دی ہیں تا کہ جس کبر و عظمت و جلال کا حق و استحقاق خدائے تعالیٰ کو ہے وہ اسی کو رہے۔ اور انسانوں کو اپنے حظوظ نفس کی وجہ سے خدائی کبر و عظمت و جلال نظر انداز نہ ہو جائے۔ زیادہ تکبیرات کہنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ گویا نمازی یہ عرض کرتے ہیں کہ اے خدا ہم اپنی کبریائی کو چھوڑتے اور تیری کبریائی و بڑائی کا اظہار کرتے ہیں۔ اور جو کچھ ہمارا ہے وہ سب کچھ تیری کبریائی و عظمت و جلال کے لئے ہے۔ یہ ہمارا اکل و شرب و لبس و تجمّل سب کچھ تیرے ہی لئے ہے۔ ہم اپنے کانوں کو ہاتھ لگا کر اپنی عظمت و کبریائی سے توبہ کرتے ہیں اور اپنی زندگی اور مرنا تیرے ہی لئے وقف کرتے اور تجھ ہی کو سپرد کرتے ہیں۔ (اسرار شریعت)

---

[1] تمام کھانوں کا سردار گوشت ہے۔ یعنی سب میں اعلیٰ درجہ کا کھانا ہے۔ ۱۲ (مؤلف)

مسنون نمازیں

نماز تہجد

نماز تہجد کی فضیلت

ا۔ اس نماز کا بہت بڑا درجہ اور فضیلت ہے، اس نماز کے پڑھنے والے بزرگ اور اللہ کے ولی کہلاتے ہیں۔ نماز تہجد سنت ہے، حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ اس کو پڑھا کرتے تھے اور اپنے اصحاب کو ہمیشہ اس کے پڑھنے کی تاکید و ترغیب فرمایا کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ اس نماز کی بہت فضیلت حدیثوں میں آئی ہے۔ حضرات صوفیاء کرام کا قول ہے کہ کوئی آدمی نماز تہجد کے بغیر درجۂ ولایت کو نہیں پہنچ سکتا۔

نماز تہجد کا وقت اور اس کی رکعات

۲۔ آدھی رات کے بعد سے صبح صادق تک تہجد کی نماز کا وقت ہے۔ سنت یہ ہے کہ آدمی عشاء کی نماز پڑھ کر سو رہے۔ اس کے بعد اٹھ کر نماز تہجد پڑھے۔ (شامی)۔ بہتر یہ ہے کہ آدھی رات کے بعد پڑھی جائے، اس کی رکعتوں کی تعداد (۲) سے (۱۲) تک ہے۔ مگر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت آٹھ رکعتیں پڑھنے کی تھی۔ اسی واسطے فقہاء نے آٹھ رکعتیں اختیار کی ہیں، اور دو دو رکعت ایک ایک سلام سے پڑھنے کا حکم دیا ہے۔

یہ نماز اپنے گھروں میں اکیلے پڑھنی چاہئے۔ جس قدر فرصت ہو چار چھ آٹھ دس بارہ رکعت پڑھ لینا چاہئے۔ جو لوگ قرآن مجید کے حافظ ہوں، وہ اپنی منزل اگر اس نماز میں پڑھ لیا کریں تو بہتر ہے۔ ہمیشہ کے تہجد گزار وتروں کو تہجد کے بعد پڑھیں۔

نماز تہجد کی حکمتیں

۳۔ ا۔ نماز تہجد کی نسبت تمام صالحین کا اتفاق ہے کہ گناہوں کی معافی اور قربتِ الٰہی کا

ذریعہ اس سے بڑھ کر کوئی اور (مسنون) نماز نہیں۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی شہادت ان پاک الفاظ میں بیان فرمائی:

علیکم بقیام اللیل فانه دأب الصّٰلحین قبلکم، وهو قربة لکم الی ربکم ومکفرة للسیئات ومنهاة عن الاثم. (ترمذی شریف)

''رات کی نماز (تہجد) کو لازم پکڑو، کیونکہ وہ تم سے پہلے نیکوکاروں کی عادت ہے اور تمہاری قربتِ الٰہی اور گناہوں کو چھپانے اور بدیوں سے بچے رہنے کا (ذریعہ وسبب) ہے''۔

۲۔ رات کا آخری وقت بڑی برکات ونزول کا ہوتا ہے جس کی نسبت حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ینزل ربنا تبارک وتعالٰی کل لیلة الی السمآء الدنیا حتّٰی یبقی ثلث اللیل الأخر یقول: من یدعونی فاستجیب له، من یسألنی فاعطیه له، من یستغفر لی فاغفرله. (بخاری ومسلم)

''جب رات کا اخیر تہائی حصہ باقی رہتا ہے ہمارا رب تبارک وتعالیٰ آسمان دنیا کی طرف نزول[1] فرماتا ہے اور کہتا ہے کہ اس وقت جو کوئی مجھے پکارے گا میں قبول کروں گا، جو مانگے گا دیا جائے گا، جو اپنے گناہوں کی معافی چاہے گا میں اس کو بخش دوں گا''۔

اِنہی برکات کو حاصل کرنے کے واسطے بیدار ہو کر یادِ الٰہی میں مصروف ہونا انسان کے لئے بڑا اسود مند ہے۔ رات کا جاگنا قوت بہیمیہ کے کمزور کرنے اور قوت ملکیہ کے بڑھانے میں بمنزلہ تریاق کے ہے۔ ہزار ہا اولیاء اللہ نے شب بیداری کے عجیب عجیب خواص وفوائد بیان فرمائے ہیں۔ اسی وجہ سے تمام صوفیاء کرام اپنے متوسلین کو ہمیشہ تہجد گزاری کی سخت تاکید فرمایا کرتے ہیں اور اس کے ترک کرنے کو بہت برا مانا کرتے ہیں۔

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس نماز کے ساتھ ایک عجیب تعلق رکھتے تھے۔ رات کی

[1] محققین فرماتے ہیں کہ آوازوں کے سکون کی وجہ سے ـــ جو حضور قلب کے مانع ہوتے ہیں ـــ اور اشغال مشوشہ سے دل کے صاف ہونے اور ریا کا احتمال نہ ہونے کے سبب سے انسان کو رحمۃ الٰہیہ کے نزول کی جو قابلیت حاصل ہوتی ہے، اس حدیث سے اسی رحمتِ الٰہی کی طرف اشارہ ہے۔ (مؤلف)

نماز میں آپؐ اس قدر قیام کرتے تھے کہ آپؐ کے قدم مبارک ورم کر جاتے تھے۔ باوجودیکہ آپ کو یہ نماز بہت پسند تھی۔ مگر آپؐ کی امت پر محنت و مشقت بہت پڑنے اور اس کے ترک کرنے کے عذاب کے خیال سے خدائے پاک نے یہ نماز فرض نہیں کی۔ لیکن حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ترغیب و ترہیب کے طور پر اس نماز کی نسبت یہاں تک فرما دیا ہے:

فرض نمازوں کے بعد سب سے افضل وہ نماز ہے جو رات کے وقت ادا کی جائے۔ (مسند امام احمد)۔ نیز آپ نے فرمایا کہ ''جب تم میں سے کوئی آدمی سوتا ہے تو شیطان اس کے سر کی گدی کے پاس تین گرہیں لگا دیتا ہے۔ اور ہر گرہ ڈالتے وقت دل میں نیند کی لذت ڈال دیتا اور کہتا ہے کہ سوجا ابھی رات لمبی ہے۔ اگر وہ جاگ پڑے اور خدا کو یاد کرے تو ایک گرہ کھل جاتی ہے۔ اور جب وہ اٹھ کر وضو کرتا ہے تو دوسری گرہ بھی کھل جاتی ہے۔ اور جب نماز ادا کر چکتا ہے تو تینوں گرہیں کھل جاتی ہیں۔ اور آدمی صبح کو پاک اور خوش و خرم ہوتا ہے۔ اگر پڑا رہے اور اٹھے نہیں تو وہ ناپاک اور کاہل اٹھتا ہے''۔ یعنی دن بھر شیطان کی خباثت کا اثر موجود رہنے کی وجہ سے سست ہوتا ہے۔ (بخاری و مسلم)۔

اس شیطانی اثر سے بچنے اور رحمتِ الٰہی سے حصہ پانے اور قرب الٰہی تک پہنچنے اور ملکی قوت کے بڑھانے اور بہیمی طاقت کے کمزور کرنے کے واسطے اس نماز کا پڑھنا مسنون ہے۔ آپؐ نے اپنے ایک صحابی عمرو بن عبسہ سے فرمایا:

اقرب مایکون الرب من العبد فی جوف اللیل الاٰخر، فان استطعت ان تکون ممن یذکر اللہ فی تلک الساعۃ فکن. (ترمذی شریف)

آدھی رات کے بعد کا پچھلا حصہ بندہ کے لئے خدا کی قربت کا وقت ہوتا ہے۔ (اے عمرو) تو بھی جہاں تک تجھ سے ہو سکے، ان لوگوں میں شریک ہونے کی کوشش کر جو اس گھڑی اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مصروف ہوتے ہیں۔

نماز تراویح

نماز تراویح سنت مؤکدہ ہے۔ رمضان شریف کے مہینہ میں عشاء کے فرض اور سنتوں کے بعد بیس رکعت مسنون ہیں۔ مرد مسجدوں میں جماعت کے ساتھ اور عورتیں گھروں میں اکیلی اکیلی پڑھیں۔ جس رات کو چاند دیکھا جائے اسی رات سے تراویح شروع کی جائے اور جب عید کا چاند دیکھا جائے چھوڑ دی جائے۔

تراویح کی تعداد رکعات

اس نماز کی بیس رکعتیں[1] بہ اجماع صحابہ ثابت ہیں، دو دو رکعت کی نیت کر کے بیس رکعتیں دس سلام سے پڑھنی چاہئیں۔ (درمختار۔ بحر الرائق وغیرہ)

رمضان شریف کے مہینے میں قرآن مجید کا ایک مرتبہ ترتیب وار پڑھنا سنت مؤکدہ ہے، اگر کوئی حافظ نہ ملے تو خیر، جو سورتیں امام چاہے پڑھ دے جائز ہے، لیکن کسی حافظ قرآن کے ملنے کی صورت میں لوگوں کی کاہلی اور سستی کی وجہ سے ختم قرآن ترک نہ کرنا چاہئے۔ ناگواری یا دیگر عذرات کی حالت میں جس قدر لوگوں کو گراں نہ گزرے اسی قدر پڑھا جانا چاہئے۔ مگر پڑھنے میں گھاس کھودنے کی طرح جلدی نہیں کرنا چاہئے۔

---

[1] محققین مذہب حنفیہ کے نزدیک نماز تراویح بیس رکعتیں ہیں۔ حضرت امام شافعیؒ نے فرمایا کہ میں نے شہر مکہ والوں کو بیس (۲۰) رکعت تراویح پڑھتے ہوئے دیکھا ہے۔ اگرچہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آٹھ رکعتیں پڑھی ہیں۔ اور حضرت ابن عباس کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے رمضان میں بیس رکعت بغیر جماعت پڑھی ہیں۔ (بیہقی)۔ مگر یہ ثبوت کو پہنچ چکا ہے کہ حضرت امیر المومنین سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ خلافت میں بہ اجماع صحابہ بیس رکعت پڑھنے کا حکم فرمایا اور جماعت قائم کردی۔ حضرت ابی ابن کعبؓ کو اس جماعت کا امام کیا۔ امام سیوطی اپنے مجموعہ میں لکھتے ہیں کہ خلافت اصحاب ثلثہ میں بیس رکعت تراویح لوگ پڑھا کرتے تھے۔ حضرت عثمان غنی اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہما نے بھی اپنی خلافت کے زمانہ میں اسی کا انتظام رکھا۔ پس یہ خلفائے راشدین اور تمام صحابہ کرام کی سنت ہے، لہٰذا بیس رکعت پڑھنا بہت بہتر ہے۔ چونکہ صحابہ کی اتباع کا علی العموم اور خلفائے راشدین کی تابعداری کا بالخصوص حکم ہے۔ اس لئے جو لوگ آٹھ رکعت نماز تراویح پڑھتے ہیں وہ مخالف سنت سمجھے جائیں گے، نہ موافق سنت۔ (مؤلف)

وجہ تسمیہ تراویح

تراویح جمع ترویحہ کی ہے۔ ترویحہ آرام کرنے کو کہتے ہیں، چونکہ اس نماز میں پانچ ترویحہ ہوتے ہیں؛ یعنی ہر چار رکعت کے بعد بیٹھ کر آرام کر لیتے ہیں، اس لئے اس نماز کو تراویح کہتے ہیں۔ تراویح کی نماز شوق اور حضور سے پڑھنا چاہئے۔ بیکار سمجھ کر اپنے سر سے ٹالنے میں کچھ ثواب نہیں۔ دو دو کر کے جب چار رکعات پڑھ لئے جائیں تو چار رکعت کے مقدار آرام سے بیٹھ کر ذکر الٰہی و درود شریف یا دعا وغیرہ پڑھنا چاہئے۔

نماز تراویح مقرر ہونے کی وجہ

ا۔ چونکہ روزہ دار دن بھر بھوکا پیاسا رہ کر اپنے آپ کو تشبّہ بالملائکہ کے واسطے تیار کرتا اور اپنی بہیمیہ قوت کو مغلوب کر کے قوت ملکیہ کو ترقی دیتا ہے۔ نیند دفع کرنا اور رات کو جاگ کر عبادت الٰہی میں مصروف ہونا اس مقصد کے حاصل ہونے کے واسطے اکسیر ہے۔ لہٰذا حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نماز پڑھی، تا کہ روزہ دار اپنی جان کو برکات الٰہیہ کا..... جو ظہور ملکیت اور حفاظت عن الذنوب کا باعث ہیں..... مورد بنالے، اور ملائکہ کے ساتھ نہ کھانے اور نہ سونے اور رات کی عبادت میں مشابہ ہو جائے۔

(۲) رمضان شریف کے دنوں میں عبادت کا ثواب بھی اور مہینوں کی نسبت زیادہ ہے۔ رمضان شریف گناہوں کی مغفرت کے لئے مخصوص ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

من قام رمضان ایمانا و احتسابا غفرله ماتقدم من ذنبه. (بخاری شریف)

''جو شخص ایمان کے ساتھ بہ طلب قصد ثواب رمضان میں قیام کرتا ہے اس کے سب گناہ بخش دیئے جاتے ہیں۔''

(۳) حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے چند روز[1] تک اس نماز کو پڑھ کر اس کا سنت ہونا تو

[1] آپ کا اکثر روایتوں سے تین چار روز تک پڑھنا ثابت ہوتا ہے (مؤلف)

واضح کردیا، تاکہ امت کے سب لوگ اپنی طاعت کے موافق اس کا ثواب حاصل کریں۔لیکن اس پر خود آپ نے مداومت نہیں کی اور نہ اس کے ترک کی وعید کوکسی شدومد سے بیان فرمایا۔ جس کی وجہ یہ ہے کہ آپ کوخوف تھا کہ کہیں فرض نہ ہوجائے اور پھر پچھلے لوگ اس کوترک کرکے گنہگار نہ بنیں۔ ہاں ہر شخص بقدر اپنی طاقت کے اس کو بجالائے۔مگر صحابہؓ کرام جو خدا کی عبادت کے سچے عاشق تھے، انھوں نے اس پر اتفاق کرکے جماعت قائم کرکے اپنی سنت قائم کردی، تاکہ لوگ ضرور اس کا ثواب حاصل کریں۔

نماز تحیۃ المسجد

ا۔ یہ نماز اس شخص کے لئے سنت ہے کہ جو مسجد میں داخل ہو۔مسجد میں آنے کے بعد بیٹھنے سے پہلے دورکعت نماز پڑھ لے، بشرطیکہ کوئی مکروہ وقت نہ ہو۔ کیونکہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اذا دخل احدکم المسجد فلیرکع رکعتین قبل ان یجلس (بخاری ومسلم)
لوگو! جوکوئی تم میں سے مسجد میں آئے تو بیٹھنے سے پہلے دو رکعتیں پڑھ لے۔

اگر مسجد میں کوئی شخص جاکر بیٹھ جائے تب بھی کچھ حرج نہیں۔مگر بہتر یہی ہے کہ بیٹھنے سے پہلے پڑھ لے۔اگر مسجد میں کئی مرتبہ جانے کا اتفاق ہوتو صرف ایک مرتبہ تحیۃ المسجد پڑھ لینا کافی ہے۔خواہ پہلی مرتبہ پڑھے یا اخیر میں پڑھے۔(درمختار)

نماز تحیۃ المسجد کی وجہ

مسجد خانۂ خدا ہونے کی وجہ سے اس قابل ہے کہ اس سے اپنے دلی ادب وتعظیم کا اظہار کیا جائے۔اس نماز سے مقصود مسجد کی تعظیم ہے جو درحقیقت صاحب خانۂ خدائے پاک ہی کی تعظیم ہے۔اس میں اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ مکان کی تعظیم صاحب مکان کے خیال سے کی جاتی ہے۔جیسے خانۂ کعبہ یا مسجد حرام کی عزت وتعظیم، بعض لوگ جو اس قسم کی تعظیم کو غیر خدا کی

تعظیم خیال کرتے ہیں۔ یہ ان کی غلط فہمی ہے۔ اس سے غیر اللہ کی تعظیم کسی طرح مقصود نہیں۔ بلکہ رب البیت ہی کی مراد ہوتی ہے، کیونکہ کسی تخت نشین بادشاہ اور بزرگ کے آداب و نیاز اس کے تخت کے آداب نہیں ہوا کرتے۔

مسجد کے ادب کا راز

مسجد کی عزت و تعظیم اور اس کے ادب سے کسی عقلمند کو انکار نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ وہ صرف عبادت الٰہی کا مقام ہے۔ اسلامی مساجد سجدہ گاہ ہیں محض خدائے پاک ہی کی رضامندی کے لئے بنائی جاتی ہیں۔ چونکہ ان میں صرف ایک معبود واحد (اللہ تعالیٰ) کا نام لیا جاتا ہے، اس لئے ان کو اللہ کا گھر سمجھ کر ان کی تعظیم و تکریم کی جاتی ہے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ ان کا ادب و احترام خدائے تعالیٰ ہی کا ہے، جس طرح خانۂ کعبہ میں اندر جا کر صرف دو رکعت نماز و دعا کی جاتی ہے۔ اسی طرح ہر مسجد میں داخل ہونے پر دو رکعت نماز سنت ہے۔

نماز احرام

یہ نماز اس شخص کے لئے سنت ہے کہ جو بہ نیت حج روانہ ہو۔ جب وہ مقام احرام پر پہنچ کر احرام باندھے تو دو رکعت نماز پڑھے۔ (طحاوی وغیرہ)

اس نماز میں یہ راز ہے کہ احرام حج باندھنے میں یہ حکمت ہے کہ احرام کی مثال ایسی ہی ہے جیسے نماز کے لئے تکبیر تحریمہ کی۔ احرام کے اندر اخلاص و تعظیم اور ایک ظاہری فعل سے حج کے مصمم ارادے کی صورت معلوم ہوتی ہے۔ حال و قال کو جمع کرنے کے لئے حکم ہوا کہ نماز پڑھو، تا کہ تمہارا ظاہر و باطن خداوند پاک کی تعظیم و تکریم کی شہادت دیں۔

نماز کسوف وخسوف

کسوف وخسوف[1] کے وقت بھی دو رکعت نماز مسنون ہے۔ نماز کسوف جماعت سے ادا کرنے کا

[1] کسوف سورج گرہن اور خسوف چاند گرہن کا نام ہے۔ (مؤلف)

حکم ہے، بشرطیکہ امام جمعہ یا حاکم وقت یا اس کا نائب امامت کرے۔ اور خسوف (چاند گرہن) کی نماز میں جماعت مسنون نہیں۔ لوگ تنہا علیحدہ علیحدہ نمازیں پڑھیں، بلکہ اپنے اپنے گھروں میں پڑھیں مسجد میں جانا بھی مسنون نہیں۔

نماز کسوف وخسوف کی حکمتیں

اسلام پاک ستاروں کی گردش اور چکر پر اپنے سعد و نحس کا مدار نہیں ٹھہراتا۔ بلکہ وہ تو یہ سبق دنیا کو سکھلانے آیا ہے کہ ۔

ہے ذاتِ واحد عبادت کے لائق زبان اور دل کی شہادت کے لائق

لیکن مخلوق پرستوں میں بہت سے لوگ چاند اور سوج کو اپنا دیوتا مانتے اور ان کی پوجا پاٹ کرتے ہیں۔ اپنے اچھے برے، رنج و راحت کا ان کی گردش سے تعلق مان کر ان کو خوش کرنے کے لئے ان کو سجدہ کرتے ہیں۔ ان کو گرہن لگنا یعنی ان کے نور کا کچھ ایسے اسباب پیش آجانے سے زوال پذیر ہو جانا' ان کے نفع وضرر پہنچانے کے اختیارات کا گویا سلب، اور اس کے استحقاق عبادت کو باطل قرار دینے کے واسطے ایک الٰہی نشان ہے۔ لہٰذا ایسے موقع پر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مومنوں کو حکم دیا کہ وہ معبود حقیقی کو سجدہ کریں اور دنیا کو عملی سبق سکھائیں کہ

﴿لا تسجد واللشمس ولا للقمر واسجد والله الذی خلقهن.﴾ (حٰمٓ السجدۃ:۳۷)

"لوگو! سورج اور چاند کو سجدہ نہ کرو۔ بلکہ ان کے پیدا کرنے والے خدا (معبود برحق) کو سجدہ کرو"۔

پس اللہ کے سچے پرستاروں کا ایسے موقع پر نماز پڑھنا اسلام کا شعار اور مخلوق پرستوں اور منکرین خدا پر تبلیغ اور اتمام حجت ہے جو ایک نہایت ضروری امر اور مومن کا خاصہ ہے۔

۲۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "کسوف اور خسوف اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیاں ہیں۔ اس سے مقصود بندوں کو خوف دلانا ہے۔ پس جب تم اسے دیکھو تو نماز پڑھو۔" چونکہ یہ نشانات بندوں کو رب العزت کی طرف سے خوف و دہشت اور ہیبت یاد دلانے کے واسطے نمودار ہوتے ہیں۔ اس لئے شرع اسلام نے یہ نمازیں مقرر فرمائیں، تاکہ بندے

جنابِ الٰہی میں استغفار اور ابتہال اور تذلل کریں۔ نماز کے بعد امام کو چاہئے کہ دعا میں مصروف ہوجائے اور سب مقتدی آمین آمین کہیں۔ جب تک گرہن موقوف نہ ہوجائے دعا میں مشغول رہنا چاہئے۔ ہاں اگر ایسی حالت میں آفتاب غروب ہوجائے یا کسی نماز کا وقت آجائے تو البتہ دعا موقوف کرکے نماز میں مشغول ہوجانا چاہئے۔

نماز استسقاء

اگر بندوں کی شامتِ اعمال یا کسی ارضی وسماوی اسباب کی وجہ سے پانی نہ برستا ہو، اور خلق خدا کو پانی کی ضرورت ہو تو یہ نماز استسقاء مسنون ہے۔ حضرت امام اعظم علیہ الرحمۃ کا تو یہ مذہب ہے کہ ایسے وقت میں بارش برسنے کے لئے خدائے پاک کی جناب میں صرف دعا کرنا مسنون ہے۔ صاحبین کا مذہب اس کے خلاف ہے۔ ان کے نزدیک دو رکعت نماز بھی منقول و مسنون اور وہ جماعت کے بھی قائل ہیں۔ درمختار میں ہے کہ اگر کوئی شخص سنت نہ سمجھے اور استسقاء کی نماز پڑھے تو جائز ہے۔ مختصر یہ کہ جماعت میں ہمارے فقہاء کا اختلاف ہے۔ دعا سب کے نزدیک مسنون ہے۔

استسقاء کی دعا اور اس کا طریقہ

استسقاء کی دعا کا طریقہ یہ ہے کہ تمام مسلمان مل کر مع اپنے لڑکوں اور بوڑھوں اور جانوروں کے پاپیادہ جنگل کی طرف جائیں، پھر تمام مجمع میں جو سب سے بزرگ ہو، اس کو قبلہ رو ہوکر کھڑا ہوجانا چاہئے۔ اور دونوں ہاتھ اٹھا کر خدائے ذوالجلال کے آگے پانی برسانے کی دعا کرنا چاہئے۔ ہاں یہ ضرور یاد رکھنا چاہئے کہ مسلمان کسی کافر کو ہمراہ نہ لے جائیں۔

استسقاء کی دعا میں جس طرح کے الفاظ وکلمات کی ضرورت تھی، وہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ہی سکھا دیئے۔ چنانچہ حدیثوں میں استسقاء کی کئی دعائیں منقول ہیں۔ منجملہ ان کے ایک یہ دعا ہے کہ

اللھم اسقنا غیثا مغیثا نافعا غیر ضار عاجلا غیر اجل، اللھم اسق عبادک وبھائمک وانشر رحمتک واحی بلدک المیت، اللھم انت اللہ لآ الہ الا انت الغنی ونحن الفقرآء، انزل علینا الغیث واجعل ماانزلت لنا قوتا وبلاغا الی حین. (مشکوٰۃ شریف)

''اے اللہ! تکلیف کا دور کرنے والا پانی برسا دے، جو سوائے فائدے کے نقصان نہ کرے، جلدی برسے دیر نہ ہو۔ اے اللہ! اپنے (عاجز) بندوں اور جانوروں کو پانی پلا دے، اور اپنی رحمت کو پھیلا دے، اور اپنے مردہ شہر کو زندہ کر دے۔ اے اللہ! تیرے سوا کوئی (ہمارا) خدا نہیں۔ تو غنی ہے اور ہم سب تیرے فقیر ہیں۔ ہم پر باران رحمت بھیج دے اور اس سے ہم کو قوت[1] دے اور ہمارے جینے کا سامان کر۔'' (آمین)

دعائے استسقاء کا راز

استسقاء کے زمانے میں بھی مشرک اقوام طرح طرح کے شرکیہ افعال کرتے ہیں۔ اپنے معبودانِ باطل کو پکارتے ہیں تاکہ وہ ان پر پانی برسائیں۔ اپنے دیوی دیوتاؤں کو خوش کرنے کے واسطے ان کی نذر و نیاز بھی کرتے ہیں۔ ایسے وقت میں مومنوں کو حکم ہوا کہ وہ خدائے پاک سے اپنے سچے تعلق کا اظہار کریں اور دنیا کو دکھا دیں کہ وہی مومن کا سہارا ہے۔ اس کے بغیر کوئی معین و مددگار نہیں ہے۔ اس کی حکومت میں کسی دوسرے کو دخل دینے کی مجال نہیں۔ پانی کا وہی برسانے والا ہے۔ جس نے ہر وقت مومن کی مدد کی ہے، وہ اب بھی مومنوں کی دعا کو قبول کر کے سب پر اپنے فضل و کرم کا دروازہ کھول دے گا۔

بارہا ایسا ہوا کہ مسلمانوں نے جب استسقاء کی دعا مانگی ہے' فوراً رحمت الٰہی نے نازل ہو کر ان کی عزت و آبرو رکھ لی اور مخلوق پرستوں کو نادم و شرمندہ کیا ہے۔

---

[1] قُوت: جینے کیلئے ضروری غذا، بقدرِ ضرورت خوراک۔

مستحب نمازیں

نماز تحیۃ الوضو

تحیۃ الوضو کی فضیلت

۱۔ نمازی جب وضو کرے تو اس کیلئے کسی دوسرے شغل سے پہلے دو رکعت نماز مستحب ہے، اس نماز کی فضیلت حدیثوں میں یہاں تک آئی ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اچھی طرح وضو کر کے دو رکعت نماز خالص دل سے پڑھ لیا کرے اس کے لئے جنت واجب ہو جاتی ہے۔ (مسلم شریف)

۲۔ حدیث شریف میں ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لیلۃ المعراج میں حضرت بلالؓ کے چلنے کی آواز اپنے آگے جنت میں سنی۔ حضرت بلالؓ سے وجہ دریافت فرمائے۔ بلالؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! جب میں وضو کرتا ہوں تو دو رکعت نماز پڑھ لیا کرتا ہوں۔ آپؐ نے فرمایا: ان ہی دو رکعتوں کی یہ برکت ہے۔ (ترمذی و بخاری شریف)

نماز تحیۃ الوضو کا راز

۳۔ وضو کے اسرار میں یہ بیان ہو چکا ہے کہ وضو سے آدمی کے تمام اعضاء ظاہری بیدار و ہوشیار ہو جاتے ہیں۔ وضو کے بعد اس دو رکعت میں یہ راز ہے کہ ظاہری اعضاء کی ہوشیاری کے ساتھ انسان کے باطنی اعضاء و قویٰ بھی بیدار ہو جائیں، تا کہ نمازی ظاہر و باطن سے پورا ہوشیار و باخبر ہو کر نماز پڑھنے کے قابل ہو جائے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ اور نوافل و سنن (نمازوں) کے مقرر ہونے کی بھی یہی وجہ ہے۔

۴۔ وضو مومن کا ہتھیار ہے۔ اس سے مقصد یہ ہے کہ انسان پاک صاف ہو کر نفس و شیطان کے مقابلہ کے لئے تیار ہو جائے۔ اس کے ساتھ دو رکعت نماز پڑھنے میں یہ بھی اشارہ پایا جاتا ہے کہ شہوت و حرص نفسانی کی آلودگی اور رویت نفس اور مکائد شیطان سے پاک و صاف

رہنے کے لئے خدائے پاک سے بذریعہ اس کی عبادت کے مدد طلب کی جائے۔ اور ظاہر ہے کہ نماز میں یہ قوت و تاثیر ہے کہ آدمی نفس کے حملوں سے حفظ و امن الٰہی میں آجاتا ہے۔

نماز چاشت

نماز چاشت مستحب ہے۔ نمازی کو اختیار ہے کہ چاہے چار رکعتیں پڑھے یا چار سے زیادہ۔ اس نماز کا وقت آفتاب کے اچھی طرح نکل آنے کے بعد سے زوال سے پہلے تک رہتا ہے۔ (مراقی الفلاح)

۲۔ اس نماز کے پڑھنے میں یہ راز ہے کہ نماز فجر سے نماز ظہر تک بہت عرصہ ہوتا ہے۔ عام طور پر ہر موسم میں قریباً آٹھ نو گھنٹوں کا وقفہ ہوتا ہے۔ اتنی دیر تک خدائے پاک کی نماز سے خالی رہنا' ایک مومن باللہ اور عاشقِ مولا کے لئے بہت پریشان کن اور تکلیف دہ تھا۔ اور دنیوی مشاغل اور کاروبار کی مصروفیت سے غفلت اور کدورت کا گہرا رنگ انسان کے دل و جان پر چڑھنے کے ڈر سے شرع اسلام نے اس نماز کو مقرر فرمایا۔ اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نماز کے پڑھنے والے کو بشارت دی کہ

من صلی الضحٰی ثنتی عشرۃ رکعۃ بنی اللہ لہ قصرا من ذھب فی الجنۃ. (ترمذی وابن ماجہ)

''جو شخص چاشت کی بارہ رکعتیں پڑھا کرے گا اللہ تعالیٰ اس کے واسطے سونے کا ایک محل جنت میں بنائے گا۔''

نماز سفر

۱۔ جب کوئی شخص اپنے وطن سے سفر کو نکلنے لگے تو اس کے لئے مستحب ہے کہ دو رکعت نماز گھر میں پڑھ کر سفر کرے۔ اور جب سفر سے واپس آئے تو بھی مستحب ہے کہ پہلے مسجد میں

لئے پہلا قعدہ مسافر کے حق میں قعدۂ اخیرہ ہے۔ اس کے بعد اس کو فوراً سلام پھیرنا چاہئے تھا، اس نے نہیں پھیرا بلکہ کھڑا ہو گیا۔ تین رکعت یا دو رکعت کے فرائض میں قصر نہیں۔ (درمختار وغیرہ)

مسافر کو اس وقت تک قصر کرنا چاہئے جب تک اپنے وطن اصلی میں نہ پہنچ جائے یا کسی مقام پر کم سے کم پندرہ دن ٹھہرنے کا قصد نہ کرلے۔ بشرطیکہ وہ مقام ٹھہرنے کے لائق ہو۔ اگر کوئی پندرہ دن سے کم ٹھہرنے کی نیت کرے تو اس کو قصر کرنا چاہئے۔

اگر مسافر کسی مقیم امام کی اقتداء کرے تو قصر نہ کرے، اور اگر خود امام بنے تو قصر کرے، اور مقیم مقتدیوں کو چاہئے کہ وہ اٹھ کر اپنی نماز کو تمام کرلیں۔

مسافر کو نماز میں قصر کرنے کی وجہ

۲۔ یہ امر بالبداہت ثابت ہے کہ سفر بذات خود ایک سخت عذاب و تکلیف اور محنت و مشقت ہے۔ مسافر خواہ کتنا بڑا دولتمند اور آسودہ حال کیوں نہ ہو۔ مگر پھر بھی وہ حسب حیثیت خود ایک محنت و مصیبت میں ہوتا ہے۔ مسافر کو سفر میں خواہ کیسے ہی آرام و آسائش کے سامان مہیا ہوں، تاہم سفر کی کلفت اور تھکان کی زحمت کا ہونا لازمی امر ہے، جو بجائے خود سب سے بڑی تکلیف ہے۔ اور خدائے پاک نے اپنے دین اور احکام کی نسبت فرمایا ہے:

﴿یرید الله بکم الیسر ولا یرید بکم العسر.﴾ (البقرة: ۱۸۵)

خدا تم پر آسانی چاہتا ہے اور مشکل ڈالنا نہیں چاہتا۔

اس لئے رحمتِ الٰہی نے اپنے مسافر بندے سے ایک حصہ نماز کا کم کردیا۔ اور ثواب برابر قائم رکھا۔ یہ شرع اسلام کے کمال حکمت کی دلیل ہے کہ جہاں بندوں کو کسی عمل کے بجا لانے میں مشکل اور دقت ہوئی اس کو مبدل بہ آسانی کردیا جاتا ہے۔

۲۔ چار رکعت والی نمازوں کو سفر میں صرف دو رکعت ادا کرنے کا سبب حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہؓ نے ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے کہ مکہ (مکرمہ) میں صرف دو رکعتیں نماز فرض تھیں۔ جب حضرت نبی کریم صلعم نے ہجرت فرمائی تو چار فرض کی گئیں، اور سفر کی نماز اپنی

حالت پر چھوڑ دی گئی۔ (بخاری: باب ہجرت)

سفر کیلئے تین دن کی حد مقرر ہونیکی وجہ

۳۔ احناف کے نزدیک مسافر ہونے کے لئے تین دن کے سفر کی مدت معین ہے۔ کیونکہ انسان اپنے وطن سے نکل کر تین دن کے فاصلہ[1] پر پہنچ کر مسافر ہو جاتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسح موزہ کی حد تین دن رات ہی بیان فرمائی ہے، جو اس امر کی دلیل ہے کہ تین دن کے سفر سے کم میں آدمی مسافر نہیں ہوتا۔

اگر کوئی شخص اس مسافت کو جو متوسط چال سے تین دن سے کم میں نہیں طے ہو سکتی، کسی تیز سواری کے ذریعہ سے مثل گھوڑے یا ریل وغیرہ کے تین دن سے کم میں طے کر لے، تب بھی وہ مسافر سمجھا جائے گا۔ کیونکہ شرع میں متوسط چال کا اعتبار ہے، اور متوسط چال سے مراد آدمی یا اونٹ کی متوسط رفتار ہے۔

نماز حاجت

جب کسی کو حاجت اور ضرورت پیش آئے؛ خواہ وہ حاجت بلاواسطہ خداوند تعالیٰ سے ہو یا بواسطہ یعنی کسی بندے سے اس حاجت کو پورا کرنا مقصود ہو۔ مثلاً کسی کی نوکری کی خواہش ہو یا کسی سے نکاح کرنا چاہتا ہو تو اس کو مستحب ہے کہ دو رکعت نماز پڑھ کر درود شریف پڑھے اور خدائے قاضی الحاجات وحلال المشکلات کی تعریف کر کے اس دعا کو پڑھے:

لا الہ الا اللہ الحلیم الکریم سبحٰن اللہ رب العرش العظیم الحمد للہ رب العٰلمین اسئلک موجبات رحمتک وعزائم مغفرتک والغنیمۃ من کل برو السلامۃ من کل اثم لا تدع لی ذنبا الا غفرتہ ولا حاجۃ لک فیھا رضی الا قضیتھا یا ارحم الراحمین. (ترمذی شریف)

''اللہ تعالیٰ چشم پوشی اور بخشش کرنے والے کے سوا کوئی خدا نہیں۔ میں اللہ تعالیٰ کی پاکی

---

[1] جس کی حد موجودہ معیارِ مسافت کے لحاظ سے (۹۷) ستانوے کلومیٹر ہے۔

بیان کرتا ہوں۔ وہی مالک ہے عرش عظیم کا۔ اور سب تعریفیں اللہ تعالیٰ ہی کیلئے ہیں جو کل جہان کا پروردگار ہے۔ اے اللہ میں تجھ سے مانگتا ہوں وہ چیزیں جن پر تیری رحمت ہوتی ہے اور جو تیری بخشش کا سبب واقع ہوتی ہیں اور مانگتا ہوں اپنا حصہ ہر فائدے سے اور میں ہر گناہ سے بچنا چاہتا ہوں۔ اے اللہ میرے کسی گناہ کو بے بخشے ہوئے اور کسی غم کو بے دور کئے ہوئے اور کسی حاجت کو (جس میں تیری رضامندی ہو) بے پورا کئے ہوئے نہ چھوڑ، اے سب سے بڑے رحم کرنے والے''۔

اس دعا کے بعد جو حاجت اس کو درپیش ہو اس کا سوال جناب باری میں عرض کرے۔ یہ نماز حاجت روائی کے لئے مجرب ہے۔ بعض بزرگوں نے اپنی ضرورتوں میں اسی طریقہ سے نماز پڑھ کر خدائے قاضی الحاجات سے اپنی حاجت بیان کی اور ان کا کام پورا ہو گیا۔ (علم الفقہ از شامی)

نماز حاجت مقرر ہونے کی وجہ

۲۔ اس نماز کے مقرر ہونے کی وجہ یہ ہے کہ جب دنیا میں کسی آدمی کو کوئی حاجت پیش آتی ہے تو وہ حاجت روائی کے لئے کسی حاجت روا کی تلاش کرتا ہے۔ مشرکین تو اپنی حاجتیں معبودان باطل کے پاس لے جاتے ہیں۔ چونکہ حاجت روا اور مشکل کشا صرف خدائے پاک کی ذات ہے۔ اس لئے یہ نماز مقرر ہوئی تاکہ مومن باللہ اپنی ہر حاجت اور مشکل اپنے خالق معبود برحق قادر و توانا کے سامنے پیش کر کے اپنے ایمان کا ثبوت دے، اور وہ یقین کر لے کہ حاجت روا اور مشکل کشا صرف اسی حی و قیوم کی ذات پاک ہے اور کوئی اس صفت سے موصوف نہیں ہے۔ اس نماز اور اس دعا کی وجہ سے خدائے پاک اپنے بندے پر مہربان ہو کر اس کی حاجت کو پوری کرتا ہے۔

نماز اوّابین

ا۔ یہ نماز بھی مستحب ہے۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بہت فضائل و برکات بیان فرمائے ہیں۔ اس نماز کی چھ رکعتیں ہیں جو مغرب کی نماز کے بعد تین سلام سے

پڑھی جاتی ہیں۔

۲۔ یہ نماز بھی صفائی قلب وروح کے لئے مجرب ہے۔ بعد نماز مغرب تا عشا پڑھی جاتی ہے، کیونکہ یہ وقت قبولیت کا ہوتا ہے۔ اس نماز کا بہت بڑا درجہ اور ثواب ہے۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد پاک ہے:

من صلی بعد المغرب عشرین رکعةً بنی الله له بیتا فی الجنة. (ترمذی شریف)

نماز مغرب کے بعد جو بیس رکعتیں پڑھے گا اس کے لئے اللہ تعالیٰ جنت میں گھر بنائے گا۔ (چھ رکعتیں پڑھنے والا بھی اسی ثواب کا حق دار ہے)۔

۳۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ یہ نماز گناہوں کی مغفرت اور عفو میں بے نظیر ہے اور استدلال میں یہ آیۃ کریمہ پیش کی ہے، جو قرآن مجید کی سورہ بنی اسرائیل میں موجود ہے:

﴿انه کان للاوّابین غفورا.﴾

بیشک وہ (خدائے تعالیٰ) رجوع لانے والوں کے لئے بخشنے والا ہے۔

نماز توبہ

نماز توبہ کا طریقہ

ا۔ جس شخص سے کوئی گناہ ہو جائے اس کو مستحب ہے کہ دو رکعت نماز پڑھ کر اپنے گناہ کی معافی کے لئے خداوند کریم غفور و رحیم کی سرکار اقدس میں دعا کرے۔ یہ نماز اسی طرح ادا کی جاتی ہے جس طرح اور نمازیں پڑھی جاتی ہیں۔

نماز توبہ کے مقرر ہونے کی وجہ

۲۔ اس نماز کے مقرر ہونے کی وجہ یہ ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب کسی مسلمان سے کوئی گناہ ہو جائے، اور وہ اس کے بعد فوراً طہارت کر کے دو رکعت نماز پڑھ لے پھر خدائے کریم سے مغفرت چاہے۔ وہ مولا رحیم وغفور اس کا گناہ بخش دے گا۔ پھر

آپ نے بطور سند اس آیۃ کی تلاوت فرمائی:

﴿والذین اذا فعلوا فاحشة او ظلموا انفسهم ذکروا الله فاستغفروا لذنوبهم . ومن یغفر الذنوب الا الله .﴾ (آل عمران:۱۳۵)

"جب کوئی شخص کسی گناہ میں مبتلا ہوجائے پھر اللہ تعالیٰ کا ذکر کرے۔ اور اپنے گناہوں کی معافی چاہے تو اللہ تعالیٰ اسے بخش دیتا ہے۔ کیونکہ اس کے سوا بندوں کے گناہ بخشنے والا اور ہے ہی کون"۔

چونکہ نماز اللہ تعالیٰ کا سب سے بڑا ذکر ہے۔ اس لئے یہ نماز اس آیۃ کریمہ سے سمجھی گئی اور اس کے پڑھنے کا حکم دیا گیا۔

نماز توبہ سے مغفرت کا راز

ا۔ یہ ایک مسلمہ امر ہے کہ جب ایک انسان سچے دل سے دوسرے انسان کی طرف رجوع کرتا ہے تو اس کا دل بھی اس کے لئے نرم ہوجاتا ہے۔ اسی طرح جب کوئی خدا کا بندہ اپنے گناہوں سے دست بردار ہوکر صدق دل سے خدائے غفور ورحیم کی طرف رجوع کرتا ہے تو وہ مولا پاک اس سے بڑھ کر اس بندے کی طرف رجوع کرتا ہے۔ یہی راز ہے کہ خدائے قدوس کی مقدس کتاب نے اس کا نام توّاب بیان کیا ہے؛ یعنی بہت رجوع کرنے والا اور توبہ لغت عرب میں رجوع کرنے کو کہتے ہیں۔ پس جب بندہ گنہگار اس نماز کے ذریعہ سے اس کی جناب اقدس کی طرف پشیمانی اور ندامت اور تذلل اور انکسار کے ساتھ رجوع لاتا ہے تو خدائے توّاب بھی توبہ کرنے والے کی طرف رحمت اور مغفرت کے ساتھ رجوع لاتا اور اس کی خطاؤں سے درگزر فرماتا ہے۔

نماز قتل

نماز قتل کے مقرر ہونے کی وجہ

ا۔ اس نماز کے مقرر ہونے کی وجہ مشکوٰۃ شریف میں یہ لکھی ہے کہ ایک مرتبہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دوستوں میں سے چیدہ قاریوں کو انتخاب کر کے قرآن کریم کی

تعلیم و تلقین کے واسطے کہیں بھیجا۔ دشمنانِ اسلام نے راستہ ہی میں انھیں گرفتار کر کے سوائے حضرت خبیب (رضی اللہ عنہ) کے اور سب کو وہیں قتل کر دیا۔ حضرت خبیب کو مکہ معظّمہ میں لے جا کر موضع تنعیم میں..... (کہ جو حرم سے خارج ہے)..... بڑی دھوم اور بڑے اہتمام سے شہید کیا۔

جب یہ شہید ہونے لگے تو انھوں نے کفار سے کہا کہ مجھے اتنی مہلت دو کہ میں دو رکعت نماز پڑھ لوں۔ کفار نے مہلت دی۔ انھوں نے اجازت لے کر دو رکعت نماز پڑھ لی۔ مقتولوں کے لئے یہ نماز انھوں نے سنت قائم کر دی۔ اسی وقت یہ نماز مستحب ہوگئی۔

بخاری شریف میں ہے کہ نماز کے بعد حضرت خبیبؓ نے دشمنوں کو مخاطب کر کے یہ شعر پڑھے۔

ولست أُبالی حین أقتل مسلما
علی ای شق کان للہ مصرعی
وذلک فی ذات الالہ وان یشا
یبارک علی اوصال شلو ممزع

ترجمہ

جب نکلتی جان ہے اسلام پر — تب نہیں پرواہ مجھ کو جان کی
کیوں نہ دوں کامل خوشی سے اپنی جاں — چاہئے مجھ کو رضا رحمان کی
آرزو پنہاں مرے سینے میں تھی — اس دل مشتاق و پُرارمان کی
آنکھ کرلیتی زیارت وقت نزع — داعئ حق ، ہادئ ایمان کی
اے خدا پہنچا مرا ان کو سلام — جان میں نے جن پہ ہے قربان کی

۳۔ یہ نماز اس مسلمان کو مستحب ہے کہ جو قتل کیا جاتا ہو۔ اس کو چاہئے کہ دو رکعت نماز پڑھ کر اپنے گناہوں کی مغفرت کی باری تعالیٰ..... جو گناہوں کا بخشنے والا اور معاف کرنے والا ہے..... کی جناب پاک میں دعا کرے، تاکہ یہی نماز و استغفار دنیا میں اس کا آخری عمل رہے۔ (طحاوی وغیرہ)

۴۔اس نماز میں سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ قتل ہونے والا اپنے ایمان اور اسلام کا ثبوت اس نماز سے پیش کر کے سب لوگوں کو اپنے مومن و مسلمان ہونے کا گواہ بنالیتا ہے۔ اگر بے گناہ ہو تو شہادت کے درجہ عظمیٰ کا حقیقی طور پر مستحق ہوجاتا ہے۔ کیونکہ شہادت کے لئے ایمان و اسلام شرط ہے۔

نماز خوف

نماز خوف کے احکام

ا۔مسلمانوں کو جب کسی دشمن کا سامنا ہونے والا ہو، دشمن خواہ کوئی انسان ہو یا کوئی درندہ جانور یا کوئی اژدہا وغیرہ ہو، اور ایسی حالت میں سب مسلمان یا بعض لوگ بھی مل کر جماعت سے نماز نہ پڑھ سکیں اور سواریوں سے اترنے کی مہلت بھی نہ ہو، تو سب لوگوں کو چاہئے کہ سواریوں پر بیٹھے ہوئے اشاروں سے نماز پڑھ لیں۔ استقبال قبلہ بھی اس وقت شرط نہیں۔

۲۔مل کر باجماعت نماز پڑھ سکنے کی حالت میں مسلمانوں کے دو حصے کر دیئے جائیں۔ ایک حصہ دشمن کے مقابلہ میں رہے اور دوسرا حصہ نماز شروع کردے۔ یہ گروہ دو رکعت والی نماز میں پہلی رکعت اور چار رکعت والی نماز میں دوسری رکعت کے سجدہ سے فارغ ہوکر دشمن کے مقابل چپ چاپ چلا جائے اور دوسرا گروہ آکر امام کے ساتھ دو رکعت والی نماز کی دوسری رکعت میں اور چار رکعت والی نماز کی تیسری رکعت میں شریک ہوجائے۔ امام کے سلام پھیرنے کے بعد یہ گروہ پھر دشمن کے مقابل چپ چاپ چلا جائے اور پہلا گروہ آکر اپنی بقیہ نماز کی تکمیل بلاقراءت کرلے۔ بعد ازاں یہ گروہ دشمن کے مقابل چلا جائے اور دوسرا گروہ آکر اپنی بقیہ نماز باقراءت پوری کرلے۔

اگر اس کی بھی مہلت نہ ہو یعنی کسی طرح بھی دشمن سے مہلت نہ مل سکے تو معذور ہیں، اس وقت نماز نہ پڑھیں، اطمینان کے بعد اس کی قضا پڑھ لیں۔[۱]

---

[۱] احزاب کی لڑائی میں ایسی ہی مجبوری کی حالت میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی چار وقت کی نماز قضا ہوگئی تھی، جس کو آپ نے معہ اپنے اصحابؓ کے اطمینان کے بعد ادا کیا۔ یہ سب کچھ آسانی نقصان سے بچنے کے لئے ہے۔ (مؤلف)

نمازِ خوف کی وجہ

۳۔ اس نماز کو اس طرح پڑھنے کی وجہ یہ ہے کہ شرع اسلام آسانی پسند اور تکلیف اور ضرر سے بچانے والی ہے۔ اس نے یہ ایک آسانی کی صورت پیدا کر دی، تاکہ نماز بھی ادا ہو جائے اور دشمن نقصان بھی نہ پہنچا سکے۔

۴۔ اس نماز میں یہ بھی مصلحت ہے کہ شرع اسلام دنیا کو دکھانا چاہتی ہے کہ خدائے واحد کے سچے پرستار اس سے کیسا سچا تعلق رکھتے ہیں۔ انھیں دشمنوں کے مقابلہ میں تیروں اور تلواروں کے سایہ میں بھی خدائے پاک کا دھیان اور اس کا خوف اس قدر غالب رہتا ہے کہ ایسے نازک اور خطرہ کے موقع پر بھی اس کی عبادت سے غفلت گوارا نہیں کر سکتے۔ تا بمقدور اس کو ادا کر لیتے ہیں۔ یہ نماز مومن کی سچی محبت اور اس کے حقیقی معبودانہ تعلق کا ایک زبردست ثبوت ہے اور مومن کے لئے حق وصداقت پر ہونے اور اس کے لئے لڑنے اور جان دینے کی شاہد ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ ایسی فضائل کی چیزیں سوائے اسلام پاک کے اور کسی مذہب میں موجود نہیں۔

مریض اور معذور کی نماز

مریض اور معذور کی نماز کے احکام

۱۔ شرع اسلام حکم دیتی ہے کہ اگر کوئی شخص کسی مرض کی وجہ سے نماز کے ارکان ادا کرنے پر قادر نہ ہو یا پورے طور پر ادا نہ کر سکے تو اس کو چاہئے کہ اپنی طاقت اور قدرت کے موافق نماز کے ارکان ادا کرے۔ جب کوئی مسلمان بیمار ہوتا ہے یا اسے کسی قسم کی تکلیف پہنچتی ہے تو خدائے کریم اس کے گناہ معاف کرتا ہے اور اس کے درجات میں ترقی عطا فرماتا ہے۔ ایسے مریض کو اگر وضو میں تکلیف ہو تو تیمّم کرا دینا چاہئے۔ بیمار کھڑا نہ ہو سکے تو اسے بیٹھ کر ہی نماز پڑھ لینا چاہئے۔ اگر پوری نماز نہ پڑھ سکتا ہو تو صرف فرض ہی ادا کر لینے کافی ہیں۔ بیٹھ کر بھی نہ پڑھ سکے تو لیٹے لیٹے پڑھ لے۔ اگر لیٹ کر پڑھنے کی طاقت نہ ہو مجبوری ہو تو اشاروں سے کام لے

کر نماز ادا کر دے۔ اگر کوئی مریض سر سے اشارہ بھی نہ کر سکتا ہو تو اس کو چاہیئے کہ نماز اس وقت نہ پڑھے، بعد صحت کے اس کی قضا پڑھ لے۔ پھر اگر یہی حالت اس کی پانچ نمازوں سے زیادہ تک رہے تو اس پر ان نمازوں کی قضا بھی نہیں۔

اس نماز کا راز

۲۔ اس طرح نماز کی ادائیگی میں یہ راز ہے کہ نفس کو ترک نماز کی عادت نہیں پڑتی۔ اور مریض و معذور ثواب سے محروم نہیں رہتا۔

۳۔ خدائے حکیم کی عادت ہے کہ جب وہ کسی چیز میں آسانی کرتا ہے تو اس کے بدل میں کوئی ایسی شئے رکھتا ہے کہ جس سے اصل یاد آ جائے، اور معلوم ہو جائے کہ یہ چیز اس کا بدل اور نائب ہے۔ مریض اور معذور کی نماز کے لئے بھی شرع نے اسی قاعدے سے احکام مقرر کئے تا کہ اصل چیزیں یاد آتی رہیں اور اُن کے بدل یا نائب سے وہ حکم بھی ادا ہو جائے۔

نماز استخارہ

نماز استخارہ کے احکام

ا۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کو یہ نماز اسی اہتمام سے سکھاتے تھے جیسے قرآن کریم کی تعلیم میں آپ کا اہتمام ہوتا تھا۔ اس نماز کا مقصد یہ ہے کہ جب کسی شخص کو کوئی کام درپیش ہو۔ اور اس کے کرنے نہ کرنے میں تردد ہو[1] کہ وہ کام کس وقت کیا جائے؟ تو ایسی حالت میں مستحب ہے کہ دو رکعت نماز استخارہ پڑھی جائے۔ اس کے بعد جس طرح طبیعت کو رغبت ہو وہ کام کیا جائے۔ (درمختار وغیرہ)

---

[1] مثلاً حج میں تو تردد نہیں ہوسکتا۔ ہاں اس میں تردد ہوسکتا ہے کہ سفر آج کیا جائے یا کل۔ تو ایسی صورت میں نماز استخارہ کی ضرورت ہے۔ (مؤلف)

نماز استخارہ کا طریقہ

اس نماز کے پڑھنے کا طریقہ یہ ہے کہ وضو سے فارغ ہوجانے کے بعد نماز استخارہ کے لئے اس طرح نیت کی جائے۔

نویت ان اصلی رکعتی صلوٰۃ الاستخارۃ

''میں نے یہ نیت کی کہ دو رکعت نماز استخارہ پڑھوں''۔

پھر دو رکعت نماز حسبِ معمول ادا کی جائے۔ نماز کے بعد یہ دعا پڑھی جائے:

أللّٰھُمَّ إنّی أستخیرک بعلمک و أستَقدرک بقدرتک و أسئلک من فضلک العظیم، فانک تقدر ولا اقدر وتعلم ولا اعلم وانت علامہ الغیوب اللھم ان کنت تعلم ان ھٰذاالامر[1] خیر لی فی دینی ومعاشی وعاقبۃ امری وعاجلہ واٰجلہ فاقدرہ لی ویسرہ لی ثم بارک لی فیہ وان کنت تعلم ان ھٰذاالامر شرلی فی دینی ومعاشی وعاقبۃ امری وعاجلہ واٰجلہ فاصرفہ عنی واقدر لی الخیر حیث کان ثم أرضنی بہ . (بخاری)

''اے اللہ! میں بھلائی چاہتا ہوں تیرے علم کے ساتھ اور قدرت چاہتا ہوں تیری قدرت کے ساتھ اور مانگتا ہوں تیرے فضل سے۔ کیونکہ تو طاقت رکھتا ہے۔ اور میں طاقت نہیں رکھتا۔ اور تو جانتا ہے اور میں نہیں جانتا۔ اور تو چھپی باتیں جاننے والا ہے۔ اے اللہ! اگر تو جانتا ہے کہ یہ کام میرے لئے بہتر ہے دین اور دنیا میں اور میرے انجام کے لئے تو اس کو میرے لئے مقدر فرما اور اس کو میرے لئے آسان کردے۔ پھر میرے لئے اس میں برکت ڈال اور اگر تو جانتا ہے کہ یہ کام میرے لئے برا ہے میرے دین اور دنیا میں اور میرے انجام کیلئے۔ پس اس کو مجھ سے ہٹا دے اور پھیر دے مجھ کو اس سے اور مقدر فرما میرے لئے بھلائی جہاں کہیں ہو۔ پھر مجھ کو اس کے ساتھ راضی کر''۔

---

[1] لفظ امر کی جگہ اپنی حاجت ذکر کرے مثلاً اگر سفر کے لئے استخارہ کرتا ہو تو ھٰذا السفر اگر خرید و فروخت کے لئے ہو تو ھٰذا البیع اور اگر نکاح کے لئے ہو تو ھٰذا النکاح کہے یا یہ ملازمت یا یہ تجارت یا یہ رشتہ وغیرہ۔ وقس علیٰ ہٰذا۔ (مؤلف)

نماز استخارہ مقرر ہونے کا راز

دنیا میں عام طور پر کسی کام کے شروع کرنے سے پہلے اس کی فال نکلوانے یا شگون لینے کا رواج پایا جاتا ہے۔ غیب کی خبریں اور باتیں پوچھنے کی بیماری دنیا میں ہمیشہ سے چلی آئی ہے۔ منجموں اور کاہنوں رمّالوں اور فال گنڈے والوں سے لوگ ہر زمانہ میں آئندہ آنے والے واقعات اور حادثات کا علم حاصل کرنے کے لئے موجود رہے ہیں۔ چونکہ اس سے توحید الٰہی اور علم الٰہی میں دوسروں کے بیجا دخل کے خیال سے شرک کی بیماری ترقی کرتی رہی ہے اور شرک کی اشاعت میں اس کا بہت بڑا دخل ہے۔ اس لئے اسلام نے اس کا بڑے زور سے رد کیا۔ اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سکھایا کہ ایسے وقت میں یہ نماز استخارہ پڑھ کر خدائے عالم الغیب سے ہی دعا کی جائے کہ وہ اس کام کے بھلے یا برے ہونے کو واضح کر دے یا جتلا دے۔ کیونکہ اس کے بغیر کوئی غیب کا جاننے والا نہیں۔ یہ نماز کو شرک سے بچنے کے لئے مقرر کی گئی ہے۔ مگر ہزار ہا بزرگوں نے تجربہ کے بعد اس کی شہادت دی ہے کہ اس کے پڑھنے سے کام کے کرنے یا نہ کرنے اس کے بھلے یا برے ہونے کی اطلاع ہو جاتی ہے۔ بعض بزرگوں نے لکھا ہے کہ بہتر ہے کہ سات مرتبہ تک نماز استخارہ کی تکرار کے بعد کام شروع کیا جائے۔ (شامی)

بعض کا قول ہے کہ نماز استخارہ پڑھنے کا بہت اچھا وقت رات کو سونے سے پہلے ہے۔ انسان نماز استخارہ اور دعا پڑھ کر باوضو قبلہ رو ہو کر سو رہے۔ اگر خواب میں سپیدی یا سبزی دیکھے تو سمجھ لے کہ یہ کام اچھا ہے اور اگر سیاہی یا سرخی دیکھے تو جان لے کہ اس کام کے کرنے میں بھلائی نہیں، اس کا خیال چھوڑ دے۔ (شامی)

عام طور پر اس نماز استخارہ کو طلب خیر یا کوئی کام شروع کرنے پر پڑھتے ہیں۔ اوقات ممنوعہ کے علاوہ جب چاہے پڑھنی جائز ہے۔ اگر کسی وجہ سے کوئی شخص نماز نہ پڑھ سکتا ہو تو صرف دعا[1] پڑھ کر کام شروع کر دے۔ غرض اس نماز کی گو تاکید شدید نہیں۔ مگر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے صحابہؓ اور تمام علمائے امت اور اولیائے سلف و خلف کا معمول ہے۔ مسلمانوں کو بھی عام طور پر اس کا خیال رکھنا چاہئے۔

---

[1] دعا سے پہلے اللہ تعالیٰ کی تعریف اور درود شریف کا پڑھنا مستحب ہے (مؤلف)

نماز تسبیح

صلوٰۃ التسبیح کے احکام

ا۔اس نماز کی فضیلت اور ثواب حدیثوں میں بے شمار ہے۔خدائے پاک کی خوشنودی اور گناہوں کی معافی کے لئے ایک خاص اثر رکھتی ہے۔ یہ نماز حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا حضرت عباسؓ کو سکھائی اور فرمایا:

اذا انت فعلت ذلک غفر اللہ لک ذنبک اولہ واخرہ قدیمہ وحدیثہ خطأہ وعمدہ صغیرہ وکبیرہ سرہ وعلانیتہ الخ . (ابوداؤد۔ابن ماجہ۔بیہقی۔ترمذی وغیرہ)

''اے چچا! جب تو اس کو پڑھے گا تو اللہ تعالیٰ تیرے پہلے اور اگلے (یعنی اگلے پچھلے) نئے اور پرانے' بھول کر یا عمداً کئے ہوئے' چھوٹے اور بڑے' کھلے یا پوشیدہ طور پر کئے ہوئے سب گناہ معاف کردے گا''۔

اگر تم سے ہو سکے تو ہر روز ایک مرتبہ' ورنہ ہفتہ میں ایک بار' ورنہ مہینے میں ایک دفعہ پڑھ لیا کرو۔اور یہ بھی نہ ہو سکے تو تمام عمر میں ایک بار تو پڑھ لو۔

اس نماز کی چار رکعتیں ہیں جو ایک سلام سے ادا کی جاتی ہیں۔اس کی پہلی رکعت میں سورۂ ﴿أَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ﴾ اور دوسری میں ﴿والعَصْرِ﴾ اور تیسری میں ﴿قُلْ يا أيها الكٰفِرُوْنَ﴾ اور چوتھی میں ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَد﴾ کا پڑھنا حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے۔اگر یہ نماز دو سلام سے پڑھی جائے تب بھی درست ہے۔

صلوٰۃ التسبیح کی وجہ تسمیہ

۲۔چونکہ اس نماز کی ہر رکعت میں پچھتر بار اور پوری نماز میں تین سو مرتبہ یہ تسبیح سبحٰن اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر پڑھی جاتی ہے۔اس لئے اس نماز کا نام صلوٰۃ التسبیح رکھا گیا۔

صلوٰۃ التسبیح پڑھنے کا طریقہ

۳۔نماز پڑھنے والا وضو کر کے یہ نیت کرے۔

نویت ان اصلی اربع رکعات صلوٰۃ التسبیح.

''میں نے یہ ارادہ کیا کہ چار رکعت نماز صلوٰۃ التسبیح پڑھوں۔''

یہ نیت کر کے تکبیر تحریمہ کہہ کر ہاتھ باندھ لے اور ثناء پڑھ کر پندرہ مرتبہ سبحن اللہ والحمد للہ و لا الہ الا اللہ و اللہ اکبر کہے۔ پھر اعوذ باللہ اور بسم اللہ پڑھ کر الحمد اور سورہ پڑھے۔ اس کے بعد دس مرتبہ وہی تسبیح پڑھے۔ پھر رکوع میں سبحان ربی العظیم کے بعد دس مرتبہ وہی تسبیح پڑھے...... پھر رکوع سے اٹھ کر سمع اللہ لمن حمدہ اور ربنا لک الحمد کے بعد دس بار وہی تسبیح پڑھے اور پھر سجدے میں جائے اور دونوں سجدوں میں سبحن ربی الاعلی کے بعد اور سجدوں کے درمیان میں دس دس مرتبہ وہی تسبیح پڑھے۔ پھر دوسری رکعت میں الحمد سے پہلے پندرہ مرتبہ اور بعد الحمد اور دوسری سورۃ کے دس مرتبہ اور رکوع اور قومے اور دونوں سجدوں اور ان کے درمیان میں دس دس دفعہ اسی تسبیح کو پڑھے۔ اسی طرح تیسری اور چوتھی رکعت میں بھی پڑھ کر نماز کو تمام کر دے۔ اس کا ضرور خیال رکھے کہ ہر رکعت میں پچھتر (۷۵) بار یہ تسبیح پڑھی جائے۔

صلوٰۃ التسبیح مقرر ہونے کا راز

۴۔ دنیا میں کوئی ایسا انسان نہیں کہ جس سے کچھ نہ کچھ قصور و خطا سرزد نہ ہو، اور اسے اپنے گناہوں کی معافی کی حاجت نہ ہو۔ اور یہ بھی واضح ہو چکا ہے کہ خدائے پاک اپنے ذکر سے خوش ہوتا اور بندے کے گناہوں سے درگزر فرماتا ہے اور اس کا اجر و ثواب عطا فرماتا ہے۔ اس تسبیح کے پڑھنے کا بے حد ثواب ہے۔ چنانچہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لأن اقول سبحن اللہ والحمد للہ و لا الہ الا اللہ و اللہ اکبر احب الی مما طلعت علیہ الشمس (مسلم)

''بیشک ان چار کلموں کا پڑھنا (سبحان اللہ و الحمد للہ و لا الہ الا اللہ و اللہ اکبر) تمام دنیا و ما فیہا سے میرے نزدیک بہت پیارا ہے''۔

اور ایک دوسری حدیث میں فرمایا کہ

من قال سبحن اللہ وبحمدہ فی یوم مائۃ مرۃ حطت خطایاہ و ان کانت مثل زبد البحر (بخاری و مسلم)

''جو شخص اس تسبیح سبحان اللہ وبحمدہ کو ہر روز ایک سو بار پڑھا کرے گا اس کے گناہ مٹا دیئے جائیں گے، اگر چہ وہ بکثرت کف دریا کے مانند ہوں گے''۔

مختصر یہ کہ گناہوں کی معافی کے علاوہ اس نماز میں بہت بڑا ثواب ہے۔ اسی واسطے بعض محققین نے یہاں تک فرمایا ہے کہ اس قدر ثواب اور فضیلت معلوم ہو جانے کے بعد پھر بھی اگر کوئی مومن بندہ اس نماز کو ادا نہ کرے تو یہ اس امر کی دلیل ہے کہ اس کے دل میں دین کی کچھ عزت اور قدر و منزلت نہیں۔ (شامی)

کعبۂ شریف میں نماز کا بیان

مقدس دین اسلام میں چونکہ خدائے قدوس کی ذات اقدس جہت وغیرہ سے پاک ہے، اس واسطے اس کے گھر کی طرف اور اس کی طرف جو اس کا بڑا اشعار ہے توجہ کرنا اس کی اپنی ذات اقدس کی طرف توجہ کرنے کا قائم مقام قرار دیا گیا ہے۔ اس لئے کعبہ مکرمہ کے باہر اس کی محاذات پر نماز پڑھنا درست ہے، کیونکہ بیت اللہ سے دراصل خانہ مقصود نہیں بلکہ صاحبِ خانہ مقصود ہے۔ جیسا باہر کا حال ہے ویسا ہی بیت اللہ شریف کے اندر بھی نماز پڑھنا درست ہے۔ آدمی جدھر کو منہ کر کے نماز پڑھنے کھڑا ہوگا استقبال قبلہ ہو جائے گا۔ اس وجہ سے کہ وہاں چاروں طرف قبلہ ہے، جس طرف منہ کیا جائے کعبہ ہی کعبہ ہے۔ البتہ کعبہ شریف کی چھت پر کھڑے ہو کر نماز پڑھنا درست ہے، مگر بے تعظیمی کے خیال سے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع بھی فرمایا ہے، اس لئے مکروہ تحریمی ہوگی۔

نماز جنازہ

نماز جنازہ کے احکام

ا۔نماز جنازہ کے احکام فقہ کی عام کتابوں میں مفصل طور پر لکھے جا چکے ہیں۔اس لئے چند ایک ضروری احکام بیان کئے جاتے ہیں۔نماز جنازہ فرض کفایہ ہے۔منکر اس کا کافر ہے۔ میت کا مسلمان ہونا شرط ہے۔کافر اور مرتد کی نماز صحیح نہیں۔مسلمان اگرچہ فاسق و بدعتی ہو،اس کی نماز صحیح ہے۔

نماز جنازہ کے واجب ہونے کی وہی سب شرطیں ہیں جو اور نمازوں کے لئے بیان ہو چکی ہیں۔امام میت کو سامنے رکھ کر نماز پڑھائے۔مقتدی ایک یا تین یا پانچ غرض طاق صفیں بنائیں۔اس نماز میں رکوع وسجدہ نہیں۔کیونکہ اس میں صرف دو چیزیں فرض ہیں: پہلی؛ چار مرتبہ اللہ اکبر کہنا۔ہر تکبیر یہاں قائم مقام ایک رکعت کے سمجھی جاتی ہے۔دوسری؛ قیام یعنی کھڑے ہو کر نماز جنازہ پڑھنا۔

اس نماز میں اللہ تعالیٰ کی حمد کرنا۔حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھنا۔میت کے لئے دعا کرنا،یہ تین چیزیں مسنون ہیں۔

نماز جنازہ پڑھنے کا طریقہ

۲۔نماز جنازہ کا مسنون ومستحب طریقہ یہ ہے کہ میت کو نہلا دھلا کر کفن شرعی میں لپیٹ کر کسی پاک وصاف جگہ میں رکھا جائے اور سب نماز پڑھنے والے وضو کر کے امام کے پیچھے طاق صفیں بنا کر کھڑے ہو جائیں۔امام میت کے سینے کے محاذی کھڑا ہو جائے اور سب لوگ یہ نیت کریں:

نویت ان اصلی صلوٰۃ الجنازۃ للہ تعالیٰ ودعآء للمیت.

''میں نے یہ ارادہ کیا کہ نماز جنازہ پڑھوں جو خدا کی نماز ہے اور میت کے لئے دعا ہے''۔

یہ نیت کر کے مثل اور نمازوں کی' تکبیر تحریمہ کی طرح دونوں ہاتھ اٹھا کر تکبیر کہہ کر زیر ناف باندھ لئے جائیں۔ اس پہلی تکبیر کے بعد ثناء پڑھی جائے:

سبحنک اللھم وبحمدک وتبارک اسمک وتعالیٰ جدک وجل ثنآئک ولآ الٰہ غیرک.

''اے اللہ میں تجھے پاکی سے یاد کرتا ہوں اور تیری تعریف سے، اور مبارک ہے تیرا نام، اور برتر ہے تیرا مرتبہ، اور بزر ہے تیری تعریف، اور تیرے سوا کوئی سچا معبود نہیں''۔

یہ پڑھ کر دوسری تکبیر کہہ کر وہی درود شریف پڑھا جائے جو نمازوں میں التحیات کے بعد پڑھا کرتے ہیں۔ پھر تیسری تکبیر کہیں۔ اور یہ دعا سب پڑھیں:

اللھم اغفر لحینا ومیتنا وشاھدنا وغآئبنا وصغیرنا وکبیرنا وذکرنا وأنثانا اللھم من احییتہ منا فاحیہ علی الاسلام ومن توفیتہ منا فتوفّہ علی الایمان .

''اے خدا بخش دے ہمارے زندوں کو بھی اور جو مر چکے ہیں، اور جو حاضر ہیں اور جو موجود نہیں۔ اور ہمارے چھوٹے بچوں کو اور ہمارے بڑوں، کو اور مردوں کو اور عورتوں کو۔ اے اللہ جس کو تو ہم میں سے زندہ رکھے اس کو اسلام پر زندہ رکھ، اور جس کو تو ہم میں سے وفات دے اس کو تو ایمان کے ساتھ وفات دے۔''

اس کے بعد چوتھی تکبیر کہہ کر دونوں طرف سلام پھیر دینا چاہیئے۔ اور یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ سوائے پہلی تکبیر کے باقی تینوں تکبیروں میں ہاتھوں کو اٹھانے کی ضرورت نہیں۔ امام تکبیریں بلند آواز سے پکار کر کہے اور مقتدی آہستہ آواز سے کہیں۔ اگر میت لڑکا نابالغ ہو تو تیسری تکبیر کے بعد یہ دعا پڑھیں:

اللّٰھُمَّ اجْعَلْہُ لَنَا فَرَطًا و :اجْعَلْہ لَنَا أجْرًا وادخُرًا واجعلہ لنا شافِعًا ومُشَفَّعا.

''اے اللہ! اس کو ہمارے لئے پیشرو بنا اور اسے ہمارے لئے اجر اور ذخیرہ بنا اور اسے ہمارے لئے شفاعت کرنے والا اور مقبول الشفاعت بنا''۔

اگر میت لڑکی ہو تو اس طرح اس دعا کو پڑھنا چاہیئے: **اللّٰھُمَّ اجْعَلْھَا لَنَا فَرَطًا**

وَاجْعَلْهَا لَنَا أَجْرًا وَذُخْرًا وَاجْعَلْهَا لَنَا شَافِعَةً وَمُشَفَّعَةً. [1]

فرض کفایہ کا راز

۳۔ فقہاء کرام نے فرض کفایہ کی یہ تعریف بیان کی ہے کہ اس کی ادائیگی سب پر فرض ہے۔ لیکن اگر بعض لوگ اس فرض کو ادا کر دیں گے تو سب کا' فرض ادا ہو جائے گا۔ اور اگر کوئی نہیں بجا لائے گا تو سب کے سب گنہگار ہوں گے اور تارک فرض سمجھے جائیں گے؛ مثلاً علوم دین کی تعلیم، قاضی ہونا' خلافت کا انتظام جس طرح سب کے لئے ضروری ہے، اور جب ایک شخص اس کام پر مامور ہو کر ادا کرنے لگتا ہے تو سب سے یہ فرض اتر جاتا ہے۔ اسی طرح بیماروں کی عیادت اور نماز جنازہ کا حال ہے۔ اگر ایک یا چند آدمی مل کر ان کو ادا کر دیں گے تو سب کا بوجھ اتر جائے گا۔ کیونکہ فرض کفایہ کے اصول میں سے یہ بھی ہے کہ اس سے انتظامی حالت اور تمدنی تعلق درست رہے۔ اور ان کے ترک کرنے سے نفسانی ابتری اور بہیمیت کا غلبہ نہ ہو۔ اسی واسطے بیماروں کی عیادت اور نماز جنازہ کے لئے شرع نے حکم دیا ہے، تاکہ بیماروں اور مُردوں کی تضییع نہ ہو۔ جب بعض لوگوں نے اس کو پورا کر دیا تو اصل مقصود حاصل ہو جانے کی وجہ سے فرض ادا ہو جائے گا۔

شرع شریف نے چونکہ ہر معاملہ میں بہت گہری نگاہ دوڑا کر معاملات کی تہہ تک پہنچ کر احکام صادر کئے ہیں۔ اس لئے اس نے بعض فرائض اس قسم کے مقرر کئے ہیں کہ اگر ایک مقام کے چند افراد ان کو ادا کر دیں تو وہ سب کی طرف سے ادا ہو جاتے ہیں۔ اگر کل کے کل لوگوں کو متفقانہ طور پر ان کے کرنے پر مجبور کیا جائے تو بیشک لوگوں کی تکلیف اور حرج کا باعث بن جائے اور انتظام معاش درہم برہم ہو جائے اور ان کی تدابیر نافعہ معطل ہو جائیں۔ اور اگر ان کو فرضیت کا درجہ نہ دیا جاتا تو لوگ ان کو غیر ضروری سمجھ کر ٹال دیتے، جس سے ہزاروں قسم کی خرابیاں اور بدعنوانیاں پیدا ہو جاتیں۔

---

[1] ترجمہ: اوپر نقل ہو چکا ہے۔ ترجمہ دونوں کا ایک ہے۔ صرف مذکر و مؤنث کی ضمیروں کا فرق ہے۔ (مؤلف)

نماز جنازہ کے مقرر ہونے کی حکمت

۴۔ اسلام پاک کو حقوق العباد کا ہر مسئلہ میں لحاظ مدنظر ہے۔ اس مقدس دین میں اپنے بھائیوں کے ساتھ ان کی فلاح و بہبود، ان کے ساتھ عمدہ سلوک اور احسانات اور ہر قسم کی مراعات ایک جزو اعظم قرار دی گئی ہے۔ زندگی بھر تک جب ایک مومن دوسرے مومن سے ہر ایک طرح محبت و ہمدردی کرتا ہے تو مرنے کے بعد، جب کہ در حقیقت عاجز ہونے کی وجہ سے قابل ہمدردی ومروت ہے، اس کی ہمدردی و حسن سلوک کا کیوں نہ حکم دیا جاتا؟ شرع اسلام نے اس کو گوارا فرما کر کہ اس دینی اخوت اور محبت کا سلسلہ موت سے منقطع ہو جائے، حکم دیا کہ مسلمان میت کا نہ صرف دوسرے مسلمان کفن دفن کی ہی فکر کریں، بلکہ سب مسلمان مل کر اس کو پاک وصاف کر کے ایک عمدہ اہتمام سے آخری منزل تک پہنچانے کی تدبیر کریں۔ ظاہری میل و کچیل تو پانی سے دھو کر صاف کر لیں اور گناہوں کی میل کے دور کرنے کے لئے نماز جنازہ جو در حقیقت میّت کے لئے دعائے مغفرت ہے، مسلمانوں پر فرض کر دی گئی۔

یہی وجہ ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت شریفہ تھی کہ جب کسی مسلمان کی وفات کی آپؐ کو خبر ملتی تو آپ اس کے ساتھ بہت احسان کرتے، اور جو چیزیں اس کے لئے قبر اور قیامت میں مفید ہوتیں، ان میں کوشش فرماتے، جن میں سے ایک یہ جنازے کی نماز تھی، جس کی نسبت آپؐ نے کھلے لفظوں میں فرما دیا:

ما من رجل مسلم یموت فیقوم علی جنازته اربعون رجلا لا یشرکون بالله شیئا الا شفعهم الله فیه (مسلم شریف)

''جس مسلمان میت پر چالیس آدمی مل کر (نماز جنازہ کے لئے) کھڑے ہوں اور وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک نہ کرتے ہوں تو میت کے حق میں ان کی سفارش خدائے پاک قبول فرما لیتا ہے۔''

۲۔ اس میں کسی عقلمند کو انکار کی گنجائش نہیں ہوسکتی کہ جب کسی شخص کے لئے بہت سے

لوگوں کا ایک گروہ جس میں علماء' صلحاء' فقراء' اغنیا' سب طرح کے آدمی موجود ہوں۔ کسی مہربان کریم النفس حاکم کے پاس جا کر دست بستہ سفارش کریں۔ اور اس کو حاکم کے سامنے پیش کر کے معافی کی التجا کریں۔ تو یقیناً وہ حاکم اس کا قصور معاف کر دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو سکھایا کہ وہ بھی اسی طرح اپنے مولا رحیم و کریم کی جناب میں اپنے مسلمان بھائی کی میت کو آگے رکھ کر سب کے سب کامل اخلاص و تضرّع سے اس کے گناہوں کی معافی کی سفارش کریں۔ یہی نماز جنازہ کا راز ہے۔

نماز جنازہ کیلئے جماعت کا راز

۵۔ گو نماز جنازہ کے لئے جماعت شرط نہیں۔ اگر ایک شخص بھی نماز جنازہ پڑھ لے تو فرض ادا ہو جائے گا۔ مگر یہاں جماعت کی زیادہ ضرورت ہے، جس میں یہ راز ہے کہ یہ میت کے لئے دعاء ہے، اور چند مسلمانوں کا جمع ہو کر جناب باری میں کسی چیز کے لئے دعا کرنا ایک عجیب خاصیت رکھتا ہے۔ جتنے آدمی زیادہ مل کر دعا کریں گے اتنا ہی نزول رحمت ہوگا۔ جب دعاؤں کا پورا اثر ہوگا اور خاص طور پر ان لوگوں کی دعا کا اثر کہ جن کی خدائے پاک کے ہاں عزت ہے' وہ دعا پردوں کو پھاڑ کر اس شخص کو قبولیت و نزول رحمت الٰہی کا مستحق بنا دیتی ہے۔

یاد رکھو جس طرح نماز استسقاء میں مسلمانوں کی جماعت کی دعا نزول باران رحمت کا باعث ہوتی ہے، اسی طرح مومنوں کا مل کر نماز جنازہ پڑھنا جو درحقیقت میت کے لئے مغفرت کی دعا ہے' میت پر نزول رحمت الٰہی کا باعث ہوتی ہے۔ یہ ایک میت کا حق واجبی ہے جو زندوں پر لازم کر دیا گیا ہے۔

سچ تو یہ ہے کہ میت کے حقوق کی رعایت اس کی بیماری سے آخری وقت تک' بلکہ اس کے بعد بھی' جیسی اسلام پاک نے سکھائی ہے، کوئی مذہب اس کی نظیر پیش کرنے کی جرأت نہیں کر سکتا۔ کیونکہ کسی مذہب میں ان کا ایک شمّہ بھی نہیں۔ مسلمان جس قدر میت کا ادب و احترام کرتے ہیں اسی قدر بعض دوسری قومیں میت سے ڈرتی اور نفرت کرتی ہیں۔ اور نماز جنازہ کا یہ

بہترین طریقہ کسی قوم اور ملت میں رائج نہیں۔ خدا کرے کہ دنیا کی آنکھیں روشن ہوں اور وہ اس مقدس دین اور پاک آئین کی خوبیوں اور بہتریوں کو دیکھنے لگے۔

نماز جنازہ میں چار تکبیریں مقرر ہونے کی وجہ

۱۔ حدیث شریف میں ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز جنازہ میں چار تکبیریں کہا کرتے تھے۔ یہ تکبیر تحریمہ کی حکمتوں میں بیان ہو چکا ہے کہ تکبیر خدائے ذوالجلال کی عظمت و کبریائی کے اظہار اور نمازی کے عجز وانکسار اور نیازمندی کے اعتراف کے لئے مقرر کی گئی ہے۔ نماز جنازہ میں بھی تکبیرات کی وہی غرض ہے جو دوسری نمازوں میں ہے؛ یعنی خدائے بزرگ و برتر کی کبریائی وعظمت اور جلال کا اظہار اور میت کی عاجزی اور کمزوری کا اعتراف کرنا مقصود ہے۔ چونکہ میت کے لئے نماز جنازہ میں چار طرح کی دعائیں کی جاتی ہیں۔ اس لئے ان چاروں کو الگ الگ کرنے کے واسطے چار تکبیریں مشروع ہوئیں، تاکہ ہر دعاء کے ساتھ تکبیر کہنے سے اس کا فرق ظاہر ہو جائے۔

۲۔ نماز جنازہ میت کے لئے سفارش ہے اور اس میں مردہ کے لئے چار قسم کی سفارش کی جاتی ہے، کیونکہ مرنے کے بعد میت کو ان چار چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے جو ان دعاؤں کے اوصاف مؤثرہ سے ظاہر ہوتی ہیں:

(۱) ثناء کی دلالت مردہ کو ارحم الراحمین کے حضور میں پیش کرنے کی عاجزانہ درخواست۔

(۲) درود شریف سے میت کے لئے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت کی استدعاء۔

(۳) عام دعائے مغفرت کی دلالت میت کے لئے گروہ مومنین صالحین میں شامل کر دینے کی درخواست۔

(۴) سلام میں عذاب وعتاب سے رہائی اور خلود جنت کی التجا مقصود ہے۔

ان چاروں درخواستوں کے ساتھ ساتھ چار تکبیرات کہنے میں اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ اس نماز سے چار قسم کی استدعائیں مقصود ہیں۔

نماز جنازہ کی ہر دعا کے بعد تکبیر کہنے کا راز

۷۔ نماز جنازہ کے طریقہ میں لکھا جا چکا ہے کہ ہر دعا کے بعد تکبیر کہنا چاہئے۔ ان مذکورہ بالا چاروں درخواستوں کے ساتھ ساتھ میت کی کمزوری اور عاجزی کے اظہار کے لئے تکبیرات کی تکرار لازم ٹھہرائی گئی تاکہ خدائے رحمٰن ورحیم کا دریائے رحمت جوش میں آئے اور اس میت غریب پر قبولیت اور رحمت کا نزول ہو کر اس کا بیڑا پار ہو جائے۔ پس نماز جنازہ میں تکبیروں کا کہنا درحقیقت مردہ کی عاجزی و کمزوری کا نقشہ پیش کرنا مقصود ہے۔

۲۔ سفارش کے لئے اس امر کی بھی ضرورت ہوتی ہے کہ جس کے لئے سفارش کی جائے اس کی کمزوری اور عاجزی کو بھی بار بار دہرایا جائے، اور جس کے آگے سفارش کی جائے اس کی عظمت و کبریائی' اس کے جلال و کمال کو بھی ساتھ ساتھ مکرر ظاہر کیا جائے۔ ہر دعا کے بعد تکبیر کہنے میں یہ راز ہے کہ خدائے ارحم الراحمین کی مہربان سرکار میں میت کی عاجزی اور کمزوری کو بار بار پیش کیا جاتا ہے اور خدائے پاک کی عظمت و کبریائی کا اظہار کیا جاتا ہے۔ گویا ان حرکات سے یہ ظاہر کیا جا رہا ہے کہ الٰہی یہ میت عاجز و درماندہ ہے، بالکل کمزور و بے بس ہے، سوائے تیرے رحم و کرم کے اس کا کوئی سہارا نہیں، اس کی بے کسی اور بے بسی پر رحم کر اور ہماری اس عاجزانہ سفارش کو اس کے حق میں قبول فرما، اس کے گناہوں کو معاف کر دے، اور اس عاجز کو اپنی پناہ میں لے لے۔

نماز جنازہ میں رکوع و سجود و تحیہ نہ ہونے کی وجہ

۸۔ نماز جنازہ دراصل نماز نہیں، بلکہ وہ حقیقت میں (میت کے لئے) ایک دعا ہے۔ اور وہ بھی ایک دوسرے آدمی کے لئے جو دُنیا سے انتقال کر چکا ہے۔ اور دعا میں اس کے گناہوں کی معافی کے لئے سفارش ہے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ سفارش کے واسطے ان ہی چیزوں کی ضرورت ہے جو اس کے لوازمات سے ہوں۔ سفارش کے لئے سب سے بڑی چیز جس کو خدا کے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو سکھایا' وہ خدائے پاک کی ثناء اور تحمید و تسبیح ہے۔ نماز جنازہ میں میت کے لئے اس کی مغفرت کی درخواست یا سوال ہے۔ اور رکوع و سجود کی ہیئتوں میں

چونکہ نمازی اپنی عاجزی وانکساری اور تذلل کو خدائے معبود کے حضور میں پیش کرتا ہے۔ اس لئے ان کی یہاں ضرورت نہ تھی۔ کیونکہ رکوع وسجود وتحیہ کے آثار مؤثرہ اور ان کی ہیئتیں سفارش کے لئے موضوع نہیں ہیں۔

۲۔ رکوع وسجود وتحیہ نماز حقیقی کی علامتیں ہیں۔ اور نماز جنازہ درحقیقت نماز بمعنی دعا ہے۔ اس لئے فرق وامتیاز قائم رہنے اور اس کی برابری نہ ہونے کے خیال سے شرع شریف نے رکوع وسجدہ وتحیہ مقرر نہیں کیا۔

۳۔ بعض بزرگوں نے لکھا ہے کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ میت کے سامنے ہونے کی وجہ سے اس نماز میں رکوع وسجود وتحیہ مقرر نہیں ہوا، مگر بعض علماء نے اس کو رد کر دیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اگر رکوع وسجود کو اس نماز کے ساتھ مناسبت ہوتی تو میت کو سامنے سے ہٹا کر یا کسی دوسرے مقام میں علیحدہ پڑھی جا سکتی تھی۔ پس ہمارے خیال میں سب سے بڑی وجہ یہی معلوم ہوتی ہے کہ اس نماز کو رکوع وسجود سے مناسبت نہ تھی، کیونکہ وہ حقیقی نماز کی علامتیں ہیں۔ اور نماز جنازہ دراصل نماز نہیں بلکہ صرف ایک دعاء ہے، اور نماز اور دعاء میں فرق رکھنا ضروری تھا۔ لہٰذا رکوع وسجود و تحیہ مشروع نہیں ہوا۔ اور اس دعاء کو نماز اس لئے کہا جاتا ہے کہ ایک حصہ نماز کا اس میں پایا جاتا ہے؛ یعنی باجماعت دست بستہ قیام کرنا اور تکبیرات کا پڑھنا وغیرہ۔ پس نماز کی صورت میں اس دعاء کا مقرر ہونا دوسری دعاؤں سے بھی اس کو ایک امتیازی اور نمایاں درجہ حاصل ہونے کا باعث ہے۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ دعا کا انتہائی مرتبہ ہے۔

نماز جنازہ غائب

۹۔ علمائے احناف کے نزدیک نماز جنازہ کے لئے میت کا وہاں موجود ہونا شرط ہے۔ اگر میت وہاں موجود نہ ہو تو نماز صحیح نہ ہوگی۔ جس کی وجہ یہ ہے کہ نماز جنازہ میں جتنے احکام مقرر ہیں ان سب کی میت کے سامنے ہونے سے مناسبت ہے، مثلاً اس کو خدائے پاک کے حضور میں عاجزانہ حیثیت میں آگے رکھ کر اس کے لئے مل کر سفارش کرنا وغیرہ۔ مگر حضرت امام احمد اور امام

شافعی رحمۃ اللہ علیہما کہتے ہیں کہ میت کا وہاں موجود ہونا شرط نہیں۔ مالکیہ حنفیہ کے ساتھ ہیں۔ اور جب شرع نے غائب میت کے لئے عام طور پر دعاء کرنے کو نافع تسلیم کیا ہے تو پھر اس کی کیا ضرورت ہے کہ نماز جنازہ ہی پڑھی جائے؟[1]

میت کو ظاہری آلائش سے پاک کرنے کی وجہ

۱۰۔ میت کا بدن اور کفن نجاست حقیقیہ اور حکمیہ سے پاک ہونا نماز جنازہ کیلئے اس

---

[1] شافعیہ اس مسئلہ میں ہمیشہ استدلالاً یہ پیش کرتے ہیں کہ خود حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نجاشی بادشاہ حبشہ کے مرنے کی خبر پا کر اس کی نماز جنازہ پڑھی۔ جب نجاشی کی میت تو حبشہ میں تھی اور جنازہ مدینہ طیبہ میں پڑھا گیا۔ تو معلوم ہوا کہ نماز جنازہ کے لئے میت کا سامنے ہونا شرط نہیں۔

حنفیہ اور مالکیہ اس کے جواب میں کہا کرتے ہیں کہ بیشک یہ حدیث شریف میں موجود ہے۔ مگر یہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا خاصہ تھا۔ اس پر دوسرے کو قیاس نہیں کر سکتے۔ جہاں تک غور کیا جاتا ہے حنفیہ اور مالکیہ کا مذہب اس مسئلہ میں قوی معلوم ہوتا ہے۔ ادنیٰ تأمل سے یہ مسئلہ بھی حل ہوسکتا ہے کہ اگر نماز ہر ایسے جنازے کے لئے عام طور پر جائز ہوتی جو وہاں موجود نہ ہو تو اکثر ایسے صحابہ تھے جن کا مدینہ منورہ سے باہر دور دراز علاقوں میں انتقال ہوا، مگر آپ نے کسی کا جنازہ غائب نہیں پڑھا۔ مثلاً قراء صحابہ میں حضرت خبیبؓ مکہ مکرمہ میں کفار کے ہاتھوں شہید ہوئے۔ اور حضرت جبرئیل نے آپ کے پاس حاضر ہو کر اس واقعہ کی اطلاع کی۔ آپ کو اس خبر کے سننے سے بے حد رنج ہوا۔ باوجودیکہ وہ سب قراء صحابہؓ جو اس موقع پر قتل کئے گئے آپ کو بہت محبوب تھے اور ان کی وفات سے آپ بہت متاثر ہوئے، مگر جنازہ غائب کی نماز نہیں پڑھی، جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یہ حضور انور کا خاصہ تھا۔

علامہ زیلعی نے نصب الرایہ میں عمران بن حصین سے ایک حدیث نقل کی ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ سے فرمایا کہ تمہارے بھائی نجاشی کا انتقال ہوگیا ہے۔ اٹھو ان پر نماز پڑھ لو۔ پس آپ ﷺ کھڑے ہوگئے۔ اور صحابہؓ بھی آپ ﷺ کے پیچھے صف باندھ کر کھڑے ہوئے۔ صحابہ کو معلوم ہوتا تھا کہ نجاشی کا جنازہ آپ ﷺ کے سامنے دکھائی دے رہا ہے۔ اس حدیث نے اس مسئلہ کو بالکل صاف کر دیا کہ نجاشی کا جنازہ آپ ﷺ کے سامنے حاضر کر دیا گیا تھا، حتیٰ کہ صحابہؓ نے بھی اس کو دیکھا۔ یہ حدیث صحیح ابن حبان سے امام زیلعی نے نقل کی ہے۔ یہ بھی ثابت ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدیون کے جنازے کی نماز نہیں پڑھتے تھے، یہ بھی آپ کا خاصہ تھا۔ پس جس طرح اس پر دوسرے کو قیاس کرنا درست نہیں اسی طرح نجاشی کے جنازے کا حال ہے۔ واللہ اعلم بالصواب (مؤلف)

واسطے شرط ہے کہ مردہ کے لئے خدائے رحیم کی طرف انابت اور رجوع کا وقت اس کو وضو و غسل دینے کے وقت سے شروع ہوتا ہے۔ اس لئے مسلمانوں پر لازم ٹھہرایا گیا کہ وہ اس کو ظاہری آلائشوں سے پاک وصاف کر کے خدائے کریم کے حضور میں پیش کر کے سفارش کریں کہ الٰہی ہم نے اس عاجز کو ظاہری نجاستوں سے پاک وصاف کر دیا ہے، اب تو اس کو باطنی نجاستوں سے پاک کر دے۔ ہم نے اس کے بدن کی آلائشوں کو دھو دیا ہے، تو اس کی روح کو گناہوں کے میل کچیل سے طاہر کر دے۔ کیونکہ وہ تیرے ہی قبضے اور اختیار کی چیز ہے۔

میت کے جسم کو چھپانا شرط نماز ہونیکی حکمت

۱۱۔ میت کے جسم عورت کا پوشیدہ ہونا نماز جنازہ کے صحیح ہونے کی شرط ہے۔ اگر میت بالکل برہنہ ہو تو اس کی نماز درست نہیں۔ اس میں یہ حکمت ہے کہ شرع اسلام میت کی عزت و حرمت کو چاہتی ہے، کیونکہ جب آدمی کی روح بدن کو چھوڑتی ہے' اس کی حس مشترک وغیرہ کو حس اور ادراک باقی رہتا ہے، اور جو خیالات اور علوم زندگی میں اس کے ساتھ تھے وہ مرنے کے بعد اس کے ہمراہ رہتے ہیں، اور ان ہی کی وجہ سے میت کو عذاب و ثواب ہوتا ہے۔ پس میت کے برہنہ ہونے میں علاوہ میت کی بے حرمتی کے میت کی روحانی اذیت کا باعث ہے۔ لہٰذا شرع اسلام نے اس تاکید سے میت کی اس روحانی اذیت اور اس کی بیحرمتی کا سد باب کیا ہے، جو ایک نہایت ضروری بات تھی۔

میت کا زمین پر رکھنا' کیوں نماز جنازہ کی شرط ہے؟

۱۲۔ میت کا یا اس چیز کا جس پر میت رکھی ہو' زمین پر رکھنا نماز جنازہ کی شرط ہے۔ اس میں یہ راز ہے کہ میت کا زمین پر رکھنا اس کی عاجزی کی دلیل ہے۔ چونکہ سب لوگ نماز جنازہ میں اس کی عاجزی اور درماندگی کو پیش کر کے اس کی مغفرت کی سفارش کرتے ہیں۔ لہٰذا شرع نے حکم دیا کہ میت کو زمین پر رکھ کر نماز پڑھی جائے، تاکہ نماز پڑھنے والوں کی سفارش اور میت کی حالت میں مطابقت پائی جائے۔

قضا نمازوں کا بیان

ا۔شرع اسلام گناہ کی معافی کے لئے کئی قسم کے قاعدے بتاتی ہے۔ جو ہر ایک گناہ کے حسب حال ہوتے ہیں، جن کو توبہ، قضا اور کفارہ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ نماز کا بلا عذر ترک کرنا بھی گناہ کبیرہ ہے جو صدق دل سے توبہ کئے بغیر معاف نہیں ہوتا۔ اگر کسی شخص کی نماز قضا ہو جائے تو اس کو وہ نماز قضا کر کے پڑھ لینا چاہئے۔فرض نماز کی قضا بھی فرض اور واجب کی نماز قضا واجب ہے، سنن وغیرہ یا اور کسی نفل کی نماز کے لئے قضا نہیں۔

قضا نماز کے پڑھنے کا وہی طریقہ ہے جو ادا نماز کا ہے۔ وقتی نماز اور قضا نماز میں اور ایسا ہی قضا نمازوں میں باہم ترتیب ضروری ہے۔ حیض و نفاس کی حالت میں جو نمازیں نہ پڑھی جائیں وہ معاف ہیں، ان کی قضا نہ کرنا چاہئے۔

حائضہ پر روزے کی ادا اور نماز کی عدم ادائیگی کا راز

۲۔علمائے محققین نے اس کے متعلق کئی وجہیں لکھیں ہیں: منجملہ ان کے ایک یہ وجہ ہے کہ حائضہ پر حالتِ حیض میں نماز فرض نہیں۔ اور جبکہ وہ حیض سے پاک ہوتی ہے تو اس پر پنجوقتہ ان ایام کی نماز فرض ہو جاتی ہے، حتیٰ کہ اگر حیض و نفاس سے اس کو ایسے وقت میں فراغت حاصل ہو کہ اس میں تحریمہ کی بھی گنجائش ہو تو اس وقت کی نماز کی قضا اس کو پڑھنا ہوگی۔ اب ظاہر ہے کہ قضا نمازوں کے ادا کرنے کے لئے اس کو فراغت نہیں مل سکتی۔ ان ایام طہر میں روزانہ نماز کی بزرگی اور فضیلت اس کو حاصل ہوتی ہے۔ روزہ چونکہ سال بھر کے بعد ایک خاص رمضان کے مہینہ میں آتا ہے۔ اگر وہ چھوٹ جائیں تو ان کے بدل اور تلافی کی کوئی صورت نہیں ہو سکتی۔ اس کو روزوں کی مصلحت اور ثواب سے محروم رہنا پڑتا ہے۔ لہٰذا شرع اسلام نے اس کو حکم دیا کہ وہ روزوں کو قضا کرلے اور نماز کو قضا نہ کرے۔

قضا کرنے کا راز

۳۔ قضا کرنے میں یہ راز ہے کہ ایک تو عمل بھی ادا ہو جاتا ہے اور ترک عمل سے جو سستی نفس میں پیدا ہونے کا خوف ہوتا ہے وہ جاتا رہتا ہے، بلکہ ایک قسم کی ندامت اور شرمندگی پیدا ہونے کی وجہ سے آئندہ کو محتاط اور ہوشیار رہنے کا مادہ پیدا ہو جاتا ہے۔

نمازوں میں سہو ہونے کا بیان

ا۔ نماز میں سہو ہونے کے متعلق فقہاء نے مسائل کی سینکڑوں صورتیں فقہ کی کتابوں میں لکھی ہیں، جن کا خلاصہ یہ ہے کہ نماز کے فرائض میں سے اگر کوئی چیز سہواً یا عمداً چھوٹ جائے تو نماز فاسد ہو جائے گی۔ اس کا کوئی تدارک نہیں ہوسکتا۔ نماز کے واجبات میں اگر کوئی چیز عمداً چھوڑ دی جائے تو اس کا بھی تدارک نہیں ہوسکتا، نماز مکروہ تحریمہ واجب الاعادہ ہو جاتی ہے۔ ہاں نماز کے واجبات میں اگر کوئی چیز سہواً چھوٹ جائے تو اس کا تدارک ہوسکتا ہے۔ سنن مؤکدہ میں سے اگر کوئی سنت چھوٹ جائے تو نماز مکروہ تحریمہ ضروری الاعادہ ہوگی۔ باقی نماز کے سنن غیر مؤکدہ اور مستحبات کے چھوٹنے سے نماز کا کچھ نہیں بگڑتا، نماز صحیح ہو جاتی ہے۔

سہو کے تدارک کا طریقہ

(۲) نماز میں جب کوئی واجب سہواً ترک ہو جائے تو اس کا تدارک اس طرح کیا جاتا ہے کہ قعدہ اخیرہ میں التحیات پڑھنے کے بعد داہنی طرف ایک مرتبہ سلام پھیر کر دو سجدے کئے جائیں اور بعد سجدوں کے پھر قعدہ کیا جائے اور التحیات اور درود شریف اور دعا بدستور معمول پڑھ کر سلام پھیرا جائے، ان سجدوں کو سجدۂ سہو کہتے ہیں۔ (علم الفقہ۔ شامی وغیرہ)

سجدہ سہو کا راز

(۳) جس طرح بعض اعمال میں قصور ہو جانے سے اس کا تدارک قضا و کفارہ سے ہونا مشروع ہوا ہے۔ اسی طرح نماز کے اندر قصور ہو جانے سے اسی کمی کو پورا کرنے کے لئے یہ دو

سجدے مقرر ہوئے ہیں۔

(۲) نماز میں سہو ہونے میں نفس اور شیطان کی شرکت ہوتی ہے۔شیطان یہ چاہتا ہے کہ نماز میں بھول ڈال کر غافل کردے۔ شیطان کی سرزنش کے لئے یہ دونوں سجدے مقرر کئے گئے۔ کیونکہ شیطان سجدے ہی نہ کرنے کی وجہ سے راندۂ درگاہ ہوا۔نمازی کو دو سجدوں کا ثواب بھی مل جاتا ہے اور نماز بھی کامل ہوجاتی ہے۔

تلاوت کے سجدہ کا بیان

۱۔قرآن کریم کے بعض مقامات میں اس قسم کے مضامین بیان ہوئے ہیں کہ جن میں خدائے پاک کو یا تو سجدہ کرنے کا حکم دیا ہے، یا سجدہ کرنے والوں کی مدح یا علامت بیان ہوئی ہے وہاں پر تلاوت کرنے والا جب پہنچے یا کسی سے سنے تو اس پر سجدہ واجب ہوجاتا ہے، اور ایسے مقام قرآن کریم میں چودہ ہیں۔ اور جس آیت میں سجدہ کا حکم ہے اس پوری آیت کے پڑھنے یا صرف اس لفظ کی (جس میں سجدہ ہے) تلاوت کرنے سے سجدہ واجب ہوجاتا ہے۔

سجدۂ تلاوت کا راز

۲۔ سجدۂ تلاوت میں یہ راز ہے کہ اس میں ایک تو ایمان اور اسلام کا اظہار اور کلام الٰہی کی تعظیم مقصود ہے۔ دوسرا مومن کی اطاعت اور فرمانبرداری کی دلیل ہے کہ وہ جہاں سجدے کا امر یا اشارہ پاتا ہے جھٹ اپنے سر کو سجدہ میں رکھ دیتا ہے۔تیسرا شیطان کو اپنے سے دور کرنے اور قرب الٰہی میں پہنچنے کے ساتھ ہی مسارعت الی الخیر کے قصد سے یہ سجدۂ تلاوت مشروع ہوا ہے۔

۳۔حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سجدہ کی وجہ ان الفاظ میں ادا فرمائی:

اذاقرأ ابن اٰدم السجدة فسجد اعتزل الشيطان يبكى يقول يٰويلتٰى امر ابن اٰدم بالسجود فسجد فله الجنة و امرت بالسجود فابيت فلى النار. (مسلم شریف)

''جب کوئی شخص سجدہ کی آیت پڑھ کر سجدہ کرتا ہے تو شیطان اس سے دور بھاگ جاتا

ہے اور رو رو کر کہتا ہے کہ ہائے افسوس ابن آدم کو سجدہ کرنے کا امر ہوا، وہ تو سجدہ کر کے بہشت کا وارث بن گیا۔ مجھے بھی سجدے کا حکم ہوا، مگر میں نافرمانی کر کے دوزخ کا حقدار ہو گیا"۔

سجدۂ شکر کا بیان

ا۔ یہ سجدہ اس وقت مستحب ہے جس کسی اللہ کے بندے کو خدائے منعم و محسن حقیقی کی طرف سے کوئی بڑی نعمت فائض ہو۔ یہ سجدہ بھی حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدینؓ سے منقول ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ منعم اور محسن کا شکریہ ادا کرنا موجب ترقی وزیادتی نعمت کا سبب ہوتا ہے، اور سجدہ سب آداب کا انتہائی درجہ ہے۔ ہم بھی خدائے ارحم الراحمین کی اس بڑی نعمت کے شکریہ میں کہ اِس کتاب کو ہمارے ہاتھ سے پورا کرادیا' سجدۂ شکر بجالاتے ہوئے اس کتاب کو ختم کرتے ہیں۔

والسلام علیٰ من اتبع الھدیٰ وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ
رسولہٖ خیر خلقہ سیدنا ومولانا محمد وعلیٰ
الہ واصحابہ اجمعین برحمتک
یا ارحم الراحمین .

.... ☆ ....

حمایت الصلوٰۃ

حصہ دوم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ نصلی علی رسولہ الکریم

ضروری تمہید

خدائے قدوس کے فضل وکرم سے پہلا حصہ اسرار الصلوٰۃ ختم ہو جانے کے بعد خیال آیا۔ کہ نماز کے مسائل اور اس کے ارکان، فرائض، واجبات، سنن، مستحبات وغیرہ کے اسرار بیان کر دینے کے بعد اب اس کی ضرورت ہے کہ ایک حصہ خاص طور پر نماز کے فوائد، نماز ن فضیلت اور تاکیدٗ نماز کی حقیقت اور اصلیت، نماز کی وجہ تسمیہ، نماز کی فرضیت کے وجوہات، ترک نماز کی وعید، اسلام میں عبادت کا مفہوم، نماز کی علّت غائی، نماز کی غرض وغایت، نماز کے ارکان وشرائط کے باطنی اسرار، نماز کی روح، نماز کے اغراض، نماز کی زندگی، نماز کی زندگی کو پورا کرنے والے باطنی امور، سلف صالحین کی نماز، نماز گناہوں سے کیونکر پاک کرتی ہےٗ وغیرہ وغیرہ ضروری اور مفید مسائل کو مفصل اور واضح طور پر بیان کیا جائے۔ کیونکہ جب تک ان مضامین سے واقفیت نہ ہوٗ نماز میں مزہ اور حظ نہیں مل سکتا، اور نہ نماز کامل ہو سکتی ہے۔

قرآن کریم اور احادیث میں نماز کو سنوار کر اور سمجھ کر اور اس کی حقیقت کو ملحوظ رکھ کر پڑھنے کی سخت تاکید کی گئی ہے۔ طوطے کی طرح بلا سوچے سمجھے الفاظ رٹتے رہنا اور حقیقت نماز سے بے خبر ہونا کچھ مکمل مفید نہیں، اور نہ ہی خدائے ذوالجلال والاکرام اور اس کے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا منشاء ہے۔ بلکہ سمجھ سوچ کر نہ پڑھنے والوں کی نماز حقیقی نماز ہی نہیں ہوتی۔ اور

نہ اس کو قبولیت کا درجہ عطا کیا جاتا ہے۔ کیونکہ صلوٰۃ اس تعظیم اور عبادت کا نام ہے جو زبان' دل اور اعضاء کے اتفاق سے ادا کی جائے۔ جب ایک منافق کی نماز جو کہ ریا اور دکھلاوے کی غرض سے ادا کی گئی ہؤاس لئے نماز نہیں ہوسکتی کہ وہ زبان اور دل کی موافقت سے ادا نہیں کی جاتی تو ایسے نمازیوں کی نماز کب حقیقی نماز کہلاسکتی ہے کہ جو بلاسوچے سمجھے زبان اور دل کے اتفاق کے بغیر ادا کرتے ہیں۔ اور اس کی حقیقت و کیفیت سے محض ناواقف ہوتے ہیں۔ یہی سبب ہے کہ نماز کے لئے اس کے معانی و مطالب' اس کے حقائق و اسرار پر نگاہ رکھنی ضروری ہے۔ اور اس واسطے ہر مسلمان کو لازم ہے کہ نماز کے ان ضروری مسائل سے واقف ہونے کی دل و جان سے کوشش کرے۔ متوالوں کو جو حالت نشہ میں ہوں' مسجد میں آنے سے منع کیا گیا ہے۔ اس کی وجہ بھی یہی ہے کہ متوالا جب بلاسوچے سمجھے کچھ نماز کے ارکان ادا کرے گا تو اس کو اس سے سوائے نماز کی توہین کے اور کیا فائدہ ہوگا۔

مختصر یہ کہ خدائے قدوس کے کلام مقدس قرآن مجید اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول و فعل میں غور کرنے سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ نمازی کے واسطے نماز کے مطالب اچھی طرح سے ذہن نشین ہونے لازمی رکھے گئے ہیں۔ جب تک نمازی ان کو اچھی طرح سے سمجھ سوچ کر اپنی نماز ادا نہیں کرتا' نماز کے حقیقی اثرات سے متمتع[1] نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ عبادت کے مقرر ہونے سے غرض یہ ہے کہ خدائے غنی مطلق و معبود برحق جو مخلوق کی عبادت سے بکلی[2] بے نیاز ہے' راضی ہوجائے اور اس کے فیوض رحمت اترنے شروع ہوجائیں جن سے اندرونی آلائشیں دور ہو کر صحن سینہ یقین اور معرفت سے پُر ہوجائے۔ اور یہ جب ہی ہوسکتا ہے' جب بندے کی عبادت مقبول بارگاہ خداوندی ہونے کے قابل ہو۔

نماز ایک تعظیم ہے۔ جس کا تعلق بدن سے ہے۔ بدن کا بڑا حصہ دل اور دماغ ہیں، چونکہ زبان نماز کے الفاظ ادا کرنے میں' اور دماغ اس کے معانی و مطالب میں غور کر کے توجہ الی

---

[1] متمتع = مُستفید، لطف اندوز۔

[2] بہ کُلی = بالکل، مکمل۔

اللہ کرنے' میں اور ظاہری اعضاء ہاتھ پاؤں وغیرہ ظاہری حرکات تعظیم ادا کرنے میں شریک ہوتے ہیں۔ اوران سب کے مجموعہ کا نام بدن یا جسم ہے، اسی وجہ سے بدنی عبادت کا نام صلوٰۃ رکھا گیا ہے۔

پس جس نماز میں دل کہیں ہے اور خیال کسی اور طرف ہے' انسان کی زبان کچھ کہتی ہے اور اعضاء و جوارح کچھ اور حرکاتِ مخالف کر رہے ہیں' وہ نماز نہیں بلکہ ایک لعنت ہے۔ جو نماز پڑھنے والے کے منہ پر ماری جاتی ہے اور قبول نہیں ہوتی۔ ارکان نماز دراصل روحانی نشست و برخاست کے لئے مقرر ہیں۔ نماز میں بندے کو خدائے پاک کے روبرو کھڑا ہونا پڑتا ہے۔ لہٰذا قلب انسانی میں اپنے مولا کیلئے خشوع و خضوع کا ہونا اور اس کی طرف توجہ کا بطور تعظیم و رغبت اور خوف کے ہونا سب سے بڑا ضروری رکن نماز ہے۔

نماز میں اصلی امور تین ہیں: ایک خدائے پاک کی بزرگی اور جلال دیکھ کر دل کی عاجزی کو ظاہر کرنا۔ دوسرا اس کی عظمت اور اپنی خاکساری کو جوش بیانی سے ادا کرنا۔ تیسرا اس خاکساری کی حالت کے موافق اعضاء میں آداب کا استعمال کرنا۔ پس نماز میں دل و دماغ خدائے پاک کی بزرگی اور اس کی عظمت کا جوش پیدا کرتے ہیں۔ زبان کلمات تعریف و ستائش ادا کرتی ہے۔ تمام اعضاء اور جوارح ظاہری ادب و تعظیم کا اظہار کرتے ہیں اور روح ان سب سے متاثر ہو کر پورے حضور سے جناب باری میں الحاح و التجا' استدعاء و دعا میں مصروف ہو جاتی ہے، اور یہی حقیقت نماز ہے۔

یہی نماز انسان کو گناہوں سے روکنے اور پاک کرنے والی ہے، کیونکہ اس سے خدائے پاک پر یقین کامل حاصل ہوتا ہے۔ اور جب واقعی طور پر اس آفتاب کی طرح جو اس وقت دنیا پر چمکتا ہے' خدائے پاک کی برتر ہستی پر انسان کو یقین پیدا ہو جائے اور بندہ خدا کو گویا دیکھ لے تو یقیناً اس کی سفلی زندگی پر موت وارد ہو جاتی ہے اور اس کے بجائے ایک آسمانی زندگی پیدا ہو جاتی ہے۔ جس کی وجہ سے انسان کے گناہوں کی ساری قوتوں اور طاقتوں پر موت وارد ہو جاتی ہے۔ دیکھو اگر کوئی شخص کھڑا ہو اور اس کا اسباب متفرق طور پر پڑا ہوا ہو تو کوئی شخص یہ کبھی جرأت نہیں

کرے گا کہ اس اسباب کا کوئی حصہ چرالے؛ خواہ چوری کے کیسے ہی اسباب پیدا و محرک ہوں۔

یہی حالت نماز سے پیدا ہوتی ہے، جو سیئات کو بھسم کرتی اور جلاتی ہے اور اپنی جگہ ایک اور نور و چمک چھوڑ دیتی ہے، جو سالک کو راستہ کے خطرات اور مشکلات کے وقت ایک منور شمع کا کام دیتی ہے، اور ہر قسم کے خس و خاشاک اور ٹھوکر کے پتھروں سے جو اس کی راہ میں ہوتے ہیں' آگاہ کر کے بچاتی ہے۔ اور یہی وہ پاک کیفیت ہے' جس پر ان الصلوٰۃ تنھٰی عن الفحشآء و المنکر کا اطلاق ہوسکتا ہے، کیونکہ اس کے ہاتھ میں بلکہ اس کے شمعدان دل میں ایک روشن چراغ رکھا ہوا ہوتا ہے۔ اور یہ درجہ کامل تذلل اور کامل نیستی اور فروتنی اور سچی اور پوری اطاعت سے حاصل ہوتا ہے۔ پھر گناہ کا خیال اسے کیونکر ہوسکتا ہے۔ فحشاء کی طرف اس کی نظر اٹھ ہی نہیں سکتی۔

آج کل اکثر لوگ نماز کے لئے وضو بھی کرتے ہیں، اور مساجد میں بھی جاتے ہیں، نماز بھی پڑھتے ہیں، لیکن یہ سب کام نمائشی ہوتے ہیں۔ ان کی یہ نمازیں خدائے پاک کے حضور میں کوئی قیمت نہیں رکھتیں۔ یاد رکھو اور خوب یاد رکھو۔ مساجد کی آبادی اس وقت تک کوئی چیز نہیں جت تک دل محبت الٰہی سے معمور نہ ہوں، زبان پر خدائے معبود کا ذکر کوئی قدر نہیں رکھتا جب تک دل میں اس کی ہیبت و خشیت' اس کی الفت و محبت موجود نہ ہو۔ کیونکہ وہ ظاہر کو نہیں بلکہ دلوں کو دیکھتا ہے، اس کے حضور میں وہ عبادات کچھ حیثیت نہیں رکھتیں جن میں خلوص نہیں۔

یہی وجہ ہے کہ باوجود عبادت کے دل صاف نہیں ہوتے۔ اور وہ تقویٰ اور حفاظت عن الذنوب حاصل نہیں ہوتی' جس کا عابدین کے لئے وعدہ دیا گیا ہے، پس نماز کے ساتھ دلی تعلق و انسیت اس وقت تک حاصل نہیں ہوسکتی' جب تک نماز کی حقیقت سے بخوبی واقفیت نہ ہو۔ اس لئے اس دوسرے حصہ حقیقۃُ الصَّلوٰۃ میں صرف نماز کی حقیقت اور باطنی امور کے تمام ضروری پہلوؤں کو بیان کیا گیا ہے۔ خدائے پاک اس حصہ کو بھی قبولیت عامہ کا شرف بخشے۔ اور سعید الفطرت روحوں کو اس سے فائدہ اٹھانے کی توفیق عطا فرما کر سچے اور کامل نمازی بنائے۔ فقط۔

والسلام علی من اتّبع الھدیٰ

. . . .

حقیقۃ الصلوٰۃ

یعنی

نماز کی حقیقت

............(خدا کی یاد)............

نماز اسلام کا رکن اعظم ہے

نماز اسلام کا رکن اعظم ہے۔ بلکہ اگر یوں کہا جائے کہ اسلام کا دارومدار اسی پر ہے تب بھی بالکل مبالغہ نہیں۔ نماز ایک ایسی پسندیدہ عبادت ہے کہ جس سے کسی نبی کی شریعت خالی نہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام سے لیکر حضرت خاتم النبیین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک تمام رسولوں کی امتوں پر نماز فرض تھی۔ ہاں اس کی کیفیت اور تعینات میں البتہ تغیر ہوتا رہا۔

خدا کی یاد سب مذاہب میں رکن اعظم ہے

خدائے قدوس کی یاد دنیا کے سب مذہبوں میں رکن اعظم ہے، اس سے کسی فرد بشر کو جو مذہب کو کوئی چیز سمجھتا ہے انکار نہیں ہے۔ انسان ہونے کی حیثیت سے ہر ایک سمجھدار بندے کا فرض ہے کہ وہ اپنے پیدا کرنے والے خالق و محسن کے حضور میں عجز و انکسار کے ساتھ اس کے احکام اور اس کے مقرر کردہ قوانین کے سچے اور نتیجہ خیز امور پر بھی غور کرے۔ جن سے نہ صرف دینی یا دنیوی بلکہ تمام مشکلات زندگی کے عقدے حل ہوتے چلے جاتے ہیں۔ اگرچہ مختلف الطبائع انسان اپنی کوتہ فہمی یا پست ہمتی سے مختلف طور کے مدعا اپنی زندگی کیلئے ٹھہراتے ہیں۔ اور فقط دنیا کے مقاصد اور آرزوؤں تک چل کر آگے ٹھہر جاتے ہیں۔ مگر وہ مدعا جو خدائے قدوس

اپنے پاک کلام میں بیان فرماتا ہے۔ یہ ہے کہ حضرت انسان عبادت الٰہی کے لئے پیدا ہوا ہے۔

﴿وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون﴾ ﴿الذاریات:۵۶﴾

''میں نے جن اور انسان کو اس لئے پیدا کیا ہے کہ وہ مجھے پہچانیں اور میری پرستش کریں''

اس الٰہی ارشاد سے انسان کی زندگی کا اصلی مدعا یاد الٰہی یعنے خدا کی یاد، خدا کی معرفت اور خدا کے لئے ہو جانا ثابت ہوتا ہے۔

انسان کی زندگی کا اصل مدعا

یہ تو ظاہر ہے کہ انسان نہ اپنی مرضی سے آتا ہے اور نہ اپنی مرضی سے واپس جائے گا، بلکہ وہ ایک مخلوق ہے، اور جس نے اسے پیدا کیا اور تمام حیوانات کی نسبت عمدہ اور اعلیٰ قویٰ اس کو عنایت کئے' اس نے اس کی زندگی کا ایک مدعا ٹھہرا رکھا ہے۔ خواہ کوئی انسان اس مدعا کو سمجھے یا نہ سمجھے۔ مگر انسان کی پیدائش کا مدعا بلاشبہ خدا کی پرستش اور خدا کی معرفت اور خدا میں فانی ہو جانا ہی ہے۔

انسان آخر کہیں سے آیا ہے اور پھر اس کو کہیں جانا ہے۔ دنیا کے چند روزہ قیام میں اپنے اصلی وطن کو بھلا دینا کسی حالت میں اچھا نہیں۔ اس اصلی وطن کا حال تو جب تک انسان دنیا میں ہے مشکل سے معلوم ہو سکتا ہے۔ لیکن ہر مذہب میں مانا گیا ہے کہ لانے والا خدا ہے۔ اور اس لئے خدا کی یاد اور اس کا دھیان رکھنا گویا اُس رسی کو تھامے رکھنا ہے جو اس عالم میں ہم کو لائی ہے، اور جس کے ذریعہ سے ہم کو پھر یہاں سے جانا ہے۔ انسان کے ہمراہ نفس امارہ کی بلا ایسی بے ڈھب ہے کہ انسان سے زیادہ تر کمزور کوئی چیز دنیا کی نہیں ہے۔ ذرا چوکا اور گیا۔ اگر کوئی چیز اس کے بچانے والی یا جادۂ مستقیم پر اس کو قائم رکھنے والی ہے تو وہ خدا کی یاد ہے۔

خدا کی یاد اور موت کا دھیان

خدا کی یاد حیات اور موت کی یاد سے گویا وابستہ ہے۔ خدا کا دھیان بغیر موت کے دھیان کے نہیں آ سکتا۔ اور نہ موت کا دھیان بغیر خدا کے دھیان کے آ سکتا ہے۔ موت نہایت

لابدّی چیز ہے۔ لیکن ہر شخص جب تک زندہ ہے وہ سمجھتا ہے کہ گویا کہ اس کو مرنا نہیں ہے۔ موت جیسی لابدّی اور بدیہی چیز سے انسان ایسا ذی عقل ہو کر غافل ہے تو یہی بڑا ثبوت انسان کی کمزوری کا ہے۔ یقیناً سمجھو کہ ہر شخص اپنے اندازہ کے موافق عمر کا ایک حصہ کھو چکا ہے۔ بڑی عمر ہو گئی ہے تب بھی تھوڑے دن باقی ہیں۔ اور تھوڑی ہے تب بھی تھوڑے ہی باقی ہیں۔ کیونکہ گذرنے والے زمانے کو ہمیشہ تھوڑا ہی خیال کیا جاتا ہے۔ پس یاد رکھو! انسان جو اس مسافر خانے میں آتا ہے' اس کی خلقت کی اصلی غرض یہی ہے کہ وہ اپنے رب کو پہچانے اور اس کی فرمان برداری اور اس کی یاد کرے۔

غیر یادش جملہ نادانی بود

مگر افسوس کی بات ہے کہ اکثر لوگ جو دنیا میں آتے ہیں' بالغ ہونے کے بعد..... بجائے اس کے کہ اپنے فرض کو سمجھیں، اور اپنی زندگی کی غرض و غایت کو مدنظر رکھیں..... وہ خدائے قدوس کو چھوڑ کر دنیا کی طرف مائل ہو جاتے ہیں۔ اور دنیا کا مال اور زر اور اس کی عزتوں کے ایسے دلدادہ ہو جاتے ہیں کہ خدائے قدوس کا حصہ بہت ہی تھوڑا رہ جاتا ہے۔ اور بہت لوگوں کے دلوں میں تو ہوتا ہی نہیں، وہ دنیا ہی میں منہمک اور فنا ہو جاتے ہیں۔ انہیں خبر بھی نہیں ہوتی کہ خدا بھی کوئی ہے۔ ہاں اس وقت پتہ لگتا ہے کہ جب قابض ارواح آ کر جان نکال لیتا ہے۔ پس مبارک ہیں وہ لوگ جو مرنے کے وقت سے پہلے اپنے خالق و مالک حقیقی سے صلح کر کے اس کی یاد میں مصروف ہو جاتے ہیں۔

انسان کی پیدائش کی غایت خدا کی محبت

حضرت انسان کو جو کچھ اندرونی اور بیرونی اعضاء دیئے گئے' یا جو کچھ قوتیں عنایت ہوئی ہیں' اصل مقصود ان سے خدا کی معرفت اور خدا کی پرستش اور خدا کی محبت ہے۔ اسی وجہ سے انسان دنیا میں ہزاروں شغلوں کو اختیار کر کے پھر بھی بجز خدا کی ذات کے اپنی سچی خوشحالی کسی میں نہیں پاتا، بڑا دولتمند ہو کر، بڑا عہدہ پا کر، بڑا تاجر بن کر، بڑی بادشاہی پر پہنچ کر، بڑا فلاسفر

کہلا کر۔ آخر ان دنیوی گرفتاریوں سے بڑی حسرت کے ساتھ جاتا ہے، اور اس کا دل ہمیشہ دنیا کے استغراق سے اس کو ملزم کرتا رہتا ہے، اور اس کے مکروں اور فریبوں اور ناجائز کاموں میں کبھی اس کا ضمیر (کانشنس/ Consience) اس سے اتفاق نہیں کرتا۔ ایک دانا انسان اپنی خلقت کی غرض پر جب ذرا غور کرے تو اسے معلوم ہوسکتا ہے کہ اس کی زندگی کا اصل مدعا یہی ہے کہ خدائے بزرگ و برتر کی محبت اور اس کی یاد میں ایسا گداز اور محو ہو جائے کہ اس کا اپنا کچھ بھی نہ رہے۔ سب خدا کا ہو جائے تاکہ خدا کی طرف اس کے دل کی کھڑکی کھل جائے۔

عہد اَلَسْتُ:

خدائے قدوس نے اپنی مقدس کتاب میں اپنی ہستی پر ایک دلیل یہ پیش کی ہے کہ

﴿وَ إِذْ اخذ ربک من بنی ادم من ظهورهم ذريتهم و اشهدهم على انفسهم الست بربكم قالوا بلى شهدنا ان تقولوا يوم القيمة انا كنا عن هذا غفلين﴾ (الأعراف:۱۷۲)

”جس وقت تیرے رب نے آدم کے بیٹوں کی پیٹھ سے اولاد نکالی، اور ان سے اقرار ان کی جان پر کروایا، کہ کیا نہیں ہوں میں رب تمہارا؟ بولے البتہ (بیشک) تو ہمارا رب ہے، ہم قائل ہیں۔ یہ اقرار کیوں لیا؟ (اس لئے) کہ کبھی قیامت کے دن یہ نہ کہو کہ ہم کو اس کی خبر نہ تھی“۔

اس آیۃ شریفہ میں خدائے قدوس نے اصلی یا قصہ کے رنگ میں روحوں کی اس خاصیت کو بیان فرمایا ہے، جو ان کی فطرت میں اس نے رکھی ہوئی ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ کوئی روح فطرت کی رو سے خدائے قدوس کا انکار نہیں کر سکتی اور اس کی ربوبیت کے دائرہ سے باہر ہونے کا دعویٰ نہیں کر سکتی۔ صرف منکروں کو دلیل نہ ملنے کی وجہ سے انکار ہے۔ مگر باوجود اس انکار کے وہ اس بات کو مانتے ہیں کہ ہر ایک حادث کے واسطے ضرور ایک محدث ہے۔ اسی لئے کہا گیا ہے (حالی)۔

حلقہ ہے ہر اک گوش میں لٹکا تیرا کانٹا ہے ہر ایک جگر میں اٹکا تیرا
مانا نہیں جس نے تجھے جانا ہے ضرور بھٹکے ہوئے دل میں بھی ہے کھٹکا تیرا

جب ایسا کوئی نادان نہیں کہ اگر مثلاً بدن میں کوئی بیماری ظاہر ہو تو وہ اس بات پر اصرار کرے کہ در پردہ اس بیماری کے ظہور کی کوئی علت نہیں۔ تو اس آیۃ کا صاف مطلب یہ ہے کہ انکار وجود باری صرف سفلی زندگی تک ہے۔ ورنہ اصل فطرت میں اقرار بھرا ہوا ہے اور ہر ایک کی فطرت اس کی تلاش اور اعتراف کے لئے بیقرار ہے۔

پس منجملہ انسان کی طبعی حالتوں کے جو اس کی فطرت کو لازم پڑی ہوئی ہیں' ایک اُس برتر ہستی کی تلاش ہے جس کے لئے اندر ہی اندر انسان کے دل میں ایک کشش موجود ہے اور اس تلاش کا اثر اسی وقت سے محسوس ہونے لگتا ہے جب کہ بچہ ماں کے رحم سے باہر آتا ہے۔ کیونکہ بچہ پیدا ہوتے ہی پہلے روحانی خاصیت اپنی جو دکھاتا ہے وہ یہی ہے کہ ماں کی طرف جھکا جاتا ہے، اور طبعاً اپنی ماں کی محبت رکھتا ہے۔ اور پھر جیسے جیسے اس کے حواس کھلتے جاتے ہیں اور اس کا شگوفہ فطرت کھلتا جاتا ہے' یہ کشش و محبت جو اس کے اندر چھپی ہوئی تھی' اپنا رنگ و روپ نمایاں طور پر دکھاتی چلی جاتی ہے۔ پھر تو یہ ہوتا ہے کہ بجز اپنی ماں کی گود کے کسی جگہ آرام نہیں پاتا۔ اور پورا آرام اس کا اسی کے کنار عاطفت میں ہوتا ہے۔ اور اگر ماں سے علیحدہ کر دیا جائے اور دور ڈال دیا جائے تو تمام عیش اس کا تلخ ہو جاتا ہے۔ اور اگرچہ اس کے آگے نعمتوں کا ایک ڈھیر ڈال دیا جائے تو تب بھی وہ اپنی سچی خوشی اور خوشحالی ماں کی گود میں ہی دیکھتا ہے۔ اور اس کے بغیر کسی طرح آرام نہیں پاتا۔

او نداند کہ جز اودیار ہست ہم از و مخمور وہم از اوست مست

سو وہ کشش محبت جو اس کو اپنی ماں کی طرف ہے وہ کیا چیز ہے؟ درحقیقت یہ وہی کشش ہے جو معبود حقیقی کے لئے بچہ کی فطرت میں رکھی گئی ہے، بلکہ ہر ایک جگہ جو انسان تعلقِ محبت پیدا کرتا ہے' درحقیقت وہی کشش کام کر رہی ہے، اور ہر ایک جگہ جو یہ عاشقانہ جوش دکھلاتا ہے درحقیقت اسی محبت کا وہ ایک عکس ہے۔ گویا دوسری چیزوں کو اُٹھا اُٹھا کر ایک گم شدہ چیز کو تلاش کرتا ہے جس کا اب نام بھول گیا ہے۔

سو انسان کا مال یا اولاد یا بیوی سے محبت کرنا یا کسی خوش آواز گیت کی طرف اس کی روح کا کھنچ جانا درحقیقت اس گم شدہ محبوب ومعبود کی تلاش ہے۔ اور چونکہ انسان اس دقیق در دقیق ہستی کو جو آگ کی طرح ہر ایک میں مخفی اور سب پر پوشیدہ ہے' اپنی جسمانی آنکھوں سے دیکھ نہیں سکتا، اور نہ اپنی ناتمام عقل سے اس کو پا سکتا ہے، اس لئے اس کی معرفت کے بارے میں انسان کو بڑی بڑی غلطیاں لگی ہوئیں ہیں۔ اور سہوکاریوں سے اس کا حق دوسرے کو دیا گیا ہے۔

مخلوق پرستی کی مثال

خدائے قدوس کی مقدس کتاب (قرآن حکیم) نے اس کی یہ خوب مثال دی ہے کہ دنیا ایک ایسے شیش محل کی طرح ہے جس کی زمین کا فرش نہایت مصفا شیشوں سے کیا گیا، اور پھر ان شیشوں کے نیچے پانی چھوڑا گیا جو نہایت تیزی سے چل رہا ہے۔ اب ہر ایک نظر جو شیشہ پر پڑتی ہے وہ اپنی غلطی سے ان شیشوں کو ہی پانی سمجھ لیتی ہے، اور پھر انسان ان شیشوں پر چلنے سے ایسا ڈرتا ہے جیسا کہ پانی سے ڈرنا چاہیے، حالانکہ وہ درحقیقت صاف شیشے ہیں۔ مگر صاف اور شفاف۔ سو یہ بڑے بڑے اجرام جو نظر آتے ہیں جیسے آفتاب و ماہتاب وغیرہ یہ وہی صاف شیشے ہیں جن کی غلطی سے پرستش کی گئی اور ان کے نیچے ایک اعلیٰ طاقت کام کر رہی ہے، جو ان شیشوں کے پردہ میں پانی کی طرح بڑی تیزی سے چل رہی ہے۔ اور مخلوق پرستوں کی نظر کی یہ غلطی ہے کہ انہی شیشوں کی طرف اس کام کو منسوب کر رہے ہیں، جو ان کے نیچے کی طاقت دکھلا رہی ہے۔

انسان کی زندگی کی ایک اور غرض

حضرت انسان کا اس دار فنا میں چند روز بطور مہمان رہ کر تشریف لے جانا ایک زبردست بھید ہے، جس کا اصلی مفہوم اور سچی غرض انسان کے لئے زندگی میں خدا کی دی ہوئی دولتوں اور

نعمتوں کی قدر شناسی کے ساتھ محبت کرنا اور مصیبت و مشقت کی تکلیفوں کو خوشگواری اور صبر و تحمل کے ساتھ برداشت کرنا اور الدنیا[1] مزرعة الاخرة کو مدنظر رکھ کر دینی اور دنیوی بہبودیوں کا حاصل کرنا ہے، جن لوگوں نے اس قابل عمل نکتہ سے آگاہی پائی' اُنھوں نے ہی اس کے اصلی معنی سمجھ کر زندگی کی قدر کی ہے، اور قدرت کی دی ہوئی دولتوں اور نعمتوں کو قانون الٰہی کے موافق استعمال کیا ہے، منٹ منٹ کو غنیمت جانا ہے۔ اُنھوں نے اس فانی زندگی کے چند روزہ زمانہ میں بہت کچھ کر کے دکھلایا ہے۔ حقیقت میں جن لوگوں نے زندگی کے گرانمایہ اوقات کی حق شناسی، راستی اور محسن کی یاد، اور سلامت روی کی سیدھی راہ پکڑ کر' ہمیشہ محنت اور مشقت سے قوانین الٰہی کی پیروی اور اپنے مولا کریم کی یاد میں گذارا ہے' وہی انسان انسان کہلائے جانے کے حقدار ہیں۔

آدمیت جز رضائے دوست نیست

بخلاف اس کے' دنیا میں جس قدر کسی متوہم مزاج شخص نے اپنی عجائب خیالی سے دنیا میں آرام و آسائش اور مولا کریم کی یاد سے تغافل کیا، اور اس مضمون شعر کو اپنا ورد زبان بنایا۔ کہ

اب تو آرام سے گذرتی ہے عاقبت کی خبر خدا جانے

ایسے لوگوں نے دنیا میں آنے سے کچھ فائدہ حاصل نہیں کیا، بلکہ ابناء زمانہ پر ایک بڑا خوفناک اثر پیدا کیا ہے۔ خدا کے نیک نفس، پاکیزہ سیرت، عالی خیال لوگ ہمیشہ سے اپنی مساعی جمیلہ اور مبارک محنتوں کے نتائج کے سبب بعد رحلت بھی اسی طرح زندہ اور موجود معلوم ہوتے ہیں۔ بڑے بڑے اولوالعزم سلطان کے مزاروں کو مایۂ ناز سمجھتے ہیں۔ ان کی پاک روحیں ابدی مسرت کے پُرلطف میدانوں پر آزادی اور انبساط کے مزے لے رہی ہیں۔ ان کی نمایاں کارروائیاں زندہ مثالیں' اور ان کے محاسن و مساعی کی مجسم اور جیتی جاگتی تصویریں ہیں، جو مخلوق اور جہان کی چشم تصور سے کبھی اوجھل نہیں ہو سکتیں۔

ثبت است برجریدۂ عالم دوام ما

(دنیا کے صفحہء تاریخ پر ہمارا نام ہمیشہ روشن رہے گا)

---

[1] دنیا آخرت کی کھیتی ہے۔ (حدیث) مؤلف

خدا کی یاد فتوحات کی کلید ہے

خدائے رحیم وکریم کی یاد ساری کامیابیوں کی جڑ اور اصلی راز ہے۔ اور سب نصرتوں اور فتح مندیوں کی کلید ہے۔ اسلام پاک انسان کو بے دست و پا دوسروں کے لئے بوجھ بنانا نہیں چاہتا۔ عبادت کے لئے اوقات رکھے ہیں، جب ان سے فارغ ہو جائے پھر اپنے کاروبار میں مصروف ہو۔ ہاں یہ ضروری ہے کہ ان کاروبار میں مصروف ہو کر یادالٰہی کو نہ چھوڑے۔ بلکہ

دست بکار و دل بہ یار

(ہاتھ کام میں رہے، لیکن دِل یار (اللہ) کے ساتھ رہے)

رہے، اور اس کا طریق یہی ہے کہ ہر وقت خدائے پاک کی یاد دل میں کرتا رہے اور ہر کام میں اس کی رضا کو مقدم رکھے۔ اور دیکھ لے کہ آیا خلاف مرضی مولا تو نہیں کر رہا ہے۔ جب یہ بات ہو تو اس کا ہر ایک فعل؛ خواہ وہ تجارت کا ہو یا معاشرت کا' ملازمت کا ہو یا حکومت کا' غرض کوئی حالت ہو، عبادت کا رنگ اختیار کر لیتا ہے۔ یہاں تک کہ کھانا پینا بھی اگر امر الٰہی کے نیچے ہو تو عبادت ہے۔ یہ ہے اصل جو ساری فتح مندیوں کی کلید ہے۔

ہر گدا از یادِ او سلطاں بود

(ہر فقیر اُس (اللہ) کی طرف توجہ سے بادشاہ بن جائے گا)

مگر افسوس ہے کہ آج کل کے اکثر مسلمانوں نے اس اصل کو چھوڑ دیا ہے اور اُلٹے وساوس کا ذبہ و توہمات باطلہ کو اصل ٹھہرالیا ہے۔ جب تک مسلمانوں کا اس اصل پر عملدرآمد رہا اس وقت تک وہ ایک فتح مند قوم کی حالت میں رہے، اور ﴿نصر من اللہ و فتح قریب﴾ کا جھنڈا ان کے سر پر لہراتا رہا۔ لیکن جب اس پر سے عمل جاتا رہا تو نتیجہ یہ ہوا کہ یہ قوم ہر طرح پستیوں میں گر گئی۔ کسی کا بہت سچا قول ہے۔

خدا کا نام بھی نام خدا کیا راحت جاں ہے
عصائے پیر ہے، تیغ جواں ہے' حرز طفلاں ہے

خلافت اور عبدیت

انسان بسا اوقات اس مسئلہ کے سمجھنے میں ایک غلطی کا شکار ہو جاتا ہے۔ وہ سمجھ بیٹھتا ہے کہ جو شخص رات بھر جاگتا رہے اور کسی سے بات تک نہ کرے، وہ بڑا بزرگ اور خدا رسیدہ ہے، اور اس کے مقابلہ میں جب وہ کسی دوسرے ایسے شخص کو دیکھتا ہے جو کہ فرایض وواجبات اور سنن کو پابندی سے ادا کرتا ہے، رات کو گھنٹہ دو گھنٹہ جاگ لیتا ہے، حفاظت دماغ کی تدابیر بھی کرتا ہے، نصیحت و پند سے بھی لوگوں کی اصلاح کرتا ہے، خلق اللہ کی دلجوئی کے لئے لوگوں سے ملتا بھی ہے، بچوں سے مزاح بھی کر لیتا ہے، بیوی سے راز و نیاز بھی رکھتا ہے تو ایسے شخص پر وہ پہلے شخص کو ترجیح دیتا اور پسند کرتا ہے اور اسی کو کامل بھی سمجھتا ہے؛ حالانکہ کامل وہی ہے اور عابد بھی وہی دوسرا شخص ہے جو بظاہر زیادہ عبادت نہیں کرتا!۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ عبادت عبد بننے کو کہتے ہیں۔ اور عبدیت بجا آوریٔ احکام کا نام ہے، جس وقت بھی جو کام ہو پس اخلاط خلق اغراض صالحہ سے نیز عبادت میں داخل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ دوسرا شخص اس سے کامل ہے کہ اس کی عبادت سب طرح کی عبادت کی جامع ہے۔ برخلاف پہلے کے کہ اس کی عبادت صرف تسبیح وتحمید ہی ہے۔ خدا کی مقدس کتاب (قرآن کریم) میں باوجود اس کے کہ ملائکہ اور جمیع حیوانات، جمادات، نباتات، جواہر و اعراض سب عبادت میں مصروف ہیں۔ جیسا کہ فرشتوں کے بارہ میں ارشاد ہوتا ہے کہ:

﴿یسبحون الیل والنهار لا یفترون﴾ (الأنبياء:٢٠)

رات دن اس کی تسبیح (وتقدیس) میں لگے رہتے ہیں اور کاہلی نہیں کرتے۔

حیوانات کے متعلق ارشاد فرمایا گیا ہے کہ

﴿وان من شيءٍ الا يسبح بحمده ولكن لا تفقهون تسبيحهم﴾

(بنی اسرائیل:۴۴)

جتنی چیزیں ہیں سب اس کی حمد و ثناء کے ساتھ اس کی تسبیح (وتقدیس) کر رہی ہیں۔ مگر تم

لوگ ان کی تسبیح کو نہیں سمجھتے۔

اس کے علاوہ اور اکثر آیات میں اس مضمون کو بیان فرمایا گیا ہے، مگر جن اور انسان کی نسبت ارشاد ہوتا ہے کہ

﴿وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون﴾ (الذاریات:۵۶)

ہم نے جنوں اور آدمیوں کو اس لئے پیدا کیا ہے کہ ہماری عبادت کریں۔

تخصیص عبودیت کی وجہ یہ ہے کہ ایک تو نوکر ہوتا ہے' ایک عبد (غلام) ہوتا ہے۔ نوکر کی خدمات ہمیشہ معین ہوا کرتی ہیں۔ اگرچہ کتنے بھی مختلف کام نوکر سے لئے جائیں۔ لیکن کوئی کام ضرور ایسا ہوتا ہے کہ جس میں نوکر عذر کر دے اور کہہ دے کہ میں اس کام کے لئے نہیں ہوں۔ مثلاً اگر کوئی شخص اپنے نوکر سے کہنے لگے کہ تو بھنگی (مہتر) کا کام بھی کیا کر تو وہ ہرگز منظور نہ کرے گا اور عذر کر دے گا۔ کیونکہ وہ اس کی شان کا لائق یا فرائض میں داخل نہیں ہے۔ علیٰ ہذا اور بہت سے کام نکلیں گے جن میں نوکر کی جانب سے عذر ہوگا، بلکہ اولاد بھی جس پر نوکر سے زیادہ قبضہ اور تسلط ہوتا ہے' بعض کاموں میں انکار کر دیتی ہے اور کہہ دیتی ہے کہ ہم سے ایسا کام نہیں ہو سکتا۔

غلام کا چونکہ کوئی کام خاص نہیں ہوتا، اس لئے آقا کا کوئی حکم ہو وہ بلا دریغ کر دیتا ہے۔ اس کی حالت یہ ہوتی ہے کہ ایک وقت آقا کی نیابت کرتا اور زرق برق لباس میں ہوتا ہے اور دوسرے وقت آقا کے نجس کپڑے دھوتا اور صاف کرتا ہے۔ ایک وقت بھنگی کا کام کرتا ہے تو دوسرے وقت سفارت کی خدمت ادا کرتا ہے۔ غلام نوکر بھی ہے مہتر بھی ہے۔ سفیر بھی ہے اور خلیفہ بھی ہے۔ پس انسان اور جن تو بمنزلہ غلام کے ہیں اور دوسری مخلوقات مثل نوکر کے ہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ دوسری مخلوقات کی عبادت کو تسبیح و تقدیس و سجدہ وغیرہ سے یاد فرمایا۔ اور انسان اور جن کی عبادت کو بلفظ عبدیت فرمایا۔ اور جب جن و انسان غلام ہیں تو ان کی خاص خدمت نہیں ہونی چاہئے، بلکہ اس کے لئے ایک وقت نماز روزہ عبادت ہوگا تو دوسرے وقت سونا اور

قضائے حاجت کرنا، لوگوں سے ملنا، عوام وخواص کی دلجوئی کرنا، بیوی بچوں سے محبت و پیار کرنا، دوکانداری یا ملازمت کرنا، تجارت یا زراعت کرنا، مقدمات کا انفصال کرنا، لڑائی جھگڑے مٹانا؛ حتیٰ کہ حق کی حمایت و اشاعت کے لئے شمشیر بکف ہونا وغیرہ اُمور بھی عبادت ہی ہوں گے۔

ہر چیز خدا کی یاد کرتی ہے

خدائے پاک کی کامل کتاب (قرآن مجید) میں جہاں جہاں خدا یادی کا لفظ آیا ہے وہاں خدائے قدوس کے محامد، بزرگیاں اور عجیب شان کا تذکرہ ہوتا ہے، اور ساتھ ہی وہاں کچھ ایسے احسان اور انعام مخلوق پر ظاہر کئے جاتے ہیں جن سے حمد الٰہی ظاہر ہوتی ہے۔ اور ان احسانات اور انعامات پر غور کرنے کے بعد بے اختیار انسان خدا کی یاد کے لئے اپنے دل میں ایک جوش پاتا ہے۔ اور جوش یاد الٰہی انسان تک ہی محدود نہیں بلکہ موجودات عالم میں تمام چیزوں پر (خواہ وہ کسی قسم کی ہوں)، اگر نظر ڈالی جائے یا گوش ہوش سے ان کی تقریر قالی یا حالی سنی جائے تو ایک سمجھدار آدمی نہایت پیاری اور رسیلی آواز میں خدا کی یاد کی نہایت مؤثر و دلکش تسبیح ان کی زبان سے سنے گا۔

غرض ہر چیز جو زمین و آسمان میں ہے وہ خدائے قدوس کی یاد کرتی ہے۔ یہ ایک بدیہی اور صاف مسئلہ ہے۔ نادان دہریہ یا حقائق الاشیاء سے ناواقف سوفسطائی اس راز کو نہ سمجھ سکے تو یہ امر دیگر ہے۔ مگر مشاہدہ بتارہا ہے کہ کس طرح پر ذرہ ذرہ خدا کی تقدیس اور تسبیح بیان کررہا ہے۔ کل رینگنے والے جانور سجدہ میں سرگرداں ہیں۔ پہاڑ سب کے سب اس کا دھیان لگائے چپ چاپ بیٹھے ہیں۔ کل اشجار ادب سے کھڑے تعظیم خداوندی بجا لا رہے ہیں۔ پرندے اور چوپائے سر تسلیم جھکا رہے ہیں۔ ستارے اور آسمان اس کے ولولہ عشق میں گھوم رہے ہیں۔ کسی بڑی سی بڑی یا چھوٹی سے چھوٹی کائنات کو لو، دیکھو کیسے منہ پھاڑ پھاڑ کر منکروں کو شرم دلا رہی ہے۔

ہر ورقے دفتر یست معرفت کردگار

(ہر ایک پتہ اللہ تعالیٰ کی معرفت کا ایک دفتر ہے)

غور کرو تو ایک لو[1] ہے جو زمین سے نکلتی ہے۔ بلکہ میں اس کو وسیع کر کے یوں کہہ سکتا ہوں کہ وہ پتا جو بول و براز میں سے نکلتا ہے، کیسا صاف شفاف ہوتا ہے!۔ کیا کوئی وہم وگمان کر سکتا تھا کہ اس گندگی میں سے اس قسم کا لہلہاتا ہوا سبزہ جو آنکھوں کو طراوت دیتا ہے نکل سکتا ہے؟! اس پتہ کی صفائی نزاکت اور لطافت خود اس امر کی زبردست دلیل اور شہادت ہے کہ اپنے خالق کی یاد کرتا ہے۔

ففی کل شیءٍ لہ آیۃ　　تدل علی انہ واحد

ہر ایک چیز اس کی ہستی پر گواہی دیتی ہے اور اس کے ایک ہونے پر دلالت کرتی ہے۔

اس پر ذرا اور بلند نظری سے کام لو۔ اور دیکھو کہ انسان کے جس قدر عمدہ کام ہیں وہ روشنی میں کرتا ہے۔ مگر خدائے قدوس کے جتنے عجائبات ہیں وہ سب پردہ میں ہوتے ہیں۔ اور پھر کیسے صاف اور دل خوش کن اور اللہ کی یاد کرنے والے ہوتے ہیں، ایک انار کے دانہ کو دیکھو کیسے انتظام اور خوبی کے ساتھ بنایا گیا ہے۔ کیا وہ دانہ خدائے پاک کی یاد نہیں کرتا؟ اسی طرح آسمان اور اجرام کو دیکھو۔ نیچر (فطرت) کے عجائبات سے ناواقف تو عجائبات نیچر کی ناواقفیت کی وجہ سے کہہ دیا کرتے ہیں کہ فلاں امر خلاف نیچر ہے مگر یہ ان کی اپنی غلطی ہے۔ میرا یقین ہے کہ انسان جس قدر نیچر (فطرت) کے سچے علوم میں ترقی کرتا جائے گا اسی قدر اسے خدائے پاک کے عجائبات اور قرآن شریف کے حقایق اور معارف زیادہ روشن اور درخشاں ہوں گے۔ اور اسے واضح ہوتا چلا جائے گا کہ ہر ایک ذرّہ موجودات اپنی اپنی زبان اور اصطلاح میں حالی یا قالی تقریر میں اپنے خالق و مالک کی یاد میں سرگرم ہے۔

پس یہ بالکل سچی اور یقینی بات ہے کہ آسمان اور زمین میں جو کچھ ہے وہ خدائے پاک کی یاد کرتا ہے۔ اور ہر ایک ذرہ گواہی دے رہا ہے کہ وہ خالق ہے، اور اسی کی ربوبیت اور قومیت کے باعث ہر چیز کی حیات اور قایمی ہے، اسی کی حفاظت سے محفوظ ہے، جس کے شکریہ میں مخلوق

[1] لو= لہر، لپٹ، ترنگ، موج۔

رطب اللسان ہے۔ حضرت سعدی مرحوم نے اسی مضمون کو ان اشعار میں ادا کیا ہے۔

دوش مرغے بصبح ما نالید عقل و صبرم ببرد و طاقت و ہوش
یکے از دوستان مخلص را مگر آوازِ من رسید بگوش
گفت باورنداشتم کہ ترا بانگ مرغے چنیں کند مدہوش
گفتم ایں شرط آدمیت نیست مرغ تسبیح خوان و من خاموش

جُہّال کا قول

بعض شرافت سے گرے ہوئے انسان یہ بھی کہہ دیتے ہیں کہ خدا کی یاد کی کیا ضرورت ہے؟ ایسے منہ پھٹ آدمیوں کو واضح رہے کہ انسان کا اشرف المخلوقات ہونے کی حیثیت سے خدا کی یاد کرنا پہلا فرض ہے، یہ بندوں پر اس کا حق ہے۔ خدائے معبود کی جانب سے عبادت کا بندوں سے ایسا ہی مطالبہ کیا جاتا ہے جیسے کہ اور حق دار اپنے حقوق کا مطالبہ کیا کرتے ہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ انسان اس فرض کے ادا کرنے میں مامور کیا جاتا ہے۔ طالب حق کو اپنے رب کی یاد کو خالص دل سے اس طرح یقینی اعتقاد کرنا چاہئے کہ کسی دوسرے خلاف اعتقاد کا اس میں احتمال بھی نہ ہو۔

یہ ایک انسانی کمزوری ہے جو اپنی حالت پر غور نہ کرے۔ اس کو یہ بھی سوچنا ضروری ہے کہ انسان کیا ہے؟ ایک دم کا مہمان۔ دم آیا تو انسان ورنہ مردہ و بیجان۔ اسے خیال کرنا چاہئے کہ وہ پیدا ہونے سے پیشتر کیا تھا؟ اور مرنے کے بعد کیا ہوگا؟۔ انسان ہمیشہ سے نہیں۔ اور اسی بات سے ظاہر ہے کہ اس کا خالق و مالک کوئی اور ہے جو اسے چند روز کے لئے اس دار ناپائدار میں لے آیا اور ایک معینہ وقت پر پھر اپنے پاس بُلا لے گا۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ خالق کُل نے انسان کو کیوں دنیا میں بھیجا؟ اور اتنا بڑا قدرت کا کارخانہ کیوں پھیلایا؟ غور کرنے سے یہی بات معلوم ہوتی ہے کہ انسان کو اس لئے بھیجا ہے کہ وہ اپنے مربی و محسن کو پہچانے، اس کی سچے دل سے عبادت کرے، مزید براں اس کی رحمتوں کا مزہ چکھے، اس کی قدرتوں اور حکمتوں میں غور

کرے، اور اس کا سعادت مند بندہ بن کر ہمیشہ کے لئے اس کی نعمتوں سے سرفراز ہو، اور عالم آخرت میں معزّز و مقتدر بندوں میں اس کا شمار ہو۔

سر جھکا ، کاہل نہ ہو ، اُٹھ تو سہی　　بندہ ہونے کی علامت ہے یہی

عقلمند کون ہے؟

اس دنیائے فانی کی زندگی ناپائدار دریا کی موج کی طرح ہے جس میں ہرگز بقا نہیں۔ عقلمند وہی ہے کہ ہمیشہ رہنے والے خزانوں کا مبادلہ فانی نقد کے ساتھ نہ کرے، وہ لوگ جنھوں نے عالم آخرت کی پرواہ نہ کر کے بقا کو فراموش کر دیا' انھوں نے ہمیشہ کی دولت سے منہ پھیر لیا، اور محض خالی دنیا کی آراستگی میں مشغول ہوئے، اور بلندی مراتب اور مال و منال دنیوی کے جمع کرنے میں ہی شرف اور بزرگی خیال کر بیٹھے ہیں۔ ان کی ایسی کج فہمی سراسر جہالت اور نادانی کے باعث سے ہے، اس لئے کہ آدمی کی بزرگی اور بڑائی اسی قدر ہے جس قدر اس میں اوصاف کاملہ موجود ہوں، جس میں علم و عمل، پرہیز گاری و مجاہدٗ اخلاص و اخلاق کی آراستگی اور خدا کی یاد میں استغراق زیادہ تر ہےٗ خدائے بزرگ و برتر کے نزدیک اسی کا رتبہ اور بزرگی زیادہ ہے۔

دنیا کا مزا حلوے میں زہر ہے

اگرچہ دنیا اور اس کی لذتیں بہت میٹھی ہیں۔ لیکن اصل پوچھو تو یہ ایک ایسا زہر ہے کہ جو قتل کئے بغیر نہیں چھوڑتا۔ اور ایسی متاع ہے جس کے باطل ہونے میں ایک ذرہ بھر بھی شک نہیں ہے۔ اس کی خوبصورتی دل کو فریفتہ کرنے والی ہے۔ کوئی شخص جس قدر اس کے ساتھ دلبستگی کرے گا' اسی قدر خدائے پاک سے دور ہو جائے گا۔ اس کے ساتھ دل لگانا غفلت کی نشانی ہے اور اس سے دور رہنا عین سعادت و فیضان، جس شخص میں کامل عقل ہے وہ دنیا کے ناز نخروں پر مچل نہیں جاتا، اور اس کو اصل مقصود یقین نہ کرنے میں دھوکا نہیں کھاتا۔ اس لئے کہ ہر ایک دنیاوی لذت اور نعمت کے پیچھے زوال لگا ہوا ہے۔ بلکہ اس کی ہر ایک خوشی میں ہزاروں غم'

اوراس کی ہر ایک راحت میں سینکڑوں زخم' ہر ایک نوش میں ہزاروں نیش۔ اس کی مٹھاس میں دراصل زہر ہے، اوراس کا لطف بالکل قہر ہے۔ اس کا انصاف بے انصافی سے بدتر ہے اوراس کی بنیاد سراسر خراب۔ عارفوں کا جگراس سے کباب ہے۔ اوراس کا غافل ہمہ تن مست وخراب ہے۔ مبارک ہے وہ انسان جواس سے بچتا اور خدا کی یاد میں مستغرق رہتا ہے۔ اوراس کا حصہ اس کے حق سے زیادہ نہیں دیتا۔

اسلام کا خاص فخر

مقدس مذہب اسلام ہی کو یہ فخر حاصل ہے کہ..... جس نے دنیا کے خالق ومحسن حقیقی کے احسانوں کا شکریہ ادا کرنے کی ازحد تاکید فرمائی ہے..... حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی موقع انسانی زندگی میں ایسا جانے نہیں دیا جس میں خدایادی کی تعلیم نہ دی ہو۔ ایک چھوٹی اور معمولی سی بات کو لیجئے۔ پاخانہ جانے کے لئے جوایک طبعی تقاضا اور ضرورت ہے' اس کے لئے کسی ہادی اور مصلح نے کوئی تعلیم انسان کو نہیں دی۔ مگر ہمارے ہادئ کامل رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت بھی انسان کوایک لطیف اور بیش قیمت سبق خدایادی کا دیا ہے۔ جس سے آپ کے ان تعلقات محبت کا' جو خدا سے آپ کو تھے، صاف پتہ لگ سکتا ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہوجاتا ہے کہ وہ انسان کوکس قدر بلند مرتبہ پر پہنچانا چاہتے تھے۔ چنانچہ آپ نے اس وقت تعلیم دی ہے کہ ہر مسلمان اس وقت یہ پڑھا کرے کہ

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَائِثِ.

''اے خدا! جس طرح تو ان ظاہری گندگیوں کو نکالتا ہے ویسے ہی دوسری گندگیوں سے جوانسان کی روح کوخراب کرتی ہیں' مجھے بچا''۔

جیسے پاخانہ جاتے وقت دعا تعلیم کی' ویسے ہی پاخانہ سے نکلتے وقت سکھایا ہے: غفرانک ۔غور کروکس قدر خدایادی کا خیال ہے۔

خدا کا حق

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک دن حضرت معاذؓ صحابی سے پوچھا: اے معاذؓ! تم جانتے ہو کہ خدا کا بندوں پر کیا حق ہے؟ اُنھوں نے عرض کیا: خدا اور اس کے رسول ہی کو یہ خوب معلوم ہے۔ حضور نے ارشاد فرمایا: خدا کا بندوں پر یہ حق ہے کہ اس کی خالص عبادت کریں، کسی کو اس کا شریک نہ بنائیں۔ اور بندوں کا خدا پر حق یہ ہے کہ جو بندہ مشرک نہ ہو اس کو عذاب نہ دے۔

مدبر عالم نے خدایادی اور احکام شریعت کے واجب کرنے سے عالم میں تدابیر کو قائم کیا ہے کہ لوگ اس شریعت پر عمل کریں اور اس سے منفعت حاصل کریں، تو گویا شریعت سے لوگوں کو مامور کرنا ایسا ہے جیسے کوئی آقا اپنے غلاموں سے کوئی خدمت لینا چاہتا ہے۔ وہ اپنے ان غلاموں سے خوش ہوتا ہے جو اس کی خدمت کریں، اور ان سے ناخوش ہوتا ہے جو خدمت کرنے سے انکار کریں۔ اسی طرز و انداز پر شریعتوں کا نزول ہوا ہے۔ شریعت نے اس امر کے دریافت کرنے پر کہ عبادت خداوند عالم کا حق ہے لوگوں کو تین مقدمات کی وجہ سے قدرت دی ہے، یہ تینوں اصول سب خدا شناسوں کے نزدیک مسلم ہیں۔ اور بمنزلہ اُمور مشہور اور بدیہی کے مان لئے گئے ہیں:

۱۔ خداوند عالم منعم ہے اور منعم کا شکریہ واجب، اور اس کی یاد یا عبادت کرنا واجبی انعامات کا شکریہ ہے۔

۲۔ خداوند تعالیٰ بارگاہ احدیت سے اعراض کرنے والوں اور عبادت سے غافلوں کو سخت سزا دیتا ہے۔

۳۔ خداوند تعالیٰ آخرت میں اطاعت اور نافرمانی کی جزا و سزا دے گا۔

ان مقدمات سے تین قسم کے اور علوم کا اضافہ ہوتا ہے:

۱۔ انعامات الٰہی کا یاد دلانا۔

۲۔ انتقامات خداوندی کا یاد دلانا۔

۳۔ معاد کے حالات کا یاد دلانا۔

قرآن کریم میں انہی علوم کی تشریح ہے، جس کسی کو اس میں کلام ہے کہ بندوں پر خدا کا کوئی حق نہیں ہے یا جزا سزا پر اس کو یقین نہ ہو تو وہ شخص دہریہ ہے، اس کی فطرت سلیم نہیں، اس نے اس میلان کو کھو دیا ہے جو فطرتاً اس کی طبیعت میں ودیعت کیا گیا تھا، ایسا ہی شخص دہریہ کا نائب یا خلیفہ اور اس کا قائم مقام مانا جاتا ہے۔

غرض قرآن پاک میں سینکڑوں ایسی آیات موجود ہیں کہ جن میں خدا کی یاد کی تاکید کی گئی ہے اور حکم دیا گیا ہے کہ ہر وقت' ہر حال' ہر لحظہ اور ہر لمحہ میں خدا کی یاد کا خیال رکھو، چلتے پھرتے' اُٹھتے بیٹھتے' کھاتے پیتے' سوتے جاگتے ذکر الٰہی کا خیال رکھو۔ سودا سلف کرو، خرید و فروخت کرو، نوکری چاکری کرو، مگر خدا کی یاد کو نہ چھوڑو۔

حضرت سلیمانؑ کا مبارک ارشاد

خدا کی یاد ایسی نعمت ہے کہ ایک دن حضرت سلیمان علیہ السلام نے ایک آدمی سے سنا کہ خداوند عالم نے حضرت سلیمانؑ کو اتنی بڑی دولت و سلطنت کا مالک بنایا ہے کہ جو نہ کسی شخص کو نصیب ہوئی ہے اور نہ ہوگی۔ اُنھوں نے فرمایا کہ اے نادان خدا گواہ ہے کہ ایک مومن موحد کی صدق و اخلاص کے ساتھ ایک تسبیح کا ثواب سلیمان کی بادشاہت سے بہتر ہے، اس لئے کہ یہ بادشاہت فانی ہے اور اس کی تسبیح کا ثواب باقی، اور باقی اگر اندازاً تھوڑی بھی ہو تو فانی سے جو اندازاً بہت ہو بہتر و افضل ہے۔ عقلمند وہی ہے جو باقی اور فانی میں تمیز رکھے۔ اسی لئے کہا گیا ہے:۔

پس از سی سال ایں معنی محقق شد بخاقانی
کہ یک دم با خدا بودن بہ از ملک سلیمانی
(خاقانی)

خدا کی یاد کیوں فرض ہے؟

خدا کی یاد فرض ہونے کی ایک خاص وجہ

مقدس مذہب اسلام نے خدا کی یاد کا جو اس قدر التزام و اہتمام کیا ہے' اس کی ایک خاص وجہ یہی ہے کہ خداوند ذوالجلال نے انسان کو جو حقیقت میں اپنی ضعیف البنیانی کے لحاظ سے دیگر حیوانوں سے بھی گذرا ہوا تھا' عقل دے کر اسے خلعت خلافت پہنا کر اپنی بہت سی مخلوقات پر ایک خاص قسم کی فضیلت دی ہے۔ یہ اس خالق و مالک حقیقی کا ایسا عظیم الشان احسان ہے کہ اگر انسان ابد الآباد تک اس کے شکریہ میں رطب اللسان رہے تو بھی ہرگز ممکن نہیں کہ وہ شکریہ ادا کر سکے۔ اسی واسطے انسان مامور ہے کہ اپنے محسن حقیقی کا شکریہ ادا کر کے اپنی عبودیت کا اعتراف کرے۔

انسان کی حقیقت

حقیقت میں یہ بات بھی درست ہے، کیونکہ اس میں تو شک نہیں کہ انسان ایک قسم کا حیوان ہی ہے۔ اور منطق والے اسے نوع حیوانی میں ہی داخل کرتے ہیں۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس مسئلہ کو ذرا وسیع کر دیا جائے، تاکہ سمجھنے میں آسانی ہو جائے۔ دیکھو! اگر حضرت انسان کو اپنی حیوانی حالت پر چھوڑا جاتا تو یہ ماشاء اللہ دوسرے حیوانوں سے بھی گئے گذرے ہوئے تھے، نہ تو اس کے پاس کوئی سامان سردی یا گرمی سے بچنے یا اپنے دشمنوں اور درندوں سے جان بچانے کا تھا، نہ اور حیوانوں کی طرح اس کے پیٹ بھرنے کا سامان آسانی سے میسر ہوتا ہے، نہ بدن ڈھانکنے کا بغیر تانا بانا بننے کے بہم پہنچتا ہے، نہ اس کی اکثر ضروریات زندگی دیگر حیوانوں کی طرح بہ آسانی بہم پہنچ سکتی ہیں۔ اگر اس کی اپنی صرف حیوانی حالت ہی رہتی تو اس کا اول تو قیام ہی محال تھا، نہ کچھ کھانے کو تھا نہ کچھ پینے کو، ایک دم میں یہ ننھی سی جان لقمۂ اجل ہو جاتی۔ پھر کیا

تھا حضرت انسان کے سارے گھمنڈ خاک میں مل جاتے؛ حتیٰ کہ اس کا چراغ لے کر ڈھونڈ نے سے پتہ نہ ملتا؟

یہ اسی خالق و مالک حقیقی کا احسان و اکرام ہے کہ جس نے حضرت انسان کو عقل و نطق کے ذریعہ سب مخلوقات پر شرف دیا ہے، تمام حیوانات سے شائستگی اور تہذیب میں کوسوں آگے نکل گیا ہے، بلکہ سب پر حکومت کرتا ہے، حضرت انسان کی یہ شان ہوگئی ہے کہ ساری دنیا کا بادشاہ بن گیا ہے، زمین پر حکومت کرتا آسمانی باتوں کی خبر دیتا، شیروں کو قید کرتا، درندوں کو اپنا شکار بناتا اور ہر ایک شئے کو مسخر کیئے ہوئے ہے۔ سبحان اللہ! کانوں کے جواہر ہیں تو اس کی زیب و زینت کے لئے، دریاؤں کے موتی ہیں تو اس کی زیبائش کے لئے، جنگلوں کے درخت اس کے کاٹنے کے واسطے اور اسباب آسائش بنانے کے لئے، باغوں کے پھول ہیں تو اس کا دماغ معطر کرنے کے واسطے، پانی اس کے گھر کی چکی پیسنے کے لئے لونڈی، یا اس کے جہاز و کشتی کے بادبانوں کا قیدی، دھواں اس کی ریل گاڑی چلانے کے لئے اور سینکڑوں خدمتیں بجالانے کے واسطے خادم یا غلام، بجلی اس کی پیغام رسانی کے لئے کاتب' اور ایسا کہ انگلیوں کے اشارے پر چلے!، اور چاروں طرف تمام عالم میں لحہ بھر کے عرصہ میں پیغام رسانی کرے اور تاریکی میں اس کے گھر کے اُجالے کا بھی کام دے، سورج اور چاند اور سیارے شب و روز اس کی خدمت گزاری کے لئے سرگردان رہتے ہیں۔ حضرت سعدی مرحوم نے تمام دنیا کی فلاسفی اپنے قول میں بھر دی ہے:

برد با دومہ و خورشید و فلک دلکا راند	تا تو نانے بکف آری و بغفلت نخوری
ہمہ از بہر تو سرگشتہ و فرمان بردار	شرط انصاف نباشد کہ تو فرمان نبری

خلاصہ یہ کہ حضرت انسان ساری دنیا کا بادشاہ اور سب جہاں اس کا خدمت گزار اور فرمان بردار ہے، جب تمام دنیا کی چیزیں انسان کے لئے مستعمل ہیں تو انسان کا بھی کسی کام میں مستعمل ہونا ضروری ہے، اور وہ اپنے محسن حقیقی کی شکر گذاری اور اس کی اطاعت و عبادت ہے۔

فی الواقع حضرت انسان خدائے تقدّس و تعالیٰ کی قدرت اور حکمت کا ایک بڑا اعالی قدر

نمونہ ہے، جس میں ید قدرت نے اپنی صنعت عالیہ کو کمال تک پہنچایا ہے:

﴿لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم﴾ (التین:۴)

''ہم نے انسان کو عجیب صورت اور پیدائش میں پیدا کیا''۔ (تمام جہاں پر اس کو فوقیت دی)۔

انسان کا لائف زندگی پر نظر ڈالو کہ اس کی اپنی ہی ذات میں کیسے کیسے تغیر و تبدل واقع ہوتے ہیں۔ اگر غور کرو تو قدرت نے بڑی ہی شان اور جلوہ گری کا اظہار کیا ہے کہ ایک قطرہ منی سے جس کو لوگ ناپاک جانتے ہیں، بلکہ جس کے نام لینے سے نفرت اور کراہیت ہوتی ہے حضرت انسان کو کس صناعی کے ساتھ پیدا کیا!، اصل میں یہ کیا تھا اور کیا سے کیا ہوگیا۔ کیا کوئی پیدا کرنے والے کے احسانات کا اندازہ لگا سکتا ہے!۔

غرض خدائے قدوس کے بے حد و لاتعداد انعامات و احسانات حضرت انسان پر ہیں۔ جن کو یہ گنتی میں بھی نہیں لا سکتا؛ حتیٰ کہ اکثر کی اسے خبر تک نہیں اور نہ ہی ان کو محسوس کر سکتا ہے، قرآن حکیم کہتا ہے:

﴿وَإِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللهِ لَا تُحْصُوْهَا﴾ (ابراھیم:۳۴)

''اگر تم خدائے کریم کے انعامات و احسانات کو گننے لگے تو ہرگز نہیں گن سکو گے''۔

بات بالکل سچ ہے۔ اگر انسان اپنی بدنی آبادی کا امتحان لے اور اس پر عمیق نظر ڈالے تو خالق کریم کے ہزار در ہزار احسانات و انعامات اس کو اپنی ہی ذات میں ملیں گے۔ قرآن کریم خدا کے پیارے رسول عربی (فداہ ابی و امی) کا ایک عظیم الشان معجزہ ہے، جس مضمون کو اس میں تلاش کرو کچھ ایسے پیارے اور مؤثر الفاظ میں بیان شدہ ملتا ہے کہ خواہ مخواہ روح کو ایک مقناطیسی کشش عالم روحانی کی طرف کھینچ لے جاتی ہے۔ چنانچہ اس مضمون کو ان پاک الفاظ میں بیان کیا گیا ہے:

﴿وَفِيْ أَنْفُسِكُمْ أَفَلَا تُبْصِرُوْنَ﴾ (الذاریات:۲۱)

''تمہاری جانوں میں خدا کی قدرت کی نشانیاں ہیں کیا تم نہیں دیکھتے؟''

جیسی یہ کتاب بے مثل ہے ایسے ہی اس کے مفسر حقانی رسول ربانی ہمارے سید و مولا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی نظیر آپ ہیں، حضور نے اس کی تفسیر ان مبارک الفاظ میں بیان فرمائی کہ:

من[1] عرف نفسه فقد عرف ربه (الحديث)

''جس نے اپنی جان (نفس) کو پہچان لیا اس نے اپنے رب کو پہچان لیا''۔

حقیقت میں انسانی وجود کے اندر قدرت الٰہی کے اس قدر بے شمار نشانات ہیں کہ اگر کوئی قیامت تک ان کی تفتیش و تحقیق میں لگا رہے تو بھی ممکن نہیں کہ ان کو شمار میں لا سکے۔

انسان کے بدن میں روح ہی ایک ایسا سرِ دقیق ہے کہ ساری دنیا کے عقلاء و حکماء اس کی ماہیت بیان کرنے سے عاجز ہیں۔ بیشک انسان اگر اپنے بدن کی بناوٹ اور نفس کی حالت پر غور کرے تو اس چھوٹے سے بدن کے اندر ایک عالم کبیر کے نشانات پا سکتا ہے اور ساری دنیا کا نمونہ اپنے اندر دیکھ سکتا ہے۔

وَتَعْلَمُ أنّکَ جِرْمٌ صَغِیْرٌ ☆ وَفِیْکَ انْطَوٰی الْعَالَمُ الْأَکْبَرُ

تو خیال کرتا ہے کہ تو ایک چھوٹا سا جسم ہے اور حال یہ ہے کہ تیرے اندر عالم کبیر منطوی ہے۔

انسانی جسم کی بناوٹ ہی نماز کے لئے ہے

حضرت انسان اگر اپنے جسم کی بناوٹ پر ہی غور کرے تو اسے صاف طور پر واضح ہو جاتا ہے کہ قدرت نے مجھے اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا ہے۔ اور میرے فرائض زندگی میں سے یہ ایک پہلا فرض ہے، جس کا ادا کرنا میرے لئے سب فرائض پر مقدم ہے، جس کے واسطے مجھے اپنے مولا باانصاف کی عدالت میں ایک دن کھڑے ہو کر جواب دہی کرنی پڑے گی۔ انسان کا جسم واقعی قدرت نے اپنی عبادت کے واسطے ایسے طریق سے پیدا کیا ہے کہ جو لائق عبادات و تعظیمات کثیرہ کے ہے، یا یوں سمجھو کہ قدرت نے اپنی عبادت کے واسطے انسان کے جسم کے

---

[1] اس حدیث کی صحت اکثر صوفیاء کے کلام سے ہوتی ہے۔ چونکہ اس کا مضمون بالکل حق اور درست ہے، اس لئے صوفیاء کی سند کو مان لینے میں کچھ حرج نہیں۔ مؤلف

اعضاء اس طریق سے بنائے ہیں کہ جو عبادت کے تمام طریقے آسانی اور سہولت سے ادا کر سکتے ہیں۔ عبادت کے تمام طریقے: قیام، رکوع، سجود، تشہد وغیرہ سب ان سے ایسا سہل اور آسان ہو سکتا ہے کہ جس سے بڑھ کر اور کسی طرح ممکن ہی نہیں۔ ان کی جسمی ساخت قدرت نے ایسی کارآمد بنائی ہے کہ ہر ایک عضو بڑی عمدگی سے جس طرف جھکانا چاہے جھک سکتا ہے، جس طرح بٹھائے بیٹھ سکتا ہے، کھانے پینے وغیرہ ضروریات زندگی میں بھی ایسے ہی دوسرے حیوانوں سے اسے خاص امتیاز حاصل ہے۔

دیکھو۔ تمام حیوانات اپنا منہ غذا کی طرف لیجا کر غذا کھاتے ہیں، مگر یہ حضرت خلیفۃ اللہ صاحب جنھیں اشرف المخلوقات ہونے کا تمغہ ملا ہے، بڑی عزت وحرمت کے ساتھ کھانے کو اپنے دہن مبارک میں لا کر کھاتے ہیں۔ اسی طرح سب اوصاف میں انسان کو خاص امتیاز اس کے پیدا کرنے میں ہی خالق کائنات نے عطا فرمایا ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ انسان اس امتیاز کو کھو دے، مثلاً تمام حیوان کھڑے ہو کر بول و براز کرتے ہیں، مگر انسان کے اعضاء جو نشست و برخاست کا کام دے سکتے ہیں، اس کا امتیاز یہ بتاتے ہیں کہ یہ بیٹھ کر مہذبانہ قاعدے سے پیشاب و پاخانہ کی ضرورت کو رفع کرے، مگر بہت سے آدمی ایسے ہیں کہ اس کی کچھ پرواہ نہیں کرتے۔

انسان دراصل چند حیوانی، نباتی اور جمادی اجزاء سے مرکب ہے اور بالطبع اس کا تعلق ارضی اشیاء سے زیادہ ہے۔ ہاں اللہ تعالیٰ کے فضل سے اونچا کیا جاتا ہے، اور اسی کی ہدایت سے ہدایت پاتا ہے۔ خدائے پاک کی طرف سے ہدایت پا کر اس کا درجہ اور جانوروں سے بلند ہونا شروع ہوتا ہے۔ اور جس قدر کوئی انسان روحانیت میں کمال حاصل کرتا جاتا ہے، اسی قدر اسے دوسرے حیوانات سے امتیاز پیدا ہو جاتا ہے، اور اس کے اعمال میں خاص فرق نمایاں ہوتا جاتا ہے، اور رفتہ رفتہ اشرف المخلوقات کہلانے کا مستحق ہوتا جاتا ہے۔

شرف انسان کی بڑی وجہ

حضرت انسان کے شرف وکمال کی بڑی وجہ یہ ہے کہ خدائے قدوس مالک الملک نے اسے زمین پر اپنا خلیفہ بنایا ہے، اس کی صفات کاملہ کا مظہر اور ظل ربوبیت ہے، اس میں صفات الٰہی جلوہ گر ہیں۔ مختصر یہ کہ انسان میں اس قدر کمالات وخواص پائے جاتے ہیں، اور وہ اس قدر اعلیٰ امانتیں، اعلیٰ طاقتیں، اعلیٰ قوتیں، اعلیٰ خصلتیں واعلیٰ خصوصیتیں اپنے اندر رکھتا ہے کہ اگر ایک انسان قوائے سبعیہ وبہیمیہ کا تابع ہوکر حیوانوں کی طرح خورد ونوش کر کے اور حظوظ نفسانی میں عمر بسر کرے، ﴿ثم رددنه اسفل سافلين﴾ کا مصداق نہ بن جائے تو تمام عالم کے متفرق کمالات وصفات پر ایک دائرہ کی طرح محیط ہوسکتا ہے۔ اور عالم ناسوت سے نکل کر جبروت، ملکوت اور لاہوت تک پہنچ سکتا ہے، اور غیر متناہی ترقیاں حاصل کرسکتا ہے، اور مدارج کے معراج پر چڑھ سکتا ہے، یہ سب اسی محسن باقدرت کے احسانات وانعامات ہیں۔ ورنہ ''من آنم کہ من دانم''۔ حضرت انسان کے حال کا شاہد ہے۔

کیا یہ انصاف سے بعید اور دین و دانش سے دور نہیں ہے؟ اور قدرت کے قانون کی خلاف ورزی نہیں ہے؟ کہ انسان اپنے ایسے محسن آقا و مالک کی شکر گذاری اور اس کی یاد اور اطاعت سے بالکل غافل اور بے پرواہ بن جائے۔

بہت سے ایسے بھی آدمی ہیں جو صرف کھانے پینے ہی کو زندگی کی غرض وغایت سمجھتے ہیں، حالانکہ انسانی زندگی کی غرض وغایت یہ نہیں بلکہ

خوردن برائے زیستن و ذکر کردن است ۔۔۔ تو معتقد کہ زیستن از بہر خوردن است

جب انسان کا یہ اصول ہوجائے کہ ''زیستن از بہر خوردن است'' اس وقت اس کی نظر خدائے پاک پر نہیں رہتی، بلکہ وہ دنیا کے کاروبار اور تجارت یا دیگر مشاغل دنیوی ہی میں منہمک ہوجاتا ہے اور خدائے بزرگ و برتر کی طرف توجہ اور رجوع کا خیال بھی نہیں رہتا۔ اس وقت اس کی زندگی قابل قدر وجود نہیں رہتی۔ ایسے لوگوں کے لئے خدائے معبود کا آخری پیام یہ ہے کہ:

﴿قُلْ مَا يَعْبَؤُا بِكُمْ رَبِّي لَوْلَا دُعَاؤُكُمْ﴾ (الفرقان:۷۷)

''کہہ میرا رب تمہاری کیا پرواہ رکھتا ہے اگر تم اس کی بندگی نہ کرو''۔

مذاہب عالم کا اتفاق

اس پر تمام مذاہب عالم کا اتفاق ہے، گو استدلال کی راہیں مختلف ہیں مگر مقصد سب کا ایک ہی ہے:

(۱) سناتن دھرم جو ہندوؤں کا پرانا دھرم ہے، اس میں انسان کی زندگی کا اعلیٰ مقصد یہ بیان ہوا ہے، اور گو مختلف عبارتوں میں بیان کیا گیا ہے مگر اخیر مدعا سب کا ایک ہی ہے۔ عموماً اس کو پرمانند؛ یعنی ''غایت درجہ آنند و خوشی جو ممکن ہے'' کے نام سے موسوم کیا گیا ہے، جس کا سب سے اہم اور سب سے آخری مرتبہ یہ ہے کہ اس کے حاصل ہونے پر انسان جنم و مرن یا کسی قسم کے تغیر و تبدل یا رنج و الم یا نقص و کمی وغیرہ حوادث کا مطیع نہیں رہتا، اسی مقصد کو خدائے پاک کا کلام (قرآن کریم) ان مبارک الفاظ میں ادا کرتا ہے کہ

﴿أَلَا بِذِكْرِ اللهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ﴾ (الرّعد:۲۸)

''سُن رکھو کہ خدا کی یاد سے دلوں کو تسلی ہوا کرتی ہے''

حقیقی راحت اور اطمینان اور سچا آنند (خوشی) اسی وقت حاصل ہوتا ہے جب انسان کی روح خدائے معبود کی یاد میں محو ہو کر اس کی سچی رضامندی حاصل کر لے۔

(۲) تھیاصوفیکل سوسائٹی کے نزدیک انسان کی زندگی انسان کی خواہش ہے، جب تک خواہش ہے زندگی بھی ہے، اور خواہش وہ جس میں پرماتما اور دیو دونوں پرشاد (خوش) ہوں، ..... پرماتما (خدا) اور دیو (دیوتا یا فرشتہ).....، خدائی صحیفہ (قرآن حکیم) اس اصول کی طرف ان الفاظ میں رہنمائی کرتا ہے کہ:

﴿ورضوان من الله اكبر﴾ (التوبۃ:۷۲)

''خدا کی خوشنودی سب نعمتوں سے بڑھ کر ہے''۔

سچی خواہش جس سے خدا راضی ہو اور بندے کو خدا کی رضامندی سے حصہ پہنچے' وہ اس کی عبادت اور یاد دہی ہے۔

(۳) آریہ سماج کے نزدیک انسان کی زندگی کا مقصد مذہب کی زندگی اور پیروی سے حاصل ہوتا ہے، اور مذہب کی پیروی میں انسان کا اعلیٰ فرض پرمیشور (خدا) کے جاننے کا ہے۔ اس لئے ستر گن کی کوشش کرنی چاہئے، جس سے انسان دیوتا صفت بن جاتا ہے، یہ وہی مطلب ہے جس کو قرآن حکیم نے ان جامع الفاظ میں بیان فرمایا ہے:

﴿وما خلقت الجن و الانس الا لیعبدون﴾ (الذاریات:۵۶)

''خدا نے جن اور انسان کو اسلئے پیدا کیا ہے کہ وہ اسے پہچانیں اور اسکی پرستش کریں''۔

(۴) سکھ ازم میں خدائے پاک کی یاد کی اسی طرح تاکید ہے جس طرح اسلام میں ہے، گرنتھ صاحب میں ہے:

پربھ کا سمرن سب سے اونچا پربھ کے سمرن اوپرے موچا

(یعنی سب سے عمدہ بات یہ ہے کہ پرماتما (خدا) کا نام ورد زبان رکھو۔ کیونکہ سب سے بڑی کوشش خدا کا نام جپنا ہے۔ یہ قرآن پاک کے اسی اصول کے مطابق ہے یعنی سب سے بالاتر خدائے پاک کا ذکر ہے۔

(۵) عیسائی مذہب یہ سکھاتا ہے کہ دنیا کی اشیاء ہمارے لئے ہیں۔ پس اگر ہم میں ذرا بھی شکر ہے تو کیا ہم خدا کا شکر نہ کریں گے؟ اگر ہم غور سے دیکھیں تو ہماری ساری زندگی دعا ہوگی۔ اور خدا کی محبت میں ہم ایسے مگن ہوں گے کہ ہر وقت شکر گزاری ہوگی۔ یہ عیسائی مذہب کا خلاصہ ہے۔ ان کے ہاں عبادت' جس کو دعا کہتے ہیں' بہ پابندی وقت ہوتی ہے۔ قرآن کریم نے دعا کے لئے پابندی اُٹھادی اور فرمادیا کہ:

''جب آپ سے میرے بندے میرے متعلق دریافت کریں تو آپ فرمائیے کہ میں ان کے قریب ہوں۔

﴿و اذا سالک عبادی عنی فانی قریب اجیب دعوۃ الداع اذا دعان﴾ (البقرۃ:۱۸۶)

جب مومن دعا مانگے میں اس کی سنتا اور قبول کرتا ہوں''۔

یہی حال دیگر باقی مذاہب کا ہے۔ پس جب تمام مذاہب کا اس پر اتفاق ہے تو کوئی آدمی اگر خدائے قدوس کی یاد نہیں کرتا اور اپنے معبود حقیقی کی نماز کو اپنے لئے ضروری نہیں سمجھتا تو وہ لامذہب ہے، چاہے وہ کسی مذہب میں اپنے آپ کو شمار کرتا ہو۔ کیونکہ سب مذاہب میں عبادت رکن اعظم ہے اور یہی وجہ ہے کہ نماز کا منکر اسلام میں کافر ہے۔ نماز پڑھنے کا حکم قرآن حکیم میں جا بجا موجود ہے، اور فعل نبوی کے ساتھ ساتھ دیکھنے سے وہ طریقہ نماز کا مشروع معلوم ہوتا ہے جس کو صلوٰۃ کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔

وجہ تسمیہ صلوٰۃ

نماز ایک نعمت ہے، نماز ایک دعا ہے، اس کا پڑھنا سب مسلمانوں پر فرض ہے، اور خدائے معبود کا ہم پر یہ احسان ہے کہ اس کے باعث ہمارے مشکلات اور ہمارے گناہ دور ہوتے ہیں، یہ ہم کو بُری باتوں اور بے حیائیوں اور ناپسندیدہ حرکات ولغویات سے روکتی ہے، یہ مومن کی روحانی غذا اور مومن کا معراج ہے۔

نماز کا نام صلوٰۃ رکھنے کی وجہ

صلوٰۃ عربی لفظ ہے، جس کا فارسی ترجمہ نماز ہے۔ کلام جاہلیت میں یہ فقط دعا' رحمت کے لئے استعمال ہوتا تھا۔ صلوٰۃ کے دوسرے معنی لزوم کے تھے، اور کسی شخص کے پیرو کو بھی مصلی کہتے تھے، اور اس پیروی واتباع کا نام صلوٰۃ تھا۔ اصل میں مصلی کا لفظ گھوڑے کے لئے موضوع تھا' جو کسی دوسرے گھوڑے کے پیچھے پیچھے چلتا ہو، بعد میں تخصیص جاتی رہی معنی میں تعمیم آ گئی۔ اور ہر قسم کی پیروی کو صلوٰۃ اور پیرو کو مصلی کہنے لگے۔ نیز تصلیہ مصدر ہے جس کے معنی دعا کرنے

اور آگ کے ساتھ لاٹھی کو سیدھا کرنے کے ہیں۔صلوٰۃ کا لفظ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ صلوٰۃ کی حقیقت کسی قسم کی حرقت اور سوزش کو چاہتی ہے۔نمازی کے ہاتھ میں بلکہ اس کے شمعدان دل میں ایک روشن چراغ رکھا ہوا ہوتا ہے، جس کی وجہ سے اسے گناہ کا خیال بھی نہیں آسکتا، اور فحشاء کی طرف اس کی نظر اُٹھ نہیں سکتی۔

صلوٰۃ کے اصلی حرف ''صلا'' یعنی ص، ل، الف، تین حرف ہیں۔نعمت میں ''صلا'' کے معنی دعا کرنا۔تعظیم کرنا۔آگ جلانا۔آگ میں جلنا۔آگ سے سینک کر ٹیڑھی لکڑی کو سیدھا کرنا ہے۔اور ہماری شریعت حقہ میں ایک خاص ترکیب کی عبادت کا نام ہے، عرب کے محاورہ میں یہ ایک لازمی بات ہے کہ معنی لغوی اور معنی شرعی میں ایک مناسبت ہوتی ہے۔پس یہاں جس قدر صلوٰۃ کے لغوی معنی ہیں وہ معنی' صلوٰۃ شرعی میں ہونے لازم ہیں۔اسی لئے جس قدر لغت میں صلوٰۃ کے معنی ہیں وہ نماز میں موجود ہیں۔اپنے لئے دعا کرنا، خدا کی تعظیم کرنا، عشق الٰہی کی آگ بھڑکانا، نمازی کے گناہوں کا جلنا یا خود نمازی کا (محبت الٰہی میں) جلنا، نمازی آدمی کے ٹیڑھے اور بُرے اخلاق کا درست اور سیدھا ہونا وغیرہ وغیرہ۔

مشرکین عرب میں صلوٰۃ کا طریقہ

ملک عرب کے مشرکوں میں صلوٰۃ کا ایک خاص طریقہ تھا، جس کی تشریح خدا کی پاک کتاب (قرآن مجید) نے ان الفاظ میں کی ہے:

﴿وما کان صلوتهم عندالبیت الا مکاء و تصدیة ط فذوقوا العذاب بما کنتم تکفرون (لأنفال:۳۵)

''خانہ کعبہ کے پاس ان کی نماز کیا تھی؟ تالی بجانی اور سیٹی دینی۔تم جو کفر کیا کرتے تھے اب اس کے بدلے عذاب کا مزا چکھو''۔

روایات وآثار سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ایک روایت میں ہے کہ:

((ما کان صلوتهم التی یزعمون انها یدوم بها نعمهم الا مکاء و تصدیة))

''صلواۃ (نماز) جس کی نسبت مشرکین عرب کا زعم تھا کہ یہی عبادت ان کے کام آئے گی اوران کے لئے اجروثواب کا باعث ہوگی' وہ صرف تالی بجانا اور سیٹی دینا تھی''۔

اسلام پاک نے اس غیر مہذب طریقہ کی اصلاح کی، اس کو مذموم بتایا، نماز کی ایک خاص ہیئت مقرر کردی، اور ایسی مقرر کردی جو انسانی اخلاقِ ملکوتی کی ترقی کا بہترین ذریعہ ہوسکتی ہے۔

یہودیوں اور نصرانیوں میں بھی نماز کا رواج تھا۔ ایرانیوں میں بھی مُغوں، مُوبدوں اور بادشاہوں کی تعظیم کو نماز کہتے تھے۔ مگر خضوع کا یہ خاص طریق کہیں نہ تھا۔ اور نہ عبودیت الٰہی کی حقیقت سے کسی کو واقفیت تھی۔ یہ خصوصیت اسلام پاک کی ہے وہ خود نماز کے تذکرہ میں اسی پر زور دیتا ہے:

﴿فاذکروا اللہ کما علمکم مالم تکونوا تعلمون﴾ (البقرۃ:۲۳۹)

''خدا کو اس طریق پر یاد کرو اور اس خاص شکل سے نماز پڑھو جس کی خدا نے تمہیں تعلیم دی ہے۔ اور جس سے پہلے تم ناواقف تھے''۔

چونکہ حضرت انسان کو اپنے خالق و مالک حقیقی' محسن ازلی کا شکریہ فرض ہے، اس لئے ہر مذہب وملت نے اس کے احسانات وانعامات کے شکریہ کے لئے اور اس طبعی میلان کے اظہار کے لئے جسے قدرت نے انسانی فطرت میں ودیعت کر رکھا ہے' خدائے پاک کی یاد کی ایک خاص ترتیب تجویز کی ہے۔ جیسا کہ جاہلیت میں عرب کی نسبت ذکر کیا گیا ہے۔ مسلمان اس ترتیب کو نماز یا صلوٰۃ کہتے ہیں۔ اور دیگر اہل مذاہب اپنی اپنی اصطلاح میں دعا' سندھیا وغیرہ ناموں سے پکارتے ہیں۔

مقدس دین اسلام میں ''الصلوٰۃ'' کا مفہوم حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عمل سے سمجھا دیا۔ اور وہ پانچ نمازیں ہیں جو کہ اوقات مقررہ پر ادا کی جاتی ہیں اور مسلمانوں کے تمام فرقوں کا ان پر اتفاق ہے۔ قرآن حکیم کہتا ہے:

﴿ان الصلوۃ کانت علی المومنین کتابا موقوتاً﴾ (النساء:۱۰۳)

’’نماز مسلمانوں پر بقیدِ وقت فرض ہے‘‘۔

نماز کے متعلق ہمیشہ اقامت کا لفظ نماز ادا کرنے کے مفہوم کے لئے بولا گیا ہے۔ اقام الامر کے معنی ہوتے ہیں کہ کام درست حالت میں رکھا۔ پس نماز کا درست حالت میں رکھنا قرآن کریم کی رو سے ضروری ہے۔ اور اس کے معنی نہ صرف تعدیل ارکان کے ہیں، بلکہ یہ بات بھی اس کے اندر داخل ہے کہ جس غرض کے لئے نماز کا حکم دیا گیا ہے، وہ پوری ہو۔ یعنی ﴿ان الصلٰوۃ تنھی عن الفحشاء والمنکر﴾ (العنکبوت:۴۵) کی غرض عملی حصہ میں نماز حقوق اللہ کی ادائیگی کے قائم مقام ہے۔

نماز کی تاکید

نماز ہر عاقل بالغ مسلمان پر فرض ہے

نماز ہر مسلمان عاقل بالغ پر فرض عین ہے۔ امیر ہو یا فقیر، شاہ ہو یا گدا، تندرست ہو یا مریض، مسافر ہو یا مقیم، یہاں تک کہ دشمن کے مقابلہ میں جب لڑائی کی آگ بھڑک رہی ہو، اس وقت بھی اس کا چھوڑنا جائز نہیں بلکہ اس کے دیر کرنے کی بھی اجازت نہیں۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت پر ابتدائے رسالت میں دو وقت کی نماز فرض تھی: ایک سورج نکلنے سے پہلے۔ اور ایک سورج ڈوبنے سے پہلے۔ ہجرت سے ڈیڑھ برس پہلے جب حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شرف معراجِ شریف نصیب ہوا تو ان پانچ وقتوں میں نماز فرض کی گئی: (۱) فجر (۲) ظہر (۳) عصر (۴) مغرب (۵) عشاء۔ ان پانچ وقتوں کی نماز صرف اسی امت کے ساتھ خاص ہے۔ اگلی اُمتوں میں کسی پر صرف فجر کی نماز فرض تھی، کسی پر ظہر کی، کسی پر عصر کی۔

نماز کی سخت تاکید ہے

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کی سخت تاکید کی ہے۔ اس کے ترک کرنے

والے کے لئے بڑی بڑی وعیدیں بیان فرمائے ہیں۔آپ کے صحابہؓ نماز چھوڑنے والے کو کافر کہتے ہیں۔امیر المومنین سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر فقیہ صحابی کا بھی یہی قول ہے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی مذہب ہے۔ امام شافعی علیہ الرحمہ تو ایسے شخص کے قتل کر دینے کا حکم دیتے ہیں۔ ہمارے حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ اس کے قتل یا کفر کا فتویٰ تو نہیں دیتے مگر اسے قید کرنے اور سخت سزا دینے کا فتویٰ ضرور دیتے ہیں۔

حضرت غوث الاعظمؒ کا فتویٰ

نماز ہی دین اسلام میں ایک ایسا فعل ہے جس کے چھوڑنے پر ہمارے بزرگوں نے تارک کا نماز جنازہ پڑھنے اور مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کرنے سے منع کیا ہے۔ چنانچہ حضرت محبوب سبحانی قطب ربانی شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ فرماتے ہیں:

"ان ترکھا تھاونا و کسلا مع اعتقاد وجوبھا، ودعی لیفعلھا حتی تضایق الوقت الذی یلیھا فیکفرو قتل بالسیف لکفرہ بعد ان یستتاب ثلاثۃ ایام کالمرتدّ، ویکون مالہ فیئا یوضع فی بیت مال المسلمین، ولا یصلی علیہ ولا یدفن فی مقابر المسلمین"۔(غنیۃ الطالبین: کتاب الآداب، فصل: الصلوٰۃ خطرھا عظیم و أمرھا جسیم.)

کوئی شخص نماز کو فرض جان کر سستی اور غفلت سے چھوڑے اور اس کو کوئی بلائے کہ نماز پڑھ، پھر بھی نہ پڑھے یہاں تک کہ دوسری نماز کا وقت بھی تنگ ہو جائے تو یہ شخص کافر ہو جائے گا۔ تین روز تک اس سے توبہ کرائی جائے۔ نہ کرے تو مرتدوں کی طرح تلوار کے ساتھ قتل کیا جائے۔ اور اس کا مال "فیئ" ہے، مسلمانوں کے بیت المال کے حوالہ کر دیا جائیگا۔ اور اس کا نماز جنازہ نہ پڑھایا جائے۔ اور اس کو مسلمانوں کی قبروں میں دفن بھی نہ کیا جائے۔ (غنیۃ الطالبین)

نماز اسلام کی نشانی ہے

تمام مذاہب میں اخلاقی اُمور اصول موضوعہ یا علوم متعارفہ کی طرح پائے جاتے ہیں؛ مثلاً چوری، دغابازی، زنا، کبر، حسد، رشک، جھوٹ تمام مذاہب میں مذموم ہیں۔ راستبازی، خوش معاملگی، حبِّ قومی تمام مذاہب میں پسندیدہ ہیں۔ اسی طرح خدائے قدوس کے وجود کے متعلق بھی موحدین مسلمانوں سے متّفق ہیں۔ پھر جو چیز اسلام کو ممتاز کرتی ہے؛ وہ عقائد میں رسالت کا ماننا اور عملیات میں نماز کا پڑھنا ہے۔ اسلام نے جو طریقہ عبادت کا قرار دیا ہے یعنی نماز پڑھنا' وہ تمام دوسری قوموں اور مذاہب کی پرستش کے طریقوں سے جدا ہے۔ نماز اس لئے مقرر کی گئی ہے تا کہ مسلمان کی تمیز رہے۔

چونکہ نماز عرش الٰہی کے پاس خاص الخاص حضوری میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو باری تعالیٰ نے بلا کر فرض کی ہے۔ اس لئے جس قدر نماز کا اہتمام ہوا ہے کسی دوسری عبادت کا اس کے مقابلہ میں پاسنگ بھی معلوم نہیں ہوتا۔ اسی لئے نماز نہ پڑھنے والے کی نسبت بڑے بڑے وعید بیان ہوئے ہیں، جن میں ایک یہ بھی ہے کہ بے نمازیوں کا حشر فرعون اور ہامان اور قارون جیسے بڑے بڑے کافروں کے ساتھ ہوگا۔ اسلام میں بے نماز کافروں کے برابر سمجھا گیا ہے۔ نماز کفر اور اسلام میں مابہ الامتیاز شئے قرار دی گئی ہے۔ جیسا کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

((الفرق بین العبد و الکافر ترک الصلوٰۃ)) (مسلم شریف)

''آدمیوں (مومنوں) اور کافروں میں فقط نماز کا فرق ہے''۔

یعنی جس نے نماز چھوڑی کفر تک پہنچ گیا۔ پس مومن کو اپنا امتیاز قائم کرنے کیلئے نماز مقرر کی گئی۔

لڑکوں کو نماز سکھانے کی سخت تاکید

مُقدّس اسلام سکھاتا ہے کہ سات برس کی عمر میں اپنے بچوں کو نماز کی عادت ڈلوانا

چاہیئے۔ اور دس برس کی عمر تک جولڑکے نماز کی طرف راغب نہ ہوں ان کو مار کر پنج وقتہ نماز پڑھانا چاہیئے۔ ہر دین اور ہر فرقہ میں لڑکوں کو عمدہ کام کے لئے مارنا روا ہے۔ اور جب نماز کی تعلیم ایک عمدہ اخلاق کی تعلیم ہے تو اس پر زیادہ سختی کرنا بے جا نہیں ہوسکتا۔ اس پر کسی زیادہ بحث کی ضرورت نہیں۔ اس کو ہم یوں سمجھ سکتے ہیں کہ لڑکے جہاں اسکولوں میں لکھنا پڑھنا سیکھتے ہیں وہاں کرکٹ، جمناسٹک اور قواعد بھی سیکھتے ہیں۔ اسکول سے نکل کر جولڑکا گھر کو بھاگ جائے اور قواعد میں شریک نہ ہوا اس پر ہیڈ ماسٹر کی تنبیہ روا ہے۔ اسی طرح پنج وقتہ نماز میں مسلمان بچوں کا مسجد میں نہ جانا' ان کے اولیاء کو یہ حق دیتا ہے کہ وہ ان کی تنبیہ کریں۔

حضرت امام احمد علیہ الرحمۃ نے اپنی مسند میں اور حاکم نے اپنی مستدرک میں حضرت ابن عمر (رضی اللہ عنہ) سے روایت کی ہے:

((مروا اولادکم بالصلوٰۃ وھم ابناء سبع سنین واضربوھم علیھا وھم ابناء عشر سنین و فرقوا بینھم فی المضاجع)) (مشکوٰۃ شریف)

''حکم کرو تم نماز کا اپنی اولاد کو جب کہ وہ سات برس کی عمر کے ہوں، اور جب وہ دس برس کے ہوجائیں تو ان کو نماز کے لئے مارو، اور ان کے بچھونے الگ کردو''۔

غرض کہ نماز کا حکم بچوں، بوڑھوں، نوجوانوں، مردوں، عورتوں سب کے لئے مساوی ہے کوئی مستثنٰی نہیں۔ بلکہ ہر مسلمان کو حکم ہے کہ وہ ہر موقع پر نماز کا خیال رکھے۔

استعانت بالصلوٰۃ

خدا کی آخری اور کامل کتاب (قرآن کریم) نے[1] ﴿استعینوا بالصبر و الصلوٰۃ﴾ دو مقام پر حکم دیا ہے کہ ''استقلال و شکیبائی اور نماز کے ذریعہ مشکلات میں مدد مانگا کرو''۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ ان چیزوں سے تم کو اعانت ملے گی' تمہاری مشکلیں آسان ہوجائیں گی' مہمات اُمور میں تم کو انھیں سے رجوع کرنا چاہیئے۔ حدیث شریف میں ہے:

---

[1] صبر اور نماز کے ساتھ اعانت مانگو۔ مؤلف

((کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم اذا حزبہ امر فزع الی الصلوۃ)) (ابوداؤد)

''جب کوئی مہم پیش آتی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کی جانب رجوع کرتے''۔

دوسری روایت میں یہ ہے کہ:

((إنهما أي الصبر و الصلوٰة معونتان علی رحمة الله.))

''استقلال اور نماز یعنی دونوں نزول رحمت الٰہی میں اعانت کیا کرتے ہیں[1]''۔

کھو گیا دل کھو گیا، ہوتا تو کیا ہوتا امیرؔ جانے دو اایک بیوفا جاتا رہا، جاتا رہا

صبر کے حقیقی معنی یہ ہیں کہ آفات پر غم واندوہ کرنا بے سود ہے۔ انسان کو ہر ایک مشکل میں مستقل مزاج رہنا چاہیئے، اور کوشش ہونی چاہیئے کہ جو چیز جاتی رہی ہے' پھر اس کا نعم البدل مل سکے۔ اور جب تک بہترین صورت میں تلافی نہ ہو جائے سلسلہ سعی وتدبیر میں خلل نہ آنے پائے۔ مؤلف

ضروری نمازیں

دنیا میں صرف مسلمانوں کی قوم ہی ایک ایسی قوم ہے جو خدائے معبود کی نماز کا اس قدر شدّ ومدّ سے اہتمام کرتی ہے کہ اس کا ہر ایک مذہبی اجتماع یادالٰہی اور نماز سے خالی نہیں۔ دیکھئے محلّہ کی پنجوقتہ حاضری میں نماز ضروری ہے۔ ہفتہ وار جماعت (جمعہ) میں بھی نماز لازم ہے۔ ماہ رمضان شریف کے روزوں کے ختم ہونے کی عید میں جب جمع ہوتے ہیں تو نماز پڑھتے ہیں۔ قربانی کی تیاری کرنے کے قبل نماز (عیدالاضحیٰ) میں شریک ہوتے ہیں۔ مردہ دفن کرنے کو جمع ہوتے ہیں جب بھی نماز پڑھتے ہیں۔ مینھ (بارش) کے لئے دعا مانگنے پر بھی نماز پڑھتے ہیں۔ عرب کے قرب وجوار میں شمس پرستی کا مذہب تھا۔ شمس (سورج) ہی کو لوگ خدا مانتے تھے۔

---

[1] دوران تلاوت میں اس تاکیدی حکم پر بارہا پڑھنے والوں کی نظر پڑی ہوگی لیکن شاید ہی یہ کبھی خیال آیا ہوگا کہ صبر کس کو کہتے ہیں اور اس کا مدعا کیا ہے۔ صبر کے معنی یہ نہیں ہیں کہ انسان کے پاس ایک چیز تھی جاتی رہی اور وہ چپ ہو گیا کہ نہیں ہے تو نہ سہی۔

رات کو اس کا چھپ جانا عوام کے لئے اس کے زوال کی کافی نشانی نہ تھی۔ آفتاب و مہتاب کے غروب سے جو بے وقری[1] اُن کی حضرت خلیل اللہ (علیہ السلام) سمجھے تھے، لوگوں کے دل وہ سبق بھول گئے تھے۔ اس لئے مسلمان گرہن لگنے پر خدائے ذوالجلال کی پرستش کرتے ہیں، اور یہ ظاہر کرتے ہیں کہ وہ خالقِ عالم جس نے سورج کو اندھیرا کردیا' قابل پرستش ہے، نہ کہ سورج کی فانی اور زوال پذیر روشنی۔ سورج گرہن اور چاند گرہن بیشک قدرت ایزدی کا ایک کرشمہ ہے۔ ہنود بھی اس تقریب پر پرستش کرتے ہیں۔ اور مسلمان اس پاک لازوال حیّ و قیوم خدا کی پرستش کرتے ہیں جس نے ان کی روشنی ماند کردی، اور دعا کرتے ہیں کہ اے خدا اپنے غضب سے ہم کو بچا۔

نفلی نمازیں

علاوہ ان نمازوں کے اور بہت سی نمازیں مسلمان اپنی خوشی سے پڑھتے ہیں، جن کو نماز نفل کہتے ہیں۔ فرض نمازوں کے آگے پیچھے بھی نفلیں پڑھتے ہیں۔ دوسرے وقتوں میں بھی جب جی چاہا پڑھتے ہیں۔ اور رمضان شریف میں بھی بعد نماز عشاء جماعت سے تراویح پڑھتے ہیں۔ مگر ان نفلوں میں سب سے اچھی نفل آدھی رات کے بعد والی ہے، جس کو تہجد کہتے ہیں۔ مقدس دین اسلام میں سختی نہیں رکھی گئی ہے۔ آدھی رات کو اُٹھ کر نماز تہجد پڑھنا اکثروں پر گراں گزرتا ہے، اس لئے فرضیت کا حکم نہیں ہوا۔ مگر ہمارے سید و مولیٰ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز تہجد برابر پڑھتے تھے۔ جن لوگوں کو نماز تہجد پڑھنے کی عادت ہے' وہ جانتے ہیں کہ اس میں جو تفریح دل کو حاصل ہوتی ہے' وہ مفرّحات جالینوس کھانے سے بھی نصیب نہیں ہوسکتی۔

نماز تہجد کا لطف

رات کا سناٹا' نیلگوں آسمان' ستاروں کی قندیلیں' ان کی ٹمٹماتی ہوئی روشنی کا سماں، ہوا میں سبکی اور تازگی' باد صبا کی ابتداء' عالم سے گرد و غبار رفع' لبوں کی جنبش سے جو کثافت دن کو ہوا

[1] بے وَقری = بے عزّتی، بے وقعتی، بے آبروئی، ذِلّت وخفّت۔

میں پیدا ہوگئی تھی، وہ سب دفع، زمین سے آسمان تک نور ہی نور۔ پھر اس وقت جو خدائے قدوس کی یاد کرے گا، اس کی عبادت میں محو ہوگا، نماز میں اس کی حمد اور قدوسیت کا راگ رائیگا، وہی اس مزے سے واقف ہوسکتا ہے۔ پاؤں پھیلا کر سونے والے کیا جانیں کہ ان کی بیہوشی میں ہوش والوں نے کیا کمایا اور کیسا لطف اُٹھایا۔

سوئیں گے قبر میں وہی بے خوف جو یہاں   پڑھتے ہیں نیند چھوڑ کے وقت سحر نماز

مبارک المروزی کا مبارک قول

مسلم کی زندگی اور اس کی جان، مومن کی لذت اور راحت اور اس کی عزت وعظمت، اس کی نیکی اور بڑائی اسی میں ہے کہ اپنے خالق و مالک اپنے محسن و معطی کی جناب قدس میں حاضر رہے، اس کی یاد کا دھیان رکھے۔ حضرت سید الزُّہاد قاید الأوتاد مبارک المروزی رحمۃ اللہ علیہ کا مبارک قول ہے:

الشُّکون حرام علی قلوب اولیائہ

خدائے پاک کے دوستوں کے دلوں پر سکون حرام ہے۔ مطلب یہ کہ ہمیشہ اس کی یاد سے ان کا دل حرکت کرتا رہتا ہے اور کبھی اس سے غافل نہیں ہوتے۔

حضرت علی ہجویری کا ارشاد

صاحب ''کشف المحجوب'' لکھتے ہیں کہ خداوند پاک کے دوستوں کا دل ہرگز ساکن نہیں ہوتا۔ عمر بھر حال طلب میں غیبت کی جہت سے، اور بعد از مرگ عقبٰی میں حال طرب میں حضور تجلی کی روش سے، پس دنیا ان کے واسطے مثل عقبٰی اور عقبٰی مثل دنیا ہے۔ کیونکہ سکونِ دل کا اقتضاء دو چیزیں ہیں: (۱) یافت مقصود (۲) یا غفلت از مقصود۔ یہ تو دنیا و عقبٰی میں روا نہیں۔ اور غفلت حضرات عشاق کو زیبا نہیں۔

مر کر بھی ہمارا دل بیتاب نہ ٹھہرا   کشتہ بھی ہوا تو بھی یہ سیماب نہ ٹھہرا

دنیا کی مثال

بازار قیامت میں سب سے بڑھ کر وہی مفلس و قلاش ہوگا جس نے دنیا میں اپنے مولائے حقیقی کی یاد سے سستی کی اور غافل ہوکر غفلت میں عمر بسر کی۔ ایک بزرگ نے کیا اچھا فرمایا ہے کہ دنیا کی مثال بھڑوں کے چھتہ سے مشابہ ہے، جو شخص شہد کے لالچ سے ہلاتا ہے لاکھوں ڈنک مارنے والی بھڑیں اس پر آ پڑتی ہیں۔ اگر وہ مارے طمع کے باز نہیں آتا تو ہلاک ہوتا ہے، اگر بھاگ جائے تو ان سے خلاصی پاتا ہے۔ پس دنیا کی قدر و قیمت اس قابل نہیں کہ اپنا سر اس کو سونپ دیں، اور آخرت کے کام کو معطل چھوڑ دیں اور خدائے پاک کی یاد سے بالکل غافل ہوجائیں۔

ایں سرائے است کہ البتہ خلل خواہد بود خنک آں قوم کہ در بند سرائے دگراند

(یعنی یہ دنیا ایک ایسا گھر ہے جو دُکھ اور رنج ہی دیتا ہے۔ وہی قوم اچھی ہے جو اس دوسرے گھر (عقبیٰ) کی فکر میں ہے)۔

نماز چھوڑنے کا گناہ

(۱) چونکہ نماز پڑھنے سے ظاہری و باطنی، دینی اور دنیوی دونوں طرح کے بے شمار فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ اس لئے اسلام پاک نے جس قدر نماز کی تاکید کی ہے وہ بیان سے باہر ہے۔ نماز ہی سے مومن و مسلم کا امتیاز قائم ہوتا ہے، نماز ہی سے مسلمان کی ہمت بندھتی اور شجاعت[1] و تہوّر (بہادری) کا جذبہ پیدا ہوتا ہے، جس قدر نماز کے فوائد ہیں، اسی قدر اس کی تاکید کی گئی ہے، اور اسی قدر اس پر سزا بھی مقرر کی گئی ہے۔

[1] اس امر کا اعتراف غیر مسلموں کو بھی ہے۔ چنانچہ اخبار ہندوستان (لاہور) مطبوعہ جولائی ۱۹۰۷ء میں اس کے ہندو ایڈیٹر نے مقالہ افتتاحیہ میں لکھا ہے کہ اس سے کسی کو انکار نہ ہوگا کہ موجودہ زمانہ کے ہندوؤں کے مقابلہ میں مسلمان بھائیوں میں دل کی طاقت زیادہ ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ (۷۰) فیصدی سے زیادہ ہر روز خدا کے حضور میں حاضر ہوتے ہیں۔ مسلمان اپنے معبود برحق وحدہٗ لاشریک کی صفات کا دن میں پانچ بار دھیان کرتے ہیں، وہ

نماز چھوڑنے کی سزا

نماز سے غافل ہونے والوں کی سزا ایک جگہ قرآن کریم میں یوں بیان کی گئی ہے کہ جنّتی لوگ جہنم والوں سے پوچھیں گے کہ تم جہنم میں کیوں پڑے؟ تو وہ ان کو جواب میں کہیں گے:

﴿قالوا لم نک من المصلین﴾ (مدثر:۴۳)

ہم نمازی نہیں تھے (نماز پڑھنے سے جی چراتے تھے)۔ دوسری جگہ فرمایا:

﴿اقیموا الصلوٰۃ و لا تکونوا من المشرکین﴾ (روم:۳۱)

نماز پڑھتے رہو اور اس کے چھوڑنے سے مشرک نہ بنو۔

ان دونوں آیتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام پاک میں نماز چھوڑنا کس قدر گناہ ہے۔

۲۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

من ترک الصلوٰۃ فقد کفر (ترمذی، نسائی، ابن ماجہ وغیرہ)

جس نے نماز کو (عمداً) ترک کیا وہ کافر ہو گیا۔

۳۔ حضرت عبداللہ بن شقیقؒ فرماتے ہیں کہ:

کان اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم لایرون شیئاً من الاعمال ترکہ کفرا غیر الصلوۃ (ترمذی شریف)

"حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب نماز کے سوائے دوسری عمل کے ترک

کسی دنیاوی طاقت کا بھروسہ نہیں کرتے۔ بلکہ براہ راست اس سے التجا لاتے ہیں، جو تمام طاقتوں کا منبع ہے۔ تم تجربہ سے دیکھتے ہو کہ لیموں کا دھیان کرنے سے بعض لوگوں کے منہ میں پانی بھر آتا ہے۔ ناول پڑھتے ہوئے یا ڈراما دیکھتے ہوئے لوگ رونے لگتے ہیں۔ بہادری کا قصہ سننے سے انسان کے دل میں شجاعت کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ بھگتوں کے چرتر حالات زندگی پڑھنے سے بھگتی اور پریم کی لہریں اُٹھنے لگتی ہیں۔ تو کیا خدائے پاک کی حضوری بار بار حاضر ہونے کا دل پر کوئی اثر نہیں ہوگا؟ یہ ہے بھید مسلمانوں کی ہندوؤں پر فوقیت کا، یہی سبب ہے ان کی ہمتیں اعلیٰ اور ہندوؤں کے حوصلے پست ہیں۔ مگر یاد رہے کہ ہم ان کو مسلمان نہیں کہتے جو ہندوؤں کو لوٹ لیتے ہیں۔ اسلام میں تو ہمسایہ کے بہت بڑے حقوق ہیں سچے مسلمان کبھی کسی ہمسایہ کو تکلیف نہیں دے سکتے۔

کردینے کو کفر نہیں جانتے تھے''۔

ان روایتوں سے معلوم ہوا کہ نماز کا چھوڑ دینا کس قدر سخت گناہ ہے کہ انسان کفر کے قریب ہوجاتا ہے۔

کیا تارک نماز مستحق عذاب نہیں

افسوس اب وہ زمانہ آگیا ہے کہ اس وقت کے بعض تنگ خیال..... بزعم خود روشن خیال..... کہتے ہیں کہ ترک صوم وصلوٰۃ باعث عذاب وعقاب نہیں۔ اوراس پر دلیل یہ پیش کی جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زانی اور سارق کی طرح تارک نماز کے واسطے کوئی حد (سزا) مقرر نہیں کی، اور نہ بظاہر قرآن کریم میں وعید عذاب ہی وارد ہے۔ اس کے علاوہ صوم وصلواۃ اللہ تعالیٰ کے حقوق ہیں جو معاف ہوجائیں گے۔ ''ہائے مسلمانان درگورومسلمانی در کتاب'' مسلمان حج و زکوٰۃ کے تو قایل ہی نہیں، نماز روزہ باقی ہے، سواس میں بھی یہ تاویلیں ہوتی ہیں۔ دیکھو! کس قدر غلط خیال ہے کہ ''تارک صوم وصلوٰۃ مستحق عذاب نہیں''۔

ایسے لوگوں کوواضح رہنا چاہیۓ کہ صوم وصلوٰۃ کا حکم اللہ تعالیٰ نے دیا ہے، اس کا ترک کرنا خلاف حکم ہے اور سرکشی ونافرمانی باعث عذاب ہے۔ خدائے پاک کی مقدس کتاب نے بار بار اس مسئلہ کو بیان فرمایا ہے کہ جو لوگ خدا اور رسول کی نافرمانی کریں گے وہ ابد الآباد تک دوزخ میں جلیں گے۔ اس کے علاوہ نماز روزہ اسلام کے رکن ہیں، جو ان کا پابند نہیں وہ منکر ہے اور دائرۂ اسلام سے خارج ہے۔ اور نماز روزہ باتفاق فرض ہیں اور فرض وہ چیز ہے، جس کے کرنے پر ثواب اور نہ کرنے پر عذاب ہوگا۔ یہ خیال ہی غلط ہے کہ قرآن کریم میں تارک صوم و صلوٰۃ کے واسطے کوئی عقاب مقرر نہیں۔ کیا قرآن مجید میں نہیں آیا؟ کہ

﴿فویل للمصلین الذین ھم عن صلوتھم ساھون﴾ (ماعون:۴۔۵)

پس ویل (عذاب یا خرابی) ہے ان نمازیوں کو جو اپنی نماز سے بے خبر ہیں (یا سستی کرتے ہیں) ''ویل'' کے معنی عذاب و بلا ہے، یا دوزخ کا ایک طبقہ ہے جس میں نماز سے

غفلت کرنے والے جائیں گے۔اس کے علاوہ اور بھی متعدد مقامات پر تارکانِ نماز روزہ کے واسطے وعید عقاب وارد ہیں۔

ہاں اگر کچھ بات ہے تو صرف یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تارکان نماز کے لئے کوئی خاص عذاب مقرر نہیں فرمایا، جس طرح دوسرے اکثر اوامر کے متعلق فرمایا ہے۔مثلاً تارک زکوٰۃ کی نسبت فرمایا کہ قیامت کے دن ان کا مال آتش دوزخ میں لال کیا جائے گا، اور پھر ان تارکان زکوٰۃ کی پیشانیوں پہلوؤں اور پشتوں کو داغ دیئے جائیں گے۔ اس سے یہ مراد نہیں کہ تارک صوم وصلوٰۃ کو عذاب نہیں ہوگا۔قرآن کریم میں جا بجا اس کے مستحق عذاب وعقاب ہونے کی خبریں موجود ہیں۔اور حدیث شریف میں آیا ہے کہ مومنوں اور کافروں میں فقط نماز کا فرق ہے جس نے نماز چھوڑی کفر پر پہنچ گیا۔اور نیز حدیث شریف میں ہے۔

ترک نماز سے کفر لازم ہونے کی وجہ

من ترک الصلوٰۃ متعمدًا فقد کفر (جس نے جان بوجھ کر (عمداً) نماز چھوڑی وہ کافر ہوگیا) وجہ یہ ہے کہ نماز اسلام کا سب سے بڑا اشعار ہے۔اور اسلام کی ایسی علامات میں سے ہے کہ جس کے جاتے رہنے سے اگر اسلام کے جاتے رہنے کا حکم کر دیا جائے تو بجا ہے، کیونکہ اسلام میں اور نماز میں بہت ملابست اور موانست ہے۔لفظ اسلام کے معنی خدا کے آگے سر جھکا دینے کے ہیں، اور ان معنوں کو نماز ہی خوب ادا کرتی ہے۔پس جس کو نماز سے کچھ حصہ نہیں، وہ اسلام سے محروم رہا، وہ اسلام سے بجز نام کے اور کچھ نہیں لے جاتا، جس کا خدائے پاک کے پاس کچھ اعتبار نہیں۔

حقوق اللہ سے کیا مراد ہے؟

رہا یہ خیال کہ اللہ تعالیٰ کے حقوق معاف ہوجاتے ہیں یہ بھی لغو ہے۔ کیونکہ حقوق اللہ کے یہ معنی نہیں ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے چند چیزیں اپنے واسطے خاص کرلی ہیں۔ وہ ذات بے نیاز

ہے، اس کو کسی چیز کی حاجت نہیں۔ روزہ نماز اس لئے فرض ہوا ہے کہ لوگ ان سے اپنے نفوس پاک و صاف کر کے فلاح دارین حاصل کریں اور مواخذۂ دنیا و عقبیٰ سے نجات پائیں اور جو حقوق اللہ تعالیٰ معاف فرمائے گا وہ ایسے حقوق ہوں گے جن کو بندگانِ خدا اور خدائے تعالیٰ دونوں سے تعلق ہوگا۔ جب بندہ اپنا حق کسی کو معاف کردے گا تو اللہ تعالیٰ بھی اپنے فضل و کرم سے اپنے حق کو معاف کردے گا، اس لئے کہ اسے ان حقوق سے کوئی ذاتی غرض نہیں ہے[1]۔

ملاحدہ کا اعتراض

ملاحدہ اعتراض کیا کرتے ہیں کہ خدا کو گناہ پر عذاب دینے سے کیا حاصل؟ سزا یا انتقام وہ شخص لیتا ہے جس کو کسی قسم کا نقصان پہنچا ہو یا پہنچنے کا اندیشہ ہو، اور خدا اس سے بری ہے۔ اگر تمام عالم فسق و فجور میں پڑ جائے یا نماز روزہ نہ بجا لائے تو اس سے خدا کا کیا بگڑتا ہے۔ اس صورت میں انتقام لینا یا سزا دینا بے فائدہ ہے۔

یہ سوال یا اعتراض کیوں پیدا ہوا؟ محض عبادت کا مفہوم نہ سمجھنے کی وجہ سے، جو سب سے بڑی غلطی ہے۔ عموماً لوگ سمجھتے ہیں کہ عبادت خود ایک مقصود بالذات چیز ہے اور اس کا مقصد

---

[1] بیان حقوق اللہ میں بجائے تقریر مؤلف مرحوم تقریر مذکور الذیل انسب ہے۔ باقی رہا یہ کہ حقوق اللہ معاف ہو جاتے ہیں تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ ان سے بے پروائی کرنے پر باز پرس ہی نہیں ہوتی، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جن حقوق سے مخلوق کا تعلق نہیں بلکہ خداوند تعالیٰ نے محض بندوں کے امتحان اور ان کی ذاتی منفعت کیلئے مقرر فرمایا ہے، ان کو جو لوگ بے پروائی سے چھوڑ بیٹھتے ہیں تو اسے اختیار ہے کہ چاہے معاف کرے، چاہے نافرمانی و کفرانِ نعمت کی سزا دے۔ چنانچہ اپنے کلام مقدس میں فرماتا ہے: ﴿نَبِّئْ عبادی انی انا الغفور الرحیم وان عذابی ھو العذاب الالیم﴾ یعنی میرے بندوں کو مطلع کردیجئے (تا کہ غافل و بے باک نہ ہو جائیں) کہ بیشک میں غفور الرحیم ہوں اور بیشک میرا عذاب بھی دردناک عذاب ہے۔ ویسی ہی دوسری جگہ فرماتا ہے ﴿واعلموا ان اللہ شدید العقاب و ان اللہ غفور الرحیم﴾ یعنی یقیناً جان لو کہ اللہ تعالیٰ سخت عذاب دینے والا ہے اور غفور الرحیم ہے۔ اور جو حقوق بندوں کے ہیں اُن کا تعلق بندوں سے ہے، اگر اصحاب حقوق معاف کردیں گے تو معاف ہو جائیں گے ورنہ سزا بھگتنی پڑے گی۔ ان حقوق کو اللہ تعالیٰ بندوں کی رضا کے بغیر معاف نہیں فرمائے گا۔ ۱۲ محمد صدر الدین

صرف خدائے پاک کی اطاعت کا اظہار ہے۔ حالانکہ اس کی مثال:

عبادت کی مثال (دیگر مذاہب میں)

یہ ہوگی کہ مثلاً ایک بادشاہ نے اپنے کسی نوکر کی وفا شعاری اور اطاعت کا امتحان لینا چاہا، اور اس بناء پر حکم دیا کہ وہ تمام شب ایک پاؤں پر کھڑا رہے۔ اس سے نہ بادشاہ کا کوئی نفع ہے نہ نوکر کا کوئی فائدہ، بلکہ صرف نوکر کی اطاعت کا امتحان ہے۔ اسی طرح ہم جو نمازیں پڑھتے ہیں، روزے رکھتے' حج کرتے ہیں، تو اس سے فقط امتثال امر مقصود ہے۔ خدا نے ہم کو حکم دیا، ہم بجالائے، جس قدر ہم تکلیفیں اُٹھاتے ہیں، اسی قدر خدا خوش ہوتا ہے۔ مہینوں کھانا چھوڑ دینا' ایک پاؤں پر رات بھر کھڑا رہنا' ہاتھ کو ہوا میں معلق رکھ کر خشک کر دینا' جاڑوں میں برہنہ آسمان کے نیچے سونا' چالیس چالیس روز کا چلہ کھینچنا' شادی نہ کرنا' عمر بھر جوگی پن میں اور رہبانیت میں گزار دینا' اس قسم کی جو باتیں ہندوؤں، عیسائیوں اور دیگر مذاہب میں پائی جاتی ہیں، سب مسئلہ عبادت میں غلطی کھانے کی بناء پر ہے اور اسی خیال پر سب کی بنیاد ہے۔ اس خیال نے یہاں تک ترقی کی کہ جان کی قربانی تک نوبت آئی۔ بہت سے لوگ اپنے آپ کو بلی چڑھا دیتے تھے ان سے گھٹ کر اولاد کی قربانی کرتے تھے [1]۔

---

[1] مذکورہ سوال کے جواب میں یہ تقریر ملاحظہ کی جائے:

یہ اعتراض یا وسوسہ کیوں پیدا ہوا؟ محض تقرر احکام و عبادات الٰہیہ کا مقصد نہ سمجھنے کی وجہ سے۔ اگر اس مقصد کی تہ کو پہنچا جاتا تو اس تقرر احکام و عبادات کو خدائے تعالیٰ کا احسان عظیم سمجھا جاتا۔ اور کسی طرح اعتراض نہ کیا جاتا۔ اس لئے کہ تقرر احکام و عبادت سے مقصد انسان کے شرف و امتیاز کا بقاء و اظہار ہے۔ کیونکہ یاد الٰہی اور اس کی اطاعت کے سوا جتنے صفات انسان میں مثلاً کھانا و پینا، سونا و زاد و لد، پائے جاتے ہیں' یہ انسان کے سوا دیگر حیوانات میں بھی پائے جاتے ہیں، بلکہ زیادہ تر ایسی صورت میں یہ اوصاف انسان کے شرف و امتیاز کا معیار نہیں بن سکتے۔ اگر یہ کہا جائے کہ انسانی شرف و امتیاز کا باعث اپنی عقلی قوت کے ذریعہ عجائب و غرائب' حکمتوں و صنعتوں کا اظہار ہے جیسے طیارے و لاسلکی وغیرہ کا ایجاد، تو یہ بھی غلط ہے اس لئے کہ ان ایجادوں سے آخری مقصد یہی ہے کہ اپنے ابنائے

عبادت کی نسبت اسلام کی تعلیم

اسلام پاک نے انسان کے جس قدر فرائض زندگی ہیں۔ مثلاً کسب معاش، پرورشِ اولاد، محبتِ وطن وغیرہ کو بھی نماز روزہ کی طرح عبادت میں شمار کیا ہے۔ اسلام نے یہ قرار دیا ہے کہ خدائے تعالیٰ کی عبادت سے اپنی ذاتی کچھ غرض نہیں۔ عبادت سے خود مخلوق کا فائدہ ہے اور وہ عبادت جسمانی مثلاً نماز، روزہ وغیرہ کو مقصود بالذات نہیں سمجھتا، بلکہ وہ کہتا ہے کہ چونکہ ان پر کوئی اخلاقی نتیجہ مترتب ہوتا ہے، اس لئے اعتدال کی حد سے متجاوز نہ ہونے کی صورت میں

جنس پر فوقیت وغلبہ اور اپنی خواہشات وضروریات کے حصول میں سہولت ہو۔ اس مقصد کے لحاظ سے حیوان بھی انسان کے ساتھ مساوی وشریک ہیں۔ اس لئے کہ حیوانات بھی غیر پر اپنے فوقیت وغلبہ کو پسند کرتے ہیں اور اپنی مناسب خواہشات وضروریات کی تکمیل کے اسباب مناسب مہیا کرتے ہیں۔ علم حیوانات جاننے والوں پر یہ حقیقت بخوبی روشن ہے۔ جب انتہائی نتیجہ کے لحاظ سے حیوانات بھی انسان سے مساوی وشریک ہوئے تو یہ ایجادیں وصنعتیں کسی طرح موجب امتیاز وشرافت نہیں ہوسکتے۔ کیونکہ ہر فعل کی فوقیت وشرافت اس کے نتائج و انتہائی اغراض کے نقطۂ نظر سے ہوا کرتی ہے، جب نتیجہ وآخری غرض میں کوئی فوقیت ورفعت نہو تو فعل فی نفسہٖ کسی طرح قابل تعریف وموجب فوقیت نہیں ہوسکتا۔ لہذا یہ اوصاف وایجادات کسی طرح انسانی شرف وامتیاز کا معیار نہیں ہوسکتے۔ انسانی فوقیت وامتیاز کا معیار کوئی ایسی شئی ہونا چاہئے جو مادی لگاؤ سے ہر طرح مافوق ومبرا اور حیوانی مقاصد سے بالکل بلند وممتاز ہو۔ وہ تقرب ونزدیکی اس ذات سے ہے جو کہ تمام رفعتوں اور فوقیتوں کی مالک ہے اور جمیع عیوب اور پستیوں سے فوق الفوق ہے۔ اس لئے خداوند کریم ورحیم نے اپنے کرم ورحم لا متناہی سے انسانی شرف وامتیاز کے بقا کے لئے اپنی قربت ومعرفت کے ذرائع سے جو اُن کے عبادات وطاعات ہیں ہمیں مطلع فرما کر ان کے پابند رہنے کی تاکید اکید کردی، تاکہ ہم اپنی غفلت سے اپنے شرف امتیاز کو کھودے کر زمرۂ حیوانات میں داخل بلکہ اُن سے بھی زیادہ قعر مذلت میں نہ جا پڑیں۔ چنانچہ اللہ جل جلالہٗ وعم نوالہٗ اپنے کلام پاک میں بذریعہ ان دو آیتوں کے اس مضمون کے طرف اشارہ فرماتا ہے۔ ﴿وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون﴾ ﴿اولئک کالانعام بل هم اضلّ الایة﴾ فقط محمد صدر الدین

عبادت سے بہت بڑے روحانی وجسمانی فائدے خود انسان ہی کو حاصل ہوتے ہیں۔قرآن حکیم میں ہے:

﴿من جاهد فانما يجاهد لنفسه ان الله لغنى عن العلمين﴾ (العنکوت:٦)

''جو شخص (عبادت کی) محنت اُٹھاتا ہے تو اپنے لئے اُٹھاتا ہے۔خدا تمام عالم سے بے نیاز ہے''۔

پھر کلّی طور سے بتایا کہ عبادات سے خود انسان کو فائدہ پہنچتا ہے۔اور خدائے پاک نے جو عبادت کا حکم دیا ہے،خود انسان کے فوائد کے لحاظ سے دیا ہے۔

﴿من عمل صالحا فلنفسه و من اساء فعليها﴾ (حم السجدہ:٤٦)

''جو شخص اچھا عمل کرتا ہے اپنے لئے کرتا ہے جو بُرا کرتا ہے تو اپنے لئے''۔

﴿مايريدالله ليجعل عليكم من حرج ولكن يريد ليطهركم و ليتم نعمته عليكم﴾ (مائدہ:٦)

''خدا نہیں چاہتا کہ دین میں تمہارے اوپر کچھ دقّت پیدا کرے،بلکہ وہ چاہتا ہے کہ تم کو پاک کرے اور تم پر اپنی نعمت کو تمام کرے''۔

پھر عبادات میں سے ایک ایک عبادت کے الگ الگ نتائج اور فائدے بیان کئے ہیں۔انسان کے تمام ضروریات زندگی کو عبادت قرار دیا،اور ان کے بجالانے کی تاکید کی۔یہ اسلام کا خاص حصہ ہے۔دوسرے تمام مذاہب نے عبادت کے متعلق غلطیاں کھائی ہیں۔تمام صحابہؓ جو اسلام کی اصلی تصویر تھے،زندگی کی ضروریات کو سچائی اور دیانتداری سے انجام دینا' عبادت سمجھتے تھے۔آج بھی مسلمانوں کا خیال ہے کہ صحابہؓ کا چلنا پھرنا،کھانا پینا،نکاح کرنا،خانہ داری کے کاموں کو انجام دینا سب عبادت تھا۔صحابہؓ کی تخصیص نہیں،ہر شخص کے یہ افعال عبادت ہیں بشرطیکہ اسی طرح کئے جائیں جس طرح صحابہؓ کرتے تھے۔

سزا و جزا

اب سزا و جزا کا مسئلہ صاف ہے۔اسلام پاک نے عذاب و ثواب کے متعلق عام طور پر

اگر چہ بیان کا وہی پیرایہ اختیار کیا ہے۔ جو تمام اہل مذاہب کا تھا کہ ''انسان جب خدا کے احکام کی تعمیل نہیں کرتا تو خدا اس سے ناراض ہوتا ہے'' اور عام طبائع کے لئے یہی طریقہ ناگزیر بھی تھا، لیکن اس باب میں جو اسلام کو ترجیح ہے وہ یہ ہے کہ اسلام نے اصل حقیقت بھی صراحۃً اور کنایۃً ظاہر کی، اور کہا کہ اصل حقیقت یہ ہے کہ جس طرح عالم جسمانیات میں اسباب و علل، اثر و موثر کا سلسلہ ہے؛ مثلاً سنکھیا قاتل ہے۔ گلاب محرک نزلہ ہے۔ اَملتاس[1] مسہل ہے، اسی طرح یہی سلسلہ عالم روحانیات میں بھی قائم ہے۔ نیک و بد جس قدر افعال ہیں، ان کا نیک یا بد اثر روح پر مرتب ہوتا ہے۔ اچھے کاموں سے روح کو انبساط ہوتا ہے، بُرے افعال سے انقباض۔ آلودگی اور نجاست کی کیفیت پیدا ہوتی ہے۔ اور یہ وہ نتائج ہیں جو اس سے جدا نہیں ہو سکتے۔

فرض کرو ایک شخص نے کسی کی کوئی چیز چُرائی، اب اگر وہ شخص جس کی وہ چیز تھی' معاف بھی کر دے تو چوری کرنے سے اس شخص کی عزت پر جو داغ آ گیا' وہ کسی حالت میں زائل نہیں ہوسکتا۔ غرض اچھے افعال سے روح میں جو سعادت کا اثر پیدا ہوتا ہے اور بُرے کاموں سے جو شقاوت حاصل ہوتی ہے' وہی سبب عذاب و ثواب ہے۔ اب خدائے پاک پر جس طرح یہ اعتراض نہیں ہوسکتا کہ سنکھیا کھانے پر اس نے فلاں شخص کو کیوں مار ڈالا۔ اسی طرح یہ اعتراض نہیں ہوسکتا کہ فعل بد کے ارتکاب پر خدائے پاک نے عذاب کیوں دیا؟ کیونکہ عذاب اس فعل کا لازمی نتیجہ تھا، جو اس سے منفک نہیں ہوسکتا تھا۔

عذاب و ثواب کی مثال

اس کی مثال یہ ہے کہ جس طرح ایک طبیب کسی بیمار کو دوا کھانے اور مضر چیزوں سے پرہیز کرنے کا حکم دیتا ہے۔ مریض اگر طبیب کے حکم کے موافق عمل نہیں کرتا تو اس کو ضرر ہوتا ہے، یہ ضرر صرف اس وجہ سے ہوتا ہے کہ مریض نے بد پرہیزی کی۔ لیکن عام طور پر لوگ کہتے ہیں کہ مریض نے چونکہ حکیم کی نافرمانی کی اس لئے ضرر ہوا۔ حالانکہ ضرر کی اصل علت

[1] اَملتاس= ایک لمبی پھلی جس کا مغز مسہل کیلئے دیا جاتا ہے، خیار شنبر۔

بد پرہیزی ہے۔ فرض کرو کہ طبیب بد پرہیزی سے منع نہ بھی کرتا' تاہم بد پرہیزی کرنے سے ضرر ہوتا۔ اسی طرح حکیم حقیقی' طبیب اصلی خداوند پاک شرک' گناہوں کے ارتکاب سے منع نہ بھی کرتا' تاہم ان گناہوں وشرک کے ارتکاب سے روح کو وہی صدمہ اور عذاب ہوتا۔ اسلام پاک کو جو ترجیح ہے وہ یہی ہے کہ وہ ہر ایک مسئلہ کی حقیقت کو ظاہر کر دیتا ہے۔ اور یہی وہ خصوصیت ہے جو ہر موقع پر اسلام کو دیگر تمام مذاہب سے ممتاز کرتی ہے۔ پس نماز چھوڑ دینے کی سزا کیوں مقرر کی گئی ہے؟ اس کے لئے خود نماز کی حقیقت پر غور کرنا کافی ہے، پس نماز چھوڑنے پر جو عذاب ہوگا وہ غضب یا انتقام نہیں ہے۔

اس کی مثال یہ ہے کہ جو شخص کھانا پینا چھوڑ دے گا خدا اس کو بھوک پیاس کی تکلیف دے گا۔ جو شخص بیوی سے صحبت نہ کرے گا خدا اس کو اولاد نہ دے گا۔ طاعات و معاصی کو قیامت کی تکلیفات اور لذائذ سے بالکل یہی نسبت ہے۔ یہ اعتراض کرنا کہ معصیت پر کیوں عذاب ہوگا؟ گویا یہ کہنا ہے کہ جاندار' زہر سے کیوں ہلاک ہو جاتا ہے۔ اور زہر کیوں ہلاکت کا سبب ہے۔

نماز کے فائدے

اسلام کا امتیاز

مقدس مذہب اسلام کو ایک خاص خصوصیت حاصل ہے۔ اس میں ایک خوبی ہے جو اس کو دنیا کے دیگر مذاہب سے ممتاز کرتی ہے، اور وہ یہ ہے کہ وہ ہر ایک مسئلہ کی اصل حقیقت کو بھی ظاہر کر دیتا ہے۔ تمام دوسرے مذہبوں میں صرف عوام کی تلقین اور ہدایت کا لحاظ ہے۔ اصل حقیقت سے یا خود بانیان مذہب بے خبر تھے، یا اگر باخبر تھے تو وہ خواص کی تعلیم و تربیت کو اپنا مقصد نہیں قرار دیتے۔ بخلاف اس کے اسلام تمام دنیا کی ہدایت کے لئے آیا۔ جس میں عالم و جاہل' احمق و دانا' عارف و عامی' زاہد و صوفی' ظاہر پرست اور حکیم سب داخل تھے۔ اسلام نے ہر ایک عبادت کی اصل حقیقت اور نتائج اور فائدے الگ الگ بیان کر دیئے ہیں۔ نماز کی نسبت کہا:

﴿ان الصلوٰۃ تنھی عن الفحشاء والمنکر﴾ (نماز فحش اور لغویات سے روکتی ہے) روزہ کی نسبت فرمایا: ﴿لعلکم تتقون﴾ (غالباً تم پرہیز گار ہو جاؤ گے) حج کی نسبت فرمایا: ﴿لیشھدوا منافع لھم﴾ (تاکہ اپنے فائدے کی جگہ جمع ہو جائیں) زکوٰۃ کے فوائد محتاج بیان نہیں۔ (وقس علی ہذا)

نماز کا حقیقی مفہوم

نماز کیا ہے؟ خدائے پاک کے ساتھ تعلقات بندگی کو تازہ کرنا اور اپنے قوائے بہیمیہ کے خلاف اپنے قوائے ملکوتیہ کو قوی رکھنے کی سعی ہے، دنیا کی چھوٹی چھوٹی ہستیاں جو اپنی شان و شوکت و جبروت وجلالت سے دلوں پر ایک طرح کی مرعوبیت کا نقش بٹھاتی ہیں' ان سے تبرّیٰ و استغفار کر کے صفحہ قلب سے نقش باطل کو دھو ڈالنا، اور انسانی زندگی کو روحانی و مادی دونوں حیثیتوں سے بہترین نمونہ سعادت بنانے کے لئے خدائے پاک کی ایک معیت اور صحبت ہے۔ اگر اس کے تعلق کو معیت وصحبت کے لفظ سے تعبیر کیا جا سکتا ہے اور یہ معیت اول سے لے کر آخر تک قائم رہتی ہے تو یہی وہ مقام ہے جہاں صرف خدا ہے اور خدا کی یاد ہے۔ بندے اور خدا کے مابین کوئی چیز حائل نہیں ہوتی۔

نماز کے ظاہری فائدے

ا۔ نماز کے ظاہری فائدوں میں سب سے بڑا فائدہ (جس کو ہر ایک ادنیٰ و اعلیٰ احساس کر سکتا ہے) یہ ہے کہ نماز انسان کو سب گناہوں سے بچا لیتی ہے۔ اور انسان منبع اور مظہر شر (شیطان) اور شیطانی ملکات اور رذائل سے خدائے پاک کی پناہ میں آجاتا ہے، اس کی پناہ اور تائید کے قلعہ مستحکم' اس کی اعانت وتوفیق کے حصن حصین میں جاگزیں ہو جاتا ہے، جس کے حصول کے لئے ہر ایک مذہب نے کوئی نہ کوئی ذریعہ یا وسیلہ مقرر کیا ہے؛ مثلاً عیسائیوں نے کفارہ اور قربانی کا سلسلہ ایجاد کیا۔ مگر خدائے ذوالجلال نے ان سب باتوں کو عبث ٹھہرا کر صرف

نماز ہی کو گناہوں سے نجات دلانے والی بیان فرمایا ہے۔

نماز گناہوں سے بچاتی ہے

اور یہ ظاہر ہے کہ جب دل میں خدا کی یاد کا اثر پیدا ہوجائے تو اگر کوئی گناہ سامنے آتا ہے تو بندہ اپنے خالق مالک الملک سے ڈر کر اس کو یاد کر کے اس گناہ سے ضرور کنارہ کر جاتا ہے اور باز رہتا ہے۔ اور ایسے ذاکر کے منہ سے کوئی بُری بات نہیں نکلتی وہ جانتا ہے کہ جس منہ سے میں اپنے معبود و محبوب حقیقی کا نام لیتا اور اس کو یاد کرتا ہوں' اور جو زبان اس کے شیریں نام کی چاشنی سے لذت پاتی ہے' اسی منہ اور زبان سے فحش کلام اور بے حیائی اور سخن ناہموار کیسے نکالوں۔ وہ ضرور اس بات سے شرم کرتا ہے کہ اب میں کس طرح غیبت کروں، کس طرح جھوٹ بولوں یا اور دیگر معاصی کا ارتکاب کروں۔ یہ شرم وحیا اسے ایسی دامنگیر ہوگی کہ رفتہ رفتہ گناہوں کا اثر اس کے دل سے مٹ جائے گا اور تقدس اور پاکیزگی اس کے دل میں پیدا ہوکر فرشتوں کا ہم پایہ ہوجائے گا۔

نماز کے عام فائدے

۲۔ نماز انسان کو حیوان سے انسان بنادیتی ہے، اور انسان سے کامل انسان بنا کر خدائے قدوس سے ملا دیتی ہے۔ بدتہذیب و فاسق و فاجر نہیں ہونے دیتی، بلکہ شستہ اور شایستہ رہنے اور کپڑے پاک صاف رکھنے اور صاف باطن ہونے اور ہر وقت خدائے ذوالجلال کے حضور میں ہونے اور بزرگوں کی ملاقات کے فیضان اثر اور تجلیات کی برکت کے سبب سے نمازی کی تندرستی اور صحت اور سلامتی اور شایستگی غافلوں سے بہت اچھی اور بڑھ کر ہوتی ہے۔ خدائے قادر کی ہیبت اور سطوت کا سکہ' گناہوں سے بچنے کا خوف' مرنے کی فکر' اُخروی پکڑ کا ڈر' حساب کا اندیشہ' خلقت کی خیر خواہی' ہر قسم کی دور اندیشی جو نمازی کو حاصل ہوتی ہے' وہ غیر میں نہیں پائی جاتی۔ رقیق القلبی تو نمازی کا خاص حصہ ہے۔ جو فائدے خلقت کو اس سے پہنچتے ہیں' وہ اوروں

سے نہیں پہنچتے۔ نمازی تمام مومنین سلف و خلف کے لئے رحمت و مغفرت کا خواستگار رہتا ہے۔ عبادت سے اس کی روزی بڑھتی ہے۔ طرح طرح کی برکتیں اس پر نازل ہوتی ہیں۔ تکلیف اور پریشانی دور ہو جاتی ہے۔ اس کی مرادیں پوری ہوتی ہیں۔ زندگی کا لطف بڑھ جاتا ہے۔ اس کی برکت سے بارش ہوتی ہے اور ہر قسم کی بلا ٹل جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ مددگار اور مہربان رہتا ہے۔ فرشتوں کو حکم ہوتا ہے کہ اس کا دل مضبوط رکھو۔ قرآن کریم اس کے حق میں شفا ہو جاتا ہے۔ مال کا نقصان نہیں ہوتا، اگر ہو جائے تو اس کا نعم البدل مل جاتا ہے! دن بدن نعمتوں میں ترقی ہوتی ہے، مال بڑھتا ہے، جس سے دل میں راحت اور تسلّی رہتی ہے۔ اس کی آئندہ نسل بھی فوائد سے محروم نہیں رہتی۔ زندگی میں غیبی بشارتیں ملتی ہیں۔ مرنے کے وقت فرشتے خوشخبری سناتے اور مبارک باد دیتے ہیں۔ افلاس اور فاقہ سے اللہ تعالیٰ محفوظ رکھتا ہے، اور اس کے غصّہ سے پناہ میں آجاتا ہے۔

۳۔ ظاہری فائدوں میں ایک یہ بھی خاص فائدہ ہے کہ نمازی آدمی ہر نجاست و غلاظت سے بھی اپنے کپڑے اور تن بدن کی حفاظت کرتا ہے۔ بے نماز بالکل نہیں کرتا بلکہ اپنے پیشاب کے وہ قطرات کو جو بعد میں آتے ہیں، سب پتلون یا پاجامہ یا تہہ بند میں لیتا ہے۔ آٹھ پہر میں اگر دس مرتبہ پیشاب کرے اور فی مرتبہ پانچ قطرے کپڑے پر لے تو ہر روز وہ چلو پیشاب سے اپنے تن بدن کو نجس کرتا ہے۔ اسی پر سال بھر کا حساب لگا لیجئے۔ جو آدمی پابند نماز ہے، وہ ہر وقت پاک و طاہر رہتا ہے، ہر طرح کی ناپاکی خصوصاً غلاظت سے اپنے آپ کو بچاتا ہے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ اس قدر پاکیزگی کا اہتمام کرنا کس قدر صحت اور تندرستی کے لئے مفید ہے۔

نمازیوں اور بے نمازیوں میں بین فرق

اب خیال کرو ان دو گھرانوں کا، جن میں ایک پابند نماز ہے اور دوسرے پر زندقہ والحاد چھایا ہوا ہے، جسے نہ طہارت سے واسطہ ہے اور نہ غلاظت سے نفرت ہے۔ بتلاؤ کونسا گھرانہ ازروئے عقل اچھا ہے۔ کونسے گھرانے کی صحت اچھی ہوگی۔ کونسے خاندان کے کام ایک خاص

اصول اور پابندئ وقت کے ساتھ چلتے ہوں گے۔ اور دونوں قسموں کے اثروں سے متاثر ہوکر کونسا گھرانہ عمدہ معاشرت رکھتا اور تہذیب وتمدن سے اقرب ہوگا اور کونسا بعید؟ کونسے گھر میں عموماً سحر خیزی ہوگی' جو مفید صحت ہے؟ اور کونسے میں دن رات کا کام دیتا ہوگا؟ اور ان دونوں گھرانوں کا الگ الگ قومی تہذیب وتمدن پر کیا اثر پڑتا ہوگا؟۔

نماز انسان کے اعضاء کی محافظ ہے

۴۔ یہی حال ہاتھ، پاؤں، زبان، آنکھ، کان، دل کا ہے، نمازی آدمی اپنے ہاتھ کو بُرے کاموں کے کرنے سے منع کرتا ہے، پاؤں کو بُری جگہ جانے سے روکتا ہے، زبان کو فحش اور بیہودہ بکنے سے روکتا ہے، آنکھ کی بے حیائی سے حفاظت کرتا ہے۔ کان کو بیہودہ اور لغو گفتگو' کذب و غیبت وغیرہ کے سننے سے ہٹاتا ہے۔ دل میں خیال بد کو گھسنے نہیں دیتا۔ چونکہ دل ہی مبدا[1]

---

[1] دل کی اصلاح:

قربان جائیں اس حکیم حقانی رسول ربانی (فداہ ابی وامی) کی پاک تعلیم کے آپ نے اس مضمون کو ان حکیمانہ الفاظ میں ادا فرمایا ہے:

وان فی الجسد مضغة اذا صلحت صلح الجسد کله واذا فسدت فسد الجسد کله الاوهی القلب (مشکوۃ شریف)

(انسان کے) جسم میں ایک گوشت کا ٹکڑا ہے جب وہ صحیح وتندرست ہے تو سارا بدن صحیح وتندرست رہتا ہے، اور اگر وہ بگڑ گیا تو سارا بدن بگڑ جاتا ہے۔ دیکھو! وہ ٹکڑا دل ہے۔

مطلب یہ کہ روحانی صحت و بیماری' دل کی صحت و بیماری پر موقوف ہے۔ بات بھی صاف ہے۔ دوسرے اعضاء دل کے تابع اور خدمت گار ہیں۔ دل ان سے اس طرح خدمت لیتا ہے' جس طرح بادشاہ رعیت سے لیتا ہے یا آقا غلاموں سے۔ اگر قلب میں اعتقاد حقہ' اعمال صالحہ کے بجالانے کی لذت ومحبت روز افزوں رہے گی تو نماز بھی ضروری سمجھے گا، اس کا اثر ہر ایک اعضاء میں پہنچے گا، اور اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ جملہ اعضاء سے کوئی فعل بد سرزد نہ ہوگا، اس کی صفائی اور پاکی کی قوت بڑھتی جائے گی، اسی کو زبان شرع میں صحت قلبی کہتے ہیں۔ اور اگر اس میں

جمیع حسنات ہے۔ جب دل ہی سے کوئی خیال بد نہ اُٹھے گا تو دیگر سب اعضاء کو کیا مجال؟ غرض نماز سے ظاہر و باطن کی طہارت حاصل ہوتی ہے، اور تمام بُری عادات سے نفرت ہوجاتی ہے، اور انسان کا قلب ہر ایک چیز کی محبت سے خالی ہوکر محبّ حقیقی کی محبت سے آرام پاتا ہے، اور جب دل بُری صفتوں سے پاک ہوجائے اور ان کی جگہ اخلاق ستودۂ اوصاف حمیدہ جلوہ گر ہوجائیں تو وہ قلب سلیم کہلاتا ہے۔ اور خدا کی کامل کتاب (قرآن کریم) میں نجات کا دارو مدار اسی پر بیان کیا گیا ہے جیسا کہ فرمایا گیا ہے:

﴿یوم لا ینفع مال و لابنون O الا من اتی اللہ بقلب سلیم﴾ (الشعراء:۸۸۔۸۹)

"قیامت کے دن مال اور اولاد کسی کو کوئی نفع نہیں پہنچا سکیں گے مگر جس شخص دل سلیم لائے گا"۔

غرض خدائے قدوس کی مقدس کتاب نے اس امر کا فیصلہ فرمادیا کہ اُخروی نجات قلب سلیم پر موقوف ہے۔ دل سالم کی وجہ سے انسان اس کی بارگاہ اقدس کی رحمت کے ساتھ واصل ہوسکتا ہے۔ قلب سلیم خدا کی یاد سے زندہ ہوکر معرفت الٰہی حاصل کرتا ہے۔ معرفت الٰہی کی استعداد سے ہی انسان اشرف المخلوقات ہے اور فضیلت میں تمام مخلوقات سے فائق ہے۔ اور معرفت الٰہی دل سے ہی علاقہ رکھتی ہے دوسرے اعضاء سے نہیں۔ اور دل کو اطمینان سوائے خدا کی یاد کے حاصل نہیں ہوتا۔ دیکھو خدائے رحمٰن کی پاک کتاب کی شہادت موجود ہے:

اعتقادات باطلہ و افعال ذمیمہ و خواہشات رذیلہ نفسانیہ کی لذت و محبت جاگزیں ہے تو نتیجہ برعکس ہوگا۔ وہی دل محل نزول غضب الٰہی ہوگا، اور تاریکی اس پر طاری ہوگی، جس سے اس کا تمام بدن بگڑ جائے گا، اس کی حالت ردّی ہوجائے گی اور قلب مریض کہلائے گا۔ اسی لئے ایک دوسری حدیث قدسی میں ارشاد ہے:

ان اللہ لا ینظر الی صورکم و لا الی اعمالکم ولکن ینظر الی قلوبکم و نیاتکم

خدائے (خبیر و بصیر کی مہربانی و الطاف) کی نظر تمہاری شکلوں اور (ظاہری) عملوں پر نہیں پڑتی، بلکہ وہ تمہارے دلوں اور نیتوں کو دیکھتا ہے۔

مابروں رانگریم و قال را ماوروں رابنگریم و حال را

(مؤلف)

﴿الا بذکر اللہ تطمئن القلوب﴾ (الرّعد:۲۸)

''اللہ تعالیٰ کی یاد سے ہی دل اطمینان پاتے ہیں'' (بغیر اس کے اطمینان قلبی نصیب ہی نہیں ہوسکتا) غرض جس پہلو سے لوگے خدا کی یاد اور نماز کے بے حدولاتعد فوائد ثابت ہوں گے اور تاکید بھی بڑھ کر ہوگی۔

نماز اُخوت اسلامی کی جڑ ہے

۵۔ نماز نے اخوت اسلامی کی ایسی پختہ جڑ قائم کی ہے اور مسلمانوں کو باہمت اور باقاعدہ رکھنے کی اتنی عمدہ تدبیر بتائی ہے کہ اس کی نظیر اس وقت ہے' اور نہ کبھی تھی، اور نہ آئندہ خیال میں آسکتی ہے۔ پانچ وقت مؤذن مسجد میں اذان نہیں دیتا' گویا فوج کی حاضری کے لئے بگل بجاتا ہے۔ بگل بجتے ہی جس طرح فوج والے ہمہ تن گوش ہوکر اس کے سننے کے ساتھ ہی تمام سپاہیوں کو یکجا ہوجانا واجب ہے' اسی طرح محلّہ کے تمام مسلمانوں کو یکجا ہوجانا چاہئے۔ مسلمانوں میں اُخوت و باہمی میل جول اور پورے معنی میں اتحاد عام پیدا کرنے کے لئے محلّہ کی مسجدوں کو جن کا نام اصطلاح شریعت میں مسجد الحی (محلّہ کی مسجد) ہے بنیاد قرار دیا، تاکہ سب محلّہ والے وہاں جمع ہوں اور نماز یعنی عبادت الٰہی کے بعد محلّہ کی مسجد میں باہم ذکر اور مشورہ کریں۔ اس سے بڑے اجتماع کے لئے (جو ہفتہ وار ہوسکتا ہے) ہمیشہ محلوں کی جماعتوں کا قیام اور ان کا جامع مسجدوں کی طرف جانا اور خطبہ کے بعد جس میں ان کی تمام دینی و دنیوی ضرورتیں بیان کی گئی ہوں' نماز جمعہ پڑھنا نہایت ضروری ہے، اور اس موقع پر ایک عظیم الشان مجلس قائم ہوجاتی ہے۔ پس نماز ایک طریقہ قواعدِ فوج کا ہے۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز کی صف سیدھی کرنے میں بے انتہا توجہ فرماتے تھے۔ فوجی قواعد کی بنیاد اسلام سے ہے۔ اس کے پہلے لڑائیوں میں صف آرائی کا قاعدہ ناقص تھا یا بالکل نہ تھا۔ عیدین میں کلکتہ کے میدان یا ہندوستان کے دوسرے بڑے شہروں میں جاکر مسلمانوں کی نماز دیکھئے تو معلوم ہو کہ کس درجہ باشوکت اور باقاعدہ مسلمانوں کی قواعد معلوم ہوتی ہے۔ اسلام کی رو سے تمام مسلمان فوج کے

سپاہی تھے۔ اور یہی نماز ان کی قواعد تھی۔ جمعہ کی نماز گویا کل شہر کے باشندوں کی ایک باقاعدہ ہفتہ واری پریڈ ہوتی[1] ہے۔ اسی طرح سال میں دو بار عیدگاہ میں جو ایک عظیم الشان اجتماع گاہ ہے۔ مسجدوں کے تمام نمازیوں کا لازمی طور پر جمع ہونا اور خطبہ سے پہلے نماز عید پڑھنا اتفاق و اتحاد ملت کے لئے جیسا کچھ مفید ہے' وہ نصف النہار کے سورج کی طرح روشن نظر آتا ہے۔

پس سال میں دو مرتبہ عیدین کے روز سالانہ قواعد ہوتی ہے، جس میں آس پاس کے مسلمان بھی جمع ہوتے ہیں، اور عمر بھر میں ایک دفعہ مکہ معظّمہ میں جا کر حاضری دینا لازم رکھا گیا ہے، ان سب باتوں کے فوائد ظاہر و بدیہی ہیں، اتفاق و اتحاد قومی کو اس سے جو کچھ فائدہ پہنچتا ہے وہ ظاہر و عیاں ہے[2]۔

نماز سے مساوات قومی کا سبق ملتا ہے

۶۔ نماز سے مساوات قومی کا سبق ملتا ہے۔ اسلام پاک کی نگاہ میں سب ادنیٰ و اعلیٰ برابر ہیں۔ امیری' غریبی کے مدارج، آقائی' غلامی کے تفاوت، ذاتوں کے فرق، کالی گوری رنگتوں کے اختلافات' کسی خاندان نبوت یا شاہی سے تعلقات قریبہ و بعیدہ رکھنے کی روایتیں' فاتح اور مفتوح ہونے کی حالتیں' کسی ایک حصہ ملک کے باشندے ہونے یا نہ ہونے' باپ دادا کے قریب الخدمت ہونے کے حقوق' غرض بیسیوں قسم کے امتیازات مٹا کر اسلام پاک نے ایک الٰہی برادری قائم کی، جس انسان نے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا اقرار کیا اس برادری میں شامل ہو گیا۔ اس رشتہ کو عملی طور پر زندہ اور مستحکم کرنے کے لئے نماز فرض کی گئی، کیونکہ بہت سے صاحب مرتبہ مسلمان ان مسلمانوں کے مقابل جو صاحب مرتبہ نہیں' صف نماز میں کھڑے

---

[1] حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں لتسون صفوفکم أَوْ لَيُخالِفَنَّ اللهُ بين وجوهكم یعنی اپنی صفوں کو برابر کرو، ورنہ خداوند تعالیٰ تمہارے سے منھ کو پھیر دے گا اور تم میں مخالفت ڈال دے گا۔ مؤلف

[2] آج کل کے ان مسلمانوں کو جو شہروں کی ہر مسجد میں جمعہ اور عیدین کی نمازیں پڑھایا کرتے ہیں' ان فوائد کو بغور مطالعہ کرنا چاہئے اور اس شوکت اسلامی کو مٹانے والی عادات کو ترک کر دینا چاہئے۔ مؤلف

ہوتے ہیں۔ اور یہ مساوات کاملہ سب سے زیادہ جامہ احرام اور نماز عرفات یعنی حج کے دن میں نمایاں ہوتی ہے کہ اس میں مسلمانوں کے درمیان کوئی فرق نظر نہیں آتا۔ سب کے سب ایک ہی لباس میں ہوتے ہیں اور سب کی ایک ہی حالت ہوتی ہے۔ اور اس جگہ برادری کے لحاظ سے تمام مسلمان ایک ہی معلوم ہوتے ہیں۔ یہاں تک کہ بادشاہ امیر اور دولتمند شخص کسی طرح ایک محتاج سے ممتاز نہیں ہوتا۔ اور اسی کا نام مساوات کاملہ ہے۔ غرض کہ نماز اس اُخوت و مساوات اسلامی کا ایک عملی نمونہ ہے۔ (اقبالؔ):

آ گیا عین لڑائی میں اگر وقت نماز	قبلہ رو ہو کے زمیں بوس ہوئی قوم حجاز
ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز	نہ کوئی بندہ رہا اور نہ کوئی بندہ نواز

بندہ و صاحب و محتاج و غنی ایک ہوئے
تیری سرکار میں پہنچے تو سبھی ایک ہوئے

نماز آدمی کو معتبر بنا دیتی ہے

۷۔ نمازی آدمی تمام لوگوں میں نیک اور معتبر مانا جاتا ہے، جس کی وجہ سے ہر ایک آدمی اس کا ادب واحترام کرتا ہے، اس کی ہر ایک بات کا اعتبار کیا جاتا ہے، اور وہ نیک نام ہونے کی وجہ سے سب کو پیارا معلوم ہوتا ہے، دنیا میں اس کی شہرت ہوتی اور اس کو سچی عزت وآبرو مل جاتی ہے۔

رسمی نماز بھی فائدہ سے خالی نہیں ہے

۸۔ حقیقی نماز کے فوائد کے ماننے میں تو کسی عقلمند کو چون و چرا کی گنجائش نہیں۔ لیکن اگر بنظر انصاف دیکھا جائے تو ہماری رسمی اُلٹی سیدھی نماز بھی فائدوں سے خالی نہیں۔ دیکھو! رسمی نماز جو حقیقی نماز کے مقابلہ میں کوئی چیز نہیں، بلکہ بالکل پوست ہے۔ اس میں بھی حفظان صحت کے متعلق کتنی مفید باتیں موجود ہیں، جن کا نمازی کی صحت وتندرستی پر اثر پڑتا ہے۔ وہ فائدے اس کے علاوہ ہیں جو کبھی کبھی اس نماز کے ضمن میں حاصل ہو جاتے ہیں، اگرچہ نمازی کیسی ہی

منافقانہ اور رسمی نماز کیوں نہ پڑتا ہو، اور درپردہ کتنے ہی عیب کیوں نہ کرتا ہو، نماز کی وجہ سے دکھاوے کے طور پر اُسے پھر بھی کچھ نہ کچھ نیک بننا پڑتا ہے، تاکہ لوگ اسے مطعون نہ کریں۔ تارک نماز جو واہی تباہی باتیں زبان سے کہہ گذرتا ہے نمازی علی الاعلان وہ باتیں کہتا ہوا شرماتا ہے۔ اکثر ایسا بھی ہوا ہے کہ لوگ ریاکاری اور نفاق یا رسم کی نماز پڑھتے پڑھتے اخلاص کو پہنچ گئے ہیں؛ اسے بھی جانے دو۔ یہ کیا کم ہے کہ ایسے نمازیوں کا باطنی شر متعدی نہیں ہوتا۔ اور اگر ہوتا ہے تو نسبتاً کم؛ برخلاف اس کے جو پابند نماز نہیں ہوتے اور فواحش و منکرات کا کھلم کھلا ارتکاب کرتے ہیں اور کہتے ہیں: ''خدا کی جب چوری نہیں تو پھر بندے کی کیا چوری''، ان کا شر متعدی اور سوسائٹی کے حق میں سم قاتل ہوتا ہے۔ ایک سوسائٹی بگڑ کر دوسری کو بگاڑتی ہے اور شدہ شدہ اس کا اثر قومی تہذیب و تمدن پر پڑھ کر رہتا ہے، جیسے کہ آج کل قوم کی ایک نوجوان جماعت کا اثر.... جو روزہ نماز کی قید سے ازخود آزاد ہو چکی ہے..... وبائی امراض کی طرح قوم کے بچوں میں پھیلتا چلا جاتا ہے، اس کے انسداد کی اگر کوئی تدبیر ہے تو یہی کہ نماز کی پابندی مسلمانوں میں عام ہو۔

نماز کے روحانی برکات و فوائد

ا۔ نماز میں سب سے بڑی روحانی فضیلت یہ ہے کہ خدائے ذوالجلال اپنے ذاکر بندے کو اپنا دوست بنالیتا ہے، اور حدیث شریف میں ہے کہ خدائے پاک جب کسی بندے کو دوست رکھتا ہے تو حضرت جبرئیل علیہ السلام کو حکم کر دیتا ہے کہ میں فلاں بندے کو دوست رکھتا ہوں تو بھی اسے دوست رکھ۔ جبریل علیہ السلام بھی اسے دوست رکھتے ہیں۔ اور اہل آسمان میں منادی کر دیتے ہیں کہ خدائے پاک فلاں بندے کو دوست رکھتا ہے تم بھی اسے دوست رکھو، آسمان کے رہنے والے بھی اسے دوست رکھتے ہیں، پھر اس کی محبت زمین پر ڈالتے ہیں، یہاں تک کہ زمین کے رہنے والے بھی اسے دوست سمجھنے لگتے ہیں، اور وہ سب کی نظروں میں محبوب ہو جاتا ہے اور لوگوں کی نظروں میں اس کی محبت و وقعت پیدا ہو کر مقبول و منظور بن جاتا ہے۔

نماز جنت کی کنجی ہے

۲۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

مفتاح الجنۃ الصلوٰۃ و مفتاح الصلوٰۃ الطھور

''بہشت کی کنجی نماز ہے اور نماز کی کنجی پاک وصاف رہنا ہے''۔

نمازی سب سے پہلے جنت میں جائیں گے

(۳) حدیث شریف میں ہے کہ سب سے پہلے جنت میں وہ لوگ بلائے جائیں گے جو مصیبت وآرام کے وقت اللہ کی حمد (یاد) کرتے ہیں؛ یعنی نماز پڑھتے ہیں۔

نمازی کو خدا یاد کرتا ہے

۴۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خدائے پاک فرماتا ہے کہ ''میں اپنے بندے کے گمان کے ساتھ ہوتا ہوں، جو اس کو میرے ساتھ ہے۔ اور جب وہ مجھے یاد کرتا ہے تو میں اپنے جی میں اس کو یاد کرتا ہوں، اور اگر کسی جلسہ میں یاد کرتا ہے تو میں اس سے بہتر جلسہ میں اس کو یاد کرتا ہوں''۔ (مشکوٰۃ شریف)

نمازی پر خدا کی رحمت نازل ہوتی ہے

۵۔ نیز آپ نے فرمایا کہ ''کوئی قوم خدائے پاک کی یاد کرنے کے لئے نہیں بیٹھی۔ مگر ملائکہ (فرشتے) ان کو گھیر لیتے ہیں۔ اور رحمت ان پر چھا جاتی ہے''؛ یعنی وہ رحمت الٰہی کے سائے میں آجاتے ہیں''۔

نماز دیدار الٰہی کا ذریعہ ہے

۶۔ نماز سے یہ بھی مقصود ہے کہ اس کے طفیل سے آخرت میں دیدار الٰہی نصیب ہوجائے۔ چنانچہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

ستـرون ربكم كماترون هذا القمر، لا تضامون في رؤيته، فان استطعتم ان لا تغلبوا على صلوة قبل طلوع الشمس وصلوة قبل غروبها فافعلوا. (بخاری شریف)

''بے شک تم اپنے پروردگار کو ایسا ہی دیکھو گے جیسا اس چاند کو دیکھتے ہو۔اس کے دیدار میں کچھ شک وشبہ نہ ہوگا۔پس اگر تم سے ہوسکے کہ سورج نکلنے اور غروب ہونے سے پہلے کوئی چیز تم کو نماز سے باز نہ رکھے۔تو ایسا ہی کیا کرو''۔پس دیدار الٰہی کے حاصل ہونے کے لئے.....جو انسانی روحانی ترقیوں کا انتہائی نقطہ ہے.....حکم دیا گیا کہ نماز پڑھو۔

اللہ تعالیٰ نمازی کے قریب ہوتا ہے

۷۔حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خدائے پاک فرماتا ہے کہ ''جس وقت میرا بندہ مجھ کو یاد کرتا ہے اور اس کے ہونٹ ہلتے ہیں' اس وقت میں اپنے بندے کے قریب ہوتا ہوں''۔مطلب یہ کہ یاد الٰہی میں ادھر لب ہلایا ادھر رحمت الٰہی نازل ہونی شروع ہوگئی۔(بخاری شریف)

نماز سے گناہوں کی مغفرت ہوتی ہے

۸۔حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''نماز پنجگانہ (ایک نماز دوسری نماز تک) اور ایک جمعہ دوسرے جمعہ تک اور ایک رمضان دوسرے رمضان تک' جو ان کے درمیان گناہ ہوجائیں' اس کو مٹانے والے ہیں، اس شخص کے لئے جو کبیرہ گناہوں سے بچنے والا ہے''۔(مسلم شریف)

گناہوں کی معافی کی ایک مثال

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لوگو! بھلا یہ بتاؤ کہ اگر کسی کے گھر کے آگے نہر جاری ہو۔اور پھر وہ گھر والا دن رات میں پانچ مرتبہ اس میں نہالیا کرے۔کیا اس کے بدن پر میل باقی رہے گا؟ (لوگوں نے عرض کیا کہ اس کے بدن پر میل کہاں رہ سکتا ہے)۔

(آپ نے) فرمایا کہ بس اسی طرح سمجھ لو کہ جو مسلمان نماز پنجگانہ پڑھے گا اس پر کوئی گناہ نہ رہے گا''۔(بخاری و مسلم)

نماز سے دوزخ کی آگ ٹھنڈی ہوتی ہے

۹۔(۱) حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ لوگو! تم اپنے گناہوں کی آگ میں جلتے ہو، مگر جب تم نے صبح کی نماز پڑھ لی تو وہ آگ بجھ گئی۔ پھر صبح سے ظہر تک تم اپنے گناہوں کی آگ جلاتے اور اُس میں خود جلتے رہتے ہو، مگر ظہر کی نماز سے وہ گناہوں کی آگ بجھ جاتی ہے۔ پھر ظہر سے عصر تک تمہارے گناہوں کی آگ تیز ہوتی اور تمہیں جلاتی ہے، جب تم عصر کی نماز پڑھتے ہو وہ آگ بھی بجھ جاتی ہے۔ پھر عصر سے مغرب تک گناہوں کی آگ نہایت تیزی سے تمہیں جلانے لگتی ہے، مگر جب مغرب کی نماز پڑھتے ہو تو وہ آگ بھی نماز کے سبب سے بجھ جاتی ہے۔ پھر مغرب سے لے کر عشاء تک خوب گناہوں کی آگ بھڑکائی جاتی ہے، جب عشاء کی نماز پڑھ لیتے ہو تو وہ آگ بھی بجھ جاتی ہے اور تم پاک وصاف ہو کر سوتے ہو۔ پھر سونے کی حالت میں تم پر کوئی گناہ نہیں لکھا جاتا، یہاں تک کہ تم جاگ اُٹھو''۔(ترغیب منذری)

۲۔ نیز آپ نے فرمایا کہ ''جب نماز کا وقت ہوتا ہے تو رب العزت ایک فرشتے کے ذریعہ منادی کرتا ہے: اے لوگو اُٹھو! جو آگ تم نے گناہوں کی جلائی ہے اس پر پانی ڈالو اور (وضو کر کے اس کو) ٹھنڈا کرو۔ نمازی لوگ اُٹھتے اور وضو کر کے نماز پڑھتے ہیں۔ اس نماز کے سبب ان کے سارے گناہ بخشے جاتے اور مغفور و مرحوم ہو جاتے ہیں''۔(کنز العمال)

حدیث مسلسل بسلسلہ الذہب [1]

۱۰۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''لوگو! نماز حق تعالیٰ کی رضامندی کا بڑا

[1] یہ حدیث شریف سوائے خاندان نبوت کے دوسری جگہ نہیں ہے۔ روایت کیا امام جعفر صادقؒ نے امام محمد باقرؒ سے، اُنھوں نے امام زین العابدینؒ سے، اُنھوں نے امام حسینؓ سے، اُنھوں نے حضرت علی المرتضیٰؓ سے، اُنھوں نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے۔ مؤلف

ذریعہ ہے، ملائک کی محبت کا وسیلہ ہے، نماز طریقہ ہے انبیاء سابقین کا، نماز نور ہے معرفت الٰہی کا، نماز اسلام کی جڑ ہے، نماز دعا قبول ہونے کا سبب ہے، نماز کے سبب تمام عمل مقبول ہوتے ہیں۔ نماز میں روزی کی برکت ہے۔ نماز نفس اور شیطان سے لڑنے کیلئے بڑا ہتھیار ہے۔ نماز موت کے وقت ملک الموت سے نمازی کی سفارش کرے گی اور ملک الموت سے بہ آسانی جان نکالنے کا حکم کرے گی۔ نماز مومن کے لئے دل کا نور ہے۔ نماز قبر کا بچھونا ہے۔ نماز منکر نکیر کو قبر میں مُردے کی طرف سے جواب دے گی۔ نماز قبر میں قیامت تک مُردے کی مونس بنی رہے گی۔ جب قیامت قائم ہوگی تو نمازی کے سر پر نماز کا سایہ ہوگا۔ نماز سر کا تاج' بدن کا لباس ہوگا۔ نماز قیامت کے اندھیرے میں مشعل بن کر آگے آگے چلے گی۔ نمازی کے لئے نماز حساب کے وقت جہنم سے آڑ ہوگی۔ نماز اللہ کے سامنے بخشوانے کے لئے حجّت کرے گی۔ نماز کا وزن میزان عدالت میں پہاڑوں سے بھی زیادہ بھاری ہوگا۔ نماز پُل صراط کی راہداری کا پروانہ ہے۔ نماز جنت کی کنجی ہے، جو جنت کے بند دروازے کو کھول کر نمازی کو اندر داخل کرے گی۔ کیونکہ نماز تحمید اور تسبیح اور تعظیم اور قراءت اور دعاء اور تمجید ہے''۔ (غرض ایک نماز ہزار باتیں نفع کی اس میں پیدا ہوتی ہیں۔ کیونکہ نماز بہت سی عبادتوں کا مجموعہ ہے)۔

نمازی کو نو طرح کی بزرگیاں ملتی ہیں

اا۔ حضرت سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ جو کوئی پانچوں نمازوں کی محافظت کرتا ہے اور ان کو وقتوں میں ادا کرتا اور ان پر مداومت کرتا ہے تو خدائے پاک اس کو نو طرح کی بزرگیاں عطا فرماتا ہے: (۱) اس کو اللہ تعالیٰ دوست رکھتا ہے (۲) اس کا بدن تندرست رکھتا ہے (۳) ملائکہ اس کی حفاظت کرتے ہیں (۴) اس کے گھر میں برکت نازل ہوتی ہے (۵) اس کے چہرے پر صالحین کی علامت ظاہر ہوتی ہے (۶) اللہ تعالیٰ اس کے دل کو نرم کر دیتا ہے (۷) وہ پُل صراط سے بجلی کی مانند گذر جائے گا (۸) اللہ تعالیٰ اس کو دوزخ کی آگ سے نجات دے گا (۹) اللہ تعالیٰ اس کو ان لوگوں کے ہمسایہ میں اُتارے گا کہ جن کو نہ خوف ہے' نہ وہ

غمگین ہونگے۔(منبہات ابن حجر)

غرض نماز ہر مصیبت ظاہری و باطنی، دینی و دنیوی سے انسان کی محافظ ہے۔ آخرت کی نجات کا ذریعہ ہے۔ مبارک ہے وہ پاک نفس انسان جس کو خدائے کریم اپنے ذکر و فکر کی توفیق عطا فرمائے۔ وہ شخص واقعی بڑا ہی سعادت منداور بااقبال ہے۔ اس سے بڑھ کر خوش نصیب کوئی روح نہیں ہے کہ جس کو نماز پڑھنے کی توفیق عطا ہوئی ہو!۔ اور ایسے شخص سے بڑھ کر کوئی بدتر اور ذلیل اور خوار اور بدنصیب نہیں ہے، جس کا سارا عزیز وقت واہیات اور نکمے کاموں میں گذر جاتا ہے، کبھی نہ ذکر کرتا ہے نہ فکر، نہ نماز پڑھتا ہے اور نہ اس کا خیال اسے آتا ہے۔

غافل از وے یک زماں صد مرگ داں　　زندگی یاد است نزدِ عارفاں
بلکہ بدتر موت سے ہے زندگی　　کیونکہ حاصل اس سے ہے شرمندگی

نماز کی علّتِ غائی

نمازی خدا کے سوا کسی سے نہیں ڈرتا

نماز کی علّتِ غائی ایک تو یہ ہے کہ اس پر پابند ہونے سے انسان کو روحانی کمال حاصل ہو کر نجات ابدی حاصل ہو۔ دوسری علّتِ غائی یہ ہے کہ غیر خدا پر کبھی طمعاً وخوفاً نظر نہ ہو۔ کیونکہ حقیقۃ الأمر ہے کہ جب کسی بہت بڑے آدمی سے تعلق ہو جاتا ہے تو چھوٹوں کی ہیبت یا احتیاج دل میں باقی نہیں رہتی۔

اکبر بادشاہ کی مثال

کہتے ہیں کہ اکبر بادشاہ ایک مرتبہ شکار میں گیا، اتفاقاً تن تنہا کہیں دور نکل گیا۔ ایک دیہاتی کے ہاں مہمان ہوا۔ چلتے وقت اس دیہاتی سے کہا کہ اگر تم کو کبھی کوئی حاجت واقع ہو تو تم دارالسلطنت میں ہمارے پاس آنا۔ چنانچہ وہ ایک بار آیا۔ اکبر اس وقت نماز پڑھ رہا تھا۔ نماز

سے فارغ ہوکر اس نے دعا مانگی، جب دعا سے فراغت کر چکا تو اس دیہاتی نے عرض کیا:

دیہاتی: حجور (حضور) آپ کیا کر رہے تھے؟

اکبر بادشاہ: میں اپنے پیدا کرنے والے سے دعا مانگ رہا تھا۔

دیہاتی: حجور کو بھی کسی سے مانگنے کی ضرورت ہے؟

اکبر بادشاہ: بے شک مجھ کو بھی ضرورت ہے۔ خدا کی وہ عظیم الشان ذات ہے کہ سب شاہ و گدا اس کے محتاج ہیں۔

دیہاتی: پھر مجھ کو تم سے حاجت کہنے کی کیا ضرورت ہے۔ جو ذات پاک تمہارے شاہانہ سوالات پورا کرے گی' کیا وہ میرے غریبانہ سوالات اور حاجات کو پورا نہ کرے گی؟ ("بے شک کرے گی")۔

یہ کہہ کر وہ دیہاتی واپس چلا گیا۔ اور اکبر بادشاہ اس کی گفتگو سن کر حیران رہ گیا۔

حضرت عالمگیر غازی کی نماز کا واقعہ

لکھا ہے کہ ایک روز صبح کے وقت حضرت عالمگیر بادشاہ غازی رحمۃ اللہ علیہ جنگل میں سیر کے لئے تشریف لے گئے۔ صبح کا سُہانا وقت اور اس پر مرغان تسبیح خوانان کی صدائے دل آویز نے بادشاہ کو مست بنا دیا۔ بادشاہ نے مصلا بچھا کر فجر کی نماز پڑھنی شروع کی۔ ادھر بادشاہ نے تکبیر کہہ کر نماز کی نیت باندھی۔ ادھر جنگل میں سے ایک بڑا شیر نکلا اور اس نے آتے ہی بادشاہ کی پیٹھ پر پنجہ مارا۔ بادشاہ نے اسی حالت نماز میں خنجر نکالا اور ایک ایسا ہاتھ مارا کہ شیر ٹکڑے ہوکر وہیں ڈھیر ہوگیا۔ بادشاہ اسی طرح حالت محویت میں نماز میں مشغول رہے۔ اور نہایت اطمینان سے نماز پوری کی۔

نماز انسانی زندگی کو پاک کرنے والی ہے

بے شک نماز انسان کی زندگی کو شرک کی نجاست سے پاک کرنے والی ہے۔ شریفانہ

کیرکٹر بنانے والی تہذیب نفس و تربیت ضمیر کی روح بڑھانے والی اور انسان کے خیالات اور جذبات کو پاک کرنے والی ہے۔ یہی سبب ہے کہ اسلام پاک نے ادائی نماز پر سب سے زیادہ زور دیا ہے۔ اور ہر جگہ اس کی اہمیت پر دنیا کو توجہ دلائی ہے۔ کسی قوم یا کسی فرد کو اگر کامیاب زندگی کی ضرورت ہو تو اس کے لئے ان باتوں کی جیسی کچھ ضرورت ہے' ظاہر ہے۔ قدرت نے مسلمانوں کو ساری دنیا پر حکومت کرنے اور ہر قسم کے روحانی و مادی ترقیات کا مجموعہ بنانے کے لئے پیدا کیا تھا۔ ترقی کا سب سے بڑا اور سب سے مؤثر ذریعہ کیرکٹر (چال چلن) اور کامل زندگی ہے، اور اسی کی محرک نماز ہے۔

ایک سوال کا حل

یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ''مسلمان آخراب بھی ہیں اور ملک کے بڑے بڑے شہروں خاصکر اسلامی شہروں میں ابھی تک جمعہ اور جماعت کا دستور چلا آتا ہے۔ اکثر لوگ نماز پڑھنے کے عادی پائے جاتے ہیں۔ اس نماز کے ایسے دینی اور دنیاوی فائدے تو کچھ بھی دکھائی نہیں دیتے، وہ کیا ایسی اخلاقی وروحانی کامیابیاں ہیں اور کونسی ایسی بھلائیاں ان مسلمانوں میں ہیں' جو اور بے نمازی قوموں میں نہیں ہیں؟''۔

یہ سوال اُس وقت کیا جاتا جب اسلام کے اچھے دن تھے تو جواب دینا ہم کو آسان تھا۔ اور اس وقت کوئی سوال ہی کرنے والا پیدا نہ ہوتا۔ جب بھلائیاں آنکھوں سے بدیہی طور پر دکھائی دیتی تھیں اور غیر قوموں کے جوق جوق اسلامِ پاک میں شریک ہونے سے آپ اپنی دلیل تھیں۔ اس وقت جب مسجدوں میں بجائے اخوت اسلامی بڑھانے کے لوگ دوسروں کی غیبت کرنے اور لڑنے جھگڑنے کے لئے جمع ہوتے ہیں۔ آمین بالجہر اور رفع یدین پر فسادات پیدا ہوتے ہیں، نمازی دوسروں کو تحقیر کرنے میں اپنی بڑائی سمجھتے ہیں، تو ہم بھلائیاں کیا دکھا سکتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ فی زمانناً نماز پڑھنے والے جب توحید کے دلدادہ نہیں ہیں اور خدا کے رسول پاک فداہ روحی کی بتائی ہوئی شریعت کے شیدا نہیں ہیں، تو پھر اس نماز اور جمعیت میں نہ وہ

برکت ہے اور نہ بھلائیاں ہیں جن کے تذکرہ سے کتابیں بھری پڑی ہیں، مگر پھر بھی خدا کا شکر ہے کہ اس گری ہوئی حالت میں بھی اس نمازِ جماعت اور جمعہ کی وجہ سے جو حالت مسلمانوں کی ہے' آج دنیا کی تمام دوسری گری ہوئی قوموں سے بدرجہا اچھی ہے۔

ایک اور سوال کا جواب

شائد نماز کو بے وقعتی کی نگاہ سے دیکھنے والے لوگ یہ بھی کہیں گے کہ اب بھی مسلمانوں کا ایک گروہ نماز گذار موجود ہے لیکن اس کی حالت کچھ اچھی نہیں، فواحش ومنکرات میں وہ بھی ملوث ہیں، یہ کیوں؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ ایسے مسلمان نماز تو پڑھتے ہیں لیکن جو نماز مفروض من اللہ ہے وہ نہیں پڑھتے، بلکہ رسم ادا کرتے ہیں۔ حقیقی نماز پڑھ کر دیکھو وہ مانع بدکاری ہے یا نہیں؟ اور پھر یہ اعتراض کرو۔ مگر ان دنوں مسلمانوں کی جہالت اور متدین علماء کی حالت بدل جانے کی وجہ سے یہ مسئلہ بہت دشوار ہو گیا ہے کہ اس قسم کی نماز پڑھنے کے قابل کیونکر مسلمان بنیں۔ کیونکہ عوام کی یہ حالت ہے کہ وہ نماز کی متعلقہ قراءت بھی صحیح نہیں پڑھ سکتے؛ چہ جائے کہ اس کے مفہوم ومعانی تک پہنچیں، اور اس قابل ہوں کہ ان کا خیال وتصور جو ہر نماز تک پہنچ سکے۔ یہی تو وجہ ہے کہ جب وہ نماز پڑھنے کھڑے ہوتے ہیں، زبان مشغول تلاوت ہوتی ہے، اور ہاتھ پاؤں قیام، رکوع اور سجود ادا کرتے ہیں، لیکن ان کا دل دنیا بھر کے مقدمات کا اس وقت فیصلہ کیا کرتا ہے اور جو خیالات کسی دوسرے وقت نہیں آتے' وہ اس وقت ان کے سامنے متشکل ہو کر آ کھڑے ہوتے ہیں۔

شیخ چلّی کا قصہ

اس پر ایک مثال صادق آتی ہے کہ ایک دن میاں شیخ چلّی صاحب نماز میں کھڑے ہوئے تھے، ان کے دل میں خیال آیا کہ میرے پاس دو پیسے ہیں، ان کے انڈے خرید کر بچّے نکلواؤں گا۔ اس طرح بہت سی مرغیاں ہو جائیں گی تو ان کو بیچ کر بکریاں لوں گا۔ وہ فروخت

کر کے گائے خریدوں گا۔ اس تجارت میں بہت سارو پیہ پیدا کر کے شادی کرلوں گا۔ دو بچے پیدا ہوں گے ایک کا نام عبداللہ رکھوں گا تو دوسرے کا نام عبدالرحمٰن۔ عبداللہ علم عربی پڑھ کر مولوی فاضل بن جائے گا۔ عبدالرحمٰن انگریزی علوم حاصل کر کے ایم اے پاس کرے گا۔ عبداللہ عربی لباس پہنے گا اور عبدالرحمٰن انگریزی۔ اسی اُدھیڑ بُن میں تھا کہ پیٹ میں درد اُٹھا۔ درد کا اُٹھنا تھا کہ وہ نہ خیالی پلاؤ رہے اور نہ وہ نماز۔

اس مثال سے اس مسئلہ کا بخوبی حل ہوسکتا ہے کہ درحقیقت شیخ چلّی ایک نہیں تھا بلکہ دو تھے۔ ایک وہ جو قرآن شریف پڑھ رہا تھا۔ اور دوسرا وہ جو انڈے بچے نکلوا رہا تھا۔ یاد رکھو! جب تک انڈے بچوں والا شیخ چلّی نماز میں موجود ہے تب تک نماز کامل نہیں ہوتی، بلکہ یہ شیخ چلّی والی نماز تو خدائے معبود کے ساتھ ایک قسم کا ٹھٹھا کرنا ہے۔ کیونکہ زبان تو اس کی حمد و ثنا میں مشغول ہے اور دل انڈے بچے نکلوا رہا ہے۔ ایسی ہی نماز کی نسبت کہا گیا ہے۔

بر زبان تسبیح و در دل گاؤخر　　　　این چنیں تسبیح گے دارد اثر

ہاں واضح رہے کہ شیخ چلّی کوئی خاص ایک ہی آدمی نہیں بلکہ ہر ایک شخص اگر غور کرے تو وہی شیخ چلّی ہے۔ قرآن کریم میں اسی شیخ چلّی کی طرف اشارہ ہے کہ

﴿یوسوس فی صدور الناس﴾ (النّاس:۵)

''وہ لوگوں کے دلوں میں وسوسہ ڈالتا ہے''۔

مختصر یہ کہ جب تک وہ انڈے بچے نکلوانے والا شیخ نماز میں موجود ہے' تب تک کوئی عبادت ٹھیک نہیں ہوتی، اور نہ روحانی برکات وفوائد حاصل ہوسکتے ہیں۔

آج کل کے رسمی علماء کی کیفیت

رسمی علماء کی یہ کیفیت ہے کہ وہ بجائے اس کے کہ جاہل اور ناواقف مسلمانوں کو نماز کے اصل اور جوہر اور باطنی ارکان بتائیں اور تلاوت مفروض کے معانی و مفاہیم کی تعلیم دیں' انھیں مسلمانوں کو سطحی جھگڑوں میں ڈالنے سے فرصت نہیں۔

جب خود علماء کی یہ کیفیت ہو تو پھر عوام کالانعام کا تو ذکر ہی کیا ہے۔ وہ جس قدر جوہرِ نماز سے ناواقف و بے خبر ہوں کم ہے۔ اس مہلک مرض کی..... جس میں تقریباً عام طور پر سب مسلمان مبتلا ہیں..... اگر دوا ہے تو یہی کہ خداوند پاک علماء کو توفیق دے کہ وہ ان فروعی جھگڑوں کو چھوڑ کر خود بھی جوہر نماز کی طرف متوجہ ہوں اور عوام الناس کو بھی اس سے آگاہ کریں۔ اور اس وقت جتنا زمانہ وہ ان جھگڑوں میں صرف کرتے ہیں' لوگوں کو حقیقی نماز بتانے اور پڑھوانے میں صرف کریں، کم سے کم جو کچھ نماز میں پڑھا جاتا ہے' اس کے معنی بتائیں یاد کرائیں، آیت کے ساتھ اس کے مفہوم کا تصور رکھنے کا حکم دیں، اور ہمیشہ اس کی تاکید کرتے رہیں، دل گداز تقریروں سے ان کے دلوں میں للّٰہیت و خلوص پیدا کریں، تاکہ وہ خواہ مخواہ نماز کے وقت خدائے پاک کی طرف متوجہ ہو جایا کریں، اور روحانی فیضان سے مستفید ہوں، اور نماز کا اثر ان کے افعال و حرکات سے نمودار ہونے لگے۔

مسلمانوں کے زوال کا ایک سبب

جس نماز کو آج کل کے مسلمان رسمی چیز سمجھ رہے ہیں، جس کو عہد قدیم کا ایک بیکار و بے سود رواج مانتے ہیں، جس کے ادا کرنے میں انھیں کیا کیا موانع پیش نہیں آتے، جسے پڑھتے بھی ہیں تو "برزبان تسبیح و در دل گاؤ خر" کا حال ہوتا ہے' وہی نماز ایسی چیز تھی کہ اگر اس کی حقیقت پر ان مسلمانوں کو عبور ہوتا تو اس وقت ان کی حالت بدلی ہوئی ہوتی، اور یہ یوں مقہور و مغلوب نظر نہ آتے۔ کیونکہ ان میں ہر فرد ایک ایسا اعلیٰ اور مکمل اخلاقی کیرکٹر رکھتا' جو دنیا میں صرف عزت و عظمت' ہیبت و جبروت' حکومت و فرمان روائی اور طاقت و طاقت فرمائی ہی کے لئے ہے۔

اس کی مزید تشریح اور معارف صلوات کا انکشاف آگے چل کر ایک مستقل عنوان کے تحت میں آئے گا۔ یہ محض ایک سرسری اشارہ ہے۔

غور کرو جو نماز اس وقت پڑھی جاتی ہے۔ جس عبادت پر آج کل کے مسلمانوں کو ناز ہے، جو انداز پرستش انھوں نے قائم کر رکھا ہے' وہ حقیقت سے کس قدر دور ہے۔ کیا اس نے ان

کو کبھی فواحش و منکرات سے روکا؟ کیا اس کے ذریعہ ان کا چال چلن (کیرکٹر) پاک و بلند ہوسکا؟ کیا اس کی مواظبت نے ان میں کوئی روحانیت پیدا کی؟ کیا ان کی تنزل پذیر حالت اس کے طفیل ذرہ بھر بھی بدلی؟ کیا خدا کا تعلق اور مخلوق کا رشتہ ان کے ہاتھ آسکا؟ اگر جواب نفی میں ہے تو پھر کیا یہ وہی نماز ہے جس کی نسبت حضرت فاروق اعظم (رضی اللہ عنہ) نے ایک بیخودانہ لہجہ میں فرمایا تھا:

لا حظَّ فی الحیوۃ وقد عجزت عن اقامۃ الصلوٰۃ

ادائی نماز ہی کی استطاعت نہ رہی تو پھر زندگی میں کیا لطف رہا۔

آج کل کے مسلمانوں کی نافہمی و بے توجہی کی نماز اس سے زیادہ وقعت نہیں رکھتی کہ ایک غیر مسلم زبان سے کہدے ''لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ''۔

نماز کی حقیقت

اللہ تعالیٰ کے نزدیک نماز کا بہت بڑا رتبہ ہے۔ کوئی عبادت اس کے نزدیک نماز سے زیادہ پیاری نہیں ہے۔ خدائے معبود نے اپنے بندوں پر نماز فرض کی ہے، اس کے پڑھنے کا بڑا ثواب اور اس کے چھوڑ دینے کا بڑا گناہ ہے۔ کیونکہ انسان پر نماز خدائے ذوالجلال والاکرام کی یادآوری اور اس کے حضور میں عاجزی کرنے کیلئے مشروع ہوئی ہے۔ خدائے پاک فرماتا ہے:

﴿اقم الصلوۃ لذکری﴾ (طٰہٰ: ۱۴)

''میری یاد کرنے کو نماز قائم کرو''۔

پس خدا کی یاد کرنے کے لئے نماز مقرر کی گئی ہے۔

نماز کیا ہے؟

نماز ایک دعا ہے جو درد، سوزش اور حُرقت کے ساتھ خداوند کریم سے طلب کی جاتی ہے، تاکہ جدید خیالات اور بُرے ارادے دفع ہوجائیں اور پاک محبت اور پاک تعلق حاصل

ہوجائے اوراس کے ماتحت چلنا نصیب ہو۔

۲۔ایمان بالغیب کے بعد قرآن کریم میں سب سے پہلی تعلیم اقامۃ الصلوٰۃ ہے۔صلاۃ ایک نہایت ضروری رکن اسلام کا ہے۔اس کی پابندی کے واسطے بار بار تاکید کی گئی ہے۔نماز کیا ہے؟ خدائے قدوس کی منت واحسان کا اقرار۔اپنی ارادت وعبودیت کا اظہار' اس کی عظمت و کبریائی کا اعتراف ہے،سابقہ انعام واکرام کے ساتھ لاحقہ عطاوفضل کی استدعا ہے۔کس سے اورکس کے سامنے؟ اس جوّادو کریم اوراس خالق ومحسن عظیم کے سامنے' جس نے موجودات کو بہ ایں ہمہ عظمت و نیرنگی' خوبی و وسعت' نیست سے ہست کیا، آدمی کو پیدا کیا، اس کی پرورش کے سامان مہیا کئے اور کرتا ہے، اوراس ضعیف البنیان کووہ مرتبہ دیا کہ ملائک کی جماعت بھی اس کے مرتبہ کودیکھ کر حیران رہ گئی۔

۳۔نماز ایک سوال ہے' جوکہ انسان جدائی کے وقت درداور رقّت کے ساتھ اپنے مولا اورخالق کے حضور میں کرتا ہے' کہ اس کولقاء اوروصول ہو۔کیونکہ جب تک خدائے پاک کسی کو پاک نہ کرے کوئی پاک نہیں ہوسکتا اور جب تک وہ خودوصال عطا نہ کرے کوئی وصال کوحاصل نہیں کرسکتا، اس وصال الٰہی کے واسطے خدائے پاک نے نماز رکھی ہے۔طالب صادق کے واسطے خدا کے قریب لیجانے والی کوئی چیز نماز سے زیادہ نہیں۔نماز کے اجزاء اپنے اندرادب، خاکساری اورانکساری کا اظہار رکھتے ہیں' قیام میں نمازی دست بستہ کھڑا ہوتا ہے، جیسا کہ ایک غلام اپنے آقا اور بادشاہ کے سامنے طریق ادب سے کھڑا ہوتا ہے، رکوع میں انسان انکسار کے ساتھ جھک جاتا ہے، سب سے بڑا انکسار سجدہ ہے' جو بہت ہی عاجزی کی حالت کوظاہر کرتا ہے۔

عبادت کے تمام طریقوں میں طریقہ نماز سب سے افضل ہے

۴۔تمام دنیا کے مذاہب کے لوگ خدا کی یادکوایک بڑا رکنِ مذہب خیال کرتے ہیں۔ قرآن کریم میں بھی جابجا خدا کو یاد کرنے کا حکم ہے اوراس تاکید کے ساتھ کہ اُٹھتے بیٹھتے لیٹے ہوئے ہروقت خدا کو یاد کرو۔اسی خدایادی کے لئے نماز کا حکم ہے۔ہم یہ نہیں کہتے کہ نماز ہی میں

یادِ خدا ہو سکتی ہے' ہم صرف یہ کہتے ہیں کہ اگر نماز کی صورت خاص قائم نہ ہوتی' تو خدا کی یاد کا طریقہ اتنا مہذب اور مؤکد طور پر قائم نہ رہتا جتنا کہ اب قائم ہے۔

دوسرے مذاہب کے طریقہء پرستش یا طریقہء یادالٰہی کو دیکھئے' خدا کا راگ گاتے ہیں' باجہ بجاتے ہیں' پانی خدا کی یاد میں اچھالتے اور گراتے ہیں' پھول پتی چڑھاتے ہیں' کبھی کبھی روشنی بھی یادالٰہی کے وقت کرتے ہیں' حبس دم کر کے بیٹھتے ہیں' مراقبہ کرتے ہیں' کسی چیز کو..... دھیان کرنے کے لئے..... خدا فرض لیتے ہیں اور پھر اظہارِ خلوص کرتے ہیں۔ یہ طریقے تو سادہ سادہ ہیں۔ ان کے علاوہ علم طب جاننے والے یاد خدا کے لئے علم تشریح میں بے انتہا نکتے پاتے ہیں۔ علم نباتات میں بھی لا متناہی باتیں خدا کی یاد دلانے والی ہیں، اس کے جاننے والے خدا کی یاد اور معرفت کا بڑا سبق لیتے ہیں۔

برگ درختانِ سبز در نظر ہوشیار ہر ورقے دفتر یست معرفت کردگار

علم ہیئت کے جاننے والوں کو بھی بہت سی باتیں خدا کی صفت کی ایسی معلوم ہوتی ہیں کہ وہ خدا کو اس ذریعہ سے یاد کرنا چاہیں تو پکے مومن ہو جائیں۔

غرض کہ بہت سے طریقے خدا کی یاد کے مروج ہیں' جن کا اوپر ذکر کیا گیا ہے' ان میں سے بعض ایسے ہیں کہ اسلام کے خلاف نہیں ہیں' اور حکم قرآن مجید کے موافق ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی یاد کرنے میں ان طریقوں پر عمل کیا جا سکتا ہے اور کیا جاتا ہے، لیکن یہاں صرف یہ دیکھنا ہے کہ نماز کی صورت میں جو طریقہ شرع اسلام نے مختص کر دیا ہے وہ سب طریقوں سے افضل ہے یا نہیں؟ دلیل اور برہان کی ضرورت نہیں ہے، ہر ایک کا وجدان بہترین شہادت ہے، صرف توجہ دلانا ہمارا کام ہے۔ خیال کیجئے' خدا کا دھیان دل میں کر کے دست بستہ باادب کھڑے ہو جایئے رکوع کیجئے سجدہ کیجئے' الفاظ جو عموماً پڑھے جاتے ہیں ان کا ترجمہ نماز کی ترتیب میں لکھ دیا گیا ہے' ان سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کس درجہ خدا کی وحدانیت اور اس کے جلال و جمال کی تصدیق پر مبنی ہیں اور حضور قلب کے لئے..... جو بندگی کی جڑ ہے..... کتنا عمدہ ذریعہ ہے اب ہر

شخص فیصلہ کر سکتا ہے کہ یادِ الٰہی کا طریقہ اس سے بڑھ کر دوسرا ہو نہیں سکتا۔

نماز مقتضائے فطرت و مصلحت ہے

۵۔ نماز بیشک مقتضائے فطرت اور مصلحت ہے، اس لئے کہ روزمرہ کا مشاہدہ ہے کہ آدمی کے ساتھ جو سلوک و احسان کرتا ہے وہ بالطبع اس کا مدح خواں ستائش کناں ہوتا ہے، تابمقدور اس کا بدلہ دینے کے لئے آمادہ پایا جاتا ہے۔ خداوند محسن حقیقی سے زیادہ احسان کرنے والا کون ہوسکتا ہے؟ پھر بھلا آدمی کیونکر اس کا مدح خوان اور ثنا گر نہ ہو، اس کی فطرت ہی اعلیٰ و افضل کے سامنے جھکنا اور اپنی فرو ماندگی[1] کا اعتراف کرنا ہے۔ خدائے پاک سے بڑھ کر اور کون ہوگا؟ پھر کیوں اس کے سامنے جُبّہہ سا نہ ہو؟ اس کی طبیعت ہے کہ مجبوری و احتیاج کے وقت قادر و حاجت روا کے سامنے گڑگڑاتا ہے، دست سوال دراز کرتا ہے۔ خدائے ذوالجلال سے زیادہ قادر و حاجت روا کون ہوگا؟ اور آدمی سے زیادہ مجبور و محتاج کون ہے؟ اور کس وقت وہ محتاج و درماندہ نہیں؟ پھر وہ کیوں اپنے خدائے رحیم و کریم کے سامنے ہر وقت خشوع و خضوع نہ کرے، دستِ سوال نہ پھیلائے؟ عقل سلیم کہتی ہے کہ بیشک اسے ثنا خوان ہونا چاہئے، جُبّہہ سائی کرنی چاہئے، دست سوال پھیلانا چاہئے۔ یہی تینوں رکن، اصل نماز ہیں، اور انہی تینوں کے مجموعہ کا نام نماز ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ اسلامی نماز کی نسبت کہا جاتا ہے کہ یہ طریقہ نماز مقتضائے فطرت ہے، اور یہی ایک ایسا طریقہ ہے جو انسانی فطرت کے مناسب حال ہے۔

نماز مقتضائے مصلحت بھی ہے، اس واسطے کہ آدمی جسم کثیف (ادنیٰ طبیعت) اور روح لطیف (نفس اعلیٰ) دونوں کا مجموعہ ہے، اور انسانی کمال یہ ہے کہ وہ اپنے وجودی دونوں جزوں کو کمال پر پہنچائے۔ جسم مادیات سے وجود پاتا ہے، اس لئے اس پر طبیعی قانون اور مادی احکام جاری ہوتے ہیں۔ کبھی قوی ہوتا ہے، کبھی ضعیف، کبھی زیادہ، کبھی کم، کبھی تحلیل پاتا ہے، اور کبھی ترکیب، (تحلیل و ضعف کی کمی و بیشی کا ہونا ضروری ہے) اور نقصانی حالتوں میں جو کچھ اس میں

---

[1] ناچاری، مجبوری، عاجزی، کمزوری۔

گھٹتا جاتا ہے، بالمثل اس کی تلافی ہوتی جاتی ہے، یعنی تحلیل کے بعد ترکیب، ضعف کے بعد قوت، تحلیل وضعف کی کمی کو پورا کردیتے ہیں۔ روح اگرچہ فنا اور تحلیل اجزاء سے محفوظ ہے، لیکن اس کو مادیات کا مقابلہ کرنا پڑتا ہے، اس لئے ضعف کا سامنا ہوتا ہے۔ روح چاہتی ہے کہ مادہ پر غالب آئے اور ہیکل انسانی کی بلاشریک مالک بن جائے اور جس طرح اس سے چاہے اپنی ہی تکمیل کا کام لے۔ جسم چاہتا ہے کہ خود مالک بنے اور روح وروحانیات کو بے اثر کردے۔ اسی کشمکش میں روح کو ضعف لاحق ہوتا ہے، اور وہ اس کی تلافی کرنے اور قوت بہم پہنچانے کے لئے مجبور ہوتی ہے کہ عالم ارواح سے مدد لے تاکہ حریف پر غالب آسکے۔ اور اگر ہیکل انسانی کی مالکِ لاشریک نہ بن سکے تو کم ازکم اپنے وجود کو برقرار رکھ کر وہ کمال حاصل کرسکے جو اس کو جسم و جسمانیات کی صحبت میں حاصل ہوسکتا ہے۔ یہی مدد روح کو نماز سے حاصل ہوتی ہے۔ اس لئے مصلحت انسانی یہی ہے کہ وہ اقامت نماز سے غافل نہو۔

انسانی روح بغیر خدا کی مدد کے ترقی نہیں کرسکتی

یہ ظاہر ہے کہ انسان کا فانی جسم ہر آن تغیرات کے نیچے ہے۔ اور کمزور روح علوم میں اسی فانی اور کمزور جسم کی محتاج ہے۔ کیونکہ وہ اس جسم اور ذرات کے بغیر کوئی راحت یا علم وصداقت حاصل نہیں کرسکتی۔ اور سارے علوم اور صداقتیں زبان، کان، آنکھ، ناک اور ٹٹولنے کی حس کے ذریعہ سے پہنچتی ہیں، مگر یہ جسم فانی ہے۔ اور ہر آن تنزل کی حالت پیدا کرتا ہے۔ فضلے پیدا ہوکر جسم سے نکلتے رہتے ہیں۔ ایسی حالت میں صاف ظاہر ہے کہ روح کا ذریعہ فانی اور کمزور ہے، اسی پھر کیسے ترقی کرے؟ جب تک اللہ تعالیٰ کی مدد ساتھ نہو۔ اسی محسن نے نماز جیسی کیسی پاک راہ بتائی، جس سے معلوم ہوگیا کہ خدائے کریم ورحیم کے کرم ورحم اور اس کے فضل واحسان کے بغیر ایک آن گذارا نہیں ہوسکتا، اسی لئے نمازی اس کی ہی مدد چاہتے ہیں۔

اسلام پاک چونکہ فطری اور حکیمانہ الٰہی دین و مذہب ہے، اس لئے اس نے حکم دیا کہ آدمی جوکہ جسمانی ضروریات سے مجبور ہوکر ہر وقت مادی وطبیعی جھگڑوں میں گھرا رہتا ہے۔ کم

از کم پانچ دفعہ بارگاہ ایزدی سے طبیعت (نفس امارہ) پر غالب آنے کے لئے استمداد کیا کرے۔ اور نیز چونکہ حضرت انسان کو سوائے درگاہ باری کے اور کوئی درگاہ اس حاجت براری کے لئے نہیں مل سکتی۔ اور حالت یہ ہے کہ طرح طرح کے طوق اور قسم ہا قسم کے زنجیر انسان کی گردن میں پڑے ہوئے ہیں۔ اور وہ بہتیرا[1] چاہتا ہے کہ یہ دور ہو جائیں' پر وہ دور نہیں ہوتے۔ باوجود انسان کی خواہش کے کہ وہ پاک ہو جائے' نفس لوامہ کی لغزشیں ہو ہی جاتی ہیں۔ گناہوں سے پاک کرنا خدا کا کام ہے۔ اس کے سوائے کوئی طاقت نہیں جو زور کے ساتھ انسان کو پاک کردے۔ اس لئے حکم دیا کہ وہ ان اوقات پنجگانہ میں اپنے آپ کو بزور ماسوی اللہ سے جدا کر کے حمد و ثنا کے آداب' خضوع و خشوع کے مراسم' دل سے' زبان سے' دست و پا سے' بلکہ تمام جسم سے بجالائے، تاکہ خدائی فیض سے روحانی مدد حاصل کرسکے، جو روحانی غذا ہے، جس سے روح انسانی کو قوت و طاقت حاصل ہوتی ہے۔ اور وہ جسم و مادیات و نفس امارہ سے عہدہ برآ ہونے اور ان پر غالب آنے کے قابل بنتی ہے۔ کیونکہ نمازی اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تحمید کرتا ہے، اور خدائے پاک کسی کا احسان نہیں رکھتا اور خود اپنے بندے کو اس کے اعمال کا اعلیٰ سے اعلیٰ بدلہ دیتا ہے۔ پس جب نماز میں کمال تذلّل اور خشوع و خضوع کے ساتھ انسان اس کے حضور میں گر جاتا ہے تو اللہ حکیم و علیم اُسے اُٹھاتا ہے، اور اپنے ملائکہ سے فرماتا ہے کہ دیکھو جس طرح اس نے میری پاکیزگی کا اقرار کیا ہے' تم اسے پاک کردو۔ اور اس نے میری حمد کی ہے' تم اس کی حمد کو دنیا میں پھیلا دو، اور اس نے میرے حضور میں کمال تذلّل اور انکساری کا اظہار کیا ہے' تم اس کو عزت و رفعت دو۔

پس جب تک انسان اس خدائی مدد کا مستحق نہیں ہوتا' اسے کبھی روحانی کامیابیوں اور ترقیوں کا راستہ نہیں مل سکتا، اور نہ کبھی نفس و شیطان پر غلبہ اور قابو پا سکتا ہے۔

[1] بہت زیادہ، (بَ۔ ہُ۔ تے۔ رَا)۔

نماز کی غرض و غایت

نماز کی اسی غرض و غایت کو خدائے پاک نے اپنی کتاب مقدس (قرآن) میں یوں بیان فرمایا:

﴿اتل ما اوحی الیک من الکتب و اقم الصلوٰۃ ان الصلوۃ تنھی عن الفحشاء و المنکر ولذکر اللہ اکبر واللہ یعلم ما تصنعون﴾ (العنکبوت:۴۵)

کتاب میں جو تم پر وحی اُتری ہے اس کو پڑھو اور نماز کو درست طریق پر ادا کرو۔ حقیقت میں نماز تمام بداخلاقیوں اور بُرائی سے روکتی ہے۔ اور اللہ کی یاد سب سے برتر ہے۔ اللہ تمہاری کاریگری کو خوب جانتا ہے۔

قرآن کریم میں صلوٰۃ کا لفظ جہاں کہیں آیا ہے' اقامت کے صیغوں کے ساتھ آیا ہے۔ عربی میں اقامت کے معنی یہ ہیں کہ کسی کام کو اس کے تمام و کمال شرائط و حدود کے ساتھ انجام دیا جائے۔ روایات میں ہے:

اقامۃ الصلوۃ تمام الرکوع و السجود و التلاوۃ و الخشوع و الاقبال علیھا فیھا

''نماز قائم کرنے کے معنی رکوع و سجود اور تلاوت و خشوع کے حق سے نہایت مکمل طریق پر سبکدوش ہونے اور نماز کی غایت کی جانب اچھی طرح توجہ کرنے کے ہیں''

یعنی ایک مسلمان کے لئے صرف نماز پڑھنا ہی کافی نہیں ہے، نماز کے اغراض و غایات کی تکمیل بھی ضروری ہے۔ قرآن کریم میں کہیں بھی رسمی نماز پڑھنے کا حکم نہیں، بلکہ خداوند تعالیٰ نمازی سے تکمیل حدود چاہتا ہے اور صاف فرماتا ہے کہ بغیر اس تکمیل کے نماز ہی نہیں۔ نماز سے صرف ایک رسم کا پورا کردینا مقصود نہیں، بلکہ خدائے بزرگ و برتر سے اپنے تعلقات کا تازہ کرنا اور تصورات دنیاوی سے کنارہ کش ہو کر نفس میں ایک اعلیٰ تصوّر قدسی کا پیدا کرنا مدنظر ہے۔ اور ظاہر ہے کہ یہی دو چیزیں انسانی زندگی کو کامیاب بنا سکتی ہیں، اور یہی کامیابی اسلام کی نظر میں ہے۔

نماز کی مواظبت سے کیا بات حاصل ہوتی ہے

حدیث شریف میں ہے کہ ایک شخص نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت (اقدس) میں گذارش کی کہ فلاں شخص رات کو نمازیں پڑھا کرتا ہے اور جب تڑکا ہوتا ہے تو چوری کرتا ہے۔ حضور نے فرمایا کہ جس چیز کو تم کہہ رہے ہو (یعنی ادائے نماز) یہی چیز اس کو اس حرکت سے روک دے گی۔

روایات کا اقتباس

یہ بات کیونکر حاصل ہوتی ہے اور اس کا سبب کیا ہے؟ احادیث میں اس کی جو حقیقت مذکور ہے اور آثار و اخبار سے اس موضوع پر جو روشنی پڑتی ہے اس کا اقتباس یہ ہے:

۱۔ نماز میں خدا کی نافرمانیوں سے روکنے اور باز رکھنے کی صفت ہے۔

۲۔ جس شخص کو اس کی نماز نے بے حیائی اور بُرائی سے نہ روکا، وہ نماز پڑھ کر خدا سے دور ہو گیا۔

۳۔ حضرت عبداللہ بن مسعود (رضی اللہ عنہ) سے ایک شخص کا تذکرہ ہوا کہ فلاں شخص بہت نمازیں پڑھا کرتا ہے۔ ابن مسعود نے فرمایا: ''نماز اس شخص کو نفع دیتی ہے جو نماز کی اطاعت کرے''۔

۴۔ نیکی کرنے اور بُرائی سے روکنے کے لئے جس کی نماز حکم نہ دیتی ہو تو ایسی نماز نے خدا سے اور دوری بڑھا دی۔

۵۔ جو نماز کی اطاعت نہ کرے اس کی نماز' نماز ہی نہیں، نماز کی اطاعت یہ ہے کہ وہ انسان کو بد اخلاقی اور بُرائی سے روکے۔

۶۔ حضرت سفیان سے سوال ہوا کہ قرآن کریم کی اس آیت سے کیا مراد ہے کہ کفار نے کہا، اے شعیب کیا تیری نماز تجھے حکم دیتی ہے؟ سفیان نے جواب دیا: ''ہاں' خدا کی قسم!

نماز حکم دیتی ہے اور منع بھی کرتی ہے''۔

بیشک نماز کو اس کی شرائط کے ساتھ سنوار کر پڑھنے والا اور ان شرائط کو ملحوظ رکھنے والا جو اللہ تعالیٰ نے ادائی نماز کے لئے مقرر فرمائے ہیں' اپنے اندر فوراً ایک خاص تبدیلی پاتا ہے اور زیادہ دن گذرنے نہیں پاتے کہ اس کے اندر فوراً ایک خاص ملکہ پیدا ہو جاتا ہے' جس سے اسے بدیوں کی شناخت ہو جاتی ہے اور پوشیدہ بدیوں پر اسے اطلاع دی جاتی ہے، اور مخفی در مخفی گناہ کا علم جو دوسروں کو نہیں ہوتا اسے دیا جاتا ہے، اور ملائکہ اسے ہر موقع پر ہوشیار کر دیتے ہیں کہ دیکھنا' یہ گناہ ہے' ہوشیار ہو جانا۔ پس مسلمان کا نمازیں پڑھنا، اور ان پر مداومت کرنا، اگر وہ نمازوں کے ثمرات جو نماز کے لئے مخصوص ہیں' ان کو نہیں ملتے تو وہ بے مغز نمازیں ہیں، اور ان کے اندر ہزاروں قسم کے ایسے اجرام[1] داخل ہو گئے ہیں جنھوں نے ان کی قوت مثمرہ کو ضایع کر دیا ہے۔

فحشاء اور منکر سے کیا مراد ہے؟

بے حیائی اور بُرائی سے کیا مراد ہے؟ اور ان چیزوں سے روکنے کے کیا معنی ہیں؟ اس کی نسبت تفسیر فتح البیان نے یوں فرمایا ہے:

الفحشاء ما قبح من العمل كالزنا مثلا، والمنكر مالا يعرف في الشريعة اى تمنعه عن معاصى الله وتبعده منها، و معنى نهيها من ذلك ان فعلها يكون سبباً للانتهاء عنها . (تفسیر فتح البیان، مطبوعہ مصر جلد ۷ صفحہ ۱۶۱)

جو قبیح کام ہوں جیسے حرام کاری ان کو فحشاء کہتے ہیں۔ اور قانون اسلام نے جس چیز کی اجازت نہ دی ہو وہ منکر ہے۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ خدا کی نافرمانیوں سے انسان کو نماز روکتی ہے اور گناہوں سے دور کر دیتی ہے۔ یعنی نماز کا یہ فعل ہے کہ ان چیزوں سے باز رہنے کا وہ سبب ہوا کرتی ہے۔ (فحشاء کا ترجمہ بد اخلاقی زیادہ موزوں معلوم ہوتا ہے، کیونکہ یہ لفظ جامع ہے۔)

[1] قصور، خطا، تقصیر۔

فحشاء اور منکر سے روکنے کا طریق کیا ہے؟

اس کی نسبت ایک بڑے مستند علامہ حافظ ابن کثیر کی رائے ہے:

قال ابو العالية قوله تعالیٰ ﴿ان الصلوٰة تنهیٰ عن الفحشاء و المنكر﴾ قال ان الصلوٰة فيها ثلث خصال فكل صلوٰة لا يكون فيها شئ من هذه الخصال فليست بصلوٰة: الاخلاص و الخشية و ذكر الله، الاخلاص يامره بالمعروف و الخشية تنهى عن المنكر و ذكر الله أی القرآن يامره وينهاه ۔ (تفسیر ابن کثیر: جلد۷ صفحہ۲۹۶)

"نماز فحشاء اور منکر سے روکتی ہے"۔ اس کی تفسیر میں ابو العالیہ کا قول ہے کہ نماز میں تین خصلتیں ہیں: ان میں سے اگر کوئی خصلت بھی کسی نماز میں نہ ہو تو وہ نماز ہی نہیں ہے وہ خصلتیں یہ ہیں (۱) خلوص (۲) خوف خدا (۳) یاد الٰہی۔ خلوص کا فعل یہ ہے کہ وہ نماز پڑھنے والے کو نیک کام کا حکم دیتا ہے۔ خوف خدا اسے بدی سے روکتا ہے اور یاد الٰہی یعنی قرآن کا فعل امر و نہی دونوں کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔

فحشاء اور منکر سے روکنے والی نماز کس حکم میں ہے

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی نسبت نہایت محققانہ جواب دیا ہے:

الصلوٰة الصحيحة شرعاً تنهى عن الامرين مطلقا، وهى التى أتىٰ بها المكلف لله، حَتّٰى لو قصدبها الرياء لا تصح صلوٰ ة شرعاً و تجب عليه الاعادة۔ (تفسیر کبیر: جلد۵ صفحہ۱۶۴)

اصول شریعت کی رو سے جو نماز صحیح کہی جا سکتی ہے وہ ان دونوں اُمور فحشاء و منکر سے روکتی ہے۔ یہ وہی نماز ہے جو ایک عاقل و بالغ مسلمان خدا کے لئے ادا کرے۔ اس باب میں یہاں تک تحدید کر دی گئی ہے کہ ادائی نماز سے اگر کسی کا مقصود نمائش و نمود ہو تو وہ نماز شرعاً درست نہ ہوگی، اس کو دوبارہ ادا کرنا چاہئے۔

علامہ ابن جریر کی رائے

علامہ ابن جریرؒ ایسی نماز کی نسبت، جو فحشاء اور منکر سے بچانے والی نہ ہو، اپنی رائے کا اظہار ان الفاظ میں بیان فرماتے ہیں:

من اتی فاحشۃ او عصی اللہ بما یفسد صلوتہ فلا شک انہ لا صلوٰۃ لہ

(تفسیر ابن جریر: جلد ۲۰ صفحہ ۹۳)

''اب اگر (نماز پڑھ کر) کسی انسان نے فحشاء کا ارتکاب کیا، یا خدا کی کوئی ایسی نافرمانی کی جس سے نماز میں خلل آتا ہو تو اس کی نماز بے شک وشبہ نماز نہ ہوگی''۔

نماز کا معیار

جب نماز تمام بے حیائیوں اور بدکاریوں سے روکتی ہے تو اگر نماز پڑھ کر بھی بے حیائیاں اور بدیاں نہیں رُکتی ہیں تو سمجھ لینا چاہئے کہ ابھی تک نماز اپنے اصل مرکز پر نہیں اور وہ سچا مفہوم جو نماز کا ہے وہ حاصل نہیں ہوا۔ پس مسلمان بھائیوں کا فرض ہے کہ وہ اپنی نمازوں کا اسی معیار پر امتحان کریں، اور دیکھیں کہ ان کی بدیاں دن بدن گھٹ رہی ہیں یا نہیں۔ اگر نسبتاً ان میں کوئی فرق واقع نہیں ہوا تو پھر یہ خطرناک بات ہے۔

حقیقی صلوٰۃ یا روحانی نماز

روحانی نماز یا حقیقی صلوٰۃ سے نفس کو قوت حاصل ہوتی ہے اور وہ اس قابل ہو جاتا ہے کہ نفس امارہ کی بے جا سرکشی کا مقابلہ کر سکے اور قوائے روحانی میں ترقی ہوتی رہے، تاکہ یہ نماز قوائے انسانی کو بُرائی کا مرتکب نہ ہونے دے۔ مگر اس کے لئے ضروری ہے کہ نماز حالت خشوع وخضوع اور محویت میں دنیاوی خیالات سے قطع تعلق کر کے ادا کی جائے اور حضور قلب کا اس میں بڑا اہتمام ہو، ایسی نماز حقیقی نماز کہلاتی ہے، اور یہی وہ نماز ہے جس کو روحانی نماز سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اقامۃ الصلوٰۃ کے اصل معنی یہی ہیں کہ اخلاص اور صدق سے خدائے قدوس کی طرف متوجہ

ہونا اور اس کی عزت وجلال کے سامنے نہایت خشوع وخضوع سے دعا کرنا۔ محض صورت صلوٰۃ اور اس کی ظاہری رسموں کے ادا کرنے کو اقامۃ الصلوٰۃ نہیں کہتے۔ اگر ظاہری رسوم سے ہی صلوٰۃ مراد ہوتی تو باطنی اور روحانی فوائد کا وعدہ نہ دیا ہوتا اور نہ خواہش اور منکرات سے بچنا اس کی لِـمُ بیان کی گئی ہوتی اور نہ خداوند پاک اس کی تعریف اور عظمت کا اظہار ﴿ان الصلوٰۃ تنھی عن الفحشاء و المنکر﴾ سے بیان فرماتا ہے۔ حق یہ ہے کہ انسان جوں جوں نماز پڑھتا ہے، اور خدائے قدوس کی پاکیزگی اور حمد وعظمت کا اقرار کرتا ہے۔ خدائے پاک اس کے اعمال حسنہ کے ترازو کو بوجھل کرتا جاتا ہے، اور انسان کا مقام رفیع ہوتا جاتا ہے۔ اور چونکہ گناہ مادیت کے تعلق کا نتیجہ ہے، جب انسان اس سے بلند ہوتا جاتا ہے تو اس کا تعلق مادیت سے کم ہوتا جاتا ہے، اور لازماً وہ گناہوں سے محفوظ ہوتا جاتا ہے۔

اللہ ہی سے خوف اور اُمید رکھنا اسلام کی اصل ہے

یہی سبب ہے کہ اسلام پاک کے عظیم الشان اُصولوں میں سے ایک یہ اصل بتائی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو اپنا معبود، محبوب اور مطاع نہ بناؤ، اور وہ ذات کامل ہے جو ہر نقص سے منزہ اور خوبی سے موصوف ہے، اس کی ذات کو اپنا معبود ومحبوب اور مطاع بنانا اس سے معلوم ہوسکتا ہے کہ کیا آنکھ سے بدنظری کرتا ہے یا نہیں؟ کان سے حرص وہوا کی باتیں سنتا ہے یا نہیں؟ ناک[1] کے خیال سے فضول خرچیاں کرتا ہے یا نہیں؟ پھر زبان' ہاتھ' پاؤں' غرض کل اعضاء فرماں برداری میں لگے ہوئے ہیں یا نہیں؟ مختصر یہ کہ کوئی خوف اور اُمید اگر مخلوق سے ہے تو سمجھ لو کہ لَا اِلٰـہَ اِلَّا اللہ کے معنوں سے بے خبری ہے یا بے پرواہی:

خوف حق عنوان ایمان ست و بس　　　خوفِ غیر از شرک پنہان است و بس

لا الہ الا اللہ کا ماننے والا کسی کے آگے ہاتھ باندھ کر کھڑا نہیں ہوسکتا اور نہ رکوع وسجود کر سکتا ہے۔ ایسا ہی مخلوق کے لئے نہ قربانی دے سکتا ہے۔ اور نہ اپنے مال کا ایک مقرر حصہ مخلوق میں سے

---

[1] ناک = شرم وحیاء، غیرت وحمیّت، عزّت وآبرو۔

کسی کے لئے الگ کرسکتا ہے۔ بلکہ ساری باتوں میں اپنا معبود مسجود اللہ ہی کو مانتا ہے۔ اور اپنی اُمید وبیم کو اسی سے وابستہ کرتا ہے۔ ہر ایک کام اس کی رضا کے لئے کرتا ہے۔ اور سب سے الگ ہو کر اسی کی طرف آجاتا ہے۔ خدائے پاک کی کامل و مکمل کتاب (قرآن کریم) میں اس کے متعلق جابجا فرمان خداوندی موجود ہے:

۱. ﴿واذکر اسم ربک وتبتل الیه تبتیلا﴾ (المزّمّل:۸)

''خدا کو یاد کرو اور اسی کی طرف سب سے ٹوٹ کر آجاؤ''۔

۲. ﴿قد أفلح المؤمنون ○ الذین هم فی صلوٰتهم خٰشعُوْن﴾ (المؤمنون:۱۔۲)

''فلاح ورستگاری پا گئے وہ مومن جو اپنی نمازوں میں دل سے عاجزی کرتے ہیں''۔

۳. ﴿اقم الصلوة لذکری﴾ (طٰہٰ:۱۴)

''میری یاد کے لئے نماز قائم رکھ''۔

۴. ﴿ولا تکن من الغفلین﴾ (الأعراف:۲۰۵)

''غافلوں میں نہ ہو''۔

۵. ﴿لا تقربوا الصلوٰة وانتم سکاری حتی تعلموا ما تقولون﴾ (النساء:۴۳)

''جب تم نشہ میں ہو اور جو کچھ (زبان سے) کہتے ہو اُسے تم نہ سمجھو تو نماز کے نزدیک نہ جاؤ''۔

سکارٰی کے معنیٰ کیا ہیں؟

اس آیۂ شریفہ کے بہت سے معانی مفسرین نے بیان فرمائے ہیں: (۱) بعض کہتے ہیں کہ سکارٰی سے یہاں مراد یہ ہے کہ غم کی کثرت سے مست (بیخود) ہوں (۲) بعض کا قول ہے کہ دنیا کی محبت سے سرشار ہوں (۳) بعض کہتے ہیں کہ یہاں ظاہری معنی مراد ہیں، یعنی نشہ شراب (سیندھی وغیرہ) سے مست ہوں (۴) اکثروں کی یہ رائے ہے کہ یہاں دنیا کے نشہ پر تنبیہ کی گئی ہے کیونکہ علت کو بیان کیا ہے، جیسا کہ فرمایا ہے کہ ''اس وقت تک نماز کے نزدیک نہ جاؤ۔ جب تک یہ نہ جان لو کہ کیا کہتے ہو''۔ (۶) نشہ کے استعمال پر ہی منحصر نہیں بلکہ اگر خیال کیا

جائے تو بہت سے ایسے نمازی ہیں جو نشہ نہیں پئے ہوتے مگر جو کچھ نماز میں کہہ رہے ہیں اسے نہیں جانتے اور یہی معنی عمدہ اور بہتر ہیں۔ بلکہ انھیں معنوں سے نماز کی حقیقت اور اصلیت بھی واضح ہوتی ہے۔

اگر محض زبانی کلمات کے دُہرانے سے کوئی شخص مستحق ثواب ہوسکتا ہے تو پھر وہ طوطے جو حافظ آیۃ الکرسی ہوا کرتے ہیں، وہ ضرور مستحق ثواب ہوں گے۔ حالانکہ ایسا امر نہیں ہے۔ بلکہ وہی نماز ثواب کا استحقاق رکھتی ہے جو دل کی آگاہی سے پڑھی جائے۔

نماز کے ارکان و شرائط

ایک سوال کا جواب

شائد کوئی یہ کہے کہ جب نماز مقتضائے فطرت ہے (جیسا کہ اس سے پہلے بیان ہو چکا ہے) تو پھر ایسی حالت میں حکم صلوٰۃ اور عدم صلوٰۃ دونوں برابر ہیں، کیونکہ مقتضائے فطرت بغیر حکم کے بھی اسی طرح ادا ہوتا ہے جس طرح کہ بعد حکم پھر کیا وجہ کہ نماز کا حکم آیا؟ اور ان خاص پابندیوں کے ساتھ اور خدائے پاک نے فرمایا ﴿و اقیموا الصلوٰۃ﴾ پھر اس کے لئے مندرجہ بالا شرائط کی قید ٹھہرائی۔ حالانکہ آدمی ہمیشہ سے نماز ادا کرتا رہا ہے، یعنی فطرتاً خدائے پاک کے سامنے اپنے عجز و قصور کا اعتراف کرتا رہا اور کرتا رہے گا، اس کی عظمت و کبریائی کو مانتا رہا اور مانتا رہے گا، اس کے سامنے دست دعا پھیلاتا رہا اور پھیلاتا رہے گا، بلکہ وہ ہمیشہ دل میں خشوع و خضوع کرتا رہتا ہے، مانا کہ اکثر ہاتھ نہیں اُٹھاتے زبان نہیں ہلاتے، مگر ان کا دل کبھی اس سے غافل نہیں ہوا اور نہیں ہوسکتا کیونکہ ان کی فطرت ہی یہ ہے اور یہ نماز کچھ انسان ہی ادا نہیں کرتا بلکہ تمام مخلوقات و موجودات ادا کرتی ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں خدائے بزرگ و برتر فرماتا ہے

﴿و النجم[1] و الشجر یسجدان﴾ (الرحمٰن:٦)

[1] نجم جھاڑی بوٹی کو بھی کہتے ہیں۔ اس صورت میں معنی یہ بدل گئے کہ جھاڑی بوٹیاں اور (بڑے) درخت خدا کو سجدہ کرتے ہیں۔ (مؤلف)

تارے اور درخت سب خدا کو سجدہ کرتے ہیں۔ نجم و شجر کا سجدہ یہ نہیں ہے کہ کسی وقت وہ کھڑے ہوتے ہیں اور پھر سجدہ میں گر پڑتے ہیں۔ ان کا سجدہ جس سے نماز مراد ہے یہی ہے کہ وہ ازروئے فطرت اپنے عجز اور خدائے پاک کی عظمت وقدرت کے معترف ہیں۔ یہی اعتراف انسانی نماز ہے جو انسان میں ہمیشہ پایا گیا ہے اور پایا جائے گا۔

عام مخلوق اور انسان کی نماز میں فرق ضروری ہے

ہم مانتے ہیں کہ یہ فطری اعتراف یا طبیعی اظہار عجز و نیاز نماز ہے۔ لیکن ہر مخلوق کے لئے یہی اعتراف و اظہار نماز نہیں ہوسکتا۔ اس لئے کہ تمام مخلوقات کی حیثیات یکساں اور برابر نہیں ہیں۔ جو مخلوق جس حیثیت کی ہے اس کی نماز بھی اسی درجہ اور حیثیت کی ہونی چاہئے۔ طبیعی عجز و پستی کا اظہار صرف اسی مخلوق کی نماز ہوسکتا ہے جو بالکل طبیعی زنجیروں میں جکڑ بند ہو جس نے اختیار و ارادہ سے حصہ نہ پایا ہو۔ عقلی قیاس یہ ہے کہ جو مخلوق طبیعت کی قید سے آزاد ہو (اگرچہ ایک حد تک ہی کیوں نہ ہو) اس کی نماز بھی پابند طبیعت کی نماز سے ارفع و اعلیٰ ہی ہونی چاہئے۔ یعنی اس کا فطری فرض ہے کہ ایک طرف اپنی طبیعی صورت و وجود سے نماز گذار ہو، اور دوسری طرف ارادہ و اختیار سے۔ انسان چونکہ صاحب ارادہ و اختیار ہے۔ اس لئے محض طبیعی اعتراف و اظہار و عجز جو ہر وقت اس سے ظاہر ہوتا رہتا ہے اس کی نماز نہیں، بلکہ اس کو ارادہ سے اور اپنے اختیار سے بھی نماز ادا کرنی چاہئے تاکہ اس کی حیثیت کے موافق ہوسکے۔

ارادہ اور اختیار کی نماز ہی انسانی نماز ہے

رہا یہ امر کہ ارادہ بھی تو اس کے وجوہ کا طبیعی جزو یا لازمہ ہے بے شک طبیعی جزو یا لازمہ ہے لیکن افعال ارادی طبیعی نہیں، طبیعت ایک جابر قوت ہے کہ اس کے موافق صاحب طبیعت کو کرنا پڑتا ہے، لیکن صاحب ارادہ ارادی افعال میں آزاد ہوتا ہے۔ پس طبیعی نماز ذی ارادہ مخلوق کے شایان شان نہیں ہوسکتی۔

چونکہ انسان صاحب ارادہ اور ذی اختیار مخلوق ہے۔ اس لئے ضرور ہے کہ وہ ارادہ و اختیار سے نماز ادا کرے۔ تا کہ اس کی نماز کامل اور حسب حیثیت ہو سکے، اس لئے حکم دیا گیا ہے کہ نماز ایسی حالت میں ادا کرو کہ تمہارے تمام ہوش وحواس بجا ہوں۔ اور جو کچھ تم کر رہے اور زبان سے کہہ رہے ہو اس کو جانتے ہو اور ان تمام حرکات وافعال کی طرف تمہارے دل کی توجہ بھی ہو اور وہ خدائے پاک کی طرف سے غافل بھی نہ ہو۔

طبیعی نماز تو البتہ انسان ہمیشہ ادا کرتا رہا اور کرتا رہے گا۔ بلکہ اس کی نماز کا کوئی وقت آج تک دیگر مخلوق عالم کی طرح نہ قضا ہوا اور نہ ہو سکتا ہے۔ کیونکہ اظہار عبودیت اس کی وجودی شان وصورت سے ہر وقت ہوتا رہتا ہے۔ ہاں ارادی نمازیں اس کی قضا ہوئیں اور ہوتی ہیں۔ اور غفلت کی وجہ سے ہوتی رہیں گی۔ کیونکہ مادی جھگڑے جھمیلے اس کے پیچھے لگے ہوئے ہیں اور نفس امارہ جسمانی از ائد و حظائظ کی تحصیل میں اسے منہمک رکھتا ہے اور یہی انہماک فواحش و منکرات کا اصلی سبب اور ضعف دیانت کا اصلی موجب ہے۔ اس کا قلع قمع ہو سکتا ہے تو ارادی نماز سے ہی ہو سکتا ہے، نہ طبیعی سے۔ کیونکہ یہ انہماک بھی قوت ارادی کا نتیجہ ہے، اس کا دفعیہ بھی ارادہ ہی سے ہو سکتا ہے۔ اس لئے خدائے تعالیٰ نے ادائے نماز کی اقامت کا حکم دیا۔ اور پھر اس کی لِم (غرض وغایت) بھی بتادی کہ نماز تمام بداخلاقیوں اور تمام گناہوں سے باز رکھتی ہے۔

نماز کا ماحصل

پس نماز یہی ہے کہ اپنے عجز و نیاز اور کمزوریوں کو خدائے پاک کے آگے کمال خضوع و خشوع سے پیش کرنا اور اس سے اپنی حاجت روائی چاہنا' کبھی اس کی عظمت اور اس کے احکام کی بجا آوری' کے واسطے دست بستہ کھڑا ہونا اور کبھی مذلت اور فروتنی سے اس کے آگے سجدہ میں گر جانا' اس سے حاجات کا مانگنا' یہی نماز کی حقیقت ہے۔ ایک سائل کی طرح کبھی اس مسئول کی تعریف کرنا کہ تو ایسا ہے، اس کی عظمت وجلال کا اظہار کر کے اس کی رحمت کو جنبش دلانا اور پھر اس سے مانگنا، انسان ہر وقت محتاج ہے کہ اس کی رضا کی راہیں مانگتا رہے۔ اور اس کے فضل

کا اس سے خواستگار رہے۔ کیونکہ اس کی دی ہوئی توفیق سے کچھ کیا جا سکتا ہے۔

نماز میں اس بات کی التجا کی جاتی ہے کہ بار خدایا ہم کو توفیق دے کہ ہم تیرے ہو جائیں اور تیری رضا پر کاربند ہو کر تجھے راضی کر لیں۔ خدائے معبود و محبوب حقیقی کی محبت اور اس کا خوف اسی کی یاد میں دل لگا رہنے کا نام نماز ہے، جو شخص اپنے محبوب لایزال سے ملنا چاہتا ہے اور اس کے دربار میں پہنچنے کی خواہش رکھتا ہے' اس کے واسطے نماز ایک ریل گاڑی ہے، جس پر سوار ہو کر وہ جلد تر پہنچ سکتا ہے، اور نماز وہ مقصود کو پہنچاتی ہے جس میں حضور دل ہو، ورنہ اس مقولہ کا مصداق بنتا ہو گا۔

وَکَمْ مِنْ مُصَلٍّ مَالَهُ مِنْ صَلَاتِهٖ سِوٰی رُؤْيَةِ الْمِحْرَابِ وَالْكَدِّ والعنا

(یعنی) بہت سے نمازی ایسے ہوتے ہیں کہ ان کو اپنی نماز سے سوائے محراب دیکھنے اور تکلیف و مشقت اُٹھانے کے اور کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

نماز کی روح

ا۔ نماز کی پابندی کے واسطے بار بار قرآن کریم میں تاکید کی گئی ہے۔ لیکن ساتھ ہی یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ ویل ہے ان نمازیوں کے واسطے جو کہ نماز کی ﴿فویل للمصلین O الذین هم عن صلوتهم ساهون﴾ (الماعون:۴۔۵) حقیقت سے بے خبر ہیں''۔ صلوٰۃ کا لفظ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ دعا صرف زبان سے نہیں بلکہ اس کے ساتھ سوزش اور جلن اور حرقت کا ہونا بھی ضروری ہے۔ خدائے رحمٰن و رحیم دعا کو قبول نہیں کرتا جب تک کہ انسان حالت دعا میں ایک موت تک نہیں پہنچتا۔ دعا کے واسطے لازمی امر ہے کہ انسان کا دل خدائے تعالیٰ کے آگے پگھل جائے، اور وہ صبر و استقامت کے ساتھ اس کا فضل مانگنے والا ہو، جب نماز کے تمام آداب کا لحاظ رکھا جاتا ہے تب اس کی دعا کو قبولیت کی اُمید ہوتی ہے۔ یاد رکھو! نماز بڑے بھاری درجہ کی دعا ہے مگر لوگ اس کی قدر نہیں کرتے۔

نماز میں روحانی سرور

نماز صرف نشست و برخاست کا نام نہیں ہے۔ نماز کا مغز اور روح وہ دعا ہے اور وہ خضوع وخشوع اور حضور قلب ہے جو ایک لذت اور سرور اپنے اندر رکھتا ہے۔ ارکان نماز دراصل روحانی نشست و برخاست کے لئے مقرر ہیں۔ جب انسان کی روح ہمہ نیستی اور تذلل تام ہوکر آستانہ الوہیت پر گرے اور جو زبان بولتی ہے روح بھی بولے اس وقت ایک سرور اور نور اور تسکین حاصل ہوجاتی ہے۔ نماز میں لذت اور سرور عبودیت کے ایک تعلق سے پیدا ہوتا ہے جب تک اپنے آپ کو عدم محض یا مشابہ بالعدم قرار دے کر جو ربوبیت کا تقاضا ہے نہ ڈال دے اس کا فیضان اور پرتو اس پر نہیں پڑتا۔ اور اگر ایسا ہو تو پھر اعلیٰ درجہ کی لذت حاصل ہوجاتی ہے جس سے بڑھ کر کوئی حظ نہیں ہے۔

اس مقام پر انسان کی روح جب ہمہ نیستی ہوجاتی ہے تو وہ خدائے پاک کے طرف ایک چشمہ کی طرح بہتی ہے اور ماسوی اللہ سے اسے انقطاع تام ہوجاتا ہے۔ اس وقت خدائے ارحم الراحمین کی رحمت اس پر نازل ہوتی ہے۔ اس اتصال کے وقت ان دو جوشوں سے جو اوپر کی طرف سے ربوبیت کا جوش اور نیچے کی طرف سے عبودیت کا جوش ہوتا ہے، ایک خاص کیفیت پیدا ہوتی ہے، اس کا نام روح نماز ہے۔ پس یہی وہ نماز ہے جو سیئات کو بھسم کرتی اور جلاتی ہے اور اپنی جگہ ایک نور اور چمک چھوڑ دیتی ہے۔ جو سالک کو راستہ کے خطرات اور مشکلات کے وقت ایک منور شمع کا کام دیتی ہے اور ہر قسم کے خس وخاشاک اور ٹھوکر کے پتھروں سے جو اس کی راہ میں ہوتے ہیں آگاہ کرکے بچاتی ہے۔ اور یہی وہ حالت ہے جس پر ﴿ان الصلوۃ تنھی عن الفحشاء والمنکر﴾ کا اطلاق ہوسکتا ہے کیونکہ اس کے ساتھ میں بلکہ اس کے شمعدان دل میں ایک روشن چراغ رکھا ہوا ہوتا ہے۔ اور یہ درجہ کامل تذلل اور کامل نیستی اور فروتنی اور سچی اور پوری اطاعت سے حاصل ہوتا ہے، پھر گناہ کا خیال اسے کیونکر ہوسکتا ہے۔ فحشاء کی طرف اس کی نظر اُٹھ ہی نہیں سکتی۔

آج کل اکثر لوگ نماز کے لئے وضو بھی کرتے ہیں اور مساجد میں بھی جاتے ہیں اور نماز ادا کرتے ہیں، لیکن یہ سب کام نمایشی ہوتے ہیں۔ ان کی یہ عبادتیں خدائے پاک کے نزدیک کوئی قیمت نہیں رکھتیں۔ یاد رکھو! مساجد کی آبادی اس وقت تک کوئی چیز نہیں جب تک دل محبت الٰہی سے معمور نہ ہوں۔ زبان پر خدائے پاک کا ذکر کوئی قدر نہیں رکھتا جب تک دل میں اس کی یاد نہ ہو۔

نماز میں سب سے بڑی مہم

حقیقت یہ ہے کہ نماز میں سب سے بڑی مہم اطمینان قلب و حضور نفس و خشوع طبیعت و خضوع جوارح ہے کہ انسان اپنے تمام اعضاء اور تمام قویٰ و جذبات سے خدائے ذوالجلال کی جانب متوجہ ہو جائے اور جن اغراض کے لئے نماز کی تاکید کی گئی ہے ان کو نہایت مکمل طریق پر بجالائے۔ مفسر کلام الٰہی رسول حقانی حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف الفاظ میں مختلف موقعوں پر اس مضمون کو بڑی وضاحت سے بیان فرمایا ہے۔ طالب حق کی تسلی کے لئے چند ارشادات یہ ہیں:

ارشادات نبویہ

(۱) خمس صلوات افترضهن الله تعالیٰ، من احسن وضوءهنّ وصلاهن لوقتهن واتم ركوعهن و خشوعهن كان له على الله عهد ان يغفرله، ومن لم يفعل فليس له على الله عهد ان شاء غفرله وان شاء عذبه. (رواہ احمد و ابوداؤد از مشکواۃ شریف ص ۵۰)

خدا نے پانچ نمازیں فرض ٹھہرائی ہیں، جس نے اچھی طرح وضو کیا، وقت پر نماز پڑھی اور کامل طریق پر رکوع و خشوع کے حقوق کو ادا کیا تو اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ ضرور اس کی مغفرت ہوگی۔ لیکن جس نے ایسا نہ کیا تو کوئی وعدہ نہیں۔ چاہے تو اللہ تعالیٰ اس کو بخش دے اور چاہے

عذاب میں ڈالے۔

(۲) ان اللہ لا یستجیب دعاء من قلب غافل (رواہ الترمذی از مشکوٰۃ شریف ص ۱۸۷)

''غافل دل (یعنی بے خیال و بے حضور دل دعا مانگنے والے) کی دعا قبول نہیں ہوتی''

(۳) من توضأ نحو وضوئی ھذا ثم صلی رکعتین لا یحدث فیھما نفسہ غفرلہ ما تقدم من ذنبہ۔

''جو شخص میرے اس وضو کی طرح وضو کرے پھر دو رکعتیں ایسے پڑھے کہ ان میں (بجز یاد خدا) کوئی دوسری بات اس کے دل میں نہ آئے اس کے پہلے سب گناہ بخش دیئے جائیں گے۔

(۴) المصلی یناجی ربہ فلینظر ما یناجیہ بہ (مشکوٰۃ شریف: ص ۷۳)

''نمازی خدا سے مناجات کرتا ہے (یعنی دعا مانگتا ہے) پس چاہئے کہ تم اپنی مناجات میں اُسی کی طرف نظر کرو''، یعنی خیال کرو اور بے حضور دل وخیال نہ بولتے جاؤ۔

(۵) قال وما الاحسان قال ان تعبداللہ کانک تراہ فان لم تکن تراہ فانہ یراک (بخاری شریف: ۱۲/۱)

(کہا گیا کہ) احسان کس کو کہتے ہیں تو (جواب میں) فرمایا کہ (عبادت کا) احسان یہ ہے کہ تو خدا کی ایسی عبادت کرے کہ گویا اس کو دیکھ رہا ہے اور اگر تو اس کو نہیں دیکھتا تو وہ تجھے دیکھتا ہے''۔

(۶) انما الصلوۃ تمسکن و تواضع و تضرع و تباؤس وتنادم و ترفع یدیک، فتقول اللھم فمن لم یفعل فھی خداج. (اسرار الصلوٰۃ)

''نماز صرف مسکینی، تواضع، عاجزی، خوف کی شدت اور پشیمانی جتاتی ہے اور اپنے دونوں ہاتھ اُٹھا کر یہ کہنا ''یارب، یاالٰہی! اور جو ایسا نہیں کرتا، اس کی وہ نماز ناقص ہے''۔

(۷) آپ نے فرمایا ''نماز حج اور طواف اور دوسرے رکنوں کا مقرر ہونا، صرف اس

لئے ہے کہ خدا کی یاد ہوتی رہے۔ پس اگر دل میں مقصود کی یاد اور اس کی عزت و عظمت، ہیبت و جلال نہ ہو تو نماز کی کچھ قیمت نہیں"۔ اور جس کو آپ نے یہ وصیت فرمائی تھی اسے یہ ارشاد کیا:

اذا صلیت فصل صلٰوۃ مودع ۔

"جب تو نماز پڑھے تو ایسی پڑھ جیسے رخصت ہونے والا پڑھتا ہے"۔

یعنی اپنی سب خواہشوں کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو۔ جیسا کہ قرآن حکیم میں ارشاد باری ہے:

﴿یایھا الانسان انک کادح الی ربک کدحا فملا اقیہ﴾ (الانشقاق:٦)

"اے آدمی تحقیق تو از روئے قدح (گھسٹ گھسٹ) کر کے اپنے رب کی طرف پہنچنے والا ہے اور پھر اس سے ملنے والا"۔

پھر ارشاد ہوتا ہے کہ

﴿واتقو اللہ واعلموا انکم ملاقوہ﴾ (البقرۃ:٢٢٣)

اللہ سے ڈرتے رہو اور یاد رکھو کہ تم کو اس کے حضور میں حاضر ہونا ہے"۔

(٨) لاینظر اللہ الی صلوۃ لا یحضر الرجل فیھا قلبہ مع بدنہ ۔

"اللہ تعالیٰ ایسی نماز کی طرف نہیں دیکھتا جس میں آدمی اپنا دل بدن کے ساتھ حاضر نہ کرے"۔

افسوس یہی قلبی تعلق اب مفقود ہو گیا ہے۔ ان عبادات پر انسان خوش ہو سکتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ خوش نہیں ہو سکتا۔ بلکہ وہ بندے سے یہ چاہتا ہے کہ وہ ایسا محو اور ماسوی اللہ سے متجرد ہو جائے کہ گویا وہ اپنے خدا کو دیکھ رہا ہے۔ اور اگر یہ مقام اسے میسر نہ ہو تو اتنا ضرور خیال ہو کہ اس کا خدا اسے دیکھ رہا ہے۔ تا کہ وہ سمجھے کہ میں دوسری طرف التفات وخیال نہ کروں۔ اس کے حضور میں دل وجان سے ہمہ تن مشغول ومصروف ہو کر عرضیں کرتا رہوں۔ پس خدا کی خوشی ایسی نماز میں ہے۔ کیونکہ وہ ظاہر کو نہیں بلکہ دلوں کو دیکھتا ہے۔ اس کے حضور میں وہ عبادات کچھ

حیثیت نہیں رکھتیں جن میں خلوص نہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ باوجود عبادت کے قلب صاف نہیں ہوتے۔ اور وہ تقوے اور حفاظت عن الذنوب حاصل نہیں ہوتی جس کا عابدین کے لئے وعدہ دیا گیا ہے۔

یہی وہ نماز ہے جسے کامل طریق پر ادا نہ ہوتے دیکھ کر ایک شخص کو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ٹوکتے رہے۔ اس نے تین چار مرتبہ نماز پڑھی مگر ہر مرتبہ آپ نے یہی ارشاد فرمایا:

قم فصل فانک لم تصل (بخاری ومسلم)

''اُٹھو اور پھر نماز پڑھو۔ اس لئے کہ جو نماز تم نے پڑھی ہے' وہ نماز ہی نہ تھی''۔

نماز کے ارکان کو اچھی طرح ادا کرنے کا حکم

حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ ''ایک شخص نے مسجد نبوی میں نماز پڑھی۔ پھر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں سلام عرض کیا۔ آپ نے سلام کا جواب دے کر فرمایا کہ ''تو اپنی نماز پھر پڑھ تیری نماز نہیں ہوئی''۔ پھر اس شخص نے عرض کیا کہ کس طرح نماز پڑھوں؟ آپ نے اس کو اطمینان کے ساتھ ارکان نماز کے ادا کرنے کا طریقہ سکھایا''۔ (بخاری شریف)

نماز کا چور سب سے بدتر چور ہے

یہی وجہ ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سب چوروں میں بدتر چور وہ ہے جو نماز میں چوری کرتا ہے۔ صحابہ نے عرض کیا کہ نماز میں چوری کیونکر ہوسکتی ہے؟'' آپ نے فرمایا کہ نماز کے رکوع وسجود (اور دیگر ارکان نماز) کو پورا نہ کرے۔ (رواہ مالک فی الموطا)

حذیفہ صحابیؓ کا فتویٰ

حذیفہؓ نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ رکوع اور سجدے کو پورے طور پر ادا نہیں کرتا تھا۔ جب وہ نماز پڑھ چکا تو انھوں نے اس کو بلایا اور فرمایا کہ تو نے نماز نہیں پڑھی۔ اور میرا یہ گمان ہے کہ اگر تو اسی حالت میں مر گیا تو اس طریقہ پر نہیں مرا جو طریقہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول پاک

صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بنایا ہے۔(بخاری شریف)

حضور غوث پاک کا ارشاد

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ جو کوئی کسی کو دیکھے کہ وہ نماز کے ارکان کو خراب کرتا ہے تو اس پر واجب ہے کہ اس کو ہدایت اور تعلیم کرے۔(غنیۃ الطالبین)

بے پروائی کی نماز قبول نہیں ہوتی

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر نماز پڑھنے والے کے لئے ایک فرشتہ داہنی طرف اور ایک فرشتہ بائیں طرف ہوتا ہے۔ اگر نمازی نے (شرائط کے ساتھ) نماز پوری کی یعنی رکوع وسجود وغیرہ اچھی طرح سے ادا کیا تو وہ دونوں فرشتے اس کی نماز کو اوپر لے جاتے ہیں؛ ورنہ اس کے منہ پر مارتے ہیں۔(اکسیر ہدایت ترجمہ کیمیائے سعادت :للغزالی)

نماز بددعا کرتی ہے

اسی طرح کی ایک یہ روایت ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ جو شخص اچھی طرح طہارت کر کے نماز پڑھتا ہے اور پورا رکوع وسجود بجا لاتا ہے اور دل سے عاجزی اور فروتنی کرتا ہے' اس کی نماز مفید اور روشن ہو کر عرش تک پہنچتی ہے۔ اور نماز پڑھنے والے سے کہتی ہے کہ جیسا تو نے مجھے نگاہ رکھا ہے اسی طرح خدا تجھے نگاہ رکھے۔ اور جو شخص وقت پر نماز نہ پڑھے اور طہارت اچھی طرح نہ کرے اور رکوع وسجدے میں کمال عاجزی نہ کرے نماز سیاہ ہو کر آسمان تک جاتی ہے اور نماز پڑھنے والے سے کہتی ہے کہ جیسے تو نے مجھے ضائع اور خراب کیا خدا تجھے ضائع اور خراب کرے''۔ جب تک خدا کو منظور ہوتا ہے تب تک نماز یہی کہا کرتی ہے۔ پھر اس کی نماز پرانے کپڑے کی طرح لپیٹ کر اس کے منہ پر مارتے ہیں''۔(اکسیر ہدایت)

حقیقتِ نماز از مولوی معنوی

حضرت مولانا جلال الدین رومی قدس سرہ السامی نے اپنی مشہور مثنوی شریف میں نماز کے ارکان وشرائط اور نماز کی حقیقت نہایت پیارے انداز سے بیان فرمائی ہے۔ہم اس کو ذیل میں درج کر کے قارئین کرام سے استدعا کرتے ہیں کہ اس کو مکرر سہ کرر مطالعہ کریں۔اور ایسی نماز پڑھنے کی سعی وکوشش کریں،نماز کی تکبیر تحریمہ کی نسبت مولانا علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔

معنی تکبیر ایں است اے سلیم کاے خدا پیش تو ما قربان شدیم
وقت ذبح اللہ اکبر می کنی ہمچنیں در ذبح نفس کشتنی
تن چو اسمٰعیل و جاں ہمچوں خلیل کرد جاں تکبیر بر جسم نبیل

یعنی تکبیر تحریمہ کے یہ معنی ہیں کہ اے خدا ہم نے تیرے آگے اپنے آپ کو قربان کردیا۔ جیسا کہ تم جانور کو ذبح کرنے کے وقت اللہ اکبر کہہ کر ذبح کرتے ہو۔ایسا ہی تم اپنی نفسانی خواہشوں کو تکبیر تحریمہ میں ذبح کر ڈالو۔جسم اسمٰعیل کی مثل اور جان ابراہیم خلیل اللہ کی مثل سمجھو۔ اور جان نے جسم پر تکبیر کہی ہے۔

نماز کی بسم اللہ کی نسبت ارشاد فرماتے ہیں۔

گشت کشتہ تن زشہو تہاؤ آز شد بہ بسم اللہ بسمل در نماز

(یعنی) جب جسم نفسانی خواہشوں اور حرصوں سے مقتول ہو جائے تو وہ نماز میں بسم اللہ ہی سے مذبوح ہو جاتا ہے۔

نماز کے قیام کے متعلق مولانا فرماتے ہیں۔

چوں قیامت پیش حق صف ہا زدہ در حساب و در مناجات آمدہ
ایستادہ پیش یزداں اشک ریز بر مثال راست خیز و رستخیز

(یعنی) نماز کے قیام میں یہ اشارہ سمجھو کہ گویا قیامت کے میدان میں تم خدائے ذوالجلال کے سامنے صفیں باندھ کر کھڑے ہو اور وہ تم سے حساب لے رہا ہے اور تم مناجات

کررہے ہو۔ سمجھو کہ تم اس کے حضور میں کھڑے ہوئے زاری کررہے ہواور خدائے پاک تم سے مخاطب ہوکر یہ پوچھ رہا ہے۔

حق ہمی گوید چہ آوردی مرا　　اندریں مہلت کہ من دادم ترا
عمر خود درچہ بیابان بردۂ　　قُوت و قوت درچہ فانی کردۂ
گوہر دیدہ کجا فرسودۂ　　پنج حِس را در کجا پالودۂ
ہمچنیں پیغام ہائے درد گیں　　صد ہزاراں آید از حضرت چنیں

(یعنی) یہ مہلت جو میں نے تم کو دی' اس میں تم میرے لئے کیا لائے ہو؟ اپنی عمر تم نے کس کام میں صرف کی؟ اور روزی اور طاقت جو میں نے تم کو دی تھی وہ تم نے کہاں خرچ کی؟ آنکھوں کو تم نے کہاں صرف کیا؟ اور پانچ حواس کو تم نے کہاں لگایا؟ اسی طرح خدائے تعالٰی کی طرف سے اس کو ہزاروں دردناک پیغام سمجھنا چاہئے کہ قیام میں یہ باتیں خدائے پاک کی طرف سے وارد ہوتی ہیں۔

اور رکوع کی نسبت مولانا فرماتے ہیں۔

در قیام ایں نکتہ ہا دارد رجوع　　و از خجالت شد دوتا اندر رکوع
قوت استادن از خجلت نماند　　در رکوع از شرم تسبیحے بخواند

(یعنی) رکوع میں یہ اشارہ سمجھو کہ نمازی ان باتوں کا جواب نہ دے سکنے کی وجہ سے شرمندہ ہوکر سرنگوں ہوگیا۔ یا وہ سمجھے کہ شرمندگی سے کھڑا ہونے کی طاقت نہیں رہی۔ اور سرنگوں ہوکر شرمندگی سے تسبیح پڑھتا ہے۔

باز فرماں آیدش بُردار سر　　از رکوع و پاسخ حقِ بر شمر
سربرآرد او دگر رہ شرمسار　　باز اندر او فِتد آں نابکار

(یعنی) پھر یہ سمجھے کہ خدائے پاک کی طرف سے حکم آتا ہے کہ سر اُٹھا اور خدائے پاک کو جواب دے۔ سجدہ میں یہ اشارہ سمجھو کہ رکوع کرنے والا گویا سر اُٹھا کر بحالت شرمندگی منہ کے

بل گرتا ہے۔ پھر اس کو حکم ہوتا ہے کہ سر اُٹھا کر جواب دو۔

باز فرماں آیدش بردار سر   از سجود و دادہِ از کردہ خبر
باز گوید سر بر آرد ۔ باز گو   کہ بخواہم جُست از تو موبہ مو
قوت استادن پا نبودش   کہ خطاب ہیبتے برجاں زدش

(یعنی پھر حکم الٰہی آتا ہے کہ سر اٹھاؤ کہ میں تم سے بال بال کا حساب لوں گا اب یہ سمجھے کہ اس کو کھڑا ہونے کی طاقت نہیں رہی۔ اور خطاب الٰہی کی ہیبت نے اس کی جان پر اثر کیا۔ گویا اس بھاری بوجھ سے قعدہ میں بیٹھا۔

پس نشیند قعدہ زاں بارِ گراں   حضرتش گوید سخن گو با بیاں
نعمتے دادم بگو شکرش چہ بود   داد مت سرمایہ ہیں بنمائے سود

(یعنی) خدائے تعالیٰ اس کو فرماتا ہے کہ بیان کرو جو نعمتیں میں نے تم کو دی تھیں' ان کا شکریہ تم نے کیا ادا کیا، میں نے تم کو راس المال دیا تھا' اس کا نفع کہاں ہے؟

رو بدست راست آرد در سلام   سوئے جان انبیاء و آں کرام
یعنے اے شاہاں شفاعت کیں لئیم   سخت در گل ماندہ از غم دلِ دونیم

(یعنی) دائیں جانب سلام پھیرنے میں یہ اشارہ ہے کہ دائیں جانب انبیاء علیہم السلام کو سلام دیتا اور ان سے عرض حال کرتا ہے کہ ''میں نابکار سخت درماندہ و عاجز ہوگیا ہوں''۔ گویا انبیاء علیہم السلام اس کو کہتے ہیں۔

انبیاء گویند روزِ چارہ رفت   چارہ آنجا بود و دست افراز رفت

(یعنی) اب سفارش کا دن نہیں رہا۔ سفارش کا علاج دنیا ہی میں ہوسکتا تھا اب بات ہاتھ سے نکل گئی۔ یہ سن کر وہ بائیں جانب سلام کہتا۔

رو بگرد اند بسوئے دستِ چپ   در تبارِ خویش گویندش کہ خُپ
ہیں جواب خویش گو با کردگار   ماکئیم اے خواجہ دست ازما مدار

(یعنی) اپنے خویش واقارب میں چارہ جوئی کرتا ہے۔ وہ بھی اس کو سب جواب دیتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ خدائے پاک کے آگے اپنا جواب تم خود ہی پیش کرو۔ ہم کیا چیز ہیں کہ تمہاری سفارش کرسکیں۔ ہم سے ہاتھ دھولو اور کچھ اُمید نہ رکھو۔

نہ ازیں سُو نہ ازاں سُو چارہ شد   جان آں بیچارہ صد دل پارہ شد
از ہمہ نومید شد مسکیں گیا   پس بر آرد ہر دو دست اندر دعا

(یعنی) جب اِدھر اُدھر سے اس کو جواب مل جاتا ہے تو اس وقت اس کا دل ٹکڑے ٹکڑے اور سخت مغموم ہوتا ہے۔ اور سب سے نا اُمید ہوکر عاجزانہ دونوں ہاتھ دعا میں بلند کر کے خدائے تعالیٰ کی جناب میں عرض کرتا ہے۔

کز ہمہ نومید گشتم اے خدا   اول و آخر توئی اے منتہا

(یعنی) اے خدا میں سب سے نا اُمید ہوگیا ہوں۔ اول و آخر میں میرا مرجع و منتہا تو ہی ہے۔

اب مولانا اپنی طرف سے یہ ہدایت و نصیحت فرماتے ہیں۔

در نماز ایں خوش اِشارتہا ببیں   تابدانی کاں بخواہد شد یقیں
بچہ بیروں آر از بیضۂ نماز   سر مزن چوں مرغ بے تعظیم ساز
بشنو از اخبارِ آں صدر الصدور   لا صلوٰۃ تم الا بالحضور

(یعنی) نماز میں یہ نکات یاد رکھو۔ اور یقین جانو کہ انسان پر ایسی حالتیں آتی ہیں۔ اس طرح ان ارشادات و نکات کو سمجھ کر نماز کے انڈے بچے نکالو اور مرغ کی طرح بے تعظیمی سے سر نہ مارو۔ کیونکہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ کوئی نماز بغیر حضور دل کامل نہیں ہوتی۔

پس نمازی کو نماز میں خدائے پاک کے حضور میں ایسی ہی توجہ رکھ کر اور ایسی ہی ہیئت بنا کر کھڑا ہونا لازم ہے کہ رقت طاری ہوجائے جیسے کہ کوئی شخص کسی خوفناک مقدمہ میں گرفتار ہوتا ہے۔ اور اس کے واسطے قید یا پھانسی کا فتویٰ لگنے والا ہوتا ہے۔ اس کی حالت حاکم کے

سامنے کیا ہوتی ہے۔ ایسے ہی خوف زدہ دل کے ساتھ خدائے پاک کے حضور میں کھڑا ہونا چاہئے۔ (اسرار شریعت)

نماز کے اغراض

نماز میں جس قدر فائدے اور اغراض خدائے پاک نے رکھے ہیں' وہ اس قدر عام اور بے شمار ہیں کہ انسان ان کو گن نہیں سکتا۔ جو لوگ عبادت الٰہی میں حظ اور لذت نہیں پاتے۔ اور نماز کے اغراض کو نہیں پہچانتے' یا ان کے حصول سے غافل ہیں۔ ان کو اپنی اس بیماری کا علاج کرنا چاہئے، ان کو یہ سوچنا چاہئے کہ اگر کسی کو روٹی کھانے کا ایک دن مزا نہ آئے تو وہ طبیب اور ڈاکٹر کے پاس جاتا اور کیسی کیسی منتیں اور خوشامدیں کرتا' روپیہ خرچ کرتا اور ادویات کے بہم پہنچانے یا ان کے استعمال کرنے میں کیسے دُکھ اُٹھاتا ہے کہ وہ مزا حاصل ہو'یا نامرد انسان جو اپنی بیوی سے لذت نہیں پاسکتا' بعض اوقات گھبرا کر خودکشی تک آمادہ ہوجاتا ہے۔ مگر آہ وہ مریض دل جو نماز میں لذت نہیں پاتا' وہ نامرادکیوں کوشش نہیں کرتا کہ اس کو بھی نماز میں لذت ملے۔ یہ بالکل درست اور بجا ہے کہ وہ نماز جو انسان میں ذرہ برابر اشراق ونورانیت نہ پیدا کرسکے' وہ خواہ کسی وقت کی نماز ہو اور کسی طرح کی نماز ہو' وہ حقیقی نماز نہیں کہلاسکتی۔ روزمرہ جو نمازیں فرض ہیں' ان میں حقیقی زندگی اور روح پیدا ہونے کے لئے شرط یہ ہے کہ ہر ایک شرط کی تکمیل پر نظر ہو۔ نماز کے اغراض و مقاصد ان سے حاصل ہوسکیں۔ قلب میں طہارت پیدا ہو۔ بطون میں نورانیت کا ظہور ہو۔ روحانیت بڑھے۔ نفس میں تہذیبِ خصائل بلند ہو۔ اور انسان اس قابل ہوسکے کہ جب نماز پڑھے تو ملکوت السمٰوات والارض کے اسرار اس پر افشاء ہوجائیں۔ لو کشف الغطالما ازددت یقینا (قدرت کے اگر تمام پردے کُھل جائیں جب بھی میرا تیقن اس درجہ بلند ہے کہ اس میں کوئی اضافہ نہ ہوسکے گا)۔

علمائے حقیقت لکھتے ہیں:

القلب ھو الذی فی وسط الانسان بین الروح و الجسد فکانہ قیل

حافظوا علی صورۃ الصلوٰۃ بشرائطها، حافظوا علی معانی الصلوٰۃ بحقائقها بدوام شهود القلب للرب فی الصلوٰۃ وبعدها (نیشاپوری جلد۲ صفحہ ۳۶۵)

قلب وہ چیز ہے جو شرف مرتبت وشرف محل ہر حیثیت سے انسان کے وسط جسم میں واقع ہے۔ یہ روح اور جسم میں ٹھیک درمیان کی حالت رکھتا ہے۔ گویا نماز کی محافظت کا حکم دیتے ہوئے یہ کہا گیا کہ صورت نماز کی محافظت کرو شرائط نماز کی محافظت کرو۔ معانی واغراض نماز کی محافظت کرو۔ حقیقت وحکمت کی محافظت کرو۔ اور یہ محافظت اس طرح کرو کہ نماز میں اور نماز کے بعد ہر حالت میں قلب کو بطریق دوام واستمرار پروردگار عالم کا شہود حاصل رہے''۔

روحانی نماز وہی نماز ہوگی جو فضل وشرف میں سب پر فائق ہو۔ ایسی نماز جو دینی ودنیوی ہر قسم کی ترقیوں کی بہترین تحریک اپنے اندر رکھتی ہو۔ اس کی فضیلت میں کیا کلام ہوسکتا ہے۔ یہی نمازیں ہیں جن کو قرآن کریم کی اصطلاح میں وُسطیٰ[1] کا لقب دیا گیا ہے اور ان کی محافظت کی تاکید کی گئی ہے۔ تاکہ انسان اس طریق پر زمانہ بھر کی نعمتوں اور برکتوں کا احاطہ کرسکے۔ اس کے تفوق کو سارے عالم پر حکومت ہو۔ ان تمام اُمور کا ماحصل یہ ہے:

بحث کا ماحصل

(۱) نماز اور اجزائے نماز سے محض خضوع وخشوع وطہارت نفس مقصود ہے۔ یہ چیز ہی

---

[1] قرآن کریم میں صلوٰۃ وسطیٰ کے لئے خاص طور پر تاکید کی گئی ہے جیسا کہ حکم ہوتا ہے: ﴿حافظوا علی الصلوات والصلوۃ الوسطی﴾ محافظت کرو نمازوں کی اور علی الاخص نماز وسطیٰ کی) نماز وسطیٰ کس نماز کا نام ہے؟ علمائے تفسیر وحدیث کے متعدد قول اس باب میں ہیں: بعض کے نزدیک اس سے مراد نماز عصر ہے۔ اس کی تائید میں قریباً ۶۹ حدیثیں مروی ہیں۔ اور بعض کے نزدیک نماز وسطیٰ نماز ظہر ہے۔ اس کی تائید میں قریباً ۲۶ حدیثیں مروی ہیں۔ بعض کہتے ہیں نماز وسطیٰ عشاء کی نماز ہے۔ اس کی تائید میں بھی کئی حدیثیں موجود ہیں۔ اکثروں کے نزدیک نماز وسطیٰ فجر کی نماز ہے۔ اس کی تائید میں قریباً ۱۷ حدیثیں مذکور ہیں۔ اور بعض کے نزدیک نماز وسطیٰ ان پانچوں نمازوں کا مجموعہ ہے۔ انھیں نماز پنجگانہ کا نام صلوٰۃ وُسطیٰ ہے۔ اس کی تائید میں یہ

حاصل نہ ہوتو وہ نماز حقیقی نماز نہ ہوگی۔۱۲

(۲) نماز وہی ہے جو حقیقی معنوں میں ادا کی جائے۔ ایسی نماز سے انسان کی ہر مشکل آسان ہوسکتی ہے۔

(۳) نماز کی حقیقت یہ ہے کہ فواحش ومنکرات سے روکے۔ اور انسان کی زندگی کو پاک کرے اور ستھرا بنا سکے۔ جس نماز سے یہ خصوصیت حاصل نہ ہو وہ نماز مکمل نماز نہیں۔

(۴) نماز کی مواظبت سے انسان درست ہوتا ہے۔ خدا کی بارگاہ میں تقرب بڑھتا ہے۔ اور اس درجہ بڑھتا ہے کہ دنیا کی تمام چھوٹی ہستیاں ہیچ نظر آتی ہیں۔

(۵) وہ نماز جو ان اوصاف کی جامع ہو۔ شریعت کی اصطلاح میں وہی روحانی نماز ہے۔

دلیل پیش کی جاتی ہے:

ان الوسطی مجموع الصلوات الخمس فان الایمان بضع وسبعون درجة اعلاها شهادة ان لا اله الا الله وادناها اماطة الاذیٰ عن الطریق والصلوٰة المکتوبة واسطة بین الطرفین (غرائب البیان: جلد۲ صفحہ ۳۶۳)

حقیقت میں نماز وسطیٰ سے مراد اوقات پنجگانہ کی نمازوں کا مجموعہ ہے۔ اس لئے حسب روایات صحیحہ ایمان کے کچھ اوپر ستر درجے ہیں جن کا اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوائے اور کسی معبود کے نہ ہونے کی شہادت دی جائے۔

اور ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ راستے سے اذیت کی چیزیں ہٹا دی جائیں۔ فرائض خمسہ کا درجہ ان دونوں کے درمیان ہے۔ اور یہ ان دونوں کناروں کے لئے باہم ملنے کی وجہ ہے۔ پس یہی وسط ہے''۔ یہ قول زیادہ موزوں معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ فتح البیان جلد (۱) صفحہ (۳۱۵) میں لکھا ہے کہ الوسطیٰ تانیث الأسط واوسط الشئی ووسطہ خیارہٗ (وسطیٰ لفظ اوسط کا صیغہ مؤنث ہے۔ محاورہ میں کہتے ہیں: ''اوسط الشئی ووسط الشئی'' کسی چیز کا اوسط اور اس کا وسط، اور اس سے مراد لیتے ہیں خیار الشئی (بہترین چیز) پس ہر وہ نماز جو بہترین صورت میں ادا کی جائے نماز وسطیٰ ہے۔ مؤلف۔

ہماری نمازوں کا حال

مگر آہ! کیا ہماری نماز ایسی ہی نماز ہوتی ہے؟ نہیں، اس میں بھی خشوع اور خضوع اور حضوری قلب اور ارادہ دلی کا اہتمام ہوتا ہے؟ نہیں اور ہرگز نہیں۔ ہم بیکار سا بوجھ اُتارنے کے لئے روحانی و قلبی توجہ کے بغیر مسجد میں یا مصلوں پر نماز پڑھنے کے لئے کھڑے ہوتے ہیں۔ یہ خیال ہمارے دلوں کے پاس تک نہیں ہوتا کہ ہم خدائے ذوالجلال کے حضور میں جاتے ہیں۔ رسم نماز ادا کرنے کے لئے تکبیر کو ہمارے ہاتھ اُٹھ جاتے ہیں اور زبان اس تسبیح و قرأۃ کے لئے متحرک ہو جاتی ہے۔ جس کا اثر ہمارے دلوں پر پہلے سے کچھ بھی نہیں ہوتا۔ رکوع کے لئے ہماری پشتیں خم ہو جاتی ہیں اور سجدہ کے لئے ہم دوہرے ہو جاتے ہیں۔ لیکن بخدائے لایزال اپنی عاجزی اور خدائے بزرگ و برتر کی عظمت کا تصور ہم سے کوسوں دور ہوتا ہے۔ اور پھر بھی یہی سمجھتے ہیں کہ وہی نماز ہے جو خداوند عالم نے فرض کی ہے۔ لیکن کہاں ہماری یہ نماز اور کہاں صلوٰۃ مفروض من اللہ ہے، وہ سراپا حکمت اور حقیقت ہے، اور اس کی غایت ہے فواحش و منکرات سے باز رہنا۔ ہم نماز پڑھتے ہیں اور فواحش و منکرات کے مرتکب ہوتے ہیں۔ ''اے وائے بر حال ماو بر نماز ما''۔ کیا اچھی نماز ہے اور کیا اچھے ہم نمازی ہیں۔

اسلام اور بڑھاپے میں انسان گناہ نہیں کرسکتا

حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بیت کو بطور مثال کے پڑھا (یا پڑھا کرتے تھے)۔

کفی بالاسلام و الشیب للمرء ناھیا

یعنی اسلام اور بڑھاپا انسان کو بداعمال سے روکنے کے لئے کافی ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ شاعر نے تو یہ بیت یوں کہا ہے۔

کفی الشیب و الاسلام للمرء ناھیاً

افسوس! کوئی وقت تو وہ تھا کہ مسلمان اور نمازی ہونا ہر قسم کے گناہوں سے محفوظ ہونے کی کافی ضمانت تھا۔ اور جو شخص اسلام اور نماز کی طرف اپنے آپ کو منسوب کرتا تھا اس پر یقین ہو جاتا تھا کہ یہ ہر قسم کے عذر اور شرارت سے محفوظ ہے، ''الّا ماشاء اللہ، النادر کالمعدوم''۔ لیکن اب مسلمان ہونا یا اسلام لانے کے یہ معنی ہیں کہ یہ شخص سُست ہے اور سخت مُسرف ہے کسی قسم کے گناہ سے نہیں بچتا؛ حتیٰ کہ بعض ناپاک لوگوں کی حالت ایسی خراب ہوگئی ہے کہ وہ کھلے بندوں کہتے ہیں کہ ''ہم مسلمان آدمی ہیں ہمیشہ مقروض رہتے ہیں جو کچھ آجاتا ہے، اُڑا جاتے ہیں''!۔ گویا اسلام پاک کی تعلیم ہی یہی ہے کہ انسان مسرف ہو اور ہمیشہ مقروض رہے اور گناہ کرنے سے نڈر ہو جائے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

ایک اور غلط خیال

بدقسمتی سے آج کل کے مسلمانوں میں ایک اور غلط خیال پھیلا ہوا ہے، اور وہ یہ ہے کہ جب ان سے احکام شرع پر عمل کرنے کے لئے کہا جاتا ہے تو وہ کہنے لگے ہیں کہ بھلا شریعت پر ہم جیسے کمزوروں سے کیسے چلا جا سکتا ہے!، گویا لوگوں نے سمجھ رکھا ہے کہ دین پر عملدرآمد کرنا انسان کی مقدرت سے باہر ہے اور یہ شریعت گویا کہنے کی ہے کرنے کی نہیں۔ اس پر عمل نہیں ہوسکتا! یہ بدی عام پھیلی ہوئی ہے، اور اس نے بہت بڑا حصہ مخلوق کا تباہ کیا ہے۔ دراصل اس قسم کے حیلے شریروں نے اپنی بدیوں کو چھپانے کے لئے تراشے ہوئے ہیں۔ مگر یاد رکھو! کہ یہ بدی اور بدخیالی خدائے پاک پر سوءِ ظن سے پیدا ہوئی ہے کہ افسوس انسان کہلائے اور کہے کہ شریعت کی پابندی نہیں کر سکتے، اور فرائض اور سنن ادا نہیں ہوسکتے، یہ بڑی بدقسمتی ہے۔ اسی ایک بدی نے قوم کو تباہ کر دیا ہے اور اس نے شریعت کو نعوذ باللہ لعنت کہہ دیا ہے؛ یعنی جیسے عیسائیوں کی قوم نے شریعت کو بالکل الگ رکھ دیا۔ یہ شیطانی وسوسہ تھا اور شیطان ان پر غالب آیا۔ یقین کرو کہ خدا نے بندوں کو اپنے بندوں کی طاقت اور حیثیت سے زیادہ تکلیف نہیں دی۔ نماز اور اس کے تمام لوازمات اس کے شرائط وارکان سب بندوں کے فائدے کیلئے ہیں۔

لاریب قیام وقعود رکوع وسجود نماز کے ارکان ہیں۔ لیکن نہ صرف ومحض بلا شک زبان سے تسبیح وتقدیس کرنا، ظاہر وباطن کے مابین نماز کا ایک رکن ہے، لیکن نہ وہ تسبیح وتقدیس جو زبان سے دل تک نہ پہنچے، بلکہ وہ تسبیح وتلاوت جو دل سے نکلے اور زبان پر آئے۔ پھر اس کا خارجی اثر اعضاء وجوارح سے عیاں ہو۔

اصل قیام وقعود اور رکوع وسجدہ وہ ہے جو قلب وروح کی کیفیت کا عکس ہو۔ حقیقی تسبیح و تلاوت وہ ہے جو دل سے نکلے اور زبان پر آئے۔ ایسی ہی نماز ہے جس کے اجر کا خدائے مالک الملک نے وعدہ فرمایا ہے، اور اس کی بارگاہِ قدس تک پہنچانے اور اس کے تقریب کا ذریعہ وہی نماز ہے، اور وہی معراجِ کمال کا زینہ ہے، اور وہی ارواح طیبہ کو عالم علوی سے غذائے روحانی ملنے کا باعث ہے، اور وہی آدمی کو نفس امارہ کے تغلب واستیلا سے بچاتی ہے۔ یہی نماز کامل تھی جس نے عرب جیسی بدخصال اور نامہذب قوم کو تھوڑے دنوں میں فواحش ومنکرات سے باز رکھ کر جمیع صفات انسانی کا جامع بنادیا تھا۔ یہی کامل نماز پڑھتے ہوئے اکابر اسلام یہاں تک محو خدا اور از خود رفتہ ہو گئے اور ہوجاتے تھے کہ ان کو دنیا ومافیہا کی خبر نہیں رہتی تھی، کیونکہ وہ خضوع روحانی وتوجہ قلب کو نماز کا رکن اول واعلیٰ سمجھ کر نماز ادا کرتے تھے اور اعمال بدنیہ کو رکن ثانی وادنیٰ جانتے تھے اور اثنائے نماز میں روح توفیقِ حسنات حاصل کر لیتی تھی۔

حکایت

حضرت بایزید بسطامی (علیہ الرحمہ) ایک رات نماز پڑھتے پڑھتے بطور روحانیت آسمان پر پہنچے۔ ملائکہ آپ کی زیارت کے لئے آئے اور فرشتوں نے ملکر خدائے پاک کی تسبیح ادا کی۔ اس تسبیح کی آواز سے نور کے شعلے نکلتے تھے۔ فرشتوں کے جواب میں حضرت بایزید (علیہ الرحمۃ) نے بھی خدائے قدوس کی تسبیح پڑھی، آپ کی تسبیح کا نور ملائکہ کی تسبیح کے نور پر غالب آیا۔ اور سارا آسمان روشن ہوا، تمام ملائکہ نے بشر (آدمی) کے کمالات کا اقرار کیا۔ یہ ہے نماز کی حقیقت اور ان نمازیوں کا حال جو نماز کی حقیقت سے واقف ہیں۔

برخلاف اس کے ہماری نماز میں صرف ظاہر ہی ظاہر رہ گیا۔ خضوع روحانی وتوجہ قلب کو دخل نہیں رہا ہے، اس لئے ہماری نماز باعث توفیق حسنات اور مانع فواحش ومنکرات نہیں ہے۔ ورنہ کیا ممکن ہے کہ بندہ خلوص اور نیت سے پنجوقتہ نماز میں نہ ایک بار بلکہ بار بار کہے ﴿ایاک نعبد و ایاک نستعین﴾ اور توحید پر راسخ نہ ہوجائے۔ اور ایں وآں کی پرستش واستعانت کو نہ چھوڑ دے، بار بار نہایت عجز وانکسار سے اور بغرض ہدایت کہے ﴿اھدنا الصراط المستقیم﴾ اور خدائے پاک کے بتائے ہوئے سیدھے راستہ پر نہ چلنے لگے اور ﴿الذین انعمت علیھم﴾ کی پاک جماعت میں شامل ہوکر مغضوب اور ضالین کے زمرہ سے الگ نہ ہوجائے! لاریب سچی اور حقیقی نماز فواحش ومنکرات سے روکنے اور باز رکھنے والی ہے، کاش! ہم مسلمان سورۂ الحمد کی قراءت ہی کو واجب سمجھ کر اُلٹی سیدھی نمازیں نہ پڑھ لیا کریں بلکہ سچے دل سے ﴿اھدنا الصراط المستقیم﴾ کہیں اور پھر کوشش کریں کہ خدائے پاک کی شریعت اور اس کے تمام احکام پر کاربند ہوں۔ تاکہ فواحش ومنکرات سے بھی باز آجائیں اور عاقبت کمائیں اور دنیا سنوار لیں۔ یہ ہے حقیقی نماز کا فلسفہ کہ وہ ہر طرح کی برائیوں سے آدمی کو روکتی ہے۔

نماز تمدنی ترقی کا ذریعہ ہے

فرائض الٰہی خصوصاً ان فرائض سے جن پر اسلام کی بنیاد رکھی گئی ہے۔ وہ قوانین الٰہیہ مراد ہیں جن کی تبلیغ اولوالعزم پیغمبروں نے اس غرض سے کی کہ وہ استعداد زمانہ کے مطابق سعادت انسانی کے متکفل ہوں، اور یہ بلند مذہب حضرت خاتم الانبیاء محمد رسول اللہ ﷺ کی ذات اقدس سے مکمل ہوا۔ اور خدائے تعالیٰ نے بنی نوع انسان پر جو احسانات کئے تھے شریعت محمدیہ کی وجہ سے ان کی تکمیل ہوئی۔

ا۔ یہ پہلے لکھا جاچکا ہے کہ نماز سے قومی وحدت اور اسلامی اُخوت اور عام مساوات اور ہمدردی کا سبق ملتا ہے۔ دیکھو پنجگانہ نمازیں ہر محلے میں باجماعت پڑھی جاتی ہیں، اور پھر جمعہ کی

نماز سارے شہر والے اسی طرح اور ارد گرد کے دیہات والے اور کل شہر کے باشندے جمع ہوکر عید کی نماز ایک جگہ پڑھتے ہیں۔ اس میں کیسی وحدت کی تعلیم مقصود ہے، تمام مسلمان، بھائی بھائی ہیں۔ ان سب کو خدائی رسّی کے مضبوط پکڑنے کا حکم دیا گیا ہے۔ سب کے سب تفریق و انتشار سے روک دیئے گئے ہیں۔ یعنی تمام مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ اجتماعی طور پر ایک ہوجائیں۔ ایک ہی حالت میں ریگ کے ٹیلے کی طرح ایک ہی قسم کی حرکت کریں جس کا عملی سبق اسلامی نماز نے دیا، اور باقی ارکان اسلامی میں ملحوظ رکھا گیا۔ غرض اسلام پاک کے ہر رکن میں ایک وحدت کو قائم کیا گیا ہے۔ پھر اس کو قائم رکھنے کے لئے خاص حکم بھی دیا ﴿لا تنازعوا﴾ (باہم کشمکش نہ کرو) کیونکہ جب ایک کھچا کھچی کرتا ہے تو دوسرا بھی اس میں مبتلا ہوجاتا ہے، اور نتیجہ یہ ہوجاتا ہے ﴿وتذهب ريحكم﴾ کہ ہوا بگڑ جاتی ہے، جب یہ خود دوسرے کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتا ہے تو چونکہ وہ بھی کبر الٰہی کا مظہر ہے اس لئے تکبر کرتا اور وحدت اُٹھ جاتی ہے۔ اسی وحدت کے قائم رکھنے کے لئے نمازوں میں ایک جہتی کا التزام کیا گیا۔ اور مسلمانوں کو حکم دیا گیا کہ وہ باہم ایک دوسرے کے معین و مددگار رہوں۔ اور ان کو یہ بھی حکم دیا گیا کہ اپنے تمام معاملات میں باہم مشورہ کریں اور جو تجویزیں اُنہوں نے قرار دے لی ہیں اس میں شک وشبہ نہ کریں اور خدائے پاک پر بھروسہ رکھیں۔

فواحش ومنکرات مخرب تمدن ہیں

۲۔ اور اس میں بھی کسی کو کلام نہیں کہ فواحش ومنکرات مخرب تمدن ہیں، اس کا بدیہی ثبوت واقعات تاریخ میں جو بتا رہے ہیں کہ کوئی بدکار قوم نام ونمود اور انسانی ترقی کے قابل تمدن قائم نہ کرسکی، اور جب کسی قوم کے زوال، نکبت اور افلاس کا وقت قریب آیا، فواحش ومنکرات نے ظہور کیا۔ ہر طرح کے گناہ اور معائب از قسم زنا وعیاشی نفس پرستی، مے نوشی، قمار بازی اور ایسی ہی صدہا دیگر عیوب اس میں پیدا ہوئے اور اس قوم کے تمدن کو نیست ونابود کر گئے۔ پس جو عمل خیر کہ ایسے مخرب تمدن اُمور کو نیست ونابود کرنے والا ہو وہ کہاں تک مقوم تمدن ہوگا۔ بُرا ہو

نافہمی کا اور تعلیم ناقص کا سب سے زیادہ جہالت کا جس کی بدولت آج بہت ہی کم آدمی اس بات کو سمجھتے اور جانتے ہیں کہ نماز کو تمدن سے کچھ علاقہ ہے، نماز عموماً زہد اور ترک دنیا کو مستلزم سمجھی جاتی ہے۔ حالانکہ نماز کا فائدہ ونقد دنیا میں آخرت سے پہلے حاصل ہوتا ہے۔ ہاں اس بات کے سمجھنے کے لئے چشم بصیرت درکار ہے جو آج کل مسلمانوں میں نہیں۔ ورنہ کیونکر ممکن تھا کہ مانع فواحش و منکرات قانون کو تو وہ باعث نظام تمدن کہیں، اور نماز کو جو بیخ و بن سے بدکاریوں کو اکھاڑنے والی ہے تہذیب وتمدن سے بالکل بے تعلق سمجھ لیں!۔

حقیقی اور روحانی نماز کی محافظت اس لئے لازم نہیں ہے کہ ایک رسم پوری ہو، بلکہ اس لئے ہے کہ ان میں نماز کی مواظبت سے وہ خصوصیت پیدا ہو کہ سارے جہان کو چھالے اور ہر جگہ اسی کی حکومت ہو۔ قرآن حکیم میں ہے:

﴿و نرید ان نمن علی الذین استضعفوا فی الارض و نجعلهم ائمة و نجعلهم الوارثین O و نمکن لهم فی الارض و نری فرعون و هامان و جنود هما منهم ما کانوا یحذرون﴾ (القصص:۴)

''جو لوگ ملک میں کمزور ہو گئے' ہم چاہتے ہیں کہ ان پر احسان کریں۔ ان کو سردار بنائیں۔ انھیں سلطنت کا وارث ٹھہرائیں۔ ملک میں ان کا قدم جمائیں۔ اور فرعون اور ہامان اور ان کے لشکروں کو دکھادیں کہ جس بات کا انھیں خطرہ تھا وہ انھیں کمزوروں کے ہاتھ سے ان کے آگے آگئی''۔

پھر دوسری جگہ ارشاد ہے

﴿ما جعل الله لرجل من قلبین فی جوفه﴾ (الأحزاب:۴)

''اللہ نے کسی انسان کے پہلو میں دو دل نہیں رکھے ہیں''۔ دل ایک ہی ہوتا ہے[1]۔

---

[1] اس کا ترجمہ کسی برگ نے اس شعر میں یوں لکھا ہے ؂

ہم معتقد دعویٰ باطل نہیں ہوتے   سینے میں کسی شخص کے دو دل نہیں ہوتے

مؤلف

پس اگر مسلمانوں کے پاس ایک ہی دل ہے تو ان کا سر بھی دو چوکھٹوں پر جھک نہیں سکتا۔ اوران کی غلامی کے لئے دو آقا بھی نہیں ہوسکتے، یا تو یہ خدا کے لئے ہوئے یا پھر اس کے سوا دوسروں کے لئے۔ اور اگر یہ اس کے لئے ہیں تو پھر وہ غیروں سے کیوں ڈرتے اوران کے سامنے کیوں جھکتے ہیں؟

ماسویٰ اللہ را مسلمان بندہ نیست　　پیش فرعونے سرش افگندہ نیست

پھر اگر ایسا نہیں ہے تو وہ یاد رکھیں کہ نافرمانی گناہ ہے مگر شوخی کفر ہے۔ وہ غیروں سے ڈر کران کی غلامی کرتے ہیں تو کریں، مگر یہ کیا ہے کہ خدا کی غلامی اور خدمت کا بھی دعویٰ کرتے ہیں!۔ نماز تو اسی لئے ہے کہ غیروں کی غلامی سے چھڑائے اور عملی سبق دے کہ یہ سر کسی اور کے آگے جھکنے کے قابل نہیں اور یہ دل کسی اور کا گھر نہیں۔

تمام ارکان اسلام کا حکم دیونفس کو مطیع کرنے کے لئے ہے

۳۔ نماز ہی پر کیا منحصر ہے تمام ارکان اسلام نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ اسی لئے ہے کہ ہر کلمہ گو اس کا پابند ہوکر دیونفس کو اپنا مطیع کرلے۔ موسم سرما ہے، ہوا ٹھنڈی چل رہی ہے، نفس کی خواہش ہے کہ لحاف میں لپٹے پڑے رہیے۔ مگر ایک مسلم جو کارزار دنیا میں بقائے اصلح کا تاج اپنے سر پر رکھنے کے لئے آیا ہے، ایسا نہیں کرسکتا۔ وہ بلا کسی اثر کے برف کے پانی سے موسم سرما میں صبح صادق کے وقت وضو کرے گا اور ماسوی اللہ کو اپنی جوتیوں سے تحقیرانہ روندھتا ہوا ﴿الھکم الہ واحد لا الہ الا ھو الرحمن الرحیم﴾ (البقرۃ:۱۶۳) کے عقیدۂ راسخہ کے ساتھ اپنے حی وقیوم خالق کے آگے جبین نیاز رکھ دے گا۔ بلکہ مال و دولت میں بھی ایثار سے کام لے گا۔ صرف یہی نہیں کہ ایک مسلم خود نہ کھائے گا اور خدائے پاک کے احکام کے پورا کرنے میں کھانے کو صرف کردے گا، بلکہ اس لئے کہ وہ روزہ وزکوٰۃ کے حربوں سے اپنے نفس کو اللہ کے واسطے قتل کرچکا ہے، اگر اللہ و رسول کے حکم سے ایسی ضرورت پیش آجائے کہ ان کے ماننے والے جب وطن کو خیر باد کہیں، خویش واقرباء کو چھوڑیں، زن وفرزند سے مہاجرت اختیار

کریں، اور سفر و سیاحت کی سختیاں برداشت کریں تو یہ سارے مصائب ان پر کچھ بھی اثر نہیں ڈال سکتے۔ اسلئے کہ حکم حج کی انجام دہی سے ان کی یہ خواہشات دنیاوی یہ فانی ہو چکی ہیں۔ اقبالؔ:

لا الہ باشد صدف گوہر نماز — قلب مسلم را حج اصغر نماز
در کف مسلم مثالِ خنجر است — قاتل فحشا و بغی و منکر است
روزہ برجوع و عطش شبخوں زند — خیبر تن پروری را بشکند
مومناں را فطرت افروز است حج — ہجرت آموز و وطن سوز است حج
طاعتے سرمایۂ جمعیّتے — ربط اوراقِ کتاب ملتے
حُبِّ دولت را فنا سازد زکوٰۃ — ہم مُواسات آشنا سازد زکوٰۃ
دل ز حتیٰ تنفقوا محکم کند — زر فزاید، الفت زر کم کند
ایں ہمہ اسباب استحکام تست — پختہ محکم اگر اسلام تست

اہل قوت شو ، زِ وِردِ "یاقوی"
تا سوار اُشترِ خاکی شوی

(اسرار خودی)

جو نماز بدیوں سے نہیں روکتی وہ غفلت کی نماز ہے

تجربہ و مشاہدہ اس بات پر کافی گواہ موجود ہیں کہ غفلت کی نماز پر کافی ثواب اور اس کے اثرات مترتب نہیں ہو سکتے۔ جب ہم اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں کہ غفلت کی نماز پڑھنے والوں سے بُرے کام جھوٹ، زنا اور قسم قسم کے مخرب اخلاق و تمدنی گناہ اور بدیاں صادر ہوتی ہیں، اور وہ گناہ کرتے ہوئے آخر قبروں میں جا داخل ہوتے ہیں تو اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ غفلت کی نماز ہے جو بدیوں سے نہیں روک سکتی۔ ورنہ خدائے پاک کا فرض اٹل ہے۔ دوا میں اثر ضرور ہے، وہ مؤثر ہے مگر شرط یہ ہے کہ دوا کو اس طریق و شرائط سے استعمال کیا جائے جس طرح طبیب بتائے، ورنہ دوا کی بداستعمالی سے عدم ظہورِ اثر دوا کا الزام طبیب پر نہیں آتا۔

پس جس نماز میں حضور دل نہیں ہوتا' اس کا نور بہت کمزور اور تھوڑا ہوتا ہے، اور بوجہ نہایت کمی و کمزوری کے انسان کی بہیمت و درندگی و اخلاق ذمیمہ پر غالب نہیں آ سکتا یا کثرت اخلاق ردیّہ کی ظلمات سے اس کی تمیز نہیں ہو سکتی۔ غالبًا یہی وجہ ہوگی۔ کیونکہ ایسی نماز آئندہ گناہوں سے مانع نہیں ہوتی۔ اگر انسان نماز بحضورِ دل ادا کرے تو نور نماز جو اس کے دل میں درخشاں ہوگا، وہ اس کو گناہوں سے روک دے گا کیونکہ گناہ ظلمات یعنی تاریکی سے نسبت رکھتے ہیں۔ اور نماز روشنی اور تنویروں کی موجب ہے پس جہاں نماز کی روشنی ہوگی وہاں گناہوں کی تاریکی نہیں آ سکتی۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ

ہماری اس تمام تقریر سے کوئی یہ نہ سمجھ لے کہ جب تک حضور دل نہ ہو لے آدمی کو نماز نہ پڑھنی چاہئے اور اگر پڑھتا ہے تو اس کو بیکار سمجھ کر نماز کو چھوڑ دے۔ دیکھو! جس دوا کے قوی اثر کا سارا جہاں قائل ہو، مگر کسی ایک انسان کو کسی خلط فاسد کے باعث یا بد استعمالی سے اثر ظاہر نہ ہو۔ تو اس دوا کا استعمال چھوڑ دیا جاتا ہے؟ ہرگز نہیں، بلکہ وہی دوا بار بار بمزید اصلاح استعمال کرائی جاتی ہے۔ آخر اس دوا کا اثر ظاہر ہو جاتا ہے ایسا ہی نماز کا حال ہے۔ آدمی کو نماز بموجب حکم الٰہی بہ اِصلاح ظاہر و باطن پڑھتے رہنا چاہئے ایک دن اس کا اثر ضرور اس کے دل پر جا کر پڑے گا۔ ہاں یہ بھی یقینی طور پر خیال رکھو! کہ اگرچہ بے حضور دل پڑھی ہوئی نماز گناہوں سے تو نہیں روک سکتی، مگر اس سے بسا اوقات دنیا میں عذاب ٹل جاتا ہے، کیونکہ یہ ہیئت خدائے پاک کو بہت پسند ہے۔

ایک چور کا قصہ

پنجاب میں ایک بہت نامی چور رات کو چوری کے لئے نکلا۔ ایک دولتمند آدمی کے گھر میں کسی طرح سے گھس کر چوری کرنے میں مصروف تھا کہ گھر والے ہوشیار ہو گئے۔ ان کے شور مچانے

پر تمام محلّہ کے لوگ بیدار ہو کر چور کو پکڑنے کے لئے بھاگے۔ یہ چور بھی جان بچانے کی خاطر سے خالی ہاتھ بھاگا۔ پیچھے گھر کے لوگ اس کو پکڑنے کے واسطے دوڑے۔ اتفاق سے جس گلی میں سے یہ چور بھاگ کر جا رہا تھا اسی راستہ سے آگے سے اور لوگ بھی ادھر ہی آ رہے تھے۔ چور ان کو دیکھ کر بہت گھبرایا اور سمجھا کہ اب ضرور پکڑا جاؤں گا۔ کیونکہ اب نکل جانے کا کوئی موقع نہیں رہا آگے اور پیچھے دونوں طرف سے لوگ پکڑنے کو دوڑتے ہوئے' آ رہے ہیں۔ اسی پریشانی میں کیا دیکھتا ہے کہ پاس ہی محلّہ کی مسجد کا دروازہ موجود ہے۔ یہ دیکھتے ہی فوراً اندر گھسا اور سیدھا محراب میں پہنچ کر نماز پڑھنے کھڑا ہو گیا۔ لوگوں نے جب دیکھا کہ چور کا پتہ نہیں تو وہ اِدھر اُدھر اس کی تلاش کرنے لگے۔ اور آخر مسجد میں آئے دیکھا کہ کوئی اللہ کا بندہ دست بستہ نماز میں کھڑا ہے۔ سب نے کہا کہ ''یہ تو کوئی نمازی تہجد گذار ہے۔ مرد خدا ہے جو آدھی رات کے بعد نماز نفل پڑھ رہا ہے''۔ یہ کہہ کر سب چلے گئے اور اس جھوٹی نماز نے چور کو بچالیا۔ اس چور نے جب یہ سمجھا کہ اب مجھے کوئی نہیں پکڑے گا' تو اب باہر نکلنے کی فکر کرنے لگا۔ مگر ساتھ ہی دل میں یہ خیال بھی آیا کہ جس جھوٹی نماز نے مجھے آج دنیا میں بچالیا ہے' اگر میں سچے دل سے نماز ادا کروں گا تو وہ خدائے پاک کے دربار میں کیوں میری نجات کا موجب نہ ہوگی؟ اس خیال کے آتے ہی چور نے وہیں توبہ کی۔ اور ایسی سچی توبہ کی کہ پھر کبھی چوری کا نام نہ لیا۔ اور ہمیشہ نماز پڑھنے لگا۔ اور رفتہ رفتہ اس کی سچی توبہ اور نیکوکاری کی شہرت ہوگئی۔

اکثر ایسا ہوتا دیکھنے میں آیا ہے کہ بعض بڑے قسی القلب اور بڑے بڑے افعال ذمیمہ و حرکات شنیعہ و اعمال قبیحہ کرنے والے انسان کو جن کا وجود انتظام عالم و امن عامہ میں مخل ہوتا ہے۔ فراستۃً معلوم ہوا کہ ان کی ہلاکت و گرفت الٰہی کا وقت بہت قریب آ گیا، ملائکہ غلاظ ان کی سزادہی و عذاب کے لئے غضبناک ہو کر تیار ہوئے اور پھر دیکھا گیا کہ انھوں نے بہ ارادہ نماز وضو کیا اور نماز کو کھڑے ہو گئے۔ پس نور وضو و نماز ان اندا موں میں درخشاں ہوا اور عذاب کے فرشتے ہٹ گئے اور ملائکہ ءرحمت اتر آئے۔ اور ان کی ہیئت نماز نے ان کی ہلاکت رفع ہونے اور عذاب ٹلنے کی

درخواست پیش کی اور وہ عذاب سے بچ گئے۔ کیونکہ نماز کی ہیئت وصورت خدائے پاک کو بہت پسند ہے۔ اور وجہ یہ ہے کہ اسلام کے معنی خدائے پاک کے آگے جھکنے کی شکل وصورت اختیار کرنے' سر تسلیم خم کرنے کے ہیں۔ اور انسان کی مسلمانی کی پوری ہیئت وشکل کو نماز ہی ظاہر کرتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب کوئی خدائے ذوالجلال کے آگے جھکنے کی شکل وصورت اختیار کرتا ہے تو وہ اس سے اپنا عذاب ٹال دیتا ہے۔

نماز کی زندگی

ہیبت وخشیت الٰہی

ا۔ نماز کی زندگی ہیبت وخشیت الٰہی سے ہے۔ انسان کے دل میں جب خوفِ خدا پیدا ہوتا ہے تو اس کی نماز میں زندگی پیدا ہو جاتی ہے۔ چونکہ اس کتاب کے لکھنے کی غرض وغایت زیادہ تر نماز کے اسی حصہ کا بیان کرنا ہے کہ جس کی طرف آج کل لوگوں کو بالکل عدم توجہی ہے۔ یعنی نماز میں خضوع وخشوع کا ہونا اور روحانی آداب کا مدنظر رکھنا کہ جن کے نہ ہونے کی وجہ سے آج نماز کا اثر مترتب نہیں ہوتا۔ بلکہ آج کل اسے ایک ناممکن اور محال امر بتایا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ اس کی قرآن وحدیث میں سند نہیں، اس کی نسبت اس قدر بیان کر دینا خالی از فائدہ نہیں کہ ان آداب کی اصل اور جڑ دل میں خشیت الٰہی کا پیدا ہونا ہے جس قدر انسان رتبہ میں بلند ہوتا ہے' اسی قدر وہ خدائے ذوالجلال سے ڈرتا ہے۔ افسوس تو اس امر کا ہے کہ ان مسائل کے سمجھنے کی وجہ سے انکار بھی اکثر اہل علم ہی کو ہے۔ اگر اہل علم اس سے انکار نہ کرتے تو وہ ضرور خود بھی ان کو حاصل کرنے کی کوشش کرتے اور عوام کو اس کے حصول کی ترغیب دلاتے۔ اور ہمیشہ اس حصۂ باطنی کے متلاشی وہی لوگ ہوتے رہے اور ہوتے رہیں گے جو اہل علم واہل شوق ہیں۔

ارشادات ربانی

جب تک انسان کے دل میں ہیبت اور خشیت الٰہی پیدا نہ ہو نماز میں روحانی اور باطنی اُمور کا پیدا ہونا محال ہے۔ اسی لئے خدائے پاک نے اپنی پاک کتاب کے کئی موقعوں پر اس امر کی نسبت توجہ دلائی ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:

﴿اولئک الذین یدعون یبتغون الی ربھم الوسیلة ایھم اقرب ویرجون رحمته ویخافون عذابه﴾ (بنی اسرائیل:۵۷)

''جن کو یہ لوگ پکارتے ہیں (یعنی عیسیٰ وعزیر وغیرہ انبیاء) ان میں سے جو خدا کے حضور میں زیادہ قرب رکھتا ہے وہی خدا کی طرف وسیلہ (عبادت وطاعت) تلاش کرتا ہے اور خدا کی رحمت کی اُمید رکھتا اور اس کے عذاب سے ڈرتا ہے''۔

۲۔ دوسرے مقام پر نیکیوں میں جلدی کرنے والوں کی بطور تفسیر یہ حالت بیان ہوئی ہے۔

﴿والذین یوتون ما اتوا و قلوبھم وجلة انھم الی ربھم راجعون ○ اولئک یسارعون فی الخیرات وھم لھا سابقون﴾ (المؤمنون:۶۰)

جو لوگ (کہ خدا کی راہ میں) دیتے ہیں (یعنی وہ طاعت کرتے ہیں اور نماز روزہ وغیرہ ادا کرتے ہیں) اور پھر ڈرتے ہیں کہ ہم کو خدا کی طرف جانا ہے یعنی دیکھئے وہاں ہماری نمازیں قبول ہوتی ہیں یا نہیں (اور وہ نمازیں ٹھیک باشرایط ادا ہوتی ہیں یا نہیں) یہی لوگ ہیں جو نیکیوں میں جلدی کرتے ہیں۔ اور یہی سب سے آگے بڑھنے والے ہیں۔

۳۔ پھر ایک اور جگہ پر انبیاء علیہم السلام کا ذکر فرما کر ارشاد ہوتا ہے:

﴿انھم کانو یسارعون فی الخیرات ویدعوننا رغبا ورھبا و کانوا لنا خشعین﴾ (الانبیاء:۹۰)

یہ لوگ نیکیوں میں جلدی کرتے اور ہم کو رغبت اور خوف سے پکارتے اور ہم سے ڈرنے والے تھے۔

۴۔غرض قرآن کریم نے فیصلہ فرمادیا ہے:

﴿انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء﴾ (الفاطر:۲۸)

''خدا سے زیادہ ڈرنے والے اہل علم ہی ہیں''۔جس کا مطلب یہ ہے کہ جس قدر کسی کومعرفت الٰہی حاصل ہوگی اسی قدر وہ خدائے ذوالجلال سے ڈرے گا۔اور اس کی طرف دوڑے گا۔

حضرت ذوالنون مصریؒ کا قول

۲۔حضرت ذوالنون علیہ الرحمۃ کا قول آب زر سے لکھنے کے قابل ہے۔آپ فرماتے ہیں:

آں کہ عارف تر است بخدا تحیر او سخت تر است، و بیشتر از جهت آنکه هر که با آفتاب نزدیکتر بود در آفتاب متحیر بود، تا بجائے رسد که او او نباشد۔ نزدیکاں رابیش بود حیرانی (تذکرۃ الاولیاء)

جوشخص زیادہ عارف ہے اس کا تحیر بھی خدا سے بہت سخت ہوتا ہے کیونکہ جو آفتاب کے زیادہ قریب ہوگا اس میں زیادہ متحیر ہوگا۔بقول مشہور کہ نزدیکوں کو زیادہ حیرانی لاحق رہتی ہے۔

ارشادات نبویہ

۳۔حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حالت کا نقشہ کھینچ کر اس مضمون کو ان الفاظ میں ادا فرمایا ہے:

واما واللہ لاخشاکم للہ واتقاکم لہ (مشکوٰۃ شریف،بروایت بخاری ومسلم)

لوگو! سن رکھو! خدا کی قسم میں تم سب کی نسبت اللہ تعالیٰ سے زیادہ ڈرنے والا اور اس کے گناہوں سے بچنے والا ہوں۔

پس یہی ڈرنا اور ہیبت الٰہی اور خوف خدا نماز کی زندگی ہے۔یہی انسان کو سیئات اور فواحش ومنکرات سے باز رکھنے والی چیز ہے۔اگر یہ نہیں تو وہ نماز مردہ ہے جس میں کسی قسم کی

زندگی نہیں۔ اور ظاہر ہے کہ مردہ چیز کسی کام کی نہیں ہوتی۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ مبارک قول آج کل اکثر دعویداروں کی طرف صرف زبانی جمع وخرچ ہی نہ تھا بلکہ اس کا عملی ثبوت یہ تھا کہ حدیث شریف میں ہے:

قامَ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم حتی تورّمت قدماہ، فقیل لہ لم تصنع ھذا؟ و قد غفر اللہ لک ماتقدم من ذنبک و ما تاخر!، قال افلا اکون عبدا شکورا؟. (بخاری ومسلم)

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز تہجد میں اس قدر دراز قیام کیا کرتے تھے کہ آپؐ کے قدم مبارک سوج جاتے۔ آپؐ کی خدمت میں کسی نے عرض کیا کہ آپ ﷺ تو بخشے بخشائے ہوئے ہیں۔ پھر اتنی تکلیف کیوں اُٹھاتے ہیں۔ آپ ﷺ نے جواب میں فرمایا کہ پھر کیا میں شکر گذار بندہ نہ بنوں"!۔

سجدے میں بعض اوقات آپؐ اس قدر طول کرتے کہ دیکھنے والا یہ گمان کرتا کہ آپ کی پاک روح بدن مبارک سے نکل گئی ہے۔ اکثر اوقات آپ نمازیں گریہ وزاری کرتے رہتے۔ ایسا ہی عمل کمال خشیت آپ کے دیگر اُمور (روزہ رکھنے خدا کی راہ میں مال خرچ کرنے، کھانے پینے، پہننے، سونے وغیرہ حاجات) میں پایا گیا ہے۔ لیکن باوجود اس کمال اطاعت کے پھر بھی آپ ہمیشہ یہی فرمایا کرتے تھے:

ما عبدناک حق عبادتک (اور یہ مقال کر)لا احصی ثناء علیک انت کما اثنیت علی نفسک (ابوداؤد، ترمذی)

خدایا! میں تیری عبادت کا پورا پورا حق ادا نہیں کرسکتا۔

خدایا! تیری صفت وتعریف میں نہیں کرسکتا۔ تیری شان وہی ہے جو تو نے خود ہی بیان فرمائی ہے۔

اللہ اکبر! کس قدر خشیت الٰہی کا اظہار ہے اور یہیں تک نہیں بلکہ حضور یہ بھی اعتراف

فرماتے اور درگاہ خداوندی میں عرض کرتے کہ الٰہی میرا عمل بھی میری نجات کا موجب بن سکتا جب تک کہ تیری رحمت مجھے ڈھانپ نہ لے۔

۴۔ حدیث شریف میں ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لایدخل احدا منکم عملہ الجنۃ ولا یجیرہ من النار ولا انا الا برحمۃ اللہ (مسلم شریف)

''کسی شخص کا کوئی عمل باعث نجات نہیں ہوسکتا۔ جب تک کہ رحمت الٰہی اس کے شاملِ حال نہ ہو (حتیٰ کہ آپ نے فرمایا کہ) میرے عمل بھی مجھ کو جنت میں نہیں لے جاسکتے جب تک میرے مولا کی رحمت مجھ کو نہ ڈھانپ لے''۔

الحاصل جب تک انسان کے دل میں ہیبت وخشیت الٰہی موجزن نہ ہو۔ تب تک اس کے دل کی طہارت باطنی اسے نصیب نہیں ہوتی۔ اور نفس انسانی خدائے پاک کے احکام کی فرماں برداری اور اطاعت کا حق ادا کرنے اور گردن کشی چھوڑنے پر آمادہ نہیں ہوتا۔ اور جب تک وہ ان اشیاء کے حلقہ اطاعت سے اپنی گردن چُھڑا کر آزاد نہ ہوجائے' جو حضور الٰہی کے مانع ہیں، تب تک وہ کسی اعلیٰ مرتب پر نہیں پہنچ سکتا۔

اس وجہ سے حدیث شریف میں ہے:

۵۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ ہلاک و بد بخت ہوا روپیوں اور پیسوں کا غلام، ہلاک و بد بخت ہوا بیوی کا غلام، ہلاک و بد بخت ہوا چادر کا بندہ''۔ اس میں اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ جس انسان پر حرص و ہوائے نفسانی غالب ہو وہ لوگوں میں کسی کا سچا دوست نہیں بن سکتا۔ بلکہ وہ تو ہمیشہ زیادہ طلبی کا غلام ہے، جہاں اس کو زیادہ مال مل جائے وہاں ہی اس کا دل ہوگا۔ ایسا شخص حقوق کا تلف کرنے والا اور وعدہ شکن اور خائن اور غلام زن و چادر اور بندہ حرص و ہوا ہوتا ہے، اس کا ہر کام حرص پر مبنی ہوتا ہے، نہ خدائے پاک کے لئے۔ حرص و ہوا کے باعث میزان عدالت سے اس کا رُخ پھرا ہوا ہوتا ہے۔ کیونکہ نفسانی حرص کا طوق اس کی گردن

پر ہوتا ہے۔

پس انسانی اعمال و افعال خواہ وہ طہارت ظاہری ہو، خواہ نماز روزہ کے متعلق ہوں' وہ خود موجب نجات نہیں ہوسکتے۔ جب تک ان میں وہ شئے نہ ہو جو مقصود بالذات ہے۔ یہ اعمال و افعال مقصود بالذات نہیں ہیں، بلکہ وہ درمیان میں کسی امر کے ذرائع ہیں۔ اور وہ خدائے پاک کی ذات ہے اور اس امر کا ثبوت کہ یہ اُمور مقصود بالذات نہیں ہیں' اس سے ظاہر اور عیاں ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ا. من لم تنه صلوته عن الفحشاء و المنكر لم يزد دمن الله الا بعدا.

۲. كم من صائم ليس له من صيامه الا الجوع و العطش.

''جس کو اس کی نماز نے بے حیائی اور بدی سے نہ روکا وہ خدا سے دور ہی رہا''۔ (اور فرمایا) بہت سے روزہ داروں کو ان کے روزہ سے سوائے بھوک اور پیاس کے کچھ حاصل نہیں''۔

اوہام باطلہ سے پاک رہنے کا سبق سکھانا اسلام پاک کا خاصہ ہے کیونکہ اوہام فاسدہ اور اباطیل کا ذبہ نفس انسانی کو ایسے گندہ کرنے والے ہیں جیسے انسانی جسم غلاظتوں و نجاستوں سے ناپاک ہوجاتا ہے۔ اس لئے اسلام پاک نے ان سب سے پاک و صاف رہنے کا حکم فرمایا۔

نماز کی زندگی کو پورا کرنے والے باطنی اُمور

نماز کے باطنی اُمور بیان کرنے کی اس لئے بھی ضرورت ہے کہ آج کل اِن اُمور کی طرف لوگوں کو بالکل توجہ نہیں۔ اور محض نکمّے اور بے فائدہ غیر ضروری فروعات میں وہ اس قدر اُلجھے ہوئے ہیں کہ بھول کر بھی اِن اُمور کی طرف خیال نہیں کرتے۔ یہ ایک سخت نافہمی پیدا ہوگئی ہے' جس کا اظہار کرنا از حد ضروری ہے۔ فی زمانہ بالخصوص اِن اُمور کی طرف بڑے شدّ و مدّ سے توجہ دلائی جاتی اور زور دیا جاتا ہے' جن کا تعلق قلب انسانی سے بہت کم ہے۔ اور میرے خیال ناقص میں ایک یہ بھی بڑی وجہ روحانیت اور روحانی کمالات اور اثرات سے عاری اور بے بہرہ ہونے کی ہے۔ سلف صالحین کی تصنیفات میں اِن اُمور کی تاکید اور التزام بے حد پایا جاتا ہے۔

بخلاف موجودہ زمانہ کے کہ اِن اُمور کو ناممکن اور محال خیال کیا جاتا ہے، جو ہماری اپنی ہی کمزوری اور پست ہمتی کا ثبوت ہے، جس کو وہ اہل دل خوب محسوس کرتے ہیں کہ جو شب و روز اِن اُمور کے حاصل کرنے میں ساعی وکوشاں رہتے ہیں۔ یادرکھو! اِن اُمور پر کاربند ہونے سے اس میں کچھ شک نہیں کہ انسان ضرور اس معراج مومنین کی کیفیت کو محسوس کرسکتا ہے جس کی نسبت حضرت نبی کریم علیہ الصلوات والتسلیم کا پاک ارشاد بایں الفاظ موجود ہے:

الصلوٰۃ معراج المومنین

''نماز مومنوں کی معراج ہے''۔

(۱) حضور دل

سب سے پہلا امر حضورِ دل ہے۔ جس سے یہ مراد ہے کہ انسان جو کام کرتا اور جو کلام منہ سے بولتا ہے' اس کے بغیر اور چیزوں سے خالی ہو، جس کا مطلب یہ ہے کہ کسی اور چیز کی طرف دل کا خیال نہ جائے اور قول و فعل دونوں کو سمجھے، جب تک قول و فعل دونوں کو نہ سمجھے تب تک اس میں ضرور خطرہ ہے۔ حضور قلب کے متعلق گو اکثر بزرگان دین نے نہایت منصفانہ و محققانہ مضامین تحریر فرمائے ہیں۔ مگر حضرت حجۃ الاسلام امام محمد غزالی (علیہ الرحمۃ) نے جو کچھ اس کے متعلق لکھا ہے وہ طالب حق کی تسکین خاطر کے لئے کافی ہے امام ممدوح فرماتے ہیں:

اور تحقیق اس بات میں یہ ہے کہ نمازی اللہ تعالیٰ کی درگاہ میں مناجات کرتا ہے۔ جیسا کہ یہ مضمون حدیث میں بھی آیا ہے: جو کلام غفلت کے ساتھ ہو وہ ہرگز مناجات نہیں ہوسکتی، نماز میں ذکر، قراءت، رکوع، سجود، قیام، تعوذ کے سوا اور کچھ نہیں۔

اب دیکھنا چاہئے کہ ذکر کیا ہے؟ ذکر اور قرأت اللہ تعالیٰ سے خطاب اور ہمکلامی ہے صرف حروف اور آواز کا نکالنا زبان سے مقصود نہیں۔ اگر ایسا ہو تو غافل بھی ہذیان میں آسانی سے زبان ہلاسکتا ہے اور غافل کا ہذیان میں زبان ہلانا صحیح نطق نہیں۔ صحیح نطق اسی صورت میں ہوسکتا ہے کہ دل کی بات کو ہوش میں ظاہر کرے۔ اور ظاہر ہے کہ یہ امر دل کے خشوع اور حضور

کے سوا حاصل نہیں ہوتا۔ مثلاً دل غافل ہو اور زبان سے کہا جائے ﴿اهدنا الصراط المستقيم﴾ (ہمیں سیدھا راستہ دکھلا) تو کیا یہ خدائے پاک کی درگاہ میں سوال ہو سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔

اسی طرح اگر ذکر میں فروتنی اور دل حاضر نہ ہو تو وہ ایسا ہی ہے جیسے غفلت ہے' ہذیان میں زبان کا ہلانا ہے' جو صحیح نطق نہیں۔ اور جو صحیح نطق نہ ہو وہ خدائے بے مثال سے خطاب ہمکلامی نہیں ہے۔ پس اب سمجھ لو کہ ذکر اور قراءت سے خدائے بزرگ و برتر کی حمد و ثنا مقصود ہے اور اس کے دربار میں حاضر ہو کر اس کے روبرو عاجزی اور دعا کرنی۔ اور جب دل پر غفلت کا پردہ پڑا ہو تو اس میں کچھ شک نہیں کہ وہ اللہ جلالہٗ سے نہ مخاطب ہوگا اور نہ اس کے حضور میں۔ پس خشوع اور دل کا حاضر ہونا واجب ہے۔

رکوع اور سجدے میں اللہ تعالیٰ کی تعظیم مقصود ہے، اور غفلت میں اس کی تعظیم نہیں ہو سکتی۔ اگر رکوع اور سجدہ تعظیم سے خالی ہوں تو پھر صرف پیٹھ اور سر کی حرکت رہ جاتی ہے۔ جو ایک معمولی عادت ہے۔ اور اگر نماز کو معمولی عادت مانا جائے تو پھر یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ یہ دین کا رکن ہو اور کفر و اسلام میں فرق، اور تمام عبادتوں پر مقدم قرار پائے۔ اور خاص اسی کے چھوڑنے سے قتل[1] واجب ہو؟ نماز میں جو اس قدر عظمت ہے' یہ صرف اس کے ظاہری عملوں کی جہت سے ہی معلوم نہیں ہوتی۔ اگر مناجات کے مطلب کو ان میں زیادہ کیا جائے تو پھر یہ ایسا امر ہے جو روزہ و حج اور زکوٰۃ وغیرہ سب پر مقدم ہے۔ (اسرار الصلوٰۃ)

مذکورۂ بالا بیان سے ظاہر ہے کہ نماز کے لئے حضور قلب یعنی دل کا خدائے پاک کی طرف حاضر اور متوجہ ہونا ضروری ہے بلکہ شرط نماز ہے، اور اس کے بغیر نماز کامل اور پوری نہیں ہوتی۔ اور نماز کا ثواب اور نتیجہ اور اثر مترتب نہیں ہوتا، اس لئے ہر نمازی پر لازم ہے کہ نماز میں اِن اُمور کا لحاظ رکھے۔

۲۔ اپنے آپ کو اس سچے مالک کے حضور میں سمجھے۔ اور اس کو اپنے حال پر مطلع اور باخبر جانے کہ جس دربار میں ہاتھ باندھ کر کھڑا اور مناجات کر رہا ہے اور یقین کرلے کہ اپنے مالک کو

---

[1] جیسے پہلے تاکید نماز میں بیان ہو چکا ہے۔

سامنے دیکھ رہا ہوں۔اور جو خود اسے نہیں دیکھتا تو وہ ضرور ہی مجھے دیکھ رہا ہے۔

۳۔قیام، رکوع، سجود اور قعدہ وغیرہ اُمور جس مصلحت کے لئے موضوع ہیں اور یہ حرکات ظاہری جس قلبی تحریک اور دلی حالت پر اشارہ کرتی ہیں'ان کو برابر نظر رکھے۔

۴۔تسبیحات اور قراءت وغیرہ کے مضمون کی طرف تہہِ دل سے خیال رکھے۔

۵۔نماز کے باقی باطنی اُمور (جن کا ذکر آگے آتا ہے) جن سے نماز کی زندگی پوری ہوتی ہے(یعنی فہم، تعظیم، ہیبت، رجا، (اُمید)، حیا، ان پر پوری توجہ رکھے۔

حضور قلب کی اصل

حضورِ قلب میں اصل یہ ہے کہ دل اور زبان اور جوارح متفق ہو جائیں۔اور ہر ایک جیسا کہ اس کا حق ہے خدائے معبود حقیقی کی عبادت میں لگا رہے، خشوع اور اطمینان کے ساتھ نماز ادا کی جائے۔چونکہ جب تک دل میں اثر نہ ہو کامل حضوری میسر نہیں ہو سکتی، اور دل میں اثر ہونا الفاظ کے مضمون کو سمجھنے اور اس پر غور کرنے کے بغیر ممکن نہیں۔اس لئے ہر ایک نمازی کو چاہئے کہ نماز کا ترجمہ اور مضمون خوب ذہن نشین کرے۔کیونکہ ہمارے سید و مولا حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ:

ورب قائم لیس له من قیامه الا السهر (ابن ماجہ)

''بہت سے کھڑے ہونے والے ایسے ہیں، جنھیں نماز سے صرف رنج اور مشقت ہی نصیب ہو''۔

ایک اور حدیث شریف میں حضور انور علیہ السلام نے اس امر کا کھلم کھلا فیصلہ فرما دیا ہے کہ بندے کی نماز میں سے اس کے لئے صرف اسی قدر حصہ ہے جس قدر وہ سمجھے۔

سبحان اللہ! کیسا صاف فیصلہ موجود ہے۔مگر افسوس ہے کہ لوگ ان باتوں پر کان نہیں دھرتے۔جسے نمازی ہونے کا دعویٰ ہے، اسے حضور انور علیہ السلام کی پاک تعلیم کا پورا عامل بننا بھی ضروری ہے۔تمام نمازوں کو حضور دل سے سمجھ کر نماز پڑھنے سے ثواب کامل حاصل کرنا چاہئے۔

پس خلاصہ یہ ہے کہ نماز میں دل کا حاضر ہونا نماز کی روح ہے۔ اور صرف اللہ اکبر کہنے کے وقت دل کا حاضر ہونا اس روح کی کم سے کم مقدار ہے جو باقی رہتی ہے، اور اگر اس قدر بھی نہ ہو تو پھر تباہی کی صورت ہے۔ اور جتنا دل کا حضور زیادہ ہوگا اتنی ہی روح نماز کے اجزاء میں زیادہ پھیلے گی۔ جو آدمی ساری نماز میں غافل رہتا ہے اس کی نماز اس زندہ کی مانند ہے جس میں حرکت نہیں ہوتی[1] اور جس میں حرکت نہیں ہوتی وہ مردہ کے قریب ہوتا ہے۔ خدائے پاک کے لاکھوں پاک باطن بندوں کا تجربہ ہے کہ نماز بحضور دل پڑھنے سے دنیا ہی میں کشف حقائق الاشیاء کم و بیش ہوتا ہے اور روحانی آنکھ تیز بین ہوتی جاتی ہے۔ نماز بحضورِ دل پڑھنے سے انسان

---

[1] ایک ضروری مسئلہ: اگر کوئی یہ کہے کہ جب نماز کی صحت میں دل کا حاضر ہونا شرط ہے اور اس کے سوا نماز باطل ہوتی ہے تو فقیہوں نے اس میں کیوں خلاف کیا ہے۔ کیونکہ انہوں نے صرف اللہ اکبر کہنے کے وقت دل کا حضور شرط کہا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ فقیہ باطن میں تصرف نہیں کرتے اور نہ دل کو چیر کر باطن کا حال جانتے ہیں۔ یہ اعضاء کے ظاہری عملوں پر دین کے احکام بنا کرتے ہیں اور سزا کے مرفوع ہونے اور سلطانِ وقت کی تعزیر سے حتی الامکان بچنے کے لئے ظاہری عمل کافی ہے۔ اور اس کے سوا یہ جواب بھی ہے کہ اجماع کا یہ دعویٰ نہیں ہوسکتا کہ دل کے حضور کے سوائے عمل کامل ہو جاتے ہیں، کیونکہ خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: کہ نمازی کو اپنی نمازوں میں سے صرف اسی قدر حصہ ہے جس قدر وہ اس میں سے سمجھتا ہے"۔

اسی واسطے بشر بن حارث سے منقول ہے کہ جو خشوع نہ کرے اس کی نماز فاسد ہے اور حضرت حسن بصریؒ سے ایک روایت ہے کہ جس نماز میں دل حاضر نہ ہو وہ جلد عذاب کی طرف پہنچاتی ہے۔ اور حضرت معاذ بن جبلؓ سے روایت ہے: کہ جو نماز میں ہو اور اپنے دائیں بائیں کے آدمیوں کو قصداً پہچان لے کہ کون کون ہے تو اس کی نماز نہیں ہوگی"۔ صرف فرق یہ ہے کہ اگر کسی امام سے منقول ہوتا تو مذہب ٹھہرتا۔ بڑا تعجب ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا جب پاک فرمان اس کی نسبت موجود ہے تو آپ کے ارشاد سے کیونکر تمسک نہ کیا جائے!!۔ اور عبدالواحد بن زید کہتے ہیں کہ اس پر علماء کا اتفاق ہے کہ نمازی کو اپنی نماز میں سے اتنا ہی حصہ ملے گا جتنا کہ اس نے نماز میں سمجھا ہے۔ اس قول سے ثابت ہوتا ہے کہ نماز میں دل کے حاضر ہونے پر اجماع ہے۔ پرہیز گاروں اور فقیہوں سے اسی قسم کی اور بھی بے شمار باتیں منقول ہیں۔ جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ دل کا حضور شرطِ نماز ہے۔

سامنے دیکھ رہا ہوں۔ اور جو خود اسے نہیں دیکھتا تو وہ ضرور ہی مجھے دیکھ رہا ہے۔

۳۔ قیام، رکوع، سجود اور قعدہ وغیرہ اُمور جس مصلحت کے لئے موضوع ہیں اور یہ حرکات ظاہری جس قلبی تحریک اور دلی حالت پر اشارہ کرتی ہیں' ان کو برابر نظر رکھے۔

۴۔ تسبیحات اور قراءت وغیرہ کے مضمون کی طرف تہہِ دل سے خیال رکھے۔

۵۔ نماز کے باقی باطنی اُمور (جن کا ذکر آگے آتا ہے) جن سے نماز کی زندگی پوری ہوتی ہے (یعنی فہم، تعظیم، ہیبت، رجا، (اُمید)، حیا، ان پر پوری توجہ رکھے۔

حضور قلب کی اصل

حضورِ قلب میں اصل یہ ہے کہ دل اور زبان اور جوارح متفق ہو جائیں۔ اور ہر ایک جیسا کہ اس کا حق ہے خدائے معبود حقیقی کی عبادت میں لگا رہے، خشوع اور اطمینان کے ساتھ نماز ادا کی جائے۔ چونکہ جب تک دل میں اثر نہ ہو کامل حضوری میسر نہیں ہو سکتی، اور دل میں اثر ہونا الفاظ کے مضمون کو سمجھنے اور اس پر غور کرنے کے بغیر ممکن نہیں۔ اس لئے ہر ایک نمازی کو چاہئے کہ نماز کا ترجمہ اور مضمون خوب ذہن نشین کرے۔ کیونکہ ہمارے سید و مولا حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ:

ورب قائم ليس له من قيامه الا السهر (ابن ماجہ)

''بہت سے کھڑے ہونے والے ایسے ہیں، جنہیں نماز سے صرف رنج اور مشقت ہی نصیب ہو''۔

ایک اور حدیث شریف میں حضور انور ﷺ نے اس امر کا کھلم کھلا فیصلہ فرما دیا ہے کہ بندے کی نماز میں سے اس کے لئے صرف اسی قدر حصہ ہے جس قدر وہ سمجھے۔

سبحان اللہ! کیسا صاف فیصلہ موجود ہے۔ مگر افسوس ہے کہ لوگ ان باتوں پر کان نہیں دھرتے۔ جسے نمازی ہونے کا دعویٰ ہے، اسے حضور انور ﷺ کی پاک تعلیم کا پورا عامل بننا بھی ضروری ہے۔ تمام نمازوں کو حضور دل سے سمجھ کر نماز پڑھنے سے ثواب کامل حاصل کرنا چاہئے۔

پس خلاصہ یہ ہے کہ نماز میں دل کا حاضر ہونا نماز کی روح ہے۔ اور صرف اللہ اکبر کہنے کے وقت دل کا حاضر ہونا اس روح کی کم سے کم مقدار ہے جو باقی رہتی ہے، اور اگر اس قدر بھی نہ ہوتو پھر تباہی کی صورت ہے۔ اور جتنا دل کا حضور زیادہ ہوگا اتنی ہی روح نماز کے اجزاء میں زیادہ پھیلے گی۔ جو آدمی ساری نماز میں غافل رہتا ہے اس کی نماز اس زندہ کی مانند ہے جس میں حرکت نہیں ہوتی[1] اور جس میں حرکت نہیں ہوتی وہ مردہ کے قریب ہوتا ہے۔ خدائے پاک کے لاکھوں پاک باطن بندوں کا تجربہ ہے کہ نماز بحضور دل پڑھنے سے دنیا ہی میں کشف حقائق الاشیاء کم وبیش ہوتا ہے اور روحانی آنکھ تیز بین ہوتی جاتی ہے۔ نماز بحضورِ دل پڑھنے سے انسان

---

[1] ایک ضروری مسئلہ: اگر کوئی یہ کہے کہ جب نماز کی صحت میں دل کا حاضر ہونا شرط ہے اور اس کے سوا نماز باطل ہوتی ہے تو فقیہوں نے اس میں کیوں خلاف کیا ہے۔ کیونکہ انہوں نے صرف اللہ اکبر کہنے کے وقت دل کا حضور شرط کہا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ فقیہ باطن میں تصرف نہیں کرتے اور نہ دل کو چیر کر باطن کا حال جانتے ہیں۔ یہ اعضاء کے ظاہری عملوں پر دین کے احکام بنا کرتے ہیں اور سزا کے مرفوع ہونے اور سلطانِ وقت کی تعزیر سے حتی الامکان بچنے کے لئے ظاہری عمل کافی ہے۔ اور اس کے سوا یہ جواب بھی ہے کہ اجماع کا یہ دعویٰ نہیں ہوسکتا کہ دل کے حضور کے سوائے عمل کامل ہو جاتے ہیں، کیونکہ خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: کہ نمازی کو اپنی نمازوں میں سے صرف اسی قدر حصہ ہے جس قدر وہ اس میں سے سمجھتا ہے''۔

اسی واسطے بشر بن حارث سے منقول ہے کہ جو خشوع نہ کرے اس کی نماز فاسد ہے اور حضرت حسن بصریؒ سے ایک روایت ہے کہ جس نماز میں دل حاضر نہ ہو وہ جلد عذاب کی طرف پہنچاتی ہے۔ اور حضرت معاذ بن جبلؓ سے روایت ہے: کہ جو نماز میں ہو اور اپنے دائیں بائیں کے آدمیوں کو قصداً پہچان لے کہ کون کون ہے تو اس کی نماز نہیں ہوگی''۔ صرف فرق یہ ہے کہ اگر کسی امام سے منقول ہوتا تو مذہب ٹھہرتا۔ بڑا تعجب ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا جب پاک فرمان اس کی نسبت موجود ہے تو آپ کے ارشاد سے کیونکر تمسک نہ کیا جائے!!۔ اور عبدالواحد بن زید کہتے ہیں کہ اس پر علماء کا اتفاق ہے کہ نمازی کو اپنی نماز میں سے اتنا ہی حصہ ملے گا جتنا کہ اس نے نماز میں سمجھا ہے۔ اس قول سے ثابت ہوتا ہے کہ نماز میں دل کے حاضر ہونے پر اجماع ہے۔ پرہیز گاروں اور فقیہوں سے اسی قسم کی اور بھی بے شمار باتیں منقول ہیں۔ جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ دل کا حضور شرطِ نماز ہے۔

کا روحانی جسم ایک نہایت منور آئینہ کی طرح ہو جاتا ہے کہ جس میں ہر خارجی چیز کی شبیہ و صورت منعکس ہو جاتی ہے۔ اور اگر کوئی غیر شرع امر اور ناجائز قضیّہ وغضب کا کلام صادر ہو جائے تو اس روحانی آئینہ پر کدورت اور سیاہی آنے کا احساس ہونے لگتا ہے۔

بزرگان دین اور علمائے حقیقت نے فرمایا ہے کہ دل کے حاضر ہونے کا سبب ہمت ہے۔ کیونکہ حضرت انسان کا دل ہمت کے تابع ہے۔ گو یہ ایک آسان اور صاف مسئلہ ہے (بشرطیکہ قلب میں کچھ صلاحیت کا مادہ موجود ہو) مگر اس بات کے لئے اس امر کے سمجھنے کی بھی ضرورت ہے کہ ہمت ''ہمّ'' سے مشتق ہے۔ اور ہمّ کے معنی فکر کے ہیں اور آدمی کا دل اس بات میں حاضر ہوتا ہے جو اس کو فکر میں ڈالتی ہے۔ یہ ایک فطرتی بات ہے کہ فکر کے کام میں دل ضرور حاضر رہتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نماز کی طرف ہمت کو پھیرنا چاہئے۔ اور ہمت تب ہی نماز کی طرف پھیرتی ہے کہ یہ یقین ہو جائے کہ آخرت پائدار اور بہتر ہے۔ اور یہی مطلوب ہے، جس کے حاصل کرنے کا ذریعہ نماز ہے۔ جب اس یقین کے بعد ہمت کو نماز سے ملایا جائے گا تو دل کا حضور ضرور حاصل ہوگا۔ یہ ایک ایسا محکِ ایمان[1] ہے کہ انسان اس معیار پر اپنے ایمان کے کامل اور ناقص ہونے کو پرکھ سکتا ہے۔ اگر اس وقت بھی دل کا حضور حاصل نہ ہو تو سمجھ لینا چاہئے کہ ہمارے ایمان میں واقعی قصور ہے۔

یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جس کی نظیر ہمیں روزمرہ اپنے معاملات میں مل سکتی ہے۔ مثلاً جب کسی حاکم کے پاس جانے کا اتفاق ہوتا ہے تو ایسے خیال سے دل ضرور حاضر ہوتا ہے، جس کو سب ادنیٰ واعلیٰ محسوس کرتے ہیں۔ کیا یہ سخت افسوس اور دلی کمزوری کا سبب نہیں ہے کہ اس حاکم حقیقی، شہنشاہ اصلی کی مناجات کے وقت دل کی یہ حالت نہ ہو۔ جس کی قدرت کے قبضے میں فلک ملکوت اور انسانی نفع وضرر اور حیات وممات ہے۔ اس مسئلہ میں بہت کم ٹھوکر لگتی؛ اگر ذرا بھی اس میں غور وخوض اور تدبر وتفکر سے کام لیا جاتا، مگر انسانی کمزوری کب اس کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔

[1] محکِ ایمان = ایمان کی کسوٹی۔

(۲) فہم

حضور دل کے سوا یہ دوسرا امر ہے۔ اس سے یہ مطلب ہے کہ کلام کے معنی سمجھے۔ خدائے قدوس کی مقدس کتاب میں اس آیۂ شریفہ میں ﴿فویل للمصلین O الذین ھم عن صلوتھم ساھون﴾[1] توجہ دلائی گئی ہے کہ نماز میں فہم کا ہونا ضروری ہے کیونکہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ قلبی حضور معنوں کے ساتھ ہوتا ہے اور لفظوں کے ساتھ نہیں ہوتا۔ مگر ہاں اس فہم کے لئے عقل و دماغ عالی پایہ کا درکار ہے، یہ نہیں کہ جو سمجھ میں آیا ہانک دیا۔ اور ایسی بے پر کی اُڑانے والوں کی باتوں کی ''مستان شاہ کی بڑ'' سے زیادہ وقعت بھی نہیں ہوتی۔ غرض لفظوں کے ساتھ معنوں کا علم دل میں ضرور ہونا چاہئے۔ ان معنوں کے سمجھنے میں لوگ مختلف ہوتے ہیں۔ قرآن کریم اور تسبیحوں کے سمجھنے میں برابر نہیں، کیونکہ سب کی استعداد اور قابلیت یکساں نہیں اور نہ ہوسکتی ہے۔ لیکن ایسے بہت سے لطیف معانی اور معارف اور نکات بھی ہیں، جو عین نماز ہی میں سمجھے جاتے ہیں اور وہ پہلے سے کبھی دل میں نہیں گزرے ہوتے اور نہ کبھی خیال میں آئے ہوتے ہیں۔ یہی راز ہے کہ نماز کے لئے خدائے پاک کی کامل کتاب اس امر کا بزور اعلان کرتی ہے کہ

﴿ان الصلوۃ تنھی عن الفحشاء و المنکر﴾

''نماز بداخلاقیوں اور بُرائیوں کی مانع ہے''۔

مطلب یہ کہ نماز ایسی باتیں سمجھاتی ہے جو خواہ مخواہ بدی سے منع کرتی ہیں۔ باطنی اُمور کے بیان کرنے کے بعد انشاء اللہ تعالیٰ مفصل بیان کیا جائے گا کہ نماز کیونکر گناہ سے پاک کرتی ہے، جس سے اس مضمون کا لطف دوبالا ہوجائے گا۔ اور قرآنی تعلیم کی اعجاز بیانی اور گناہوں سے بچنے کی سہل تجویز سمجھ میں آجائے گی۔

---

[1] یہ بھی مشاہدہ میں آتا ہے کہ ہزاروں معنی سمجھنے والوں کو نماز میں خشوع نہیں ہوتا۔ اور بعض معنی نہ سمجھنے والوں کو کیفیت خشوع حاصل ہوتی ہے۔ اس کا سبب رقت قلب اور قوت ایمان کا ثمرہ ہے۔ مگر عام حضور دل فہم سے ہی حاصل ہوتا ہے۔ مؤلف

فہم کا سبب

فہم کا سبب یہ ہے کہ جب دل حاضر ہوجائے تو پھر انسان بہت فکر رکھے اور ذہن کو معنوں کے سمجھنے میں لگائے۔ اور اس کی تدبیر وہی ہے جو دل کے حاضر ہونے کی ہے۔ اور ساتھ ہی ان وسوسوں کو اپنے دل سے دور کرنے کی کوشش کی جائے جو آدمی کے دل کو کسی اور چیز کی طرف مشغول کرتے ہیں۔ اس کے لئے سب سے آسان طریقہ تو یہ ہے کہ جن چیزوں کی طرف وسوسے جاتے ہیں' اپنے پاس ان میں سے کسی کو نہ رہنے دے۔ اسی سبب سے حضرات اہلِ دل تمام علائق دنیوی کو قطع کرنا اور خلوت گزیں ہونا پسند فرماتے ہیں۔ لیکن جب دل کی مشق اس درجہ بڑھ جائے کہ آدمی کو دائمی حضور نصیب ہوجائے' تو پھر ان چیزوں کا پاس موجود ہونا کچھ چنداں ضرر نہیں دے سکتا، مگر اعراض پھر بھی اولیٰ وافضل ہے۔

(۳) تعظیم

تیسرا امر تعظیم ہے۔ یہ پہلے دو امروں کے سوا ہے۔ یہ بھی ایک سرِّ دقیق ہے اور اس کے سمجھنے کے لئے فہم و توجہ اور خیال کی ضرورت ہے۔ اور اس فرق کی مثال اگر یوں سمجھ لی جائے تو جلدی ہی سمجھ میں آسکتا ہے کہ جب آدمی اپنے غلام سے کلام کرتا ہے تو دل بھی حاضر ہوتا ہے اور کلام کے معنے بھی سمجھتا ہے مگر غلام کی تعظیم نہیں کرتا۔ مثال تو ایک معمولی سی ہے، مگر کوئی گوش ہوش سے کام لینے والا اگر اس کی تہہ تک پہنچنے کی کوشش کرے تو اس کی لطافت کو پا سکتا ہے۔ دیکھو حضورِ دل اور فہم سے زیادہ تعظیم کی ضرورت ہے۔ تعظیم کے سبب دو ہیں: ایک تو یہ ہے کہ خداوند پاک کی عظمت اور اس کے جلال کو پہچانا جائے۔ حقیقت میں یہ ایمان کا اصل ہے، کیونکہ جو اس کی تعظیم کا معتقد نہیں ہوتا اس کا نفس اس کے سامنے نہیں دبتا۔ یہ بات ذرا غور کرنے سے ذہن نشین ہوسکتی ہے۔ دوسرا یہ ہے کہ آدمی یہ سمجھے کہ میرا نفس حقیر اور خسیس ہے اور میری ایسے شہنشاہِ لایزال' مالک الملک، مالک یوم حساب کے عالی دربار میں کیا حقیقت ہے۔ یہ دونوں باتیں ایسی ہیں جن سے نماز میں عاجزی اور فروتنی پیدا ہوتی ہے۔ اسی کو دوسرے لفظوں میں تعظیم سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اگر یہ نہیں تو پھر وہی حالت ہوگی جیسے کوئی اپنے غلام سے کلام کرتا ہے۔ جس میں تعظیم کی ضرورت نہیں ہوتی۔

(۴) ہیبت

چوتھا امر ہیبت ہے۔ یہ ایک ایسا امر ہے کہ جس کی تعظیم سے بھی زیادہ ضرورت ہے۔ کیونکہ یہ وہ خوف ہے جس سے تعظیم ہوتی ہے۔ ہیبت اس کا نام نہیں کہ کوئی سانپ یا بچھو سے ڈرے۔ یا اس قسم کے اور موذی جانوروں سے خوف کھائے۔ بلکہ اصلی ہیبت بڑے شہنشاہِ باجلال سے خوف کھانے کو کہتے ہیں۔

ہیبت اور خوف سے نفس کو جو ایک حالت لاحق ہوتی ہے اس کی وجہ سے آدمی دیکھتا ہے کہ خداوند ذوالجلال کی قدرت، سطوت اور خواہش کے نفوذ اور اس کی بے پرواہی اور بے نیازی کے سامنے اس کی کچھ ہستی نہیں۔ وہ سمجھتا ہے کہ اگر وہ سب کو ہلاک کردے تو اس کے ملک میں ایک ذرہ بھی کم نہیں ہوسکتا، میں ایک کس شمار میں ہوں۔ اپنے برگزیدہ اور پاک بندوں پر جن کو نبی اور ولی کہا جاتا ہے اس نے طرح طرح کی مصیبتیں اور بلائیں نازل کی ہیں۔ میں کون ہوں میری ہستی ہی کیا ہے۔ غرض خداوند ذوالجلال کا جتنا علم زیادہ ہوگا اتنا ہی ہیبت اور خوف بڑھے گا۔ جیسا کہ پہلے تفصیل کے ساتھ بیان ہو چکا ہے۔

(۵) رجا (اُمید)

پانچواں امر رجا (امید) ہے اس کو یوں سمجھ لینا کافی ہے کہ بعض ایسے لوگ بھی ہیں جو بادشاہ کی تعظیم کرتے ہیں۔ اس کی ہیبت اور دبدبہ سے ڈرتے ہیں مگر کچھ اُمید نہیں رکھتے۔ اس الٰہی دربارِ گوہر بار خداوند ذوالمنان والاکرام کی سرکار باوجود سے انسان کے لئے ضروری ہے کہ جس طرح گناہوں اور اس کی بے فرمانیوں سے اس کے عذاب کا خوف رکھتا ہے اسی طرح نماز سے ثواب کی اُمید رکھے۔

رجا کا سبب

رجا کے پیدا ہونے کا سبب یہ ہے کہ اس پر یقین کرے کہ خدائے پاک نے نماز کے باعث جو جنت کا وعدہ کیا ہے اور اپنی خوشنودی کی سند عطا فرمانے کا اقرار کیا ہے یہ اس کا وعدہ اور اقرار سچا اور راست ہے۔ اور اس کے عام انعام، اس کے کرم اور اس کی صفت فضل کے لطیفوں کو پہچانے۔ پس جب ان امروں کو جانے گا تو ان سے ضرور اُمید پیدا ہوگی۔

(۶) حیا

چھٹا امر حیا ہے۔ جس کی نسبت حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا الحیاء شعبۃ من الایمان (حیا ایمان کی شاخ ہے)۔ یہ امر بھی پہلے پانچوں سے الگ ہے۔ کیونکہ حیا تب پیدا ہوتی ہے، جب کوئی اپنے قصور سے واقف ہو اور خطا کا وہم گذرے۔ تعظیم، خوف و رجا، ایسے ہو سکتے ہیں کہ ان میں حیا نہ ہو۔ اگر تقصیر اور گناہ کے ارتکاب کا وہم نہ ہو تو اس حالت میں حیا نہ ہوگی۔

حیا کا سبب

حیا یہ سمجھنے سے پیدا ہوتی ہے کہ آدمی یہ خیال کرے کہ میں اپنے خالق و مالک، محسن حقیقی کی عبادت میں قصور وار ہوں۔ اور اس کے اتنے بڑے حق کے ادا کرنے سے عاجز۔ میرے نفس میں یہ یہ آفتیں اور عیب ہیں۔ اخلاق کی کمی ہے۔ اور باطن کا خبث زیادہ۔ باوجود اس کے اپنے افعال سے یہ فائدہ چاہتا ہوں۔ اور وہ خالق و مالک میرے باطن کا جاننے والا ہے، اور کتنے ہی باریک اور پوشیدہ وسوسے کیوں نہ ہوں، سب سے آگاہ ہے۔ پس جب یہ معرفت حاصل ہوگی تو ضرور ایک حالت پیدا ہو جائے گی، جسے حیا کہتے ہیں۔

غرض ان (۶) چھ امروں کا ہونا ضروری ہے۔ ان کے بغیر نماز کامل ہونے اور درجۂ قبولیت تک پہنچنے میں سخت خطرہ ہے۔ کیونکہ اِن اُمور سے نماز کی روح پوری اور مکمل ہوتی ہے۔ جس طرح یہ اُمور علیحدہ علیحدہ ہیں ان کے پیدا ہونے کے اسباب بھی الگ الگ ہیں۔ جن کو ہم نے بطور اشارہ بیان کر دیا ہے۔ ایک طالب حق جس سے بخوبی سمجھ سکتا ہے کہ اِن اُمور کے حاصل کرنے کے لئے ان کے اسباب کو پیدا کرنا چاہئے، کیونکہ جس سبب سے جس صفت کا وجود ہے، جب وہ پیدا ہو جائے گا وہ صفت بھی پیدا ہو جائے گی۔

الحاصل یہ چھ اُمور باطنی جو بیان کئے گئے ہیں، کوئی آنکھیں رکھنے والا اگر دیکھے اور غفلت اور جہالت کی پٹی اُتار کر اِن پر غور کرے تو وہ سمجھ سکتا ہے کہ اس نے کہاں تک اپنی نماز کو اپنے خالق و مالک کی مرضی کے موافق اس کو بامراتب عبادت کی صورت میں ادا کیا ہے۔ افسوس ہے کہ فی زمانہ عام مسلمانوں نے اِن اُمور کی طرف سے بالکل توجہ ہٹالی ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ وہ نماز کے حقیقی فوائد سے بِالکُل کورے اور بیگانہ ہو رہے ہیں۔ ظلم تو یہ ہے کہ بعض اہل علم ظاہری نے یہاں تک حد سے تجاوز کیا ہے کہ علانیہ اس کے کہنے میں شرم نہیں کی کہ نماز میں

روحانیت کا کوئی لحاظ ضروری نہیں ہے۔ ایسے لوگوں نے نماز کی قدر ہرگز نہیں کی' جس کا سبب محض جہالت اور ناواقفیت ہے۔ ورنہ یہ کوئی ایسا مسئلہ نہ تھا جو سمجھ میں نہ آتا۔

پس بے حضوری کی نماز پڑھنے سے اُخروی عذاب کے آثار کلیۃً انسان کے جسم و روح سے معدوم نہیں ہوتے، بلکہ مرنے کے بعد مختلف موذی رنگوں میں نمودار ہو کر برزخ میں صاحب عمل کو گھیر لیتے ہیں۔ بہر حال اگر حضور دل سے نماز ادا ہو تو عذاب دارین سے نجات مل جاتی ہے۔ سب سے بڑھ کر اس میں خوشخبری کی بات یہ ہے کہ حضور دل کی نماز سے حُصولِ دیدار الٰہی کی یقینی وقوی اُمید ہے۔ حضور دل کی نماز دیدار الٰہی کے لئے روحانی آنکھوں کی بینائی کو تیز کرتی جاتی ہے۔ یہی نماز ہے جو دیدار الٰہی کے لئے آنکھوں کا کام دے گی۔ یہ امر بھی مشاہدہ میں آچکا ہے کہ حضور دل کی نماز پڑھنے سے دنیا ہی میں روحانی چشم سے رفع حجاب اور کشفِ انوار اور حقائق اشیاء کا انکشاف کم و بیش ہوتا رہتا ہے۔ احادیث نبویہ میں اس کے متعلق صریح اشارات ملتے ہیں۔

ہر کہ صیقل بیش کردہ بیش دید بیشتر آمد برو صورت پدید

اب ہم ذیل میں چند نمونے اصلی اور حقیقی نماز پڑھنے والوں کے بیان کرتے ہیں تاکہ یہ مسئلہ بالکل واضح ہو جائے اور طالب حق کے دل میں کوئی خدشہ باقی نہ رہ جائے۔

سلفِ صالحین کی نماز

حضور انور ﷺ کی نماز کی حالت و کیفیت

۱۔ حضرت اُم المومنین عائشہ صدیقہ (رضی اللہ عنہا) فرماتی ہیں کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہم سے باتیں کیا کرتے تھے اور ہم آپ سے۔ مگر نماز کے وقت اللہ تعالیٰ کی عظمت میں اس طرح مصروف ہو جاتے تھے کہ ہم تو آپ کو جانتے تھے اور آپ ہم کو نہیں پہچانتے تھے۔

۲۔ آپ بکمال خضوع وخشوع نماز پڑھتے۔ انتہا درجہ کے سوز و گداز قلبی سے نماز میں کھڑے ہوتے۔ بسا اوقات سجدے میں اس قدر طول کرتے کہ دیکھنے والا گمان کرتا کہ آپ کی روح پاک بدن مبارک سے مفارقت کر چکی ہے۔ آپ نماز میں بہت گریہ و زاری کرتے۔ دیکھنے والے بسا اوقات نماز میں آپ کے انتقال فرمانے کا یقین کرنے لگتے تھے۔ (مشکوٰۃ شریف)

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ہمارے سید و مولا حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ درجہ حضور و محویت و تجرد ماسوی اللہ و تبتل الی اللہ نماز میں حاصل تھا۔ آپ کا تو رتبہ بڑا عالی اور عظیم الشان ہے، کیونکہ آپ خاتم الرسل سید الانبیاء تھے۔ یہ درجات آپ کے ادنیٰ غلاموں کے غلاموں اور ادنیٰ پیروان و متبعان کو حاصل تھے۔ ذیل میں ایسے چند واقعات اور اقوال درج کیے جاتے ہیں، تاکہ یہ واضح ہو جائے کہ جس چیز کو آج محال اور ناممکن سمجھا جاتا ہے وہ ابتدائے اسلام میں ایک ادنیٰ اور معمولی بات تھی۔

ایک صحابی کی نماز

ا۔ ایک موقع (جنگ ذات الرقاع) پر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دو صحابی ایک مہاجر اور ایک انصاری کو ایک جگہ پہرہ پر کھڑا کیا۔ ایک (مہاجر) لیٹ گیا، دوسرا (انصاری) نماز (نوافل) پڑھنے لگ گیا، ایک شخص (جو دشمن تھا) آیا۔ اور اس نے اس خیال سے کہ یہ پہرہ دار ہے اس پر تیر چلایا۔ اس صحابی کے بدن سے تیر لگنے کی وجہ سے خون جاری ہو گیا، اس بد بخت نے پھر دو تیر اور مار دیئے۔ مگر اس صحابی نے کچھ پرواہ نہ کی۔ اور اپنی نماز پوری کر لی۔ پھر مہاجر بیدار ہوا اور دشمن نے سمجھا کہ یہ خبر دار ہو گئے ہیں تو وہ بھاگ گیا۔ مہاجر نے جب انصاری کا خون دیکھا تو اپنے ساتھی (انصاری) سے کہنے لگا کہ آپ نے مجھے پہلے تیر کے وقت کیوں نہ جگا دیا؟ اس نے جواب دیا میں سورۂ کہف پڑھ رہا تھا۔ میرے دل نے نہ چاہا کہ میں اس کو نا تمام چھوڑوں (ابوداؤد: صفحہ ۲۴، واصلہ فی البخاری: صفحہ ۲۹)

اس واقعہ سے (جو بالکل مستند اور معتبر ہے) ایک ذی عقل اور صاحب ہوش آدمی کو پتہ لگ سکتا ہے کہ صحابہ کرام کی پاک جماعت میں ایسے بہت اصحاب تھے، جن کی یہ حالت تھی کہ تین تیر کاری لگیں اور بدن سے خون جاری ہو جائے اور وہاں یہ خبر بھی نہ ہو کہ کس کو لگے ہیں۔ یہ از خود رفتگی و محویت نہیں تو اور کیا ہے؟ جس سے معتقدین و منکرین دونوں اپنی اپنی حالتوں کا موازنہ کر سکتے ہیں۔

حضرت علیؓ کی نماز کی کیفیت و محویت

۲۔ حضرت امیر المومنین سیدنا علی (رضی اللہ عنہ) کا یہ حال تھا کہ نماز کے وقت آپ کانپنے لگ جاتے تھے اور چہرے کا رنگ بدل جایا کرتا تھا۔ آپ سے لوگ پوچھا کرتے تھے کہ اے

امیر المومنین کیا حال ہے؟ جواب میں فرمایا کرتے تھے کہ جس امانت کو آسمان و زمین اور پہاڑ نہ اُٹھا سکے اور انکار کر دیا اور انسان نے اس کو اُٹھا لیا، اب اس کا وقت آ گیا ہے۔ (احیاء العلوم)

آپ کی نسبت صحیح حدیث میں آیا ہے کہ ایک دفعہ آپ ہمہ تن محو اور از خود رفتہ ہو کر ایسے غرق ہو گئے کہ آپ کے بدن سے حس جاتا رہا اور تیر مسموم آپ کے پاؤں سے نکالا گیا اور آپ کو مطلق خبر نہ ہوئی۔

حضرت امام زین العابدین (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ وضو کے وقت آپ (یعنی حضرت علیؓ) کا رنگ زرد ہو جاتا تھا۔ گھر والوں نے آپ کی خدمت میں عرض کیا کہ وضو کے وقت آپ کا ایسا حال کیوں ہوتا ہے؟ تو آپ نے جواب دیا کیا تم نہیں جانتے کہ میں کس کے سامنے کھڑا ہونے والا ہوں؟ (احیاء العلوم)

امام زین العابدینؒ کی نماز کا واقعہ

۳۔ ایک دفعہ حضرت امام سید الساجدین زین العابدین (رضی اللہ عنہ) نماز میں کھڑے ہوئے۔ آپ کے پاس والے مکان میں اتفاقاً آگ لگ گئی۔ اور رفتہ رفتہ اس کے شعلے بلند ہونے لگے۔ لوگوں نے ہر چند پکار پکار کر کہا: اے ابن رسول اللہ آگ لگ گئی ہے، مگر آپ نے کچھ پرواہ نہ کی اور اپنی نماز طمانیت کے ساتھ پوری کی۔ جب آپ نماز سے فارغ ہو چکے تو آپ سے پوچھا گیا کہ ائے امام آپ نے ہماری پکار کو کیوں نہیں سنا؟ آپ نے جواب میں فرمایا مجھے اس آگ کے خیال سے ایک اور آگ نے روک رکھا تھا، (یعنی وہ دوزخ کی آگ یا عشق الٰہی کی آگ)۔ اور بعض روایتوں میں یہ ہے کہ آپ نے جواب میں فرمایا کہ مکان در کنار رہا، میں وہاں موجود تھا جہاں مجھے اپنے وجود کی بھی خبر نہ تھی۔

مسلم بن یسارؒ کی نماز میں محویت

۴۔ حضرت مسلم بن یسار (علیہ الرحمہ) کی نسبت بیان کیا گیا ہے کہ نماز پڑھنے کے وقت اپنے گھر والوں سے کہا کرتے تھے کہ اب تم آپس میں باتیں کرو۔ میں اب تمہاری باتیں نہیں سنوں گا۔ ایک روز بصرے کی جامع مسجد میں نماز پڑھ رہے تھے۔ اتفاق سے مسجد کی ایک طرف گر گئی۔ جس کی وجہ سے لوگ جمع ہو گئے۔ مگر ان کو کچھ خبر نہ ہوئی۔ جب نماز سے فارغ ہوئے تو اس وقت معلوم ہوا۔

بایزید بسطامیؒ کی نماز

۵۔سلطان العارفین حضرت بایزید بسطامی قدس سرہٗ السامی نماز میں ایسے مستغرق رہتے تھے کہ آپ کا ایک مرید بیس برس تک برابر آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا رہا۔ اور ہر روز اس کو پوچھا کرتے کہ تمہارا کیا نام ہے؟ ایک دن اس نے عرض کیا: یا حضرت میں بیس برس سے آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوتا ہوں اور ہر روز جس وقت آپ کے حضور میں آتا ہوں تو آپ میرا نام پوچھتے ہیں! اس کی کیا وجہ ہے؟ آپ نے فرمایا: میں تم سے مسخری[1] کی راہ سے نہیں پوچھتا، لیکن جب ایک نام میرے دل پر غالب آ گیا ہے۔ اور ایک (خدا) کی یاد نے میرے دل پر غلبہ کر لیا ہے تو باقی تمام ناموں کو میں نے بھلا دیا ہے۔ جس وقت تیرا نام لینا چاہتا ہوں اس نام کی غیرت سے تیرا نام میری یاد سے چوک جاتا ہے۔

خواہم کہ بیخ صحبتِ اغیار برکنم — در باغِ دل رہا نکنم جز نہالِ دوست

درحقیقت خدا کی یاد اور نماز ایک ایسی اعلیٰ درجہ کی روحانی پاک شراب ہے کہ جب عاشقانِ مولا اس سے مست ہوتے ہیں تو سو برس کی راہ ایک گھڑی میں طے کرتے ہیں اور ماسوی اللہ کو بالکل بھول جاتے ہیں۔ خدا کی یاد ایسی دولت ہے کہ جو اس کے ساتھ دل لگاتا ہے وہ عالم بالا پر پرواز کرنے کی قوت و طاقت حاصل کر لیتا ہے۔ اور تمام بے معنی خرخشوں[2] اور بیکار جھگڑوں سے الگ ہو جاتا ہے۔

زلوحِ خاطرِ عاطر غبارِ غیر بشو — کہ شرطِ عشق بود دل یکے و یار یکے

حضرت سعید تنوخیؒ کی نماز

۶۔حضرت سعید تنوخی (علیہ الرحمۃ) جب نماز پڑھتے تھے تو آپ کی آنکھوں سے آنسو اتنے گرتے تھے کہ رخساروں پر سے داڑھی پر بھی گر کر نہیں تھمتے تھے۔ اللہ اکبر! کس قدر خشیت اور ہیبت الٰہی ان لوگوں کے دلوں میں تھی!، اگر یہ نہیں تو پھر نماز میں لطف بھی نہیں۔ یہی وجہ تھی کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز میں ایک شخص کو دیکھا کہ اپنی ڈاڑھی سے کھیل رہا ہے۔ تو آپ نے فرمایا: ''اس کا دل مومن ہوتا تو اس کے اعضاء بھی فروتن ہوتے''۔

[1] مسخری= خوش طبعی، ظرافت، مسخرہ پن۔

[2] خرخشہ= جھگڑا، بکھیڑا، لفظی جھڑپ، فضول بحث۔

حضرت سفیان ثوریؒ کی نماز کا ایک واقعہ

۷۔ حضرت سفیان ثوری (علیہ الرحمۃ) ایک دن مغرب کی نماز پڑھ رہے تھے۔ سورۂ فاتحہ شروع کی، جب ﴿ایاک نعبد و ایاک نستعین﴾ پر پہنچے تو بیخود ہوکر گر پڑے۔ اور دیر تک عالمِ بیہوشی میں رہے۔ جب ہوش میں آئے تو کسی نے ان سے پوچھا کہ آپ کیوں گر پڑے؟ آپ نے فرمایا: اے بے خبر حق سبحانہ وتعالیٰ شانہٗ کے دربار میں کھڑے ہوکر کیوں جگر نہ ٹوٹے؟ کہ جہاں کھڑا ہوکر کہتا ہوں کہ خدایا میں تجھ سے ہی شب و روز مدد مانگتا ہوں۔ اگر خداوند پاک یہ فرمادے کہ پھر تو دوسروں سے کیوں جستجو کرتا ہے، اس لئے کہ تو صرف تدبیر کا پابند ہے میری تقدیر کا شاکر نہیں۔ جب یہ خیال میرے دل میں آیا تو نہایت شرم سے غرقاب ہوکر گر پڑا کہ بیشک میں جو کچھ کہتا ہوں اس پر میرا عمل نہیں''۔ (اسرار الصلوٰۃ)

حضرت امام اعظمؒ کی نماز کی کیفیت

۸۔ حضرت امام الائمہ رئیس الفقہاء فخر المحدثین امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ایک روز نماز عشاء ادا کررہے تھے۔ جس میں امام نے سورۃ اذا زلزلت پڑھی۔ اخیر کی آیتیں سن کر حضرت امام کے باطن کی آنکھیں کھل گئیں۔ اور آپ نے اپنی نماز کو معہ اعمال کے عالم الغیب کے روبرو پایا۔ اس خیال سے قلب پر ایک بجلی سی گری اور بیخود ہوگئے۔ اور نمازی تو نماز پڑھ کر چلے گئے۔ مگر آپ صبح تک اسی جگہ اسی صورت سے بیٹھے کہ داڑھی مبارک ہاتھ میں تھی۔ اور بار بار عاجزانہ لہجہ میں کہتے تھے: اے وہ جو ذرہ بھر نیکی اور ذرہ بھر بدی دونوں کا بدلہ دیگا! اپنے غلام نُعمان کو دوزخ سے بچانا۔ (سیرۃ النعمان)

حضرت زرارہ بن اوفیٰؒ کا نماز میں جاں بحق ہونا

۹۔ بصرہ کے قاضی، بنی قشیر کے امام زرارہ بن اوفیٰ ایک مشہور بزرگ تھے۔ آپ فجر کی نماز پڑھا رہے تھے، جماعت میں ایک کثیر انبوہ تھا۔ آپ پڑھتے پڑھتے جب اس آیۃ شریفہ پر پہنچے:

﴿فاذا نقر فی الناقور ○ فذٰلک یومئذ یوم عسیر﴾ (المدثر: ۸۔۹)

جس کا مطلب یہ ہے: ''جب کرنا (صور) میں پھونک ماری جائے گی (محشر کے لئے) تو وہ دن کافروں پر بڑا سخت ہوگا''۔ یہ پڑھتے ہی آپ گر پڑے۔ اور جان بحق تسلیم ہوگئے۔ راوی کہتا ہے کہ میں بھی ان لوگوں میں شامل تھا جو ان کو اُٹھا کر گھر لے گئے تھے۔ (ترمذی: ص: ۱۶۱)

عبداللہ ابن جعفرؓ صحابی کی نماز کی برکت

۱۰۔ حضرت عبداللہ ابن جعفر (رضی اللہ عنہ) نے ایک اپنے قرضہ میں اپنے مقروض (عبداللہ ابن الزبیرؓ) سے دس لاکھ درہم کے بدلہ میں ایک قطعہ زمین خریدا، جو نہایت خراب' ویران' نا قابل زراعت' سخت بنجر تھا۔ حضرت ابن جعفرؓ نے وہ سخت بنجر زمین کا ٹکڑا لے کر اپنے غلام سے فرمایا: کہ اس زمین میں سخت سے سخت جگہ دیکھ کر میری جانماز بچھادے۔ آپ کے غلام نے ایک نہایت سخت نا قابل زمین پر آپ کا مصلے بچھایا۔ حضرت ابن جعفرؓ نے وہاں کھڑے ہو کر دو رکعتیں پڑھیں۔ سجدے میں جا کر اس قدر خدا کے سامنے روئے کہ سارا مصلّٰی آپ کے آنسوؤں سے تر ہو گیا۔ پھر نماز سے فارغ ہو کر کچھ دعا مانگی، اس کے بعد غلام سے فرمایا کہ میری جانماز کے نیچے سے زمین کھودنی شروع کرو۔ یہ ساری زمین جو آپ کے حصہ میں آئی تھی' ایسی تھی کہ یہاں نہ کوئی کنواں موجود تھا اور نہ یہاں کنواں کھد سکتا تھا۔ لیکن خدائے قادر و توانا کی قدرت، آپ کی نماز کی وہ برکت تھی کہ جب آپ کے غلام نے مصلّٰی اُٹھا کر تھوڑی سی زمین کو کھودا تھا کہ قدرت الٰہی کا بنا ہوا چشمہ' نہایت شیریں پانی کا غیب سے نمودار ہوا۔ لوگ آپ کی کرامت دیکھ کر نہایت حیران ہوئے۔

حضرت عبداللہ ابن الزبیرؓ متوفی (مقروض) کے صاحبزادے نے آپ سے عرض کیا کہ اگر آپ یہ معاملہ زمین کا واپس کر لیں، تو بڑی عنایت ہوگی۔ آپ نے فرمایا کہ تمہاری دی ہوئی زمین تو میں واپس کر سکتا ہوں۔ لیکن رحمت الٰہی کا چشمہ جو میری نماز اور دعا کی برکت سے خدا نے مجھے عنایت کیا ہے' وہ میں آپ کو کس طرح واپس دے سکتا۔ یہ کرامت کا کنواں ایسا غیب سے ظاہر ہوا تھا کہ یہ ٹکڑا زمین کا' جو سب قطعوں سے زیادہ خراب اور بہت ویران تھا، لیکن اب سارے مدینہ منورہ میں اس زمین سے زیادہ گلزار' باغ و بہار کی کوئی جگہ نہ تھی۔ یہاں ایسا نادر اور سرسبز باغ لگایا گیا جس کا جواب دور دور تک نہ تھا۔ (اسد الغابہ)

حضرت اسید بن حضیرؓ صحابی کی نماز میں ملائکہ کا نزول

۱۱۔ حضرت اسید بن حضیر صحابیؓ اپنے گھر میں تہجد کی نماز پڑھ رہے تھے۔ مکان کے چھوٹا ہونے کی وجہ سے سواری کا گھوڑا آپ کے پاس ہی بندھا ہوا تھا۔ گھوڑے کے قریب آپ کے صغیر سن[1] بچے کی چارپائی تھی جس پر آپ کا بچہ سویا پڑا تھا، یکا یک آپ کی قراءت کے ساتھ آپ

[1] صغیر سِن = کم عمر، چھوٹا، نابالغ۔

کا گھوڑا کودنے شوخی کرنے لگ گیا۔ حضرت اسیدؓ بچے کے خیال سے کہ مبادا کہیں گھوڑا بچے کو لات ماردے ذرا خاموش ہوئے گھوڑا بھی ٹھہر گیا۔ ذرا سا توقف کر کے پھر پڑھنا شروع کیا۔ گھوڑا بھی کودنے لگا اور حالت یہ ہونے لگی کہ آپ ٹھہر گئے، گھوڑا بھی ٹھہرایا گیا۔ اگر آپ نے پڑھنا شروع کیا گھوڑے نے شوخی اور شرارت سے کودنا اُچھلنا شروع کر دیا۔ جب کئی دفعہ متواتر ایسا موقع ہوا تب لاچار نماز کو آہستہ قراءت سے پورا کیا۔ سلام پھیر کر آسمان کی طرف دیکھا تو آنکھ اُٹھاتے ہی ایک ابر سفید رنگ کا نظر آیا۔ اس ابر میں سینکڑوں چراغ روشن تھے، وہ ابر معہ روشنی حضرت اسیدؓ کی قراءت سے آپ کے گھر میں اُترا چلا آتا تھا۔ مگر قراءت موقوف کرنے سے وہ ابر اسی طرح واپس آسمان کی طرف چلا گیا۔

صبح کو یہ ساری کیفیت حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں عرض کی، آپ نے سن کر فرمایا کہ افسوس! اے اسیدؓ کیا اچھا ہوتا! جو تم اسی طرح صبح تک قرآن مجید پڑھتے رہتے تو آج سارے مدینہ کے لوگ وہ ابر اور وہ چراغ دیکھ لیتے، وہ آسمان کے فرشتے تھے جو تمہارا قرآن سننے کے لئے تمہارے گھر میں بطور مہمان چلے آرہے تھے۔ اگر تم صبح تک اسی طرح قراءت کو جاری رکھتے تو سب لوگ کھلم کھلا فرشتوں کی زیارت کر لیتے۔ تم گھوڑے سے ڈر کر قراءت موقوف کر بیٹھے، وہ ملائکہ بھی واپس چلے گئے۔ (ترمذی شریف)

عامر بن قیسؒ کے لئے نماز کی محافظت

۱۲۔ عامر بن قیس علیہ الرحمۃ ایک بار جنگل میں (جہاں سانپ بکثرت رہتے تھے)' رات کو نماز پڑھنے لگے، مغرب کے وقت ایک عابد نصرانی نے ان کو اپنے مکان پر جانے کو کہا مگر آپ نے غیر مسلم کا مکان سمجھ کر انکار کر دیا۔ اور کہہ دیا کہ میرا خدا حافظ ہے، وہ عابد نصرانی اپنے مکان کی چھت پر جا کر سو گیا۔ آدھی رات کو اُٹھ کر کیا دیکھتا ہے کہ آپ نماز میں مشغول ہیں اور ایک شیر آپ کے گرد پہرا دے رہا ہے۔ صبح کو وہ شیر دُم ہلاتا چلا گیا۔ وہ عابد صبح کو حاضر ہو کر مشرف بہ اسلام ہو گیا۔

صحابہ کرام و دیگر ائمہ والا مقام' بزرگان دین' صوفیائے عظام کے ایسے واقعات و حالات کو اگر بیان کیا جائے تو ان کے لئے ایک بڑی ضخیم اور طویل کتاب بھی کافی نہیں ہو سکتی۔ امام منذری (رحمۃ اللہ علیہ) نے کتاب ''ترغیب وترہیب'' میں بکثرت نقل کئے ہیں۔ اور اکثر کتب تصوف ایسے مضامین سے پُر ہیں۔ اور بہت سی کتب تواریخ وملفوظات اولیاء اللہ بھی ان کے

بیان سے مالا مال ہیں۔ طالب کو ان کتابوں کا مطالعہ کرنا چاہیے۔ ذیل میں چند اقوال بزرگان سلف سے نقل کئے جاتے ہیں۔ جن سے نماز کی روحانی اور باطنی کیفیت واضح ہو جائے گی۔

بکر بن عبداللہؒ کا قول

ا۔ حضرت بکر بن عبداللہ (علیہ الرحمتہ) فرماتے ہیں کہ: اے ابن آدم! اگر تو چاہتا ہے کہ اجازت کے سوا اپنے آقا کے پاس جائے اور کسی درمیانی وسیلہ کے سوا اس سے بات چیت کرے تو ممکن ہے، لوگوں نے (حیران ہو کر) پوچھا: کیونکر؟ آپ نے فرمایا: کامل وضو کر کے محراب میں کھڑے ہو جاؤ، اجازت کے سوائے اپنے آقا کے روبرو پہنچ جاؤ گے۔ اور بلا ذریعہ اس سے باتیں کرو گے۔

حلف بن ایوبؒ کا قول

۲۔ حلف بن ایوب (علیہ الرحمہ) سے کسی نے پوچھا: کیا آپ کو مکھی نہیں ستاتی، کیونکہ آپ نماز میں اس کو بالکل نہیں ہٹاتے؟ آپ نے فرمایا کہ میں اپنے نفس کو اس چیز کا عادی نہیں کیا، جو میری نماز کو فاسد کرے، سائل نے مکرر عرض کیا کہ آپ کو صبر کیونکر ہوتا ہے؟ آپ نے فرمایا: گنہگار جب شاہی کوڑے لگتے ہیں تو وہ ان میں صرف اس واسطے صبر کرتے ہیں کہ لوگ ان کو بڑا صابر کہیں۔ اور ثابت قدمی کا آپس میں فخر کرتے ہیں۔ اور نماز میں تو میں اپنے پروردگار کے سامنے ہوتا ہوں۔ پھر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ میں مکھی سے گھبرا کر جنبش کروں۔

حاتم اصمؒ کا قول

۳۔ حضرت حاتم اصم (علیہ الرحمتہ) سے کسی نے ان کی نماز کا حال پوچھا۔ آپ نے فرمایا: نماز کے وقت کامل وضو کر کے نماز کی جگہ بیٹھ جاتا ہوں۔ اور جب تک میرے سب اعضاء مطمئن نہیں ہو جاتے' وہاں بیٹھا رہتا ہوں۔ پھر اُٹھ کر کعبۂ معظّمہ کو اپنے ابرؤوں کے سامنے کرتا ہوں۔ پُل صراط کو قدموں کے نیچے، جنت کو دائیں ہاتھ۔ دوزخ کو بائیں طرف۔ ملک الموت کو پیٹھ کے پیچھے، اور اس کو سب سے پہلی نماز سمجھتا ہوں۔ پھر کھڑا ہوا خوف اور اُمید میں بلند آواز سے اللہ اکبر کہتا ہوں، اچھی طرح قراءت پڑھتا ہوں۔ فروتنی سے رکوع کرتا ہوں۔ خشوع سے سجدہ۔ بائیں چوتڑ (سرین) پر بیٹھ کر بائیں پاؤں کو بچھا دیتا ہوں۔ اور

دائیں پاؤں کے انگوٹھے کو کھڑا۔ ساری نماز میں اخلاص رکھتا ہوں۔ اور پھر معلوم نہیں کہ قبول ہوئی یا نہیں؟

حضرت ابن عباسؓ کا قول

۴۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ دو رکعتیں متوسط فکر (یعنی فروتنی) سے سوچ کر پڑھنی رات بھر کی شب بیداری سے جس میں دل غافل ہو، بہتر ہیں۔

مولوی معنوی کا قول

۵۔ اسی نماز کے متعلق حضرت مولانا رومیؒ فرماتے ہیں۔

پیش حق یک نعرہ از روئے نیاز   بہ کہ عمرے بے نیاز اندر نماز

جس کا مطلب یہ ہے کہ عاجزی اور فروتنی اور حضور دل سے ایک تکبیر کہنی ساری عمر کی اس نماز سے جو غفلت اور بے پروائی سے پڑھی گئی ہو، بہتر ہے''۔

حضرت بایزیدؒ کی نماز کا ایک قابل حیرت واقعہ

۶۔ حضرت بایزید بسطامی (رحمۃ اللہ علیہ) ایک رات کو نماز پڑھ رہے تھے۔ مریدوں نے دیکھا کہ جہاں آپ نماز پڑھ رہے ہیں، وہاں تازہ تازہ خون بہہ رہا ہے۔ اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیسے کسی نے گائے ذبح کی ہے۔ صبح کو اُٹھ کر دیکھنے والے مریدوں نے عرض کیا کہ رات کی عجب کیفیت سے ہم متحیر ہیں۔ اس میں کیا بھید تھا؟ آپ[1] نے فرمایا کہ رات کو جب میں نے نماز کی نیت باندھی تو عرش الٰہی کے سامنے پہنچ گیا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ عرش الٰہی ایسے ہانپ رہا ہے جیسے کوئی جانور ہانپتا ہے۔ میں نے اس سے کہا اے عرش! میرے محبوب کا نشان بتا۔ کیونکہ ہم کو تیرے پاس کا پتہ دیا گیا ہے (قرآن حکیم فرماتا ہے):

﴿الرحمن علی العرش استویٰ﴾

''رحمٰن کا نشان عرش کے پاس ہے''۔

عرش الٰہی نے جواب دیا کہ اے بایزید تمہیں یہ نشان دیا گیا ہے کہ رب العالمین عرش

---

[1] اس جواب میں خون بہنے کی وجہ مذکور نہیں، بظاہر اس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ حضرت کا عرش سے متاثر ہونا اس کا باعث بنا ۱۲۔ حاشیۂ محمد صدر الدین

کے قریب ہے اور عرش سے یہ کہا گیا ہے کہ رب العالمین محبوب حقیقی مومنین عارفین کے دل میں رہتا ہے، وہاں ملے گا۔ (تذکرۃ الاولیاء)

ہے جس کے ساتھ ساتھ یہاں دل نماز میں — طے کر گیا وہ عشق کی منزل نماز میں
ظاہر میں دست بستہ ہیں، قید مقام میں — پر قطع کرتے ہیں وہ مراحل نماز میں
کچھ بھی رہے نہ دل میں پھر اللہ کے سوا — جو دِل رہے نماز کے قابل نماز میں
سچا وہی نماز میں باندھے ہوئے ہے ہاتھ — دنیا سے باندھ لیوے جو محمل نماز میں

نماز گناہوں سے روک لیتی ہے

ابی الیسر صحابیؓ کا واقعہ

حضرت ابی الیسر صحابیؓ اپنا کچا چٹھا بیان کرتے ہیں کہ ایک روز میری دوکان پر ایک عورت کچھ کھجوریں خریدنے آئی۔ میرے جی میں کچھ بدی آئی۔ اس بھولی بھالی بی بی سے میں نے کہا کہ اندر کے مکان میں تازی کھجوریں ہیں، وہاں جا کر دیکھ لو، وہ بیچاری سیدھی مکان کے اندر چلی آئی، میرے نفس کی شامت نے اس کا بوسہ لے لیا۔ یہ فعل غلطی سے مجھ سے تو ہو گیا مگر ساتھ ہی مارے ڈر کے میری جان نکلنے لگی۔ ڈرتا ہوا طبیب روحانی، حکیم حقانی سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار میں پہنچا۔ اور سارا ماجرا کہہ سنایا، گو کہنے کے قابل نہ تھا مگر کہنا پڑا۔ حضور نے سن کر فرمایا کہ وہ عورت تو ایک بڑے مجاہد کی تھی تو نے اس کے ساتھ ایسا فعل کیا۔ آپ بہت کچھ خفا اور ناراض ہوئے۔ ابوالیسر کہتے ہیں کہ مجھ کو گمان ہو گیا کہ اب تو مارا گیا۔ جہنم واصل ہوا۔ حضور مارے رنج کے خاموش گردن جھکائے بیٹھے تھے کہ اچانک آپ پر نزول وحی شروع ہوا:

﴿و أقِمِ الصلٰوة طرفی النهار و زلفا من اللیل ان الحسنات یذهبن السیئات﴾ (الھود:۱۱۴)

نیکی ایسی برائیوں کو دھو ڈالتی ہے۔ یہ سنکر صحابہ کرام نے عرض کیا کہ یہ حکم خاص اسی شخص کے حق میں ہے۔ یا دوسرے لوگ بھی اس میں شامل ہیں؟ تو حضور نے فرمایا کہ یہ اور تم اور سب مسلمان (موجودہ اور آئندہ) اس میں شامل ہیں۔ (بخاری شریف)

ایک جوان انصاری کا قصہ

۲۔ حضرت انس (رضی اللہ عنہ) فرماتے ہیں کہ ایک جوان انصاری قوم کا' یہ ظلم کرتا تھا کہ نماز تو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے جماعت سے ادا کرتا۔ پھر دنیا بھر کے گناہ؛ چھل بٹے، چوری، ڈاکہ، غرضکہ کسی قسم کا گناہ ہو'ایک نہ چھوڑتا۔ کسی نے یہ بات حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں عرض کی، آپ نے فرمایا کہ (کچھ ڈر نہیں) ایسے مرضوں کے لئے نماز بڑی دوا ہے۔ ایک دن وہ آپ سے آپ سب کچھ چھوڑ دے گا۔ تھوڑے ہی روز گذرے تھے کہ وہ جوان تائب اور بڑا نیک بخت ہوگیا۔ یہ سن کر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہمیں تو پہلے سے اطمینان تھا۔ اس کے آثار پہلے ہی سے بتا رہے تھے کہ وہ شخص ایک دن نماز کے طفیل کچھ ہو کر رہے گا' سو ہوگیا۔ (معالم التنزیل' واحمد' بیہقی)

ایک عاشق مزاج کی نماز کا دلچسپ واقعہ

۳۔ ایک رند مشرب کسی پارسا بی بی کا تقدیر سے عاشق ہوگیا۔ اور اس عصمت مآب کے پاس نامہ و پیام بھیجنے لگا۔ اس پارسا بی بی نے تنگ آ کر ایک دن اپنے شوہر سے جو بڑا نیک اور صالح شخص تھا' یہ ذکر کر دیا کہ فلاں شخص ایسے خراب اور ناپاک خیالات رکھتا ہے، اس کا کچھ علاج کرنا چاہئے۔ خاوند نے کہا کہ اب اگر کوئی اس کے پاس سے آجائے تو اسے کہلا بھیجنا کہ ہمیں تمہاری ہر بات منظور ہے، مگر ایک شرط سے۔ اور وہ یہ ہے کہ چالیس دن تک تم بلا ناغہ نماز ہمارے میاں (شوہر) کے پیچھے پڑھ لو۔ جو کچھ تم ہم سے کہو گے وہ ہمیں منظور ہوگا۔ اور تم جو چاہو گے وہی ہوگا۔

عورت نے کسی موقع سے یہ پیام اپنے چاہنے والے کے پاس کہلا بھیجا، وہ شخص یہ بات سن کر بڑا خوش ہوا۔ اور یہ کہا کہ بھلا چالیس دن نماز پڑھ لینا کونسی بڑی بات ہے۔ نہا دھو کر مسجد میں آموجود ہوا۔ اور نماز پڑھنے لگا۔ ایک دن دو دن چالیس دن کی جماعت کی نماز، پھر وہ عاشق مزاج کی، اور پھر ایک نیک مردِ باخدا کے پیچھے، نورٌ علی نور! جب پورے چالیس روز نماز پڑھتے گذر گئے۔ تو اس پارسا بی بی نے آزمائش کے لئے کہلا بھیجا کہ "تم نے اپنے کام کو پورا کرلیا ہے، ہم اپنے وعدے کے ایفاء کے لئے تیار ہیں، لیجئے آیئے"۔ وہاں تو نماز اپنا کام کر چکی تھی، اللہ پاک کے عشق اور محبت کے سوائے دوسرے کی محبت کے نام سے شرم آنے لگی، جو مجازی عشق

سے کوسوں دور تھی، جواب میں کہلا بھیجا کہ جب میں آپ کی خدمت کے قابل تھا آپ نے مجھے پسند نہ کیا، اب میں توبہ کر کے اپنے مولا (خدا) کی خدمت کے قابل بن گیا، اب میں آپ کو پسند نہیں کرتا۔ پارسابی بی نے یہ تمام ماجرا اپنے خاوند کو سنایا۔ وہ بے ساختہ بولا: ''سچ ہے، نماز اپنا ایسا ہی اثر کیا کرتی ہے''۔ (نزہتہ المجالس: للنیشاپوری)

نموتناً یہ چند ایک مثالیں نقل کی گئی ہیں۔ ورنہ ہزاروں مثالیں کتابوں میں منقول ہیں۔ خود فی زمانہ ہزاروں لاکھوں ایسے اشخاص زندہ موجود ہیں کہ جن کو نماز نے ہزاروں قسم کے گناہوں سے پاک وصاف کیا ہے جن کے نام مصلحتاً لکھنے کی ضرورت نہیں۔ اوراس کا سبب اصلی یہی ہوتا ہے کہ جس کو خدائے پاک کی مقدس کتاب نے ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے کہ:

﴿ماجعل الله لرجل من قلبين في جوفه﴾ (الاحزاب:۴)

ایک دل میں دو مخالف تصور باہم قائم نہیں رہ سکتے۔ ضرور ہوگا کہ ایک غالب اور دوسرا مغلوب ہو یا ایک موجود اور دوسرا فنا ہو۔ گناہگار آدمی کو جب گناہ کا بھی خیال ہوگا اور نماز کا بھی شوق ہوگا۔ اب جدھر توفیق الٰہی رفیق ہوگی، انسان ادھر ہی متوجہ ہو جائے گا، اور یہ ظاہر ہے کہ توفیق الٰہی کا ضامن نماز کی جانب ہی آن لگے گا[1]، اور سب بُری باتیں غارت ہو جائیں گی۔

نماز کے گناہوں سے بچانے کی مثال

۴۔ حضرت ابوذر صحابیؓ فرماتے ہیں کہ ایک دن حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جاڑوں کے زمانہ میں جب پت جھڑ ہو رہا تھا' باہر تشریف لائے، اور ایک درخت کی دو شاخیں پکڑ کر ہلائیں، اس سے بہ کثرت پتّے گرنے لگے۔ پھر آپ نے فرمایا: کہ اے ابوذر! جب کوئی مسلمان خلوص دل سے نماز پڑھتا ہے تو اس کے گناہ بھی اسی طرح جھڑ جاتے ہیں جیسے اس درخت کے پتّے جھڑ رہے ہیں۔ (مسند امام احمد)

غرض نماز گناہوں کی بہترین دوا ہے جس کی نسبت حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ ایک نماز سے دوسری نماز تک جتنے صغیرہ گناہ ہوتے ہیں سب معاف ہو جاتے ہیں۔ (مشکوٰۃ شریف)

[1] یعنی آئیگا، مائل ہوگا۔

نماز کیونکر گناہ سے پاک کرتی ہے

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد

ا۔ حضرت ابوذرؓ کہتے ہیں کہ موسم زمستان میں جس طرح درختوں کے پتے جھڑنے لگتے ہیں اسی طرح نمازی کے گناہ جھڑتے رہتے ہیں۔ اور یہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے، جیسا کہ اوپر گذر چکا ہے۔ نماز کس طرح گناہوں سے بچاتی ہے، اس کے لئے سب سے پہلے گناہوں کی حقیقت کو سمجھ لینے کی ضرورت ہے۔

گناہ کی حقیقت

۲۔ اگر روحانی فلاسفی کی رو سے گناہ کی حقیقت پر غور کیا جائے تو صاف کھل جاتا ہے کہ خدائے پاک اور اس کے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان بالکل درست ہے کہ ''نماز بداخلاقیوں اور بُرائیوں کی مانع ہے اور نماز سے گناہ معاف ہوجاتے ہیں''۔ کیونکہ گناہ درحقیقت ایک ایسا زہر ہے جو اس وقت پیدا ہوتا ہے کہ جب انسان اپنے مولا (خدا) کی اطاعت اور اس کی پر جوش محبت اور محبانہ یادِالٰہی سے محروم اور بے نصیب ہو۔ اور جیسا کہ ایک درخت جب زمین سے اُکھڑ جائے، اور پانی چوسنے کے قابل نہ رہے، تو وہ دن بدن خشک ہونے لگتا ہے، اور اس کی تمام سرسبزی برباد ہوجاتی ہے۔ یہی حال اس انسان کا ہوتا ہے جس کا دل خدائے پاک کی محبت سے اکھڑا ہوا ہوتا ہے۔ پس خشکی کی طرح گناہ اس پر غلبہ کرتا ہے، سو اس خشکی کا علاج خدائے پاک کے قانون قدرت میں تین طور سے ہے: (۱) محبت (۲) استغفار' جس کے معنی ہیں دبانے اور ڈھانکنے کی خواہش۔ استغفار سے اللہ تعالیٰ کی حفاظت طلب کی جاتی ہے اور انسان گناہوں سے بچتا ہے۔ کیونکہ جب تک مٹی میں درخت کی جڑیں جمی رہیں تب تک وہ سرسبزی کا اُمیدوار ہوتا ہے۔ (۳) تیسرا علاج توبہ ہے؛ یعنی زندگی کا پانی کھینچنے کے لئے تذلل کے ساتھ خدا کی طرف پھرنا اور اس سے اپنے آپ کو نزدیک کرنا اور معصیت کے حجاب سے اعمال صالحہ کے ساتھ اپنے آپ کو باہر نکالنا۔ اور یہ توبہ صرف زبان سے نہیں، بلکہ توبہ کا کمال اعمال صالحہ کے ساتھ ہے۔ تمام نیکیاں توبہ کی تکمیل کے لئے ہیں، کیونکہ سب سے مطلب یہ ہے کہ ہم خدائے تعالیٰ کے نزدیک ہوجائیں۔

دعا بھی توبہ ہے، کیونکہ اس سے بھی ہم خدائے پاک کا قرب ڈھونڈھتے ہیں۔ اسی لئے خدائے پاک نے انسان کو پیدا کر کے اس کا نام روح رکھا، کیونکہ اس کی حقیقت؛ راحت اور آرام خدا کی یاد اور اقرار اور اس کی محبت اور اس کی اطاعت میں ہے۔ اور اس کا نام نفس[1] رکھا، کیونکہ وہ خدائے پاک سے اتحاد پیدا کرنے والا ہے۔ خدائے پاک سے دل لگانا ایسا ہوتا ہے جیسا کہ باغ میں وہ درخت ہوتا ہے جو باغ کی زمین سے خوب پیوستہ ہوتا ہے۔ یہی انسان کی جنت ہے، اور اسی جنت کا عکس اگلی زندگی کی بہشت ہے، اور جس طرح درخت زمین سے پانی چوستا اور کھینچتا ہے، اور اس سے اپنے زہریلے بخارات نکالتا ہے، اسی طرح انسان کے دل کی حالت ہوتی ہے کہ وہ خدائے محبوب حقیقی کی محبت کا پانی چوس کر زہریلے مواد کے نکالنے پر قوت پاتا ہے۔ اور بڑی آسانی سے ان مواد کو رفع کرتا ہے، اور خدا میں فنا ہو کر پاک نشو و نما پاتا جاتا ہے۔ اور بہت پھیلتا' اور خوشنما سرسبزی دکھلاتا' اور اچھے پھل لاتا ہے۔ مگر جو خدا میں پیوستہ نہیں، وہ نشو و نما دینے والے پانی کو چوس نہیں سکتا، اس لئے دم بدم خشک ہوتا جاتا ہے، آخر پتے بھی گر جاتے ہیں، اور خشک اور بدشکل ٹہنیاں رہ جاتی ہیں۔

پس چونکہ گناہ کی خشکی بے تعلقی سے پیدا ہوتی ہے، اس لئے اس خشکی کے دور کرنے کے لئے سیدھا علاج ''مستحکم تعلق'' ہے، جس پر قانون قدرت گواہی دیتا ہے، اسی کی طرف قرآن حکیم اشارہ کرتا ہے۔

﴿یاَیتها النفس المطمئنة ارجعی الی ربک راضیة مرضیة فادخلی فی عبادی و ادخلی جنتی﴾ (الفجر: ۲۷۔۳۰)

''اے وہ نفس جو خدا سے آرام یافتہ ہے اپنے رب کی طرف واپس چلا آ۔ وہ تجھ سے راضی اور تو اس سے راضی، پس میرے بندوں میں داخل ہو جا اور میرے بہشت کے اندر آ جا''۔

گناہ کا علاج

۴۔ غرض گناہ کے دور کرنے کے لئے علاج صرف خدائے پاک کی محبت اور عشق ہے۔ لہذا وہ تمام اعمال صالحہ جو محبت اور عشق کے سرچشمے سے نکلتے ہیں' گناہ کی آگ پر پانی چھڑکتے ہیں، کیونکہ خدائے پاک کے لئے نیک کام کر کے اپنی محبت پر مہر لگاتا ہے۔

[1] نفس لغت میں عین شئے کے معنی رکھتا ہے۔ مؤلف

خدائے پاک کو اس طرح مان لینا کہ اس کو ہر ایک چیز پر مقدم رکھنا یہاں تک کہ اپنی جان سے بھی۔ یہ وہ مرتبہ محبت ہے جو درخت کی اس حالت سے مشابہ ہے جب کہ وہ زمین پر لگایا جاتا ہے۔

اور پھر دوسرا مرتبہ استغفار جس سے یہ مطلب ہے کہ خدائے پاک سے الگ ہو کر انسانی وجود کا پردہ نہ کھل جائے اور یہ مرتبہ درخت کی اس حالت سے مشابہ ہے جب کہ وہ زور کر کے پورے طور پر اپنی جڑیں زمین میں قائم کر لیتا ہے۔

اور پھر تیسرا مرتبہ توبہ جو اس حالت کے مشابہ ہے کہ جب درخت اپنی جڑیں پانی سے قریب کر کے بچہ کی طرح اس کو چوستا ہے۔

غرض گناہ کی فلاسفی یہی ہے کہ وہ خدائے پاک سے جدا ہو کر پیدا ہوتا ہے۔ لہٰذا اس کا دور کرنا خدائے پاک کے تعلق سے وابستہ ہے۔ پس نادان ہیں وہ لوگ جو اس کو کسی اور رنگ میں تعبیر کرتے ہیں۔ اور یہ ظاہر ہے کہ نماز محبت، استغفار، توبہ اور دعا کی جامع ہے، اور اسی سبب سے فرمایا گیا کہ نماز گناہوں کی دوا ہے۔

گناہوں سے بچنے کا سچا فلسفہ یہی ہے کہ انسان گناہ کی ضرر دینے والی حقیقت کو پہچان لے، اور اس بات پر یقین رکھ لے کہ ایک زبردست ہستی ہے جو گناہ سے نفرت رکھتی ہے، اور گناہ کرنے والے کو سزا دینے پر قادر ہے۔ اور اس خیال کو تازہ اور زندہ رکھنے والی چیز نماز ہے۔ نمازی کو ہر وقت اپنے خالق و مالک کا دھیان رہتا ہے، چلتے پھرتے بھی اس کا خیال اور تصور جما رہتا ہے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ مالک کے دیکھتے ہوئے کوئی چور چوری کی جرأت نہیں کر سکتا، جیسا کہ تمام شریروں اور خطاکاروں کا حال ہے کہ جب انھیں کسی ایسی قوت کا پورا علم ہو جاتا ہے جو ان کی اس شرارت پر سزا دینے کے لئے قادر ہے، تو ان کی شرارت کے جذبات دب جاتے ہیں، اور ان کی ساری قوتوں اور طاقتوں پر ایک موت وارد ہو جاتی ہے۔ بعینہٖ یہی حال نمازی کا ہوتا ہے کہ وہ گناہ سے خود بخود بھاگنے لگتا ہے، اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا گناہ کی قوت ہی اس میں سے مر گئی ہے۔

گناہ کی بیماری کا مجرب نسخہ

۵۔ ایک روز حضرت سلطان العارفین بایزید بسطامی (علیہ الرحمہ) بغداد کے بازار سے

گذر رہے تھے۔ایک طبیب اپنی دوکان پر بیٹھا ہوا مختلف امراض کے مریضوں کو دوائیں تقسیم کررہا تھا، جس کی وجہ سے بیماروں کا ایک ہجوم اس کے گرد لگ رہا تھا۔آپ بھی اس طبیب کے پاس جاکر کھڑے ہوگئے، طبیب بھی ایک عارف اور خداشناس نکتہ رس بزرگ تھا، اس نے تھوڑی دیر توقف کیا، اور پھر سر اُٹھا کر کہا: ہاں جناب کیسے تشریف لائے ہیں؟ آپ نے فرمایا: اے طبیب! گناہ کی بیماری کے دور کرنے کی کوئی دوا تمہارے پاس ہے؟ طبیب نے تھوڑی دیر سوچنے کے بعد کہا: ''جناب میرے پاس ہے تو سہی، لیکن تلخ بہت ہے، آپ سے وہ نسخہ کھایا نہیں جائے گا''۔آپ نے فرمایا: ''حکیم صاحب! اس بات کی پرواہ نہیں کہ وہ بہت تلخ ہے، میں اسے بخوشی کھانے کے لئے تیار ہوں'' طبیب نے کہا: درویشی کی جڑ اور صبر کے پتّے اور علم کی ہڑ اور تحمل کا بہیڑہ اور تواضع کا آنولہ اور محبت کے ہاون میں ڈال کر توفیق کے ہاتھ سے کوٹ کر فکر کی دیگ میں ڈالو، اور شوق کا پانی اس میں ڈال کر محبت کی آگ پر رکھو، جب جوش آئے تو اُمید کے پیالے میں ڈال کر توبہ کی مصری ملا کر پی لو، انشاء اللہ تعالیٰ گناہ کی بیماری دور ہوجائے گی، توبہ کا زیادہ اہتمام کرنا، کیونکہ حکیموں نے فرمایا ہے۔

جز[1] بتوبہ نتواں رست ز امراضِ گناہ   توبہ کن توبہ؛ کہ از مرض رہائی یابی

گناہ کی بیماری کا ایک اور نسخہ

۶۔حضرت امیر المومنین سیدنا علی رضی اللہ عنہ ایک دن شہر بصرہ میں کہیں تشریف لے جارہے تھے، ایک جگہ بڑا مجمع دیکھ کر دریافت فرمایا کہ یہ ہنگامہ کیسا ہے؟ لوگوں نے عرض کیا کہ یہ ایک طبیب ہے اور یہ اس کا مطب ہے جہاں بیٹھ کر وہ بیماروں کا علاج کیا کرتا ہے، یہ سب مجمع مریضوں کا ہے جو دوائی لینے کے لئے آئے ہوئے ہیں۔یہ سن کر آپ بھی مطب کے اندر تشریف لے گئے، اندر جاکر دیکھا کہ ایک جوان حسین کرسی پر بیٹھا ہوا بیماروں کے لئے دوائیں تجویز کررہا ہے۔آپ نے اس طبیب سے فرمایا: ''اے حکیم! آپ کو کوئی ایسی دوا معلوم ہے کہ جو گناہوں کی بیماری کو دور کرے، جو غافل دلوں سے غفلت کے زنگ کو زائل کرے اور بندے کو خدائے پاک سے ملائے؟'' یہ سن کر طبیب دیر تک خاموش رہا اور پھر سر اُٹھا کر عرض کیا: ''اے جناب! آپ اسلام کے باغ میں تشریف لے جائیں، وہاں پہنچ کر ایمان کا درخت تلاش کریں،

[1] یعنی توبہ کے بغیر گناہ کی بیماری سے خلاصی نہیں ملتی۔توبہ کرتوبہ؛ تاکہ مرض سے رہائی پائے۔مؤلف

اس درخت سے محبت اور عشق الٰہی کے پتّے' اخلاق کی ٹہنیاں' یقین کے پھل' توڑ کر محراب عبادت میں مصلے پر ان دواؤں کو رکھ کر سجدہ کرنے والے ماتھے کا بٹا بنا کر ان دواؤں کو پیس لیں، اگر پانی کی ضرورت ہو تو خوف الٰہی سے نکلے ہوئے آنسو ملا کر کفن کی صافی میں چھان کر قبر کے گڑھے میں جا کر پی لیں، جہاں تم کو کوئی نہ دیکھے۔ اے پوچھنے والے! یہ دوا ہے گناہوں کو دھونے والی، دل کو صاف کرنے والی اور بندے کو خدا سے ملانے والی''۔ (روض الریاحین)

اسلام میں دل کی پاکیزگی کا علاج

ے۔ غرض قرآن کریم نے یہ تعلیم دی ہے کہ ہم سچی پاکیزگی حاصل کرنے کے لئے اپنے وجود کی پاک قربانی پیش کریں جو اخلاص کے پانیوں سے دھوئی ہوئی اور صدق اور صبر کی آگ سے صاف کی ہوئی ہو، جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے:

﴿بلی من اسلم وجهه لله وهو محسن فله اجره عند ربه ولا خوف عليهم ولاهم يحزنون﴾ (البقرۃ:۱۱۲)

''جو شخص اپنے وجود کو خدائے پاک کے آگے رکھ دے، (اور اپنی زندگی اس کی راہوں میں وقف کرے) اور نیکی کرنے میں سرگرم ہو وہ سرچشمۂ قربِ الٰہی سے اپنا اجر پائے گا، اور ان لوگوں پر نہ کچھ خوف ہے نہ کچھ غم''۔

مطلب یہ کہ جو شخص اپنے تمام قویٰ کو خدائے پاک کی راہ میں لگا دے، اور خالص' خدا کے لئے اس کا قول اور فعل اور حرکت اور سکون اور تمام زندگی ہو جائے، اور حقیقی نیکی کے بجالانے میں سرگرم رہے، سو اس کو خدائے پاک اپنے پاس اجر دے گا، اور خوف وحزن سے نجات بخشے گا۔

پاک زندگی

بے شک یہ یقینی بات ہے کہ جب انسان اپنے تمام قوائی سے خدا کے لئے ہو جائے گا تو بلاشبہ اس پر انعام نازل ہوگا، جس کو دوسرے لفظوں میں پاک زندگی کہہ سکتے ہیں۔ جیسا کہ مشاہدہ میں آتا ہے کہ جب آفتاب کی طرف کھڑکی کھولی جائے تو آفتاب کی شعاعیں ضرور کھڑکی کے اندر آجاتی ہیں، ایسا ہی جب انسان خدائے پاک کی طرف بالکل سیدھا ہو جائے، اور اس میں اور خدائے پاک میں کچھ حجاب نہ رہے، تب فی الفور ایک نورانی شعلہ اس پر نازل ہوتا ہے، اور اس کو منور کر دیتا ہے، اور اس کی تمام اندرونی غلاظت دھو ڈالتا ہے، تب وہ ایک نیا انسان

ہوجاتا ہے، اور ایک بھاری تبدیلی اس کے اندر پیدا ہوتی ہے، تب کہا جاتا ہے کہ اس شخص کو پاک زندگی حاصل ہوئی۔

اس پاک زندگی کے پانے کا مقام یہی دنیا ہے، اسی کی طرف خدائے پاک نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا ہے:

﴿من کان فی هذه اعمی فهو فی الاخرة اعمی و اضل سبیلا﴾

''جو شخص اس جہان میں اندھارہا (اور خدا کے دیکھنے کا اس کو نور نہ ملا) وہ اُس جہان (عالم آخرت) میں بھی اندھا ہی ہوگا، اور رستہ بھٹکا ہوا رہے گا''۔

جن لوگوں نے اس آیت کے معنی بیان کرنے میں اور ہی طرح کی توجیہیں بیان کی ہیں' ممکن ہے کہ وہ بھی کسی قدر صحیح ہوں، مگر اس کا موقع ومحل تو اس بات کو صاف ثابت کررہا ہے کہ خدائے پاک کے دیکھنے کا نور اسی جہان میں حاصل کرنا مفید اور نافع ہے۔ جن لوگوں نے آخرت کو ہی اپنی مشتاق آنکھوں کو اس نور الہی سے منور کرنے کا یقین کیا ہے' انھوں نے کسی حد تک اس آیت شریفہ کے معنی سمجھنے میں تامل کیا ہے۔ کیونکہ

ہر کہ روئے یار در دنیا ندید ہم بعقبےٰ اور انخواہد دید نیز

غرض خدائے پاک کے دیکھنے کے لئے انسان اسی دنیا سے حواس لے جاتا ہے، جس کو اس دنیا میں یہ حواس حاصل نہیں ہوئے اور اس کا ایمان محض قصوں اور کہانیوں تک محدود رہا، وہ ہمیشہ کی تاریکی میں پڑے گا۔

الحاصل خدائے پاک نے پاک زندگی اور حقیقی نجات حاصل کرنے کے لئے ہمیں سکھایا ہے کہ ہم بالکل خدا کے ہوجائیں، اور سچی وفاداری کے ساتھ اس کے آستانہ پر گریں، اور اس کے سوا کسی دوسرے کا دم نہ بھریں؛ اگرچہ مارے جائیں یا ٹکڑے ٹکڑے کئے جائیں یا آگ میں جلائے جائیں۔ چنانچہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ایک صحابی معاذ رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

لاتشرک باللہ ان قتلت و حرقت (مشکوٰۃ شریف)

خدا کے ساتھ شرک نہ کیجیو کر، اگر تجھے لوگ قتل کرڈالیں یا آگ میں جلادیں۔

یادرکھو! جب تک دلوں سے شرک دور نہ ہو' ایمان داخل نہیں ہوتا، جیسے کہ کسی شیشی میں نجاست بھری ہوئی ہو، جب تک نجاست نہ نکالی جائے' اس میں عطر نہیں بھرا جاسکتا، اسی طرح جب تک ہم سب سے پاک اور الگ ہوکر خدا کی ہستی پر اپنے خون سے مہر نہ لگائیں' ہم سچے

مسلمان نہیں بن سکتے۔ اسی وجہ سے خدائے پاک نے ہمارے مقدس دین کا نام اسلام رکھا، تا کہ یہ اشارہ ہو کہ ہم نے خدائے پاک کے آگے سر رکھ دیا ہے۔

یہ شہادتگہِ الفت میں قدم رکھنا ہے ۔۔۔ لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلماں ہونا

تیری اُلفت کی اگر ہو نہ حرارت دل میں ۔۔۔ آدمی کو بھی میسر نہیں انساں ہونا

دل جو برباد محبت ہوا آباد ہوا ۔۔۔ ساز تعمیر تھا اس قصر کو ویراں ہونا

حدیث شریف میں ہے کہ ''دنیا کی آگ، جہنم کی آگ سے محفوظ رہنے کے لئے ہر روز ستّر دفعہ جناب باری میں عرض کرتی ہے کہ یا رب العالمین! جس آگ سے تو نے مجھے نکالا ہے اب دوبارہ اس میں داخل نہ فرمانا۔'' دوسری روایت میں ہے کہ ''جہنم کی آگ عشق مولا کی آگ سے پناہ مانگتی ہے''۔

عشق آتشے است کہ آتشِ دوزخ غذائے اوست

حضرات صوفیاء کا فرمان

صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ نفس کی خواہشوں کا مسکن دماغ ہے، اور معرفت الٰہی اور ایمان کا مخزن قلب ہے۔ نماز کا پڑھنا عشق الٰہی کی دلیل ہے، گناہ گار انسان کا گناہ کرنا خواہش نفسانی کی دلیل ہے۔ جب کسی انسان میں دو قسم کی آگ موجود ہوگی، یعنی ایک حرص و ہوا کی آگ، دوسری عشق الٰہی کی آگ، پس جو آگ زبردست ہوگی وہی غالب آئے گی، اور یہ ظاہر ہے کہ محبت اور عشق الٰہی کی آگ زبردست ہونے کی وجہ سے خواہش کی کمزور آگ کو جلا کر فنا کردے گی، جس سے انسان پاک وصاف ہو کر مقبول بارگاہ الٰہی ہو جائے گا۔ (اُمم ارزقنا منہ)

قانون قدرت کی شہادت

قانون قدرت صاف شہادت دیتا ہے کہ خدا کی کامل اور آخری کتاب (قرآن مجید) نے پاکیزگی اور حقیقی نجات حاصل کرنے کا جو طریق سکھایا ہے، یہی طریق جسمانی عالم میں بھی پایا جاتا ہے۔ ہم روز دیکھتے ہیں کہ تمام حیوانات اور نباتات میں بُری غذا کے ملنے اور اچھی غذا کے مفقود ہونے سے بیماریاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ اور قدرت نے طریق انسداد یہی رکھا ہے کہ خوراک کے لئے صالح چیزیں میسر کی جائیں اور ردی کو بند کر دیا جائے۔ مثلاً درختوں کی طرف دیکھو کہ وہ تندرست رہنے کے لئے دو خصلتیں اپنے اندر رکھتے ہیں: ایک یہ کہ وہ اپنی جڑوں کو زمین کے

اندر دباتے چلے جاتے ہیں تا کہ الگ رہ کر خشک نہ ہو جائیں۔ دوسری یہ کہ وہ اپنی جڑوں کی نالیوں کے ذریعہ سے زمین کا پانی اپنی طرف کھینچتے ہیں، اور اس طرح پر نشو ونما پاتے رہتے ہیں۔

سو یہی اصول' قدرت نے انسان کے لئے رکھا ہے۔ یعنی وہ اس حالت میں کامیاب ہوتا ہے کہ اول صدق و ثبات کے ساتھ خدائے پاک کی یاد میں اپنے آپ کو مستحکم کرتا ہے، اور استغفار کے ساتھ اپنی جڑوں کو اس کی پاک محبت میں لگاتا ہے، اور پھر قولی اور عملی توبہ کے ساتھ اپنے معبود و محبوب حقیقی کی طرف جھکنے کے ذریعہ سے اپنے انکسار اور تذلل کی نالیوں کے ساتھ ربانی پانی اپنی طرف کھینچتا ہے۔ اور اس طرح پر پانی کو ایسا اپنی طرف متوجہ کرتا ہے کہ گناہ کی خشکی کو دھو ڈالتا اور کمزوری کو دور کر دیتا ہے۔

استغفار کی حقیقت

اسلام پاک نے استغفار کی تعلیم اسی لئے دی ہے کہ اس کے ذریعہ سے انسان خدائے محبوب کی محبت و اطاعت میں ترقی کرتا اور اس کی طرف کھنچا چلا جاتا ہے۔ استغفار کی حقیقت یہ ہے کہ انسان اپنی غلطیوں اور کمزوریوں کو یاد کر کے جناب باری میں مدد طلب کرے، کہ ان کمزوریوں کے بُرے نتائج سے محفوظ رکھ، اور آئندہ کے لئے ان کمزوریوں سے محفوظ فرما۔ اور اس کی ضرورت کیوں نہ ہو؟ جب کہ ہم دیکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے وسیع قانون اور زبردست حکم اس قسم کے ہیں کہ انسان بعض بدیوں اور کمزوریوں کی وجہ سے بڑے بڑے فضلوں سے محروم رہ جاتا ہے۔ جب انسان کوئی غلطی کرتا اور خدائے بزرگ و برتر کے کسی قانون اور حکم کی خلاف ورزی کرتا ہے۔ تو وہ غلطی اور کمزوری اس کی راہ میں ایک روک ہو جاتی ہے، اور یہ عظیم الشان فضل اور انعام سے محروم کیا جاتا ہے، اس لئے اس محرومی سے بچانے کے لئے یہ تعلیم دی کہ استغفار کرو، اور یہ تعلیم بھی خدائے کریم کا محض فضل و اکرام ہے۔

استغفار کیا ہے؟ پچھلی کمزوریوں کو؛ جو خواہ عمداً ہوں یا سہواً اور خواہ نسیان اور خطاسے، غرض ماقدّم وما اُخّر' جو نہ کرنے کا کام آگے کیا، اور جو نیک کام کرنے سے رہ گیا ہے' اپنی عمر بھر کی کمزوریوں اور خدائے پاک کی ساری نارضامندیوں کو ما اُعلم اور مالا اُعلم کے نیچے رکھ کر دعا کرے: الٰہی! میری غلطیوں کے بدنتائج اور بداثر سے مجھے محفوظ رکھ، اور آئندہ کے لئے ان غلط کاریوں سے محفوظ

فرمایا!''۔ جو لوگ محض استغفار کی تسبیحیں پڑھ لینا' اور روزانہ مقررہ تعداد کا وظیفہ کرنا ہی استغفار جانتے ہیں' انھوں نے استغفار کی حقیقت کو نہیں سمجھا ہے۔ سچا استغفار یہی ہے جو ہم نے بیان کیا ہے، اور اسی استغفار سے ایمان کی جڑیں مضبوط ہوتی اور انسان' روحانی نشو ونما پاتا ہے۔

استغفار کی تین قسمیں ہیں

قرآن کریم میں استغفار تین قسم کا آیا ہے۔ ایک تو یہ ہے کہ اپنے دل کو خدائے پاک کی محبت میں محکم کر کے گناہوں کے ظہور کو جو علیحدگی کی حالت میں جوش مارتے ہیں، خدائے پاک کے تعلق کے ساتھ روکنا اور خدائے پاک میں پیوستہ ہو کر اس سے مدد چاہنا۔ یہ استغفار تو مقربوں کا ہے، جو ایک طرفۃ العین خدائے پاک سے علیحدہ ہونا اپنی تباہی کا موجب جانتے ہیں۔ وہ اس لئے استغفار کرتے ہیں، تا خدا اپنی یاد تھامے رکھے۔ اسی لحاظ سے کہا جاتا ہے ۔

غافل از وے یک زماں' صد مرگ داں   زندگی یاد است نزد عارفاں

دوسری قسم استغفار کی یہ ہے کہ گناہ سے نکل کر خدائے پاک کی طرف بھاگنا اور کوشش کرنا، کہ جیسے درخت زمین میں لگ جاتا ہے، ایسا ہی دل خدائے پاک کی محبت کا اسیر ہو جائے، تا کہ پاک نشو ونما پا کر گناہ کی خشکی اور زوال سے بچ جائے۔ اور ان دونوں صورتوں کا نام سچا استغفار رکھا گیا ہے، کیونکہ ''غفر'' جس سے استغفار نکلا ہے، ڈھانکنے اور دبانے کو کہتے ہیں، گویا استغفار سے یہ مطلب ہے کہ خدائے پاک اس شخص کے گناہ' جو اس کی محبت میں اپنے آپ کو قائم کرتا ہے' دبا رکھے اور بشریت کی جڑیں ننگی نہ ہونے دے، بلکہ الوہیت کی چادر میں لے کر اپنی قدوسیت میں سے حصہ دے، یا اگر کوئی جڑ گناہ کے ظہور سے ننگی ہو گئی ہو پھر اس کو ڈھانک دے، اور اس کی برہنگی کے بداثر سے بچائے۔ تیسری قسم یہ ہے کہ انسان یہ سمجھتا اور ہر وقت سوچتا رہے کہ واقعی ایک قادر مطلق خدا ہے، وہ معرفت و بصیرت کی آنکھ سے اسے دیکھتا ہے، میرے تمام نیک و بد اعمال کا بدلہ و سزا دینے والا ہے۔ اس خیال یا ایمان کو زندہ رکھنے کا نام بھی استغفار ہے، اور حقیقت میں گناہوں سے بچنے کا صرف یہی ایک طریق ہے کہ انسان کو اس بات پر کامل یقین ہو جائے کہ وہ سزا جزا دیتا ہے، جب تک اس اصول پر یقین کامل نہ ہو جائے' گناہ کی زندگی پر موت وارد نہیں ہو سکتی۔ پس استغفار کرنے سے انسان اپنی کمزور فطرت کے رو سے حق رکھتا ہے کہ کسی لغزش کے وقت اگر وہ توبہ و

استغفار کرے تو خدائے رحیم کی رحمت اس کو ہلاک ہونے سے بچالے۔

سب سے بڑا عالم یا جاہل کون ہے؟

کسی باکمال بزرگ سے لوگوں نے پوچھا کہ سب سے بڑا عالم دنیا میں کون ہے؟ فرمایا: ''وہ گنہگار جو خدائے پاک سے ڈرتا اور استغفار کرتا ہے''۔ لوگوں نے پھر پوچھا کہ سب سے زیادہ جاہل کون ہے؟ فرمایا: ''وہ مطیع جو نڈر ہو''۔ واقعی بے باکی کا نتیجہ ضرور معصیت اور سختی میں ڈالتا ہے، اور ڈرتے رہنے کا پھل آخر کار نیکی اور بھلائی لاتا ہے۔ جو طاعت خودی پیدا کرے یا ریا میں ڈالے اس سے توبہ کرنی چاہئے، کیونکہ اکابران دین کا قول ہے کہ وہ گناہ جو عذر کے ساتھ ہو اس اطاعت سے بہتر ہے کہ جو خودی و تکبر کے ساتھ ہو، اسی لئے کسی بزرگ نے کیا اچھا فرمایا ہے کہ طاعت اور معصیت آفت سے خالی نہیں۔ بہت سی بندگیاں بندے کو خدائے پاک سے دور لے جاتی ہیں، اور بہت سی گناہگاریاں خدا کے نزدیک۔

بسیار بکوش اند کے داں   صد بار بکن و لے یکے داں

قصہ مختصر یہ کہ گناہ سے بچنے کا اس سے کوئی سہل علاج نہیں۔ قساوت و کدورت دل کا دور ہونا آسان نہیں۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

أربعة من الشقاوة: جمود العين و قسوة القلب و طول الامل و الحرص على الدنيا ۔ (ترغیب سندری: ص۵۹۲)

جس شخص میں چار باتیں ہیں وہ بڑا بد بخت ہے: (۱) اللہ تعالیٰ کی قدرتوں میں عبرت کی نظر نہو (۲) دل سخت ہو (۳) موت کو دور جانے (۴) دنیا کی حرص بہت ہو۔

اور حضرت ابن عمرؓ سے مرفوعاً آیا ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إن هذه القلوب تصدأ كما يصدأ الحديد اذا اصابه الماء قيل يا رسول الله و ما جلاء ها؟ قال كثرة ذكر الله و تلاوة القرآن. (مشکوٰۃ شریف)

دلوں پر بھی زنگ آجاتا ہے جس طرح پانی میں بھیگنے سے لوہے پر زنگ آجایا کرتا ہے۔ عرض کیا گیا کہ یا رسول اللہ ﷺ اس کی جلا کیا ہے؟ (یعنی اس زنگ سے دل کی صفائی کس طور پر حاصل ہو) آپ نے فرمایا: خدا کی یاد کی کثرت اور قرآن شریف کی تلاوت۔

کوئی آنکھیں رکھنے والا دیکھ سکتا' اور کان رکھنے والا سُن سکتا' اور دل رکھنے والا جان سکتا ہے، اور عقل رکھنے والا سوچ سکتا ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ مجرب اور مؤثر نسخہ قساوت قلبی کے خطرناک عارضہ کا اکسیر سے بڑھ کر کروڑوں درجہ بہتر علاج ہے، جس نے بے شمار زنگ آلودہ دلوں کو اپنی سچی تاثیر سے جلا بخشی ہے اور بخش رہا ہے۔ یہ وہ مبارک نسخہ ہے جس کو حکیم حقیقی، علیم کل کے محبوب ورسول' افضل الرسل' خاتم الانبیاء' امام الاصفیاء' حکیم روحانی' طبیب حقانی صلی اللہ علیہ وسلم نے تجویز فرما کر بے حدولاتعداد مریضوں پر استعمال کر کے ہمیشہ کے لئے اس مہلک مرض سے مخلصی دلوادی۔ یہ وہ نسخہ بے نظیر ہے، جس پر بے کھٹکے استعمال کرنے سے قیامت تک کے پیدا ہونے والے لوگ بھی شفاء حاصل کر سکتے ہیں۔ یہ وہ پاک نسخہ ہے جس پر کمزور ایمان کو تردد ہوتو ہو، مگر کامل ایمان اس کا شیدا ہے۔ کاش وہ لوگ جو اِدھر اُدھر بھٹک رہے ہیں، اور انھیں کوئی سیدھی راہ دکھائی نہیں دیتی، وہ اس مؤثر اور بے مثل نسخہ سے شفا حاصل کریں۔

پس اسلامی نماز دینی اور دنیوی ظاہری اور باطنی فوائد اور خوبیوں کی جامع ہے۔ جس انسان کو پاک زندگی' گناہ سے بے لوثی کی آرزو ہو، جس کو اپنے مولا سے تعلق پیدا کرنے کی ضرورت ہو، جس کو اپنے خالق ومالک حقیقی کی رضامندگی درکار ہو، جو اس کے قرب وصال میں آرام پانے کا خواہشمند ہو، جس کے دل میں اس کے دیدار کی سچی تڑپ ہو' وہ نماز کو اپنے اوپر لازم پکڑے۔ نماز کو اس کے ارکان وشرائط' اس کے آداب ولوازمات کا اہتمام کر کے ادا کرے اور پھر دیکھے کہ مولا رحیم وکریم کی رحمت بے غایات کس طرح اسے اپنے ظل میں لے کر محفوظ و مامون رکھتی ہے، کیونکہ نماز تلاش محبوب کی بے قراری کا عمدہ ثبوت اور ذریعہ ہے۔ بقول شخصے.....رحم اللہ قائلہٗ ؎

از نمازم نیست مطلب ، غیر جست و جوئے دوست
می روم از اشتیاق ، افتاں و خیزاں سوئے دوست

خلاصۂ کلام

پس سچ تو یہ ہے کہ جب تک ہم خود نہ مریں زندہ خدا نظر نہیں آسکتا۔ خدائے پاک کے ظہور کا وہی دن ہوتا ہے کہ جب ہمارے صدق اور اخلاص سے جھک جانے کی یہ حالت ہو کہ

اس کے سوائے کوئی چارہ نہ رہے، گویا سب مر گئے، بلکہ ہماری جسمانی زندگی پر بھی موت آجائے۔ ہم اندھے ہیں جب تک غیر کے دیکھنے سے اندھے نہ ہو جائیں۔ ہم مردہ ہیں، جب تک خدائے پاک کے ہاتھ میں مردہ کی طرح نہ ہو جائیں۔ جب ہمارا منہ ٹھیک ٹھیک اس کے محاذات میں پڑے گا' تب واقعی استقامت جو تمام نفسانی جذبات پر غالب آتی ہے، ہمیں حاصل ہوگی، اس سے پہلے نہیں۔ اور یہی وہ استقامت ہے جس سے نفسانی زندگی پر موت آجاتی ہے۔ ہماری استقامت یہ ہے، جیسا کہ وہ فرماتا ہے:

﴿بلیٰ من اسلم وجهه لله وهو محسن﴾ (البقرۃ:۱۱۲)

ترجمہ: ہاں (حقیقت یہ ہے کہ) جس نے اپنا رخ اللہ کے آگے جھکایا، اور وہ نیکوکار بھی ہو۔ یعنی قربانی کی طرح میرے آگے گردن رکھ دو۔

ایسا ہی ہم اس وقت درجۂ استقامت حاصل کریں گے کہ جب ہمارے وجود کے تمام پُرزے اور ہمارے نفس کی تمام قوتیں اسی کے کام میں لگ جائیں، اور ہماری موت اور ہماری زندگی اسی کے لئے ہو جائے، جیسا کہ وہ خود اپنے رسولؐ پاک کو اپنی حالت کی تفسیر بیان کرنے کیلئے فرماتا ہے:

﴿قل ان صلوٰتی ونسکی ومحیای ومماتی لله رب العلمین﴾ (الانعام:۱۶۲)

''کہہ کہ میری نماز اور قربانی میرا زندہ رہنا اور میرا مرنا سب خدا کیلئے ہے'' تب وہ خدا' جو ہمیشہ سے پیار کرنے والوں کے ساتھ پیار کرتا آیا ہے، اپنی رحمت کو وہ اس پر اتارتا ہے اور اپنی محبت کو عطا فرماتا ہے، اور ان دونوں محبتوں کے ملنے سے انسان کے اندر ایک نور پیدا ہوتا ہے، جس کو دنیا نہیں پہچانتی اور نہ سمجھ سکتی ہے، اور ہزاروں صدیقوں اور برگزیدوں کا اسی لئے خون ہوا ہے کہ دنیا نے ان کو نہیں پہچانا۔ غرض جب وہ نور پیدا ہوتا ہے تو اس نور کی پیدائش کے دن سے ایک زمینی شخص' آسمانی ہو جاتا ہے، وہ جو ہر ایک وجود کا مالک ہے، اس کے اندر بولتا ہے۔ اس کے دل کو جو پاک محبت سے بھرا ہوا ہے' اپنا تخت گاہ بناتا ہے، اور جب ہی سے کہ یہ شخص ایک نورانی تبدیلی پا کر ایک نیا آدمی ہو جاتا ہے، وہ اس کے لئے ایک نیا خدا ہو جاتا ہے، اور نئی عادتیں اور نئی سنتیں ظہور میں لاتا ہے۔ پس وہی انسان ہے، جو حقیقی نیکیاں جو ہر ایک قوت کے متعلق ہیں' ایسے ذوق وشوق اور حضور دل سے بجا لاتا ہے کہ گویا وہ اپنی قربانی کے آئینہ میں اپنے محبوب حقیقی کو دیکھ رہا ہے۔ اس مرتبہ میں محبت اور عشق کی نہریں ایسے طور سے جوش مارتی

ہیں، جو خدا کیلئے مرنا، اور خدا کے لئے ہزاروں دُکھ اٹھانا، اور بے آبرو ہونا، ایسا آسان ہو جاتا ہے کہ گویا ایک ہلکا سا تنکا توڑنا ہے۔ انسان خدا کی طرف کھنچا چلا جاتا ہے، اور نہیں جانتا کہ کون کھینچ رہا ہے۔ ایک غیبی ہاتھ اس کو اٹھائے پھرتا ہے، اور خدا کی مرضیوں کو پورا کرنا اس کی زندگی کا اصل اصول ٹھہر جاتا ہے۔

پس چونکہ خدائے پاک مبدء فیض ہے، اور اس کا نور ہر ایک تاریکی کے دور کرنے کے لئے ہر وقت تیار ہے، اس لئے پاک زندگی کے حاصل کرنے کے لئے۔ یہی صراط مستقیم ہے، کہ ہم اس خوفناک حالت سے ڈر کر اس چشمۂ طہارت کی طرف دونوں ہاتھ پھیلائیں، تا کہ وہ چشمہ زور سے ہماری طرف حرکت کرے اور تمام گندگی ایک دفعہ لے جائے۔ اس مقصد کو حاصل کرانے کا ذریعہ نماز ہے، جس کی وجہ سے رحمت الٰہی کا چشمہ زور سے حرکت کرتا، اور ﴿ان الصلوۃ تنھی عن الفحشاء و المنکر﴾ کے مطابق انسان کی اندرونی و بیرونی ظاہری اور باطنی نجاستوں اور گندگیوں کو دھو ڈالتا ہے، اور پاک و صاف کر کے مقبول و منظورِ الٰہی بنا دیتا ہے۔ نماز سے بڑھ کر کوئی چیز انسان کو گناہ سے پاک کرنے والی اور خدائے پاک سے ملانے والی نہیں۔

اب اس امر کا فیصلہ انصاف پسند قارئین خود کر سکتے ہیں، کہ خدا کی یاد یعنی نماز کو جس طریق سے، جس خوبی اور عمدگی سے، جس اعلیٰ درجہ کی حکمت و مصلحت کے لوازمات سے مقدس دین اسلام نے بیان کیا ہے، کیا اس کی نظیر کوئی اور مذہب اور قوم پیش نہیں کر سکتی؟ غالباً اور یقیناً انہیں انصاف یہی فتویٰ دیگا کہ ہرگز نہیں۔ ہرگز نہیں!

بس تنگ نہ کر ناصحِ ناداں مجھے اتنا
یا چل کے دکھادے دہن ایسا کمر ایسی

برادران اسلام سے بس اتنی التجا و استدعا پر اس حصہ کو ختم کیا جاتا ہے۔

مسلمانو! آؤ نمازیں پڑھیں ہم — مساجد میں جا کر جماعت سے باہم
کرو اس طریقے کو سب ملکے جاری — اقیموا الصلوٰۃ آ گیا حکمِ باری
اسی میں ہے عزت ہماری تمہاری — کہ ہو صدقِ دل سے ادا حکمِ باری

خدا سے دعا ہے بصد انکساری
خدایا نمازی ہو مخلوق ساری

تمت

مسدس در صفت نماز و فضایل و کمالات نماز

(از مولوی محمد عبد الحمید خاں صاحب، مؤلف شرح وقایہ مترجم منظوم)

مومنو مفتاح[1] جنت ہے نماز خلق پر خالق کی منت ہے نماز
اتباعِ فرض و سنت ہے نماز مسجدوں کی زیب و زینت ہے نماز
رونقِ دیں عزتِ اسلام ہے
اہلِ ایماں کا اسی سے نام ہے

اغنیا کو کانِ عظمت ہے نماز بے نوا کو خوانِ نعمت ہے نماز
متقی کو آبِ رحمت ہے نماز فلسفی کو بابِ حکمت ہے نماز
عالموں کو علم کا گنجینہ ہے
عارفوں کو معرفت کا زینہ ہے

عابدوں کو بس عبادت ہے نماز نیک بختوں کو سعادت ہے نماز
اہلِ ایماں کی شہادت ہے نماز سب مسلمانوں کی عادت ہے نماز
مومنوں کی دین ہے ایمان ہے
مسلموں کی یہ بڑی پہچان ہے

واسطے مردوں کے غیرت ہے نماز عورتوں کو سترِ عورت ہے نماز
افسروں کو شان و شہرت ہے نماز حاکموں کو فتح و نصرت ہے نماز
بادشاہوں کے لئے یہ تاج ہے
عاشقوں کے واسطے معراج ہے

---

[1] اس حدیث شریف کی طرف اشارہ ہے: مفتاح الجنة الصلوة یعنے نماز جنت کی کنجی ہے۔ مؤلف

اہلِ ظاہر کو شریعت ہے نماز اہلِ باطن کو طریقت ہے نماز
اہلِ دنیا کو نصیحت ہے نماز اہلِ مولیٰ کو حقیقت ہے نماز

سب مریدوں کے لئے یہ پیر ہے
مرشدوں کے واسطے اکسیر ہے

کعبۂ دیں کی عمارت ہے نماز باغِ رضواں کی زیارت ہے نماز
خبثِ باطن کی طہارت ہے نماز طالبِ حق کی بشارت ہے نماز

حاجیوں کو حجِ بیت اللہ ہے
راہ گیروں کو یہ سیدھی راہ ہے

مخزنِ آیاتِ قرآں ہے نماز معدنِ کلماتِ سبحاں ہے نماز
مومنوں کو دین و ایماں ہے نماز حشر کے دن نور و برہاں ہے نماز

مجمع الاوراد والاذکار ہے
منبع الانوار والاسرار ہے

دیں شعاروں کی کمائی ہے نماز دین و دنیا کی بھلائی ہے نماز
ذکر و فکرِ کبریائی ہے نماز سچ ہے محبوبِ خدائی ہے نماز

زائرانِ فرش کی رہبر ہے یہ
طائرانِ عرش کی شہپر ہے یہ

وقتِ آخر کام آتی ہے نماز مکرِ شیطاں سے بچاتی ہے نماز
کلمۂ طیب پڑھاتی ہے نماز خاتمہ بالخیر لاتی ہے نماز

یہ محافظ دین اور ایماں کی ہے
تازیانہ نفس اور شیطاں کی ہے

سایۂ حق روزِ محشر ہے نماز تشنہ لب کو آبِ کوثر ہے نماز

قبر میں حامی ویاور ہے نماز اور بُراق و بَرق، پُل پر ہے نماز

بے کسوں کی ہر جگہ یہ یار ہے

عاصیوں کا اس سے بیڑا پار ہے

مانعِ فحشاء و منکر ہے نماز دافعِ ہر فتنہ و شر ہے نماز

قامعِ بدعاتِ ابتر ہے نماز جامعِ برکاتِ اکثر ہے نماز

زنگِ دل کے واسطے صیقل ہے یہ

کورِ باطن کے لئے مشعل ہے یہ

نورِ ایماں سے منور ہے نماز عطرِ عرفاں سے معطر ہے نماز

آسمانِ دیں کی اختر ہے نماز سارے اعمالوں سے بہتر ہے نماز

دیں شعاروں کے لئے یہ دین ہے

اہلِ دنیا کو یہ خوش آئین ہے

روزِ اول سے مقدر ہے نماز فرض ہر جن و بشر پر ہے نماز

پنجگانہ جو مقرر ہے نماز شربتِ قندِ مکرر ہے نماز

دل کو یہ مرغوب اور محبوب ہے

باعثِ تسکینِ خاطر خوب ہے

قرّۃ العینِ پیمبر ہے نماز درد و سوز و جانِ حیدر ہے نماز

قبلۂ آلِ مطہر ہے نماز کعبۂ اصحابِ سرور ہے نماز

شیوۂ ابرار والاخیار ہے

سُرمۂ چشمِ اولی الابصار ہے

جائے سر گوشئ داور ہے نماز مطلعِ خورشیدِ خاور ہے نماز

جلوہ گاہِ روئے دلبر ہے نماز محرمِ اللہ اکبر ہے نماز

سالکوں کو منزلِ مقصود ہے
عارفوں کو محفلِ معبود ہے

چاہئے اخلاص بہر ہر نماز — پڑھ حضورِ دل سے تو اکثر نماز
دھیان رکھ اس بات کا اندر نماز — دیکھتا ہے خالقِ برتر نماز

جو نماز اس طور پر معمول ہے
وہ نماز اللہ کو مقبول ہے

کیا کہوں رکھتی ہے کیا درجے نماز — پُر ہے بالکل یُمن و برکت سے نماز
سارے دردوں کی دوا بخشے نماز — سوچ اپنے دل میں کچھ اے بے نماز

خوبیوں سے اس کی جگ آگاہ ہے
حق تو یہ ہے رحمتِ اللہ ہے

☆

نظم در حُسن وخوبی نماز

ازمولوی محمد حسین صاحب فقیرؔ (دھلوی)

خالق نے کیا بنائی ہے نورِ نظر نماز — اندھیر تھا جہاں میں نہ ہوتی اگر نماز
پڑھتے ہیں خوفِ حق سے جو باچشم تر نماز — ان کے لئے بجھائے گی نارِ سقر نماز
سوئیں گے قبر میں وہی آرام سے یہاں — پڑھتے ہیں نیند چھوڑ جو وقتِ سحر نماز
رہتی ہے جن کو فکر نمازوں کی رات دن — گویا وہ پڑھتے رہتے ہیں آٹھوں پہر نماز
وہ کونسی ادا ہے جو ہوتی ادا نہیں — بے دینوں سے ادا نہیں ہوتی مگر نماز
کانوں میں بس اذان واقامت تو ہوچکی — باقی رہی فقط تری اے بے خبر نماز
تھوڑی سی زندگی پہ تو غافل ہے کسقدر — آجائے گی قضا تو قضا' اب نہ کر نماز

اے بے نمازو! سنگدلو! سر جھکاؤ تم
دیکھو تو پھر دکھاتی ہے کیا کیا اثر نماز

مرتا ہے بے نماز تو تم اے نمازیو!
پڑھتے ہو کیوں جنازۂ ناپاک پر نماز

جن کو یہاں نماز کا ڈر ہے تو کیا عجب
ان سے اُٹھائے حشر کا خوف و خطر نماز

سرسبز اس نہال کو آبِ وضو سے رکھ
لائے گی پھر تو میوۂ جنت ثمر نماز

اس کے لئے بنائے گی یہ گھر بہشت میں
دنیا میں جن کے دل میں بناتی ہے گھر نماز

حاضر ہو تو نماز میں رکھ دل کو اے فقیر
کچھ تو سمجھ کہ تو ہے کہاں اور کدھر نماز

نظم بر ترغیب نماز

(از مولوی محمد یعقوب صاحب تخلص شوق)

دنیا میں سب طریق سے بہتر نماز ہے
ہر کاروبار خلق کا افسر نماز ہے

قرآن میں ہے حکم اقیموا الصلوٰۃ کا
فرضِ خدا اے مومنو! ہم پر نماز ہے

کہنا یہ عندلیبِ مصلے کا ہے درست
گلزارِ خلد کا گلِ خوشتر نماز ہے

کہتا ہے اپنا کعبۂ دل صدق آشنا
جلوہ فزائے مسجد و منبر نماز ہے

دیدارِ کبریا کا نہ کیونکر حصول ہو
معراج مومنوں کی مقرر نماز ہے

علمِ نماز کو ہے ہر اک علم پر شرف
تعلیمِ دستِ پیر و پیمبرؐ نماز ہے

کافر کو تیغ نام سے ہے اس کے جانکنی
نیچر منش کے واسطے خنجر نماز ہے

ہے حدیث[1] قبلہ مصلّی کے درمیان
جلوہ نمائے خالقِ اکبر نماز ہے

کرتی ہے داغہائے معاصی کو پاک و صاف
آبِ صفائے چشمۂ کوثر نماز ہے

اے رہروانِ راہِ ضلالت سنو!
راہِ نجات کے لئے رہبر نماز ہے

---

[1] اس حدیث شریف کی طرف اشارہ ہے: ان العبد اذا قام إلی الصلوٰۃ فإنّما هُوَ بین یدی الرحمٰن الخ. یعنی جب کوئی بندہ نماز کے لئے کھڑا ہوتا ہے، تو وہ فوراً رب العزت کی حضوری میں پہنچتا ہے۔ مؤلف۔

ملعون دو جہاں میں رہے تارک الصلوٰۃ　خوشنودئ خدا و پیمبرؐ نماز ہے
ہے روشنئ ظلمت قبر اور رفیقِ حشر　ہے یہ خبر معاونِ محشر نماز ہے
طبقاتِ نور ہوتے ہیں جس نام پر نثار　سمجھو یہی وہ کنزِ منور نماز ہے
اسلام اور کفر میں کرتی ہے امتیاز　آئینہ حق نمائی کا جو ہر نماز ہے
دل کا سرور اور یہی ایماں کا نور ہے　انوار و انبساط کا دفتر نماز ہے
مبہوت بُت پرست زمانہ میں دیکھ کر　کیا خوشنما و پاکیزہ منظر نماز ہے
پہنیں گے عاشقانِ رسولؐ خدا نہ کیوں　معشوقِ کبریا کا جو زیور نماز ہے

کیا ہو بیان اس کی طہارت کا اے شفیقؔ
طاہر نمازی اور مطہر نماز ہے

نظم در فضیلتِ نماز

برتر عبادتوں میں عبادت نماز ہے　بہتر اطاعتوں میں اطاعت نماز ہے
حشمت، نماز، شوکت و رفعت نماز ہے　نامِ خدا کہ دین کی دولت نماز ہے
چکھیں گے بے نماز نہ فردوس کی شراب　کوثر نماز روضۂ جنت نماز ہے
پوچھو تو دشمن احدی ہے وہ بے نماز　اللہ اور نبی کی محبت نماز ہے
ہوگی نمازیوں کو نہ تکلیف مرتے دم　تلخئ مرگ کے لئے شربت نماز ہے
ڈر شام مرگ سے ہے نہ ظلمت سے قبر کی　خورشیدِ صبح، مشعلِ تربت نماز ہے
رحمت سے حق کی دُور ہو کیوں؟ بے نمازیو!　بندوں پہ کردگار کی رحمت نماز ہے
پڑھتے نہیں نماز مسلمان کیسے ہو؟　اے مومنو! نجات کی صورت نماز ہے
جس طرح سے حسینؓ کو شوقِ نماز تھا　بھولے نہ وقتِ قتل وہ نعمت، نماز ہے

جاں کندنی کے وقت کا کیا خوف ہو اُسے
اے عجزؔ جس کے واسطے رحمت نماز ہے

فہرست موجودہ مطبوعات مجلس اشاعت العلوم جامعہ نظامیہ حیدرآباد

تالیفات حضرت شیخ الاسلام مولانا حافظ محمد انوار اللہ فاروقی علیہ الرحمۃ بانی جامعہ نظامیہ

فہرست کتب	قیمت
۱ مقاصد الاسلام مکمل سیٹ	۶۵۰ روپے
۲ حقیقۃ الفقہ، حصہ اول و دوم۔ محدثین وفقہاء کے فرائض منصبی، حدیث، فقہ واجتہاد پر مدلل بحث	۶۰ روپے
۳ انوار احمدی، نبی کریم ﷺ کے فضائل ومناقب	۲۰۰ روپے
۴ انوار الحق، مرزا غلام احمد قادیانی کے رد میں	۸۰ روپے
۵ الکلام المرفوع حدیث موضوع کا بیان (بزبان عربی)	۳۰ روپے
۶ الکلام المرفوع حدیث موضوع کا بیان (بزبان اردو)	زیر طبع
۷ کتاب العقل، عقل کی حقیقت کہاں تک دینی ابواب میں چل سکتی ہے حکمت قدیمہ وجدیدہ کا بیان	زیر طبع
۸ شمیم الانوار (فارسی کلام منظوم)	۱۰ روپے
۹ خلق افعال	زیر طبع
۱۰ خدا کی قدرت	۵ روپے
۱۱ انوار اللہ الودود	زیر طبع
۱۲ افادۃ الافہام حصہ اول ودوم مرزا غلام احمد قادیانی کی ازالۃ الاوہام کا جواب	زیر طبع
۱۳ انوار التمجید (بزبان عربی)	زیر طبع
۱۴ نثر المرجان فی رسم نظم خط القرآن حصہ اول تا ہفتم (عربی) قرآن کے رسم خط نظم قرآن واختلاف قواعد تجوید کا بیان مکمل سیٹ تالیف مولانا محمد غوث نائطی ارکاٹی علیہ الرحمۃ	۴۰۰ روپے
۱۵ روح الایمان فی آیات تشریح القرآن مولفہ مولوی فتح الدین از برخوشالی	۲۰ روپے
۱۶ شعائر اللہ فی فضائل شعر رسول اللہؐ موئے مبارک آنحضرت ﷺ کی فضلیت	۳۰ روپے
۱۷ حیاۃ الانبیاء ترجمہ انباء الاذکیاء، مولفہ مولوی حفیظ اللہ خاں علیہ الرحمۃ	۱۵ روپے
۱۸ مکارم الحفظۃ، مولفہ مولوی حفیظ اللہ خاں علیہ الرحمۃ حفاظ قرآن کے آداب وفضائل	۲۰ روپے
۱۹ شرح الحجب و الاستار (عربی) مولفہ علامہ روزبھان فن تصوف کا ایک بے نظیر رسالہ	۵ روپے
۲۰ مرجع غیب، مولفہ مولانا سید غوث الدین قادری، علم غیب کی بحث	زیر طبع
۲۱ القول الاظہر، مولفہ مولوی معین الدین علیہ الرحمۃ	۱۵ روپے
۲۲ فتاوی نظامیہ، مولانا محمد رکن الدین علیہ الرحمۃ مفتی اول جامعہ نظامیہ	۲۰۰ روپے
۲۳ سلام الاسلام، مولفہ مولوی کاظم حسین شیفتہ نقوی کنتوری	۱۵ روپے
۲۴ فتاوی لبس حریر وابریشم	۵ روپے
۲۵ معجم المصنفین، حصہ اول تا چہارم (عربی) جملہ علوم وفنون، ائمہ اربعہ کی سوانح عمری	۱۰۰ روپے
۲۶ مختارات الادب (عربی) زیدان بدران	۸۰ روپے

۲۷ نصاب اہل خدمات شرعیہ (اردو) مرتبہ مولانا قاضی غلام محی الدین قاضی گھن پورہ	۷۰ روپے
۲۸ زکواۃ (انگریزی)	۵ روپے
۲۹ صلوۃ الرسول (مدلل)	۱۵ روپے
۳۰ فتنہ وہابیت حضرت شیخ الاسلام بانی جامعہ نظامیہ	۱۵ روپے
۳۱ حقیقت فاتحہ، مولفہ حضرت مولانا مفتی محمد عبدالحمید صاحب علیہ الرحمۃ	۱۵ روپے
۳۲ بینک انٹرسٹ (فتوی جامعہ نظامیہ) تفصیل وتشریح از مفکر اسلام مفتی خلیل احمد صاحب شیخ الجامعہ	۱۵ روپے
۳۳ مقالات مفکر الاسلام از مفکر اسلام مفتی خلیل احمد صاحب شیخ الجامعہ	زیر طبع
۳۴ اہل خدمات شرعیہ (اول تا ششم) ترجمہ انگریزی از مولوی سید احمد علی صاحب معتمد جامعہ	۱۵۰ روپے
۳۵ الوسیلۃ العظمی، ترجمہ الدرر السنیۃ فی الرد علی الوھابیۃ	زیر طبع
۳۶ تصرف خیر المرسلین از مولانا حافظ سید ضیاء الدین صاحب نائب شیخ الفقہ جامعہ نظامیہ	۲۰ روپے
۳۷ انوار قواعد (برائے فارسی زبان) مرتبہ مولوی حافظ اسماعیل الہاشمی معلم فارسی جامعہ	۲۰ روپے
۳۸ معراج النبی ﷺ	۱۵ روپے
۳۹ متبرک شب وروز (مدلل)	۱۵ روپے
۴۰ عمران القلوب، مولفہ مولانا محمد معوان حسین صاحب علیہ الرحمۃ	۶۰ روپے
۴۱ اسلامی آداب (قرآن وحدیث کی روشنی میں)	زیر طبع
۴۲ الحجۃ البازغہ (عربی) مولفہ مولوی برکات احمد حکماء ٹونکی کا استدلال صورت جسمیہ پر	۱۲ روپے
۵۳ حمایت الصلوۃ اول و دوم مولانا محمد علیم الدین صاحب	۲۰۰ روپے
۵۴ امام اعظم امام المحدثین مولانا محمد خواجہ شریف صاحب شیخ الحدیث جامعہ نظامیہ	۵۰ روپے
۵۵ اردو شعروادب کے فروغ میں علماء جامعہ نظامیہ کا حصہ مولف مولانا محمد فصیح الدین صاحب	۶۰ روپے
۵۶ مجموعہ مقالات العربیۃ ڈاکٹر مولانا محمد سلطان محی الدین صاحب	۵۰ روپے
۵۷ العروۃ الوثقی (عربی) رویت فضائل رویت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم	۲۰ روپے
۵۸ حضرت مولانا محمد انوار اللہ فاروقی نور اللہ مرقدہ شخصیت علمی وادبی کارنامے مصنف ڈاکٹر کے محمد عبدالحمید اکبر صاحب	۱۰۰ روپے

مجلس اشاعت العلوم کے طباعتی پروگرام ارکان کی امداد اور اہل خیر کے عطیات سے تکمیل پاتے ہیں۔ علم دوست اصحاب سے خواہش کی جاتی ہے وہ مجلس اشاعت العلوم کی کم از کم پانچ سو روپے کی رکنیت قبول فرمائیں ارکان کو مجلس اشاعت العلوم کی جدید مطبوعات اصلی لاگت پر اور قدیم مطبوعات ۳۳ فیصد رعایت کے ساتھ دی جاتی ہیں مجلس اشاعت العلوم کی تمام مطبوعات دفتر مجلس اشاعت العلوم جامعہ نظامیہ سے دس تا چار ساعت دن حاصل کی جاسکتی ہیں۔ نیز چار مینار چوک وگلزار حوض کے تاجرین کتب کے پاس بھی دستیاب ہیں۔ گلبرگہ شریف میں مکتبہ رفاہ عام درگاہ شریف بندہ نواز سے حاصل کی جاسکتی ہیں۔

اضلاع کے حضرات بذریعہ وی پی کتب طلب فرماسکتے ہیں۔ مزید تفصیلات مولانا حافظ محمد عبید اللہ فہیم صاحب قادری ملتانی شریک معتمد مجلس اشاعت العلوم سے فون نمبر 2441684 پر حاصل کی جاسکتی ہیں۔

اعــــلان

شیخ الاسلام حضرت مولانا **حافظ محمد انوار اللہ فاروقی** قدس سرہ العزیز نے ۱۲۹۲ھ میں علوم اسلامیہ کی اشاعت ودین مبین کی حفاظت کے لئے جامعہ نظامیہ کو قائم فرمایا۔ الحمد للہ اپنے قیام سے تا حال جامعہ نظامیہ علم دین کی تعلیم و اشاعت میں مصروف ہے۔اس مرکزی علمی درسگاہ سے لاکھوں طالبان علم فیض یاب ہوئے اور انشاء اللہ العزیز تا قیام قیامت اس کا علمی فیض جاری رہے گا۔شیخ الاسلام علیہ الرحمۃ نے جامعہ نظامیہ کے قیام کے بعد ۱۳۳۰ھ میں علوم اسلامیہ کی مفید و نادر تحقیقی اصلاحی اور معلومات آفریں کتب کی اشاعت کے لئے ایک ادارہ بنام "مجلس اشاعت العلوم" قائم فرمایا۔ **مجلس اشاعت العلوم جامعہ نظامیہ** نے تفسیر، حدیث، فقہ، کلام، تصوف، فلسفہ اسلام، تاریخ وسیرت، اخلاق وفضائل، معجزات وکرامات، استعانت، ردوہابیت، ردقادیانیت، زیارت قبور، علم غیب، طبقات اولیاء، میلاد مبارک، رویت الٰہی، وحی، عشق ومحبت، سماع موتی، ندا، جواز قیام، وسیلہ، معراج مبارک وغیرہ جیسے اہم مسائل پر شیخ الاسلام بانی جامعہ نظامیہ علیہ الرحمۃ ودیگر علمائے اعلام کی مدلل وعمدہ تصانیف شائع کی ہیں جن کا مطالعہ ایمان ویقین اور عمل میں پختگی کا باعث ہے۔ نیز **شعبہ تحقیقات اسلامیہ جامعہ نظامیہ** سے تنقیح وتصحیح کے بعد **اصحاب اہل خدمات شرعیہ** کو بزبان اُردو وانگریزی شائع کیا گیا۔ جو معتبر فقہی کتب سے ماخوذ اور عقائد اہل سنت والجماعت کے مطابق ہے۔اس کتاب کا ہر گھر میں رہنا ضروری ہے۔اسی طرح الکلام المرفوع کو عربی زبان میں شائع کیا گیا۔نیز محدث دکن ابوالحسنات حضرت سید عبداللہ شاہ نقشبندیؒ کی مشکوۃ شریف کے طرز پر فقہ حنفی کے احادیث شریفہ کی معرکۃ الاراء عظیم کتاب زجاجۃ المصابیح کا ترجمہ بنام نور المصابیح شائع کیا گیا۔ ثروۃ القاری من انوار البخاری کو شائع کیا گیا اور اب **حمایت الصلوٰۃ** کو شائع کیا جارہا ہے۔

اطــــلاع

مجلس اشاعت العلوم کے طباعتی پروگرام، ارکان کی امداد اور اہل خیر اصحاب کے عطیات سے تکمیل پاتے ہیں علم دوست اصحاب سے خواہش کی جاتی ہے کہ مجلس اشاعت العلوم کی -/1000 روپے کی رکنیت قبول فرمائیں۔ اراکین کو مجلس اشاعت العلوم کی جدید مطبوعات اصل لاگت پر اور قدیم مطبوعات ۳۳ فیصد رعایت کے ساتھ دی جاتی ہیں۔مجلس اشاعت العلوم کی تمام مطبوعات دفتر **مجلس اشاعت العلوم جامعہ نظامیہ** شبلی گنج حیدرآباد سے 10 تا 4 ساعت دن حاصل کی جاسکتی ہیں۔نیز دکن ٹریڈرس مغلپورہ، چارمینار و چوک، گلزار حوض اور مکتبہ رفاہ عام گلبرگہ سے بھی کتب حاصل کی جاسکتی ہیں مزید تفصیلات مولانا حافظ محمد عبیداللہ فہیم صاحب قادری الملتانی شریک معتمد مجلس اشاعت العلوم سے فون نمبر 24416847 پر حاصل کی جاسکتی ہیں۔

المعلن

محمد خواجہ شریف

شیخ الحدیث جامعہ نظامیہ و معتمد مجلس اشاعت العلوم۔رجسٹر ۱۰۵۹ڈ

Printed at : Abul Wafa Al-Afghani Offset Printing Press JAMIA NIZAMIA, Hyd-Ph : 24416847